اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے

ضرورت چاہتی تھی کہ بمقابلہ سائنس اور فلسفۂ حال اسلام اور قرآن کے اصول نظریات و عملیات (خدا تعالیٰ کی ذات و صفات۔ فرشتہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہکر بغیر تناسخ ایک دوسرے عالم میں جزا و سزا پانا۔ ثواب عذاب قبر جنت و دوزخ۔ نبوت و الہام۔ نبی کی روحانی قوت معجزہ وغیرہ) کو براہین سے ثابت کر کے جملہ شکوک و شبہات کا رد کر دیا جاوے۔ اور جملہ مذاہب کا اصلی حال بیان کر کے ان کے باطل یا ناکافی مسائل سے ثابت کر دیا جاوے کہ وہ مذہب جو انسان کو جاودانی زندگی کا رستہ بتاتا ہے وہ صرف اسلام ہی ہے۔ اور جسقدر قرآن اور نبی علیہ السلام و اصول و مسائل اسلامیہ پر مخالفوں نے اعتراضات کر کے اسلام کی روشنی پر پردہ ڈالا ہے اسکو جواب تحقیقی و الزامی دیکر اٹھا دیا جاوے۔ للہ الحمد کہ ایسی کتاب جو ان سب باتوں کو حاوی اور زمانہ حال کی ضرورتوں کو کافی ہو

البیان فی علوم القرآن

۱۳۲۴

اسکے مصنف مولنا مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی نے اس کتاب میں قرآن کے علوم اور انکے طرز بیان اور دلکش انداز کی تشریح کرتے ہوئے فصاحت بلاغت مجاز استعارہ۔ کنایہ۔ تشبیہ۔ تمثیل وغیرہ امور پر بھی محققانہ بحث کر کے بہت سے اعتراضات کو تو سرے سے ہی اڑا دیا۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ معترض نے اصل مقصد کو سمجھا ہی نہیں اور پھر مصطلحات قرآنیہ او ناسخ و منسوخ۔ اختلاف قرأت۔ حذف ابدال۔ شان نزول۔ قرآن کی جمع و ترتیب محکم و متشابہ تفسیر و تاویل وغیرہ امور پر بھی بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ اور مفسرین اور قراء کے طبقات بھی بیان کر کے ناواقفوں کو تنبیہ کر دیا ہے کہ ہر تفسیر اسلامیوں کے نزدیک معتبر نہیں نہ ہر ایک رطب و یابس روایت جو مخالفین کا سرمایۂ اعتراض ہے۔

بعہد ہمایوں حامی اسلام معین القرآن شاہ دکن اعلیحضرت حضور پرنور آصفجاہ میر محبوب علی خان بہادر خلد اللہ ملکہ

باہتمام خاکسار حافظ محمد عبدالستار بیگ

در مطبع تحفۂ ہند دہلی طبع شد

تعداد جلد ۱۰۵۰ (جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں) قیمت پختہ ۔ صہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا فسبحان من بعث من عبادہ رسولا ھادیا للناس الی الحق وجعلہ سراجا وھاجا وقمرا منیرا ہ وصلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ وعلی آلہ واصحابہ الناشرین لدینہ وکلامہ المتمسکین باھدابہ الناصرین لسنتہ وکتابہ

امابعد۔ قرآن خدا کا وہ نور ہے جو دنیا کو جبکہ وہ اندھیریوں میں سراسیمہ ہو رہی تھی۔ روشن کرنے کے لیئے فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا اور آفتاب عالمتاب کی طرح سے روشن ہوتا گیا جسنے تھوڑے سے زمانہ میں دنیا کو مشرق سے مغرب تک روشن کر دیا یہ مکہ کی خشک پہاڑیوں سے چشمۂ رحمت جاری ہوا کہ جس نے عالم کو بہت جلد سیراب کر دیا جسکی رکاوٹ اور بھی اسکے چاروں طرف پھیٹ کر بہنے کا سبب ہوتی گئی کسیکا کوئی بھی حجاب اِس آفتاب کی شعاعوں کو مانع نہ آسکا اسنے انسان کو خدائے غیر محسوس کا ایسا وجود مستقل ثابت کر دکھایا کہ جسکی نہ ابتدا ہے

نہ انتہا ہے جو نہ کسی شکل میں محدود ہے نہ کسی مکان میں محصور ہے جو فنا اور زوال اور حدوث کے جملہ دھبّوں سے پاک ہے جو جملہ کمالات کا سرچشمہ ہے اسپر جمیع اسباب کا سلسلہ تمام ہوتا ہے وہ نہ صرف انہیں چیزونکا خالق و مالک ہے جو انسانی حواس سے محسوس ہیں بلکہ جہانتک اسکا ادراک اِس مکدر اور کثیف عالم سے ترقی کر جائے اور عالم مجردات اور لطائف تک اسکی چشم پر نور دیکھنے لگے اِنکا بھی وہی خالق اور مالک ہے۔ بلکہ جہانتک اسکے ادراک عقل و کشفی کا طائر تیز پرواز بھی نہ اڑ کر جا سکے انکا بھی وہی خالق و مالک ہے عالم کے جملہ تغیرات اسیکے زبردست ہاتھ کا کام ہے موجودات میں سے کوئی بھی اسکی خدائی میں شریک اور حصہ دار نہیں بلکہ کسیکا وجود بھی وجود اصلی نہیں ہے اِس کتاب مبین نے انسان کے لیئے سعادت دارین کی راہیں بتائیں اسی نے اِسکی قوت نظریہ اور عملیہ کی تکمیل کر دی عقلی ادراک اور سائنس کے اغلاط جو اسکی ضعف ادراک اور اوہام کی آمیزش سے پیدا ہوتے ہیں واضح کر دیئے عالم کی ابتدا اور انتہا اور اسکی پیدائش اور ظہور تدریجی کا نقشہ سامنے رکھدیا انسان کو اسکے سفر وجودی کے منازل کہ یہ کہانسے آیا ہے اور کہاں جائیگا اور اسکو مقام اصلی کے لیے اِس عالم میں کیا کیا کرنا چاہیئے۔ صاف صاف بتا دیئے تہذیب اخلاق تدبیر المنزل سیاست مدن کے علوم بھی اوسنے سکھا دیئے اور سنے انسانکو اپنی خدائی مہربان سے محبت اور عشقبازی کے دستورات اور اسرار بھی تعلیم فرمائے۔ انسان جو پیکر جسمانی کے سبب حیوانوں جیسی زندگی لہو لعب شہوات و لذات کو پسند کرتا ہے اور اوسی پیکر جسمانی کی وجہسے ابتدا ئاً اسکا ادراک بھی نہایت ہی محدود رہتا ہے وہ عالم مکدر کی چیزوں کا ادراک حواس خمسہ سے کرنا ہی جانتا ہے اِس کتاب مقدس نے اوسکو پاکیزہ زندگانی کرنی بھی سکھا دی اور اوسکی ادراک محدود میں بھی ایک وسیع ترقی پیدا کر دی جس کتاب کی نسبت یہی اقرار کرتے

بن آتی ہے ؎

لا یدرک الواصف المطری خصائصہ ٭ وان یکن سابقا فی کل ما وصف ٭

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

یہ کتاب مقدس اپنی آپ تفسیر ہے اسکے مطالب میں کچھہ بھی ایچ پیچ نہیں کہ جنکو بجز اشخاص معدودہ کے اور کوئی نہیں جانتا ہو بلکہ ہر ایک زباں داں عالم و جاہل علی قدر استعداد و فہم سمجھہ سکتا ہے لیکن (۱) جو لوگ زبان نہیں جانتے وہ تفسیر اور ترجمہ کے محتاج ہیں (۲) اسیطرح اہل زبان بھی بعض مطالب عالیہ کو جو عبارت کی تہ میں مستور ہیں یا عہد نزول قرآن کے معاملات کہ جنکی طرف الفاظ میں اشارے ہیں۔ یا عبارت کے الفاظ میں تقید و اطلاق عموم و خصوص استعارات و کنایات و مجاز و تشبیہات ہیں انکو بغیر کسی ماہر کے بتائے عمدہ طرح سے نہیں سمجھہ سکتے اس لیئے خود پیغمبر علیہ السلام نے بھی آیات کی تفسیر بیان فرمائی اور آپکے بعد صحابہ و اہل بیت نے اور ان کے بعد انکے فیض یافتوں نے بھی تفاسیر بیان کیں اور ہر یوماً فیوماً جسقدر دقتیں اور ضرورتیں پیش آتی گئیں تفاسیر لکھنی شروع ہوتی گئیں جنکی تعداد ہزاروں تک پہونچی جنمیں معتبر بھی ہیں اور نامعتبر بھی ہیں اور عدم اعتبار یا فنون روایت و درایت اور علوم عربیہ کے ناواقفیت کے سبب سے ہے یا عمداً خیالات فاسدہ کی قلعی چڑہانے اور آیات کے اصلی مطالب کو اولٹ پلیٹ کر دینے سے ہے۔

اس زمانہ میں توفیق الہی نے مجھہ ناچیز کو بھی زمانہ کی ضرورتوں کا احساس کرا کے تفسیر لکھنے پر مامور فرمایا۔ بحمد اللہ تفسیر مکمل ہو کر ہدیہ ناظرین ہوئی اور زمانہ نے اپنی ضرورتوں کا کافی چارہ گر سمجھہ کر ہاتھوں ہاتھ اٹھایا اور آنکھوں لگایا اب ۱۳۲۲ھ میں دردمندان اسلام نے یہ مناسب جانا کہ اسکا انگریزی وغیرہ مغربی اور مشرقی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اسلیئے ان کے مذاق کے موافق مجھے مقدمہ تفسیر کی

ترتیب بدلنی اور بعض بعض مضامین کو کم وبیش کرنے کی ضرورت ہوئی اور اس ترتیب جدید کے لحاظ سے اسکا نام اَلْبَیَان فِی عُلُوم الْقُرْاٰن نہایت موزوں اور مناسب خیال کیا گیا۔

اس کتاب میں وہ امور بیان ہونگے کہ جنکو مطالب ومضامین قرآنیہ سے نہایت تعلق ہے اور اسمیں ایک مقدمہ اور تین باب ہیں ۞

مُقَدَّمَہ

فصل اوّل یہ امر بدیہی ہے کہ انسان کا ادراک کئی طرح سے ہے اوّل ادراک حسّی کہ وہ اپنے حواس خمسہ سے ادراک کیا کرتا ہے آنکھہ سے دیکھتا کانوں سے سنتا ہے زبان سے چکھتا ناک سے سونگھتا ہے یہ چار قوتیں چار اعضا میں قدرت نے رکھدی ہیں جنکے ذریعہ سے اسکو علم حاصل ہوتا ہے۔ ہاتوں سے ٹٹولتا ہے یہ قوت لامسہ انسان کی تمام جلد میں ہے البتہ ہاتوں میں اور پہر انگلیوں میں زیادہ تر ہے اِن پانچ قوتوں کے ذریعہ سے جو کچہہ انسان جانتا ہے وہ اسکا علم یقینی ہے جسکی اثبات پر جملہ عقلا متفق ہیں مگر حکما میں سے ایک فریق سوفسطائی اس علم کو بھی یقینی نہیں کہتا۔ وہ آنکھہ سے دیکھی ہوئی کان سے سنی ہوئی ناک سے سونگھی ہوئی زبان سے چکھی ہوئی ہاتوں سے ٹٹولی ہوئی چیزوں میں بھی شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِن حواس کے ادراک میں بارہا مغالطہ ہو جاتا ہے چھوٹی چیز بڑی اور بڑی چھوٹی اور ایک کی دو دکھائی دیا کرتی ہیں کبھی تمام چیزیں سرخ کبھی سبز کبھی زرد دکھائی دینے لگتی ہیں حالانکہ سب ایک رنگ کی نہیں ہوتی ہیں۔ اسیطرح ذائقہ کی غلطیاں ہیں کبھی تمام چیزیں تلخ اور کبھی شیریں معلوم ہوا کرتی ہیں حالانکہ

سبکا ایک مزا نہیں ہوتا پھر کونسے حس کا اعتبار کیا جائے اور کسکو یقینی قرار دیا جائے
یہ عالم خیال ہے کسی چیز کی بھی کوئی اصلیت نہیں۔ انکا **جواب** یہ ہے کہ حواس کا
مغالطہ حواس کے خلل پذیر ہونے سے ہوا کرتا ہے سلامتی حواس کے وقت یہ مغالطہ
نہیں ہوتا آخر تم بھی تو کہتے ہو کہ موٹی چیز نہیں اور شیریں تلخ اور سفید زرد معلوم ہوا
کرتی ہے اگر حواس کے ادراک پر تمہارا یقین نہیں تو تمکو کیونکر معلوم ہوا کہ وہ چیز
موٹی تھی اور وہ شیریں اور وہ زرد تھی جو ہمیں چھوٹی اور تلخ اور زرد دکھائی دی۔
آگ اور پانی دراصل دو چیزیں جداگانہ ہیں دونوں کی دو حقیقت متمائزہ ہیں جن کے
آثار و خواص تبا رہے ہیں کہ یہ وہمی اور خیالی نہیں علوم حسیہ اور عالم محسوسات کی
بابت یہ چند ابحاث ہیں جنکا بیان کرنا اس مقام پر نہایت ضروری اور بہت ہی مفید ہے
(۱) اِن حواس خمسہ ظاہرہ کی حقیقت میں جو حکماء نے غور و فکر کی تو باہم بہت
کچھ اختلاف پیدا ہوا مثلاً آنکھہ سے جو چیزیں دکھائی دیتی ہیں اسکی متعدد وجہ
بیان ہوئی ہیں **بعض** کہتے ہیں کہ آنکھہ میں سے ایک جسم شعاعی نکلکر ایک مثلث
مخروطی کے طور پر پھیلتا ہے کہ جس کا قاعدہ مُبصَر پر پڑتا ہے اور اسکا زاویہ آنکھہ
سے ملا ہوا ہوتا ہے **بعض** اس مخروط کو سرتاسر مصمت[ل] کہتے ہیں بعض کہتے ہیں
کہ زاویہ کے پاس سے تو مصمت ہوتا ہے اور آگے چلکر اوسمیں خطوط شعاعی پیدا
ہو جاتے ہیں اور اُن خطوط شعاعیہ میں جو ہوا ہوتی ہے وہ بھی انہیں خطوط
شعاعیہ کیطرح نورانی ہو جاتی ہے اور رویت میں مدد دیتی ہے **بعض** کہتے ہیں
کہ آنکھہ سے ایک خط شعاعی نہایت باریک نکلکر مبصر پر جاکر منتہی ہوتا ہے پھر
فی الفور وہ سطح نورانی بمقدار مبصر بن جاتا ہے **بعض** کہتے ہیں کہ مبصر بتوسط
ہوا ر صافی آنکھہ کی رطوبت جلیدیہ میں آکر منطبع ہو جاتا ہے پھر امام رازی نے
خروج شعاع کے یہ معنی بیان کیئے ہیں کہ مبصر جب شعاع بصری کے مقابل ہوتا ہے

[ل] ٹھوس ۱۲ منہ

تو مبدر فیاض سے اوسکی سطح مقابل پر شعاع فائض ہوتی ہے جو ایک مخروطی شکل میں متوہم ہوتی ہے جسکا قاعدہ خود یہ شعاع اور زاویہ آنکھہ کے قریب ہوتا ہے اور وہ ہوا جو مبصر اور دیکھنے والے کے درمیان ہوتی ہے اِس شعاع سے متکیف ہو کر دیکھنے کا سبب بنجاتی ہے اور اب حال کی تحقیقات نے اور بہی غوامض حل کر دیئے ہیں اسیطرح دیگر حواس کے محل اور کیفیت ادراک میں کلام ہے

(۲) اِن حواس خمسہ ظاہرہ کے مقابلہ میں پانچ اور حواس باطنہ حکمار نے تسلیم کیئے ہیں اوّل حس مشترک کہ جو کچہہ حواس خمسہ ظاہرہ سے معلوم کیا جاتا ہے اوسکی صورت اِس حِس میں آکر مجتمع ہو جاتی ہے اور اوس کی جگہ دماغ کے بطن مقدم کا اوّل حصہ ہے اور دلیل اوسکے وجود پر یہ ہے کہ آسمان سے جب کوئی پانی کا قطرہ گرتا ہے تو ایک خط مستطیل معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک قطرہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ قطرہ کی اول صورت جو حِس بصر نے محسوس کی تہی وہ اِس خزانہ میں جمع تہی جب وہ قطرہ اپنے مکان سے دوسری جگہ منتقل ہوا تو اوسکی صورت بہی وہیں جاکر جمع ہو گئے جس سے ایک مسلسل خط معلوم ہونے لگا۔ **دوئم** حس مشترک کے مدرکات کی محافظ ایک دوسری قوت ہے جسکو **خیال** کہتے ہیں وہ تمام صورتیں اسمیں جمع رہتی ہیں۔ جس سے ہم پہلے کی دیکھی ہوئی چیز کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی ہے جسکو ہمنے پہلے دیکھا تھا اور اسکا مقام بطن مقدم دماغ کا آخری حصّہ ہے۔ **سوئم** ایک اور قوت ہے جو حِس مشترک کے مدرکات میں سے معانی جزئیہ کا ادراک کرتی ہے جیسا کہ بکری شیر کی صورت مدرکہ سے عداوت اور اپنے بچہ کی صورت مدرکہ سے محبت کا ادراک کرتی ہے اور اسکا نام **وہم** ہے اور کبہی اسکو **تخئیل** بہی کہتے ہیں اور اِس کا مقام دماغ کا بطن اوسط ہے **چہارم** ایک اور بہی قوت ہے جسمیں یہ جملہ معانی جزئیہ مجتمع رہتے ہیں اور وہ اِن سبکا خزانہ ہے اوسکا نام **حافظہ** ہے اور اوسکا مقام دماغ کا

حس مشترک

خیال

وہم و تخئیل

حافظہ

آخری حصہ ہے اگر خاص اسپر کوئی آفت آجائے توکوئی صورت مدرکہ بھی یاد نہ رہے سب کو بھول جائے پنجم ایک اور قوت ہے جو اِن معانی جزئیہ میں تصرفات کیا کرتی ہے کبھی ایک معنی کو دوسرے کے ساتھ ملادیتی ہے جیساکہ ایک انسان کو دو باز واور دس سر اور چار ہاتھ اور چار مونہ کا تصور کرنا اور کسی چیز کا انسان کا چہرہ اور شیر کا دھڑ خیال کرنا یا ہاتی کا چہرہ اور انسان کا بدن اوسکی ساتھ ملادینا وغیر ذلک اور کبھی ایک معنی اور ایک صورت کو دوسرے معنی اور صورت سے جدا کردیتی ہے جیساکہ انسان کو بے سر کا خیال کرنا اور گھوڑے کو دو پاونکا خیال کرنا اور انسان کو ایک ٹانک کا خیال کرنا اور کبھی اِس قوت کا تصرف خارج کے موافق اور کبھی مخالف ہوا کرتا ہے اس قوت کا نام متصرفہ ہے اور جب اِس ترکیب دینے اور جدا کرنے میں وہم اِس سے کام لیتا ہے تو اوسکو **متخیلہ** کہتے ہیں اور جب نفس ناطقہ اس سے کام لیتا ہے تو اسکو **مفکرہ** کہتے ہیں اور دماغ میں اسکے لیے کوئی مقام مخصوص نہیں۔

متصرفہ

حکمار کی اِن قوی میں بھی مختلف موشگافیاں اور تحقیقات عجیبہ اور اختلافات ہیں جنکے ذکر کا یہ مقام نہیں۔

(۳) اِن حواس سے جو چیز معلوم کیجاتی ہے وہ جسمانی اور مادی ہوتی ہے اور مادی میں بھی جب لطافت آجاتی ہے تو کبھی سب حواس اوسکے ادراک سے عاجز ہوجاتے ہیں کبھی بعض بیکار ہوجاتے ہیں۔ مثلاً ہوا مکدر کو آنکھہ دیکھہ سکتی ہے اور جب وہ لطیف ہوتی ہے تو وہاں بجز قوت لامسہ کے سب معطل ہوجاتے ہیں نہ آنکھہ دیکھہ سکتی ہے نہ کان سن سکتے ہیں جبکہ اسمیں تموج کی آواز نہ پیدا ہو نہ زبان چکھہ سکتی ہے نہ ناک سونگھہ سکتی ہے۔ ہاں بدن پر لگنے سے معلوم ہوتی ہے اور جب اسمیں کچھہ بھی روانی نہو تب وہ بدن پر لگنے سے بھی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسکا بدن پر لگنا ہی محسوس نہیں ہوتا۔

موجودہ حکمار نے حواس کی اعانت کے لئے آلات ایجاد کئے ہیں بڑی بڑی نفیس دوربینیں بنائی ہیں۔ جن سے بہت دور کی چیزیں صاف دکھائی دیتی ہیں نیرات اور ستارے اور ان کے حرکات اور دیگر حالات دیکھنے کیلئے۔ خوردبینیں بنائی ہیں جن سے وہ چیزیں بھی جو نہایت باریک ہیں جو بغیر اسکے آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں صاف اور موٹی دکھائی دینے لگتی ہیں جن سے بہت سے امور کرہ ہوائی کے دریافت کئے ہیں۔ اسیطرح شعاع بصری کی نفوذ کو قوت دینے والے آلات ایجاد کئے ہیں جو اجسام متحجرہ سے بھی پار ہو کر انکے پیچھے کی چیزوں کے ادراک میں کام دیتے ہیں۔ یا سمندر کی تہ کی چیزوں کو اور زمین کے اندر کی اشیار کو یا اندھیرے میں اشیار کو دکھانے میں مدد دیتی ہیں یا ہوا رطوب کو دکھاتے ہیں جس سے یہ بات معلوم کر لیجاتی ہے کہ اسقدر عرصہ میں ابر بنکر پانی برسنے لگے گا یا اسقدر عرصہ میں ہوا کا طوفان آئیگا وغیرہ ذالک۔

اسیطرح قوت شنوائی کے متعلق عمدہ آلات ایجاد کئے ہیں۔ آواز جو ہوا متکیف ہے اسکو کسی آلہ[1] میں بند کر لینا اور پھر مدت کے بعد اسی آلہ کے ذریعہ سے اوس بولنے والے کی آواز کو سن لینا سنا دینا یا آواز کو محفوظ کر کے آلہ[2] کے ذریعہ سے دور تک پہونچا دینا یا اندرونہ آواز و نکا سن لینا یا بہت دور و دراز کی آواز سن لینا۔ اور پھر بھاپ اور برقی اور گیاس کی قوتوں سے عجیب و غریب کام لیا اور صدہا اختراعات کئے ہیں اور کرتے جارہے ہیں۔ ریل۔ اسٹیمر کام کرنے والی مشینیں بنائی ہیں یہ سب مادیات میں تصرف اور جسمانی اشیار کے متعلق اختراع ہے۔ اس سے یہ سمجھہ لینا کہ حقائق عالم کا انکشاف کر لیا ہے ایک غلط خیال ہے ابھی کرات عناصر اور دیگر اجسام کے جملہ خواص و تاثیرات جو فرداً فرداً یا ترکیباً ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بہت ہی دور ہیں۔ ان آلات و علوم کے اختراع سے پہلے جسطرح ان امور عجیبہ کو اوہام عامہ ناممکن کہتے تھے اسیطرح اور لاکھوں اسرار کو جو ہنوز ظہور پذیر نہیں ہوئے

[1] فونوگراف [2]

کچھ عجب نہیں کہ موجودہ حکمت و فلسفہ کے ترتیب یافتہ دماغ بھی ناممکن کہتے ہوں +

(۴) یہ حواس کچھ نوع انسانی کیلئے ہی مخصوص نہیں بلکہ اُس مبدءِ فیاض کا فیض عام حیوانات بلکہ بعض نباتات تک بھی پہونچا ہے جس نے جملہ افراد حیوان و نباتات کے حالات کو کما حقہ جان لیا ہے معتبر قول تو اُسیکا ہے کہ آیا سب کو یہ سب حواس دیئے گئے ہیں یا انکے علاوہ دیگر حواس بھی دیے گئے ہیں کہ جو ادراک و انکشاف کیلئے انسانی اختراعات سے بھی زیادہ کارآمد اور قوی ہوں یا انمیں سے کسیکو سب اور کسیکو بعض دیئے گئے ہیں پھر ان کے حواس انسانی حواس سے برابر ہیں یا کم و زیادہ ہیں اور کمی و زیادتی ہے تو کن کن حواس میں ہے اور کن کن انواع حیوان میں ہے۔ حکما نے اِس بارہ میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مگر ہنوز وہ سب اِس بحر بیکناں کا ایک قطرہ ہیں۔ مور وغیرہ بعض طیور کی شنوائی چیل اور گدکی بینائی۔ چینونٹی کی ناک مشہور ہے۔ بعض طیور آنیوالی وبائی حوادث کو پہلے سے معلوم کرکے وہاں سے چلے جایا کرتے ہیں انواع حیوانی کے حالات اور ان کے صنائع اور طبیعت اور تربیت اولاد اور موسموں کے لیئے ذخائر جمع کرنے کے علوم پھر انکا قومی اتفاق اور نوع کی ہمدردی اور مخالفوں سے جنگ و جدال اور باہم نر و مادہ کا اختلاط اور اپنے منافع اور مضار کا احساس بیماروں کی تیمارداری و مداوے حیرت خیز ہے۔ جس سے اُن کے لیئے حواس اور دیگر ذرائع ادراک کا ثابت ہونا یقینی امر ہے +

اسیطرح نباتات کے حالات ہیں۔ چھوئی موئی کا ہاتھ لگاتے ہی سمٹ جانا۔ بالیدگی کے حجاب سے اودھر اودھر ہوکر اوپر نکل جانا۔ بعض نباتات میں نر و مادہ کے امتزاج سے توالد و تناسل ہونا بار لانا اسبات کی دلیل ہے کہ مبدءِ فیاض نے اونکو بھی حس و ادراک کا کچھ نہ کچھ ان کی ضرورت کے موافق حصہ دیا ہے جمادات میں اون کی خواص اور باہمی کشش اور دیگر حالات ثابت کرتے ہیں کہ وہ بھی اِس فیض سے محروم نہیں +

(حاشیہ) ۵ دوربین تھرامیٹر وغیرہ ۱۲ منہ

(۵) انسانی حواس میں کمی وزیادتی بھی ممکن ہے؟ بیشک ممکن بلکہ موجود اور مشاہد ہے۔ لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کے حواس میں بسبب قوت وضعف اعضاء بدن کے ایک فرق بین ہے۔ اسیطرح مرض وصحت کے وقت حواس کی قوت وضعف میں فرق ہوتا ہے اسلیئے انسانی حواس کی مدد کے لیئے عمدہ عمدہ آلات تیار کیئے گئے ہیں دوربینیں اور جسقدر آلات بنائے گئے وہ حواس ہی کی مدد کرتی ہیں پھر کیا ممکن نہیں کہ افراد انسانی میں بعض کو ایسے حواس قوی دیئے گئے ہوں کہ اونکو وہ جسمانی چیزیں دکھائی دیتی ہوں جو اورونکو دکھائی نہ دیتی ہوں اور وہ آوازیں سنائی دیتی ہوں جو اورونکو سنائی نہ دیتی ہوں! ضرور ممکن ہے اِن کے مدرکات حواس کو تخئیل ووہم بتانا اور مجنونوں کے ساتھ تشبیہہ دینا ایسا ہی ہے کہ جیسا کوئی ضعیف البصر دوربین اور خوردبین سے اشیاء کی دیکھنے والے کو جو دوسرے شخص نے مدت العمر نہ دیکھیں ہوں اور نہ بوجہ ضعف بصر کے دیکھہ سکتا ہو مجنون سے تشبیہہ دینا اور اوس کے مدرکات کو تخئیل ووہم بتانا۔

(۶) عالم محسوس کے بہت سے اقسام اور اون کے مختلف درجات و حالات ہیں جسکی تفصیل کے لیئے ایک بڑا دفتر بھی کافی نہیں فلسفہ میں بہت کچھہ بیان کیا گیا ہے مگر اجمالاً یہ بیان ہے کہ عالم محسوس دو قسم پر ہے ایک عرض یعنے وہ اشیاء جو بذات خود بغیر دوسرے جسم میں ہوکر نہ پائی جائیں جیسا کہ رنگ سیاہی سفیدی زردی سُرخی وغیرہ یا حرارۃ وبرودت یا تلخی وشیرینی وغیرہ یا خوشبو وبدبو وغیرہ یا کسی جسم کی نرمی وسختی وغیرہ یا ہوا اونکی کیفیت تموج جس سے آوازیں پیدا ہوتی ہیں یا اجسام کی سطوح و مقادیر طول وعرض موٹاپتلاپن وغیرہ اِن اعراض میں سے کچھہ تو حس بصر کے ادراک میں آتے ہیں کچھہ قوت لامسہ سے کچھہ ذائقہ سے کچھہ شامہ سے کچھہ سامعہ سے متعلق اور مخصوص ہیں اور قدرت نے یہ ایک ایسی خصوصیت پیدا کردی ہے کہ انساں جہانتک

چاہے کمالات میں ترقی کرجائے مگر اسکو توڑ نہیں سکتا خوشبو بدبو کا ادراک بجز قوت شامہ کے اور کسی حس سے نہیں کرسکتا میٹھی کھٹی کڑوی کسیلی اور پہر انکی درجات کا ادراک بجز قوت ذائقہ کے اور کسی حس سے نہیں کرسکتا آوازونکو بجز قوت سامعہ کے اور کسی حس سے نہیں معلوم کرسکتا دوسرا جوہر ہے پہر اوسکی دو قسمیں ہیں جوہر مجرد جو جسم نہو یہ عالم محسوس میں داخل نہیں۔ حواس موجودہ میں سے کوئی بہی اسکا ادراک نہیں کرسکتا جیساکہ ارواح وملائکہ = دوسرا جوہر **جسم** جسم اسکو کہتے ہیں کہ جسمیں طول وعرض وعمق ہو۔ پہر جسم کی بہی دو قسم ہیں **علوی** جسکی ترکیب عناصر سے نہو یا یوں کہو جنکا مادہ عنصری نہو جیساکہ افلاک اور ستارے چاند اور سورج اور انمیں رہنے والے دوسرا **سفلی** پہر اسکی بہی دو قسمیں ہیں۔ **بسائط** جیساکہ عناصر آگ ہوا پانی۔ خاک یعنے ان کے وہ اجزا ترکیبی نہیں کہ اوس سے ملکر بنے ہوں ہاں اجزا تحلیلی پیدا ہوسکتے ہیں سیر بہر پانی کو تولوں اور ماشوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

جوہر

حکماء حال انکو بسائط نہیں کہتے بلکہ انہوں نے بہت سے بسائط ثابت کیے ہیں جنکی تعداد ساٹہہ کے قریب بتائی گئی ہے خواہ انکو انہیں اربع عناصر کے اقسام ہو جو بلحاظ بعض صفات کے جداگانہ شمار کیے گئے ہیں یا جداگانہ عنصر ہوں میں اس مسئلہ کا فیصلہ کرنا اسمقام پر نہیں چاہتا **دوئم مرکبات** پہر اون کی تین قسمیں ہیں **جمادات نباتات۔ حیوانات** انکو موالید ثلثہ کہتے ہیں۔ پہر ہر ایک کی بیشمار اقسام ہیں۔ یہاں یہ بحث بہی مناسب نہیں کہ عالم اجسام کی پیدایش اور حیوانات کا توالد وتناسل کیونکر ہوا اور کیونکر ہوتا ہے۔ نہ اسبات کی بحث ہے کہ یہ انواع قدیم ہیں یا حادث ہیں حیوانات کے اقسام میں سب کا **حضرت انسان** ہیں اسنے دنیا پر آکر اپنے علوم وادراک خداداد سے وہ ترقی کی کہ موالید ثلثہ کا حاکم بنگیا اور یہی اسکی زمین پر وہ خلافت ہے جو اسکو مبدء فیاض نے عطا فرمائی ہے اس نے تمدن کے

حکماء حال

متعلق عجائب وغرائب فنون ایجاد کیئے قسم قسم کی اسلحہ آتش فشاں اور جلد جلد چلنے والے بنائے۔ اوس نے برقی قوت اور گیاس اور بھانپ سے انجن چلائے زمین پر ہزاروں من بوجھ لیکر تیز رفتار ریلیں تیار کیں سمندر کو سٹیمروں سے پامال کر دیا۔ عجائب و غرائب کپڑے۔ اور شیشے اور تلبنے لوہے وغیرہ کی چیزیں بنانے والی کلیں ایجاد کیں سینکڑوں کوس طرفۃ العین میں خبر رسانی کے ذرائع تار برقی وغیرہ پیدا کیئے دوربینوں کے ذریعہ سے نیرات کے حالات دریافت کیئے طب میں بھی اسنے سحر کاری کی عیش و راحت کے بھی صدہا سامان پیدا کیئے۔ اب یہ غباروں میں بیٹھ کر اوپر بھی اوڑنے لگا۔ اور جانے کیا کیا کریگا اور کیا کیا کر رہا ہے۔ پھر انمیں سے ترقی کرکے روحانی علوم کے لیئے بھی بہت سے افراد قایم ہوئے جنکے کشف و ادراک روحانی نے عالم کے صدہا راز بستہ آشکارا کر دیئے انمیں قدرت نے جذبہ اور شوق بھی ودیعتہ رکھا ہے جس کے ذریعہ سے یہ فرشتوں پر بھی سبقت لے گئے۔

یہ **عالم جواہر و اجسام** ایک بڑا وسیع عالم ہے اسکے صدہا ہزارہا افراد ہیں جنکو علماء و حکماء نے موضوع علم قرار دیکر ان کے حالات سے بحث کی ہے اور وہ مجموعہ بحث و تحقیقات ایک علم قرار پاگیا ہے۔ مثلاً جوہر مجرد کے حالات سے جو بحث کی تو اس علم کو الٰہیات (اتولوجیا) کہنے لگے جنمیں نفوس انسانیہ یعنے ارواح و ملائکہ و خداے تعالیٰ کی ذات و صفات کی تحقیق اور بحث ہے۔ پھر عالم اجسام میں سے صرف آسمانوں اور ستاروں اور چاند اور سورج اور زمین کی شکل طبعی سے جو بحث کی ہے اور اُن کے حالات کا مجموعہ جو اپنی تحقیقات سے بہم پہونچایا عام ہے کہ وہ سب صحیح ہوں یا اسمیں کچھہ یا بہت سے مسائل غلط ہوں اِس علم کا نام **علم ہیئت** رکھا ہے۔ قدماء نے اسکو بھی ریاضی کی ایک قسم بتایا ہے کسلیئے کہ اُنھوں نے مجردات کے بعد مادیات کی دو قسم قرار دی ہیں کہ یا تو وہم انکو مادہ سے ایک گونہ مجرد کر سکتا ہے اور ان کے

وجود فرض کرنے میں کسی مادۂ مخصوصہ کی حاجت نہیں ہے تو ایسے امور کے حالات سے بحث و تحقیق کو علم ریاضی کہتے ہیں کہ نفس کو مجردات کے حالات سے بحث کرنے کے لیے ریاضت ہوتی ہے پہر اوسکی چار قسمیں ہیں کیونکہ اسکا موضوع کم یعنے مقدار ہے - پہر وہ متصل ہے یا منفصل اور متصل متحرک ہے یا ساکن - پس کم متصل متحرک سے جو بحث ہے تو اسکا نام ھیئة ہے اور ساکن سے جو بحث ہے تو اسکا نام علم ھندسہ ہے اور کم منفصل کے اجزا میں اگر باہم نسبت تالیفیہ ہے تو اسکے علم کو علم موسیقی کہتے ہیں کہ ایک آواز کو دوسرے سے زیر و بم یعنے پست اور بلند ہونے میں کیا نسبت ہے جس سے راگ پیدا ہوتے ہیں اور اگر باہم نسبت تالیفیہ معتبر نہیں ہے تو اس کے علم کو علم حساب کہتے ہیں پہر ہندسہ اور حساب کی بہت سی قسمیں ہیں علم اُکر علم مثلث - علم مرایا و مناظر علم زیچ - علم نجوم وغیرہ اگر ان چیزوں کا وجود بغیر مادہ کے متوہم ہی نہو سکے اور خاص مادہ ان کے لیئے شرط ہو تو انکے علم کو علم طبیعات کہتے ہیں پہر علم طبعی کی صدہا قسمیں ہیں - اگر سمندروں کے متعلق تحقیق ہے کہ انمیں جزر و مد کیوں ہوتا ہے اور کب ہوتا ہے اور پانیوں کے طبقات میں کیا کیا ہے اور انکا طوفان اور تموج کیوں ہوتا ہے - اور آفرینش عالم کے بعد کیا حال تہا وغیر ذالک تو اسکو علم البحار کہتے ہیں اور اگر کرہ ہوائی سے بحث ہے تو اسکو علم الھواء کہتے ہیں اسپر اوروں کو قیاس کرتے جایئے

حکما رحال نے اِن علوم میں بجید ترقی کی ہے اور ان سے فوائد بہی بیشمار حاصل کئے ہیں -

جوہر مجرد تو محسوس ہو ہی نہیں سکتا آیا عالم اجسام بہی محسوس ہوتا ہے کہ نہیں؟ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جسم صافی بہی حس بصر سے محسوس نہیں ہوتا بلکہ اجسام مکدرہ بہی حسّ بصر سے محسوس نہیں ہوتے کیونکہ جو کچھ حسّ بصر سے محسوس ہوتا ہے وہ

ف۱ اور علم تعلیمی اور حکمت وسطی بہی کہتے ہیں ۱۲ منہ

اجسام کا بناس ہی محسوس ہوتا ہی یعنی انکی مقدار انکی سطوح اِن کے الوان۔ حواس کی حقیقت اور انکا رتبہ معلوم ہوا۔

(۷) قدم اور حدوث کی بحث چھوڑ کر اب مرکبات میں کلام کیجئے کہ ذی شعور و ذی ادراک و ذی حرکت ارادیہ مخلوق کیا ہے۔ چند عناصر سے مرکب ہے۔ یا ایک ہی سے بنی ہے؟ حیوان و نباتات کے اقسام تو ضرور چند چیزوں سے مرکب ہیں مشاہدہ سے بہی معلوم ہوتا ہے کہ اِن میں خاکی مادہ بہی ہے رطوبت بہی ہے جس سے معلوم ہوا کہ خاک اور پانی تو ضرور انکی ترکیب میں داخل ہیں مگر انمیں گرمی اور حرارۃ بہی پائی جاتی ہے۔ جس سے وہ غذا ہضم کرتے ہیں اور اُن کی حرکات اُسکی بدولت ہیں۔ اسلیئے قدیم حکمار نے آگ کو بھی اسکی ترکیب کا جزر قرار دیدیا ہے مگر بعض نے اسمیں کلام کیا ہے اور کہدیا ہے کہ خاک اور پانی جو اسکے اجزار بدنی ہیں وہ خاک اور آب صرف تو ہیں نہیں ممکن ہے کہ قدرت نے انہیں بیرونی حرارت رکہدی ہو اور وہ ایک عارضی ہے جسم کی حقیقت میں داخل نہیں۔ اب رہا چوتہا جزر ہوا ئی اسکو بھی حکمار قدیم نے تسلیم کرلیا ہے۔ مگر بعض نے اسپر بہی اعتراض کیا ہے کہ اُسکے اجزار میں جہاں خلار ہے ہوا بہر گئی ہے اسکی ترکیب کا جزر نہیں۔ اسلیئے اِن حکیموں کے نزدیک چاروں کے باہم مخلوط ہونے سے جو کسر و انکسار کے بعد ایک کیفیت متوسطہ ماننے کا مسئلہ تہا جسکو مزاج کہتے تہے اس سے رستگاری ہوگئی اور اعتراضات عقلیہ سے بہی سبکدوشی ہوگئی +

ایسے مرکبات کے محسوس ہونے میں کوئی بہی کلام نہیں اور ضرور محسوس ہونے چاہئیں۔ مگر جب ترکیب اور تکوین کا انحصار انہیں دو محسوس عنصر و نیر نہ مانا جائے گا تو ایسی بہت سی مخلوق تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض لازم نہ آئے گا۔ کہ جنکی ترکیب ہوا اور آگ غیر محسوس عنصر وںسے ہوئی ہو یا ان بہت سے عناصر سے ہوئی ہو جنکو حکمار حال نے ثابت کیا ہے یا ایسی مخلوق ہو کہ جنکا کوئی مادہ لطیف ہے جسکو ہم نہیں جانتے۔

ایسی مخلوق کی نفی پر یہ دلیل پیش کرنا کہ اگر وہ موجود ہے تو ہمکو دکھائی کیوں نہیں دیتی۔ اور ہمکو محسوس کیوں نہیں ہوتی؟ محض بیکار بات ہے جو عالمانہ مذاق کے بالکل برخلاف ہے کسلئے کہ جب حال کی فلسفہ نے جملہ عالم جسمانی کی اصل ایتھر یعنے مادہ اثیریہ تسلیم کرلیا ہے تو یہی دلیل اسکی نفی پر بھی قائم ہوگی کیونکہ ایتھر بھی محسوس نہیں بلکہ ہوا رصافی وساکن کی بھی نفی کرنی پڑے گی جو ایک برتن یا شیشہ میں موجود ہو جسکو آلہ سے نکالا کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی محسوس نہیں ✤

(۸) اِن حواس سے انسان میں کیا چیز ادراک کرتی ہے؟ کیا آنکھہ دیکھتی ہے یا آنکھہ کے ذریعہ سے کوئی اور دیکھتا ہے۔ یا خود کان سنتے ہیں یا اوس سوراخ سے کوئی اور سنتا ہے؟ علیٰ ہذا القیاس۔ ایک جلد باز جسکو حقائق الاشیاء پر نظر نہیں شاید بہت جلد کہہ اُٹھے کہ خود آنکھہ دیکھتی ہے اور کان سنتے ہیں۔ لیکن جنکی نظر حقائق الاشیاء تک ہے وہ تو یہی کہے گا کہ ہرگز ہرگز یہ ادراک اِن اعضاء کا کام نہیں۔ کس لیئے کہ جب اصلی مدرک کسی دوسری طرف محو و مشغول ہوتا ہے یا کلورا فارم وغیرہ سے بیہوش کردیا جاتا ہے تو باوجودیکہ سب اعضاء سلامت ہوتے ہیں مگر ادراک نہیں کرتے نہ آنکھہ دیکھتی ہے نہ کان سنتے ہیں۔ پھر جہانتک غور کیا گیا تو یہی ثابت ہوا کہ ادراک مجردات ہی کی شان ہے مادہ اور مادی اشیاء میں ادراک کی قابلیت ہی نہیں نہ ادراک حسّی کی نہ اوراادراک کی جسکو ہم آیندہ چلکر تبلاتے ہیں۔ اسلیے حکماء قدیم نے بالاتفاق جملہ مدرکین کے لیئے خواہ وہ مدرک بادراک حسّی ہوں یا غیر حسّی ایک **نفس** یعنے روح ثابت کی ہے۔ ان کے لیئے جمادات اور نباتات میں کسی قسم کا حس و ادراک ثابت نہیں ہوا تو انہوں نے صاف کہدیا کہ یہ چیزیں غیر ذی روح ہیں اور جب نیرات و سماوات میں ایک حرکت انتظامی دیکھی تو اونکے لیئے روح تو ثابت نہ کی بلکہ یہ کہدیا کہ نفوس مجردہ (فرشتہ) انکو حرکت دیتے ہیں

پہراس قاعدہ سے بناتات میں تغذیہ وتنمیہ وتوالد وتناسل دیکھکر انکے یہ کام طبیعت کی طرف منسوب کیئے اجسام کے خواص و اثار کا محافظ ان کی صورت نوعیہ کو بتایا۔ ہرچہ باشد اس مقام پر ہمکو اس مسئلہ کی تحقیق مقصود نہیں صرف یہ ثابت کرنا مطلوب تہا کہ مادیات کی شان ادراک نہیں +

اب تلاش کیجئے کہ انسان کے اندر وہ کون ہے جو ان سوراخوں یا کہڑکیوں کے ذریعہ سے محسوسات کا ادراک کیا کرتا ہے ؟ لو ہمی بتلائے دیتے ہیں یہ وہی حضرت ہیں کہ جنکی تمام جسم پر حکومت ہے۔ جب یہ آنکہہ کو بند کرنیکا حکم دیتے ہیں تو بند ہوجاتی ہے جب ہاتہہ پاؤں اعضاء کے لیئے حرکات کا حکم دیتے ہیں تو وہ حرکت کرتے ہیں اور جب سکون کا فرمان صادر کرتے ہیں تو ساکن ہوجاتے ہیں پہر یہ کون حضرت ہیں ؟ کیا طبیعت ہے جو مبدء فیاض نے اجسام کے سرانجام کے لیئے مسلط کر رکہی تہی یہ طبیعت بہی نہیں کس لیئے کہ طبیعت تو قدرت کی مشین ہے جس کام پر قدرت نے لگادی ہے بے ارادہ و بے اختیار چلا کرتی ہے نہ اسکو حس و ادراک ہے نہ شعور و ارادہ ہے یہ تو جب بہی اپنے کام ایسے ہی کیئے چلے جاتی ہے جبکہ انسان کو کچہہ بہی حس و ادراک نہیں ہوتا جیساکہ بے ہوشی کے وقت اور جب یہ سست اور بیکار ہوجاتی ہے تو حس و ادراک اور ہوش بہی کچہہ کام نہیں دیتے جیساکہ امراض یا انحطاط عمر کے وقت اِسی سے حکماء نے افعال طبیعہ اور افعال ارادیہ میں جو اسی حضرت کے ہیں فرق کیا ہے اور جو کوئی بے شعور دونوں کاموں میں امتیاز نکرے اور سیاہ اور سفید میں تفاوت نہ سمجہے تو یہ اوسکے ادراک کا قصور ہے حضرت بتلاؤ تو سہی وہ کون حضرت ہیں ؟ جناب وہ **نفس ناطقہ** ہے جسکو عرف شرع میں **روح** کہتے ہیں۔

بیان سابق سے یہ ثابت ہوگیا کہ روح نہ مادہ ہے نہ مادی ہے بلکہ جوہر مجرد ہے۔ آیندہ چلکر ہم روح کی حقیقت پر بحث کرینگے کہ وہ کیا ہے اور بدن سے جدا

ہونے کے بعد بھی وہ قائم رہتی ہے اور اسکا ادراک پہلے سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور اسکو رنج و راحت بھی ہے۔

واضح ہو کہ روح کا جبتک اِس جسم کے ساتھ تعلق ہے جسکو عرف عام میں حیات کہا جاتا ہے اسوقت تک وہ مادیات اور محسوسات کا ادراک اِن حواس کے ذریعے کرتی ہے۔ اور کبھی اِس زمانۂ تعلق میں بھی اِن حواس کی محتاج نہیں ہوتی۔ جیسا کہ عالم خواب و مکاشفہ

(۹) انسان کو اِس عالم جسمانی میں جسقدر لذتیں اور درد ہیں زیادہ تر تو وہ جسمانی اور حواس کے ذریعہ سے پہونچتی ہیں اُنکو اسنے عمدہ چیزیں خوبصورت شکلیں نفیس باغ اور دریا اور جنگلوں اور پہاڑوں کی نزہت گاہوں یا عجائب اور دلکش رقص اور تماشوں کو دیکھ کر لذت و سرور حاصل کرتا ہے اسکے برخلاف چیزوں کے دیکھنے سے مکدر اور متالم ہوتا ہے عمدہ نغمات اور فرحت خیز خبروں اور نفیس عبارت نظم و نثر سنکر لذت پاتا ہے اِس کے برخلاف سنکر رنج اٹھاتا ہے نفیس خوشبوئیں سونگھ کر خوش ہوتا ہے بدبو سونگھ کر تکلیف پاتا ہے۔ مزے دار کھانے اور سرد و شیریں چیزیں کھا پیکر لذت پاتا ہے اِس کے برخلاف دکھ اُٹھاتا ہے۔ بدنیز مناسب چیزوں کے لمس سے جنمیں جماع بھی داخل ہے لذت پاتا ہے اِس کے برخلاف زیادہ گرم اور سرد یا زخم و خراش پیدا کرنے والی چیز۔ یا چوٹ یا کسی عضو کے کٹنے سے یا اوسمیں کوئی نامناسب مادہ داخل ہو جانے سے دکھ پاتا ہے پھر روتا ہے چیختا ہے چلاتا ہے +

اور زیادہ تر کی قید ہمنے اسلیئے لگائی تھی کہ کبھی بغیر حواس کے بھی اسکو ایک قسم کی لذت و سرور اور رنج و الم ہوتا ہے اور وہ سرور اور رنج روحانی کہلاتا ہے جو حسی سرور اور رنج سے زیادہ قوی اور دیرپا ہے۔ اسیلئے حکمانے کہا ہے کہ دنیاوی لذتیں خسیس اور جلد فنا ہو جانے والی ہیں اور اکثر اسنے پہلے بھی دکھ اور بعد میں بھی ایک الم ہوتا ہے۔ مثلاً پیاس نہ لگے تو سرد پانی کا مزہ نہ آئے اور پینے کے بعد پانیکی

برودت ایک سستی پیدا کرتی ہے۔ بھوک کی تکلیف ہو تو کھانیکا مزہ نہ آئے۔ اور کھاکر ہضم کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اسیلئے جنکی روحانیت ظلمت جسمانیت میں محاط نہیں ہوتی انکو لذات حسیّہ پر اسقدر فریفتگی نہیں ہوتی۔ برخلاف انکے کہ جنکی روحانیت ظلمت بہیمیتہ میں دبی ہوئی ہے وہ بہائم کی طرح انہیں لذات میں غرق ہوتی ہیں وہ اسباب لذات حسیہ کے فراہم کرکے اوسمیں کامرانی کرنے کو ہی سعادت اور فوز المرام سمجھا کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ دنیا میں یہ حواس راحت کی بہ نسبت الم کے اسباب زیادہ محسوس کرتے رہتے ہیں اسیلئے تعطیل حواس خواہ بذریعہ خواب ہو خواہ بذریعہ مسکرات ہو موجب راحت خیال کیا جاتا ہے۔ اسمیں حواس اور طبیعت کو سکون ہو جانے سے پھر جسم میں ایک تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ حد اعتدال سے تجاوز نہو اور مسکر کا آخری نتیجہ حواس اور قوئی بدنیہ کے سست اور بیکار کرنیکا بد آمد ہوتا ہے اسیلئے اہل کمال نے اسکے استعمال کو ممنوع قرار دیدیا ہے۔

(۱۰) حواس کا ادراک اصلی کمال نہیں یہ تو بہائم کو بھی حاصل ہے ادراک حسّی سے کیسنے خواہ کیسی ہی اختراع ایجاد کرلی ہو اور عالم جسمانی کی ترکیب و انفصال اور اوسکے استحالات سے اسنے جس حد تک چاہیئے ایجاد و اختراع میں ملکہ بہم پہونچایا ہو وہ روحانی کمالات میں ترقی کرنے والوں کے نزدیک طفل مکتب ہے اور اسیلئے کمالات روحانی کے کامل ایسے علوم و فنون کیطرف متوجہ بھی کم ہوتے ہیں جیسا کوئی مدبر ملکی خانہ داری کے چھوٹے چھوٹے معاملات روزانہ خرید فروخت کھانے پکانے اور اُن کے اسباب کے سرانجام کیطرف بہت ہی کم متوجہ ہوتا ہے اور اس میں توجہ کرنے کو تضیع اوقات بھی سمجھتا ہے۔ کیونکہ عالم جسمانی فانی ہے اور اُنکے کمالات بھی فانی ہیں +

دوسرا ادراک غیر حسّی

اسکی بھی کئی قسمیں ہیں (۱) علم حضوری نفس ناطقہ کو اپنی ذات اور صفات کا علم اور اپنی خوشی اور رنج کا ادراک اور جملہ وجدانیات بھوک پیاس خوف خوشی رنج درد کا علم حس ظاہر سے نہیں نہ آنکھ سے نہ ناک سے نہ ذائقہ سے نہ کان سے نہ ٹٹولنے سے یہ بھی اسکا فیض عام ہے جو سب افراد بنی آدم کو شامل ہے پھر موجودات کا انحصار مدرکات حس ظاہر پر کرنا کسقدر بے عقلی ہے اسکے بعد کے مراتب ادراک البتہ موجب ترقی ہیں جسمیں ہر ایک کا حصہ نہیں۔

(۲) ادراک عقلی و استدلال یعنی چند امور کلیہ کو باہم ترتیب دیکر یا چند قضایا کو باہم ملا کر ایک نامعلوم چیز کو معلوم کر لینا۔ اس ترتیب دینے اور اوس سے نتیجہ برآمد کرنے میں خلاف قاعدہ ہو جانے سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے اس غلطی سے محفوظ رہنے کے لیئے حکمار نے علم منطق بنایا ہے مگر اسپر بھی صدہا اغلاط باقی رہتے ہیں۔ انسانی علم کو اول یوں تقسیم کیا ہے کہ اگر کسی چیز کا علم اسطرح پر ہے کہ اسمیں ہست نیست نہیں مثلاً زید کا تصور بغیر اسکے کہ اسکو موجود یا معدوم سفید یا سیاہ وغیرہ اوصاف سے متصف کیا جائے اور اسپر ان اشیار کا ثبوت یا اوس سے نفی کیجائے تو یہ تصور ہے اور اگر ہست نیست کیسا تھ ہے کہ زید قائم ہے یا زید قائم نہیں تو یہ تصدیق ہے۔ پھر تصور اگر ایسا ہے کہ وہ بجز ایک چیز کے دوسرے پر صادق نہ آسکے تو اوسکو جزئی کہتے ہیں۔ جیسا کہ زید کا تصور کہ وہ بجز اوس ذات مشخص کے اور پر صادق نہیں آسکتا۔ اور جو بہت سی چیزوں پر صادق آسکے تو اسکو کلّی کہتے ہیں جیسا کہ تصور انسان کیونکہ وہ اسکی ہر ایک فرد پر صادق آسکتا ہے۔ زید۔ عمر۔ بکر۔ وغیرہ پر۔ اور یہ زید وغیرہ اس انسان کلی کے افراد کہلاتے ہیں۔ کلی کا ادراک بھی حواس سے نہیں ہوتا۔ حواس سے کلی کے افراد کا

ادراک ہوتا ہے عقل اوس سے بحذف مشخصات ایک امر مشترک پیدا کر لیتی ہے۔ اور وہی معنے کلی ہے ؛

پھر کلی کی پانچ قسمیں ہیں کیونکہ کلی اگر اپنے افراد کی پوری حقیقت ہے کہ اسکے سوا ر جو کچھ ہے وہ امر عارض ہے اسکی حقیقت صرف یہی کلی ہے تو اوسکو نوع کہتے ہیں۔ جیساکہ انسان کیونکہ اُسکے افراد زید بکر کی یہی حقیقت ہے کہ وہ انسان ہیں باقی انکا دیگر امور سے متصف ہونا اور راوں کی خصوصیات وہ سب عوارض ہیں۔ اور اگر افراد کی حقیقت کا جزر ہے۔ پس اگر جزر غیر مشترک ہے تو اسکو فصل کہتے ہیں۔ اور اگر جزر مشترک ہے کہ اسکے سوا اور حقائق میں بھی پایا جاتا ہے نہ وہ خود مخصوص ہے نہ اسکا کوئی جزر مخصوص ہے بلکہ وہ تمام مشترک ہے تو اُسکو جنس کہتے ہیں۔ مثلاً حیوان ناطق یہ دونوں انسان کی حقیقت کے جزر ہیں دونوں سے ملکر انسان کی حقیقت بنی ہے مگر حیوان تمام مشترک ہے انسان کے سوا اور حقائق میں بھی پایا جاتا ہے۔ گدہا گھوڑا درند پرند سب حیوان ہیں اور ناطق بجز انسان کہ اور کسی حقیقت میں نہیں پایا جاتا۔ نطق گویائی ناطق گویا۔ اوس سے زبانی گویائی مراد نہیں بلکہ محسوسات اور معقولات کا ادراک کرنا[1] اور اگر وہ کلی اپنے افراد کی حقیقت میں داخل نہیں بلکہ عارض ہے پھر اگر خاص ہے تو اسکو خاصہ کہتے ہیں۔ ورنہ عرض عام۔ ضاحک انسان کے لیئے بوجہ مخصوص ہونے کے خاصہ اور ماشی یعنے چلنے والا ہونا اس سبب سے کہ اور حیوانات پر بھی صادق آتا ہے عرض عام ہے مگر دونوں حقیقت میں داخل نہیں۔

ان کلیات کو جو باہم ترتیب دی جاتی ہے تو اس مجموعہ کو معرف[2] کہتے ہیں پھر اوسکی چار قسمیں ہیں اگر جنس و فصل قریب سے مرکب ہے تو اسکو حد تام کہتے ہیں اور اگر فصل

---

[1] یہ بات اور حیوانات میں نہیں قدرت نے انسان کو جملہ حیوانات پر اسی خوبی سے فوقیت بخشی ہے ۱۲

[2] ڈیفنس ۱۲

قریب اور جنس بعید سے یا صرف فصل قریب سے مرکب ہے تو اسکو حد ناقص کہتے ہیں اور جنس قریب اور خاصہ سے مرکب ہے تو اسکو رسم تام کہتے ہیں اور اگر یہ نہیں تو اسکو رسم ناقص کہتے ہیں معرف سے وہ نامعلوم تصور حاصل ہوجاتا ہے کہ جسکے لیئے یہ تعریف ترتیب دی گئی ہے۔

تصدیق میں اگر ایک چیز پر کوئی دوسری چیز حمل کی گئی ہے یعنے اسپر رکھی ہے۔ جیساکہ زید قائم ہے زید پر قائم کو رکھدیا ہے زید کو موضوع اور قائم کو محمول کہتے ہیں تو ایسے مجموعہ کو قضیہ حملیہ کہتے ہیں عام ہے کہ ثبوت ہو یا نفی اور اگر ایک قضیہ کو دوسرے کے ساتھ متصل کیا گیا ہے جیساکہ اگر آفتاب طلوع کرآیا ہے تو دن موجود ہے تو اِس جملہ کو قضیہ شرطیہ متصلہ کہتے ہیں اور اگر انفصال کیا ہے تو اسکو شرطیہ منفصلہ کہتے ہیں جیساکہ یہ عدد یا زوج ہے یا فرد۔ شرطیہ میں جزر اول کو مقدم اور جزر ثانی کو تالی کہتے ہیں۔ پھر ان قضایا کے بہت سے اقسام اور احکام ہیں مگر اِن قضایا کو باہم ترتیب دیکر ایک نامعلوم نتیجہ حاصل کرتے ہیں اور اس مجموعہ مرتب کو حجتہ اور دلیل کہتے ہیں پھر آگے اُسکے تین اقسام ہیں۔ قیاس۔ استقرار۔ تمثیل پھر قیاس اقترانی۔ استثنائی یہ قوانین تو حجتہ و دلیل کی صورت کے لیئے تہے اب اُس کے مادہ کے حالات سنئے کیونکہ وہ یا تو مقدمات یقینیہ سے مرکب ہے یا غیر یقینیہ سے اول صورت میں اوسکو برہان کہتے ہیں۔ اگر حد اوسط جیساکہ ذہن میں اکبر کی اصغر کے لیئے ثبوت کی علت ہے سیطرح خارج میں وجود کی بہی علت ہے تو اسکو برہان لمی ورنہ اِنّی کہتے ہیں اور یقین کسی چیز کا جازم اعتقاد کرلینا ہے کہ یہ یوں ہی ہے اور واقع میں بہی ویسا ہی ہو اور اعتقاد بہی جازم ہو جسکا زوال نہو سکے اِس قید سے کہ وہ واقع میں ویسا ہی ہو جہل مرکب نکل گیا کیونکہ وہاں اعتقاد جازم تو ہوتا ہے مگر خلاف واقع ہوتا ہے اور جازم کی قید سے ظن نکل گیا کیونکہ وہ جازم نہیں ہوتا بلکہ جانب مخالف بہی پیدا ہوتی ہے گو مرجوح اور ضعیف سہی (اور جہاں دونوں پلہ مساوی ہوں اس کو

شک کہتے ہیں اور ضعیف پلہ کی جانب کو وہم کہتے ہیں اور زائل نہو سکنی کی قید سے اعتقاد تقلیدی خارج ہوگیا کیونکہ وہ کسی کے شبہ اور شک پیدا کر دینے سے زائل ہو جاتا ہے۔ یقنیات کچھ تو بدیہی ہیں کہ جنکو ہر ایک تصدیق کرتا ہے اور کچھ نظری ہیں کہ جنکو صاحب نظر و استدلال ہی یقین کرتے ہیں۔ بدیہی یقینیات چھ چیزیں ہیں کس لیئے کہ قضایا یقینیہ میں صدق کا حکم دینے والا حس ہے یا عقل ہے یا دونوں ہیں اگر حاکم عقل ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا موضوع و محمول کو تصور کرتے ہی عقل صدق کا حکم کر دیتی ہے تو ایسے قضایا کو اولیات کہتے ہیں جیساکہ کل جزء سے بڑا ہے۔ اور اگر اوس کے ساتھ کسی واسطہ کی بھی حاجت ہے تو وہ واسطہ ذہن سے دور نہو جانے والا بھی نہیں تو ایسے قضایا کو **قضایا قیاسانہا معہا** کہتے ہیں کہ انکا قیاس یعنے دلیل انکے ساتھ ہے۔ جیساکہ چار کا عدد زوج یعنے جفت ہے کیلئے کہ جو شخص چار اور جفت کے معنے کو تصور کرے گا کہ جسکی برابر کے دو ٹکڑے ہوسکیں تو فوراً کہدیگا کہ چار دو دو پر مساوی تقسیم ہوتا ہے اور جو مساوی تقسیم ہوتا ہے وہ جفت ہے نتیجہ نکلے گا کہ چار کا عدد جفت ہے اور اگر حاکم حس ظاہر ہے تو انکو **مشاہدات** کہتے ہیں جیساکہ آفتاب روشن ہے اور اگر انسان کی کوئی اندرونی قوت حاکم ہے تو انکو وجدانیات کہتے ہیں جیساکہ بھوک پیاس خوف خوشی رنج کا ادراک اور اگر دونوں حاکم ہیں یعنے حس و عقل اب اگر حس سمع ہے تو انکو **متواترات** کہتے ہیں۔ جیساکہ مکہ ایک شہر ہے تواتر میں راویوں کی تعداد شرط نہیں البتہ اسقدر ہوں کہ عقل ان کو جھوٹ نہ سمجھے اور اگر حس سمع شریک نہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یکے بعد دیگر عقل کو یقین کرنے کے لیئے متعدد مشاہدوں کی حاجت ہے یا نہیں اگر ہے تو انکو تجربات کہتے ہیں کہ فلاں دوا کا یہ اثر ہے جو بار بار کے مشاہدے سے یقین ہوگیا ہے اور اگر حاجت نہیں ہے تو ان کو حدسیات کہتے ہیں۔ حدس میں ذہن جلد مبادی سے مقاصد کیطرف منتقل ہوجاتا ہے برخلاف فکر کے کہ اسمیں ذہن

اول مبادی کیطرف منتقل ہوتا ہے پھر مبادی سے مطالب کیطرف اسمیں دو حرکت پائی جاتی ہیں برخلاف حدس کے کہ اسمیں سرے سے حرکت ہی نہیں ہوتی بلکہ دفعۃً ذہن منتقل ہوجاتا ہے جیساکہ یہ قضیہ کہ چاند کا نور آفتاب سے حاصل ہے۔ کیونکہ چاند کے نور کا کم زیادہ ہونا آفتاب کے مقابل ہونے یا نہونے سے فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ آفتاب کی روشنی ہے۔ لازم سے ملزوم کا اور مصنوع سے صانع کا اور علامات سے اشیاء کا علم بھی عقلی وحسی ادراک ہے۔

مجربات اور حدسیات مقابل کے سامنے حجت نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے کہ اسکا تجربہ اور حدس اسکو نہوا ہو۔ اسیطرح قضایا غیر یقینیہ بھی چھہ قسم کے ہیں۔ مشہورات کہ لوگوںمیں شہرت پاگئے ہوں اور شہرت کا سبب یا تو اِن امور کا مصلحت عامہ پر مشتمل ہونا ہے جیساکہ یہ قضیہ عدل بہتر ہے ظلم برا ہے یا لوگوں کے طبائع کی رقت ہے جیساکہ یہ قضیہ ضعیفوں کی مراعت عمدہ ہے یا ان کی حمیت ہے کہ برہنہ ہونا برا ہے۔ یا ان کے عادات کا اثر ہے جیساکہ جو لوگ گوشت نہیں کہاتے ان کا قول ہے حیوانات کا ذبح کرنا برا ہے حالانکہ اور قوموں کے نزدیک برا نہیں ہے یا ان کی شریعت اور دستور کے سبب شہرت ہوگئی ہے وغیر ذالک اور ہر قوم اور ملک کے مشہورات جدا ہوتے ہیں جنکے جیسے عادات ورسوم واخلاق ہوتے ہیں۔ مشہورات کبھی سراسر خلاف واقع ہوتے ہیں اور کبھی صحیح بھی برخلاف اولیات کے کہ وہ صحیح ہوتے ہیں دونوں میں یہ بڑا امتیاز ہے۔ مسلّمات یہ وہ قضایا ہیں جو مقابل کے نزدیک مسلم ہیں انسے دلیل مرکب کرنے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ مخالف کو الزام دیا جاوے اور جو دلیل کہ مشہورات ومسلمات قضایا سے مرکب ہو اسکو جدل کہتے ہیں تیسرے مقبولات یہ وہ قضایا ہیں کہ جنکے قائلین کیطرف لوگوں کا حسن اعتقاد ہو خواہ وہ دینی پیشوا رہوں یا سلاطین وحکما رہوں۔ چوتھے مظنونات یعنے وہ قضایا جو ظنی ہوں یقینی نہوں جیساکہ فلاں رات کو پھرا کرتا ہے اور جو رات کو پھرا کرتا ہے وہ

چور ہوتا ہے نتیجہ نکلا کہ فلاں چور ہے حالانکہ جو رات کو پھرے یقینی بات نہیں کہ وہ چور ہی ہو مظنونات و مقبولات سے جو کلام مرکب ہوتا ہے اسکو خطابہ کہتے ہیں۔ یہ لوگوں کو کسی بات پر آمادہ کرانے یا منع کرنے میں بالخصوص امور معاش و مصالح عامہ و حسن سیرت کیطرف لانے میں نہایت کار آمد ہوتا ہے جیساکہ واعظین اور سپیکر کیا کرتے ہیں۔ پانچویں تخیلات یہ وہ خیالی قضایا ہوتے ہیں جو نفس کو متاثر کرتے ہیں تاکہ رغبت یا نفرت دلائی جائے جیساکہ شراب کی خوبی کہ وہ یا قوتی رنگ اور جیاں اور جنیں ہے فلاں شخص کی صورت ایسی اور ایسی ہے چاند سا چہرہ ہے یا دیو جیسی صورت ہے۔ ایسے قضایا سے جو کلام مرکب ہوتا ہے اسکو شعر اور کلام شعری یا شاعرانہ خیال نبدی کہتے ہیں۔ اور جب اس کلام کو ردیف و قافیہ میں لاکر نظم کر دیا جاتا ہے اور پھر اسکو کوئی خوش الحان گاتا ہے اور سرود بھی ہوتا ہے تو نفس کو جلد ہیجان میں لاتا ہے لیکن یہ کمال روحانی نہیں۔ چھٹے وہمیات یعنے غلط مقدمات جو دھوکہ اور وہم کے حکم بیجا پر بنے ہوں کیلئے کہ غیر محسوس چیزوں پر وہم کا فتوے غلط ہوتا ہے جیساکہ یہ قول کہ جو موجود ہے تو ضرور وہ محسوس بھی ہے کہ جسکی طرف اشارہ کر سکتے ہیں ورنہ موجود نہیں یا یہ کہ اس گھر میں مردہ ہے وہ ضرر پہونچائیگا یہ وہمی اقوال کبھی اس درجہ تک لوگوں کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں کہ مشکل سے دور ہوتے ہیں اور جاہل ملکوں میں ایسے وہمیات اقوال پر ان کے مذہب اور رسم و رواج کی بنیاد ہوتی ہے اور کبھی مسائل حقہ کی تفسیر و تشریح میں بھی وہمیات کا دخل ہو جاتا ہے اسلئے شرائع صادقہ میں بھی بمرور زمانہ تحریف ہو جاتی ہے بات کچھ ہی بنا لیتے کچھ اور ہیں اپنے وہم کا لباس پہنائے بغیر نہیں چھوڑتے آجکل مسلمانوں کے رسم و رواج بیجا میں بھی اسکا بہت کچھ دخل ہو گیا ہے اور خیال نے اسکو اسلام سمجھ لیا ہے وہمیات سے جو کلام اور قیاس مرکب ہو اسکو سفسطہ کہتے ہیں۔

یہ انسان کی علمی ترقی ہے۔ اسلئے اس علم میں ہر ایک کا حصہ نہیں۔ حکماء مشائین اور

متکلمین کے کمال کا مدار علم استدلالی پر ہے جیساکہ حال کے حکمار کا مدار کہربائی تجارب اور آلات کے ذریعہ سے مشاہدات پر ہے ✤

علم منامی

(۳) علم منامی ہے۔ یہ بھی انسانی کمالات کا ذریعہ ہے اسلئے اسمیں سے بھی ہر ایک کو حصہ نہیں دیا گیا۔ **خواب** میں حواس ظاہرہ سے تو کچھ کام لیا ہی نہیں جاتا ہاں حواس ظاہرہ کے مدرکات خزانۂ خیال میں مجتمع رہتے اور اسیطرح قوت وہمی کے بھی مدرکات جزئیہ خزانۂ حافظہ میں مجتمع رہتے اور یہ سب خواب میں ساتھ ہوتے ہیں ادہر قوت متصرفہ بیکار نہیں رہتی اِس لیئے خواب میں بشتر عالم بیداری کے مدرکات گوناگوں صورتوں میں پیش آتے ہیں یہ معمولی خواب ہیں جنکو اضغاث احلام کہتے ہیں۔

خواب کی حقیقت

بے شک نہ ان کا کچھہ اعتبار ہے نہ یہ وسیلہ ترقی ہو سکتے ہیں۔ لیکن کبھی نفس ناطقہ جبکہ وہ اس عالم حس کیطرف سے بسبب معطل ہو جانے حواس کے جو اس کے جاسوس ہتے اپنے حیز اصلی عالم نورانی کیطرف متوجہ ہوجاتا ہے تو اِس جوہر صافی پر عالم غیب کے واقعات اسطرح منعکس ہوتے ہیں کہ جیسا صاف آئینہ میں محسوسات کی صورتیں پہر بیدار ہوکر کبھی ہوبہو اوس واقعہ کو پا در کہتا ہے اور اسیکے مطابق اوسکا ظہور دیکھتا ہے اور کبھی ان معانی مجردہ کو اسکی قوت متخیلہ اِن کے مناسب صور محسوسات کا لباس پہنا دیتی ہے۔ مثلاً معلوم یہ معنے ہوئے ہتے کہ کوئی دشمن قوی اسپر حملہ کر رہا ہے قوت متخیلہ نے اسکو اِس صورت میں لے لیا کہ ہاتھی یا شیر یا اور کوئی موذی درندہ اسپر حملہ کر رہا ہے۔ مُعَبِّر اوس صورت محسوسہ سے وہی معنے الگ کر کے بتا دیتا ہے۔ اِس علم کے علمار نے معانی مجردہ کی مناسب صورتیں بیان کردی ہیں اور اِس مناسبت کی تشخیص میں بھی معبر اور اِس فن کے ماہروں سے غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ صورت محسوسہ میں ڈھلنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حواس محسوسات ہی کے ادراک کے عادی ہیں اور انہیں تک انکی دسترس ہے۔ ایسے خوابوں کو بھی اضغاث احلام بتا بڑی بے تمیزی اور سچے واقعات کا انکار کر دینا ہے ✤

الروح اذا كان متوجها الى العالم النوراني تنكشف به الغيبيات وان كان متوجها الى عالم المحسوسات تكون اضغاث احلام

بسا اوقات بعض لوگ خواب میں مردوں سے ملے ہیں اور مردوں نے انکو وہ باتیں بتائی ہیں کہ جنکو یہ جانتے بھی نہ تھے پھر بیدار ہو کر انکو ویسا ہی پایا ہے کبھی مردوں نے وہ چیزیں بتائی ہیں کہ جنکو کوئی بھی نہ جانتا تھا کبھی انکو مطالب علمیہ و حقائق اشیاء و اسرار موجودات بتائے ہیں کبھی اسکو رنج و محن اور مصائب سے رستگاری کی برجستہ تدابیر بتائی ہیں اور پھر بیدار ہو کر ویسا ہی پایا ہے یہ علوم اسکو یقیناً بغیر ذریعہ حواس کے خواب میں حاصل ہوئے ہیں کبھی دیکھا گیا ہے کہ خواب میں کسی شہر میں گئے ہیں اور وہاں جا کر فلاں فلاں اشخاص سے ملے ہیں جنکی یہ صورتیں ہیں اور ایسے مکان میں ٹھیرے ہیں اور وہاں یہ کھایا پیا ہے۔ حالانکہ بیداری میں ابتک نہ یہ شہر دیکھا تھا بلکہ سنا بھی نہ تھا نہ وہاں کے مکانات دیکھے تھے نہ اون لوگوں اور نہ ان کھانوں نہ اُن سامانوں کو دیکھا تھا پھر بیدار ہو کر کسیوقت ہو بہو ویسا ہی پیش آیا ان خواب کی چیزوں کو متخیل تو کہہ ہی نہیں سکتے کسلئے کہ ابتک انکا حواس سے ادراک بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ ایک اگر ادراک روحانی نہیں تو اور کیا ہے؟ کسلئے کہ خواب میں نہ وہ ان پاؤں سے چل کر گیا ہے تو ان آنکھوں سے اوسنے کچھہ دیکھا ہے نہ اس مونہ سے کچھہ کھایا ہے۔

اسلئے محققین نے فرمایا ہے کہ نفس ناطقہ گو اس مادہ اثیریہ سے مجرد ہے مگر وہ خود بھی ایک لطیف جسم رکھتا ہے جسمیں ایسے ہی اعضاء لطیفہ ہیں جیسا کہ اس جسم کے لئے ہیں اور وہ اس جسم کے بغیر بھی لذت و سرور رنج و محن پاتا ہے۔ اس جسم کے چھوڑ دینے کے بعد اسپر سب کچھہ رنج و راحت گزرتی ہے جسکو شریعت میں قبر کے عذاب و ثواب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کو خواب میں بہت امور غامضہ بتائے گئے ہیں خاتم الانبیاء علیہم السلام نے بھی اسلئے خواب کو نبوت کا ایک جزو بتایا ہے۔

انسان کی حقیقت
ادراک کشفی

(۴) ادراک کشفی ہے۔ قبل اسکے کہ ہم اس ادراک کی حقیقت بیان کریں انسان کا کچھہ حال بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو اس کا محل ہے۔ انسان کا ایک حصہ تو یہی جسم ہے

جو ایک قطرۂ منی سے بنا ہے اور وقتاً فوقتاً بڑھتا اور اغذیہ سے بدل ما یتحلل ہوتا رہتا ہے اور ایک حد پر پہونچ کر اسکے قویٰ میں فرق آنے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے درخت کیطرح ثمر مردہ ہوکر گر پڑتا ہے۔ اس حصہ کے لحاظ سے یہ بھی اوجملہ حیوانات بھی بمنزلہ نباتات کے ہیں جسطرح ایک دانہ میں قدرت نے اس کے کمالات مقدرہ ودیعت رکھدیئے ہیں اور زمین میں پڑکر رفتہ رفتہ وہ عالم وجود میں ظہور کرتے ہیں اور تکمیل کی حد پر پہونچکر پھر وہی یا ویسا ہی دانہ برآمد ہوتا ہے یہی حال انسانی جسم کا ہے فرق یہ ہے کہ وہ زمین میں یہ عورت کے رحم میں اوگتا ہے۔ پھر جسم کی جو کچھ اطبار نے تشریح بیان فرمائی ہے اور اسکی بناوٹ میں قدرت کا کمال دکھایا ہے وہ کہے دیتا ہے کہ یہ آفرینش کسی بے شعور (طبیعت) کا کام نہیں بلکہ کسی حکیم وعلیم کی صناعی ہے خیالات عامہ تو اس جسم کے پتلے کو کہ جو ایک قسم کی تر و تازہ لکڑی ہے نہ جس میں کوئی ادراک ہے نہ عقل ہے نہ نیک وبد کی پہچان ہے انسان کہتے ہیں مگر جب اسکے ادراک اور عقل وحواس پر غور کیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پتلے میں کوئی اور ہی مدرک اور صاحب شعور ہے جو تمام جسم کو اپنی طرف نسبت کیا کرتا ہے کہ میرا سر میرا پاؤں میرا دھڑ میرا جسم اور یہ ظاہر ہے کہ منسوب اور منسوب الیہ دو چیزیں جداگانہ ہوتے ہیں جبکہ کوئی کہے کہ میرا گھوڑا تو صاف ہے کہ گھوڑا دوسری چیز ہے اور میرا کہنے والا دوسری چیز ہے اور سب باتوں کو جانے دیجیے صرف خواب میں آیندہ آنے والے واقعات کسنے دیکھے۔ ان آنکھوں نے؟ ہرگز نہیں پس جوہر مجرد نفس ناطقہ ہی جسکو روح آتما کہتے ہیں اور ہر زبان میں اسکا ایک نام ہے) اصل انسان ہے جو اس خاکی پتلے سے ایسا وابستہ ہے کہ گویا دونوں ایک ہیں ایک کا دوسرے پر اثر پہونچتا ہے +

اب اس جوڑے میں دو صفت ہیں ایک جسمانی آثار بہیمیت ظلمات اور عالم پستی اسکیطرف رغبت کرنا لذات وشہوات کیطرف مائل ہونا دوسرا وصف روحانی ہے جسکا

انسان ... مقدار ... اعلیٰ ... اسفل ... عالم ... [illegible]

تقاضا عالم بالا کیطرف رغبت ہے۔ چونکہ وہ نورانی ہے نورانی اخلاق وافعال کیطرف میلان بھی کرتا ہے دونوں میں عجیب کشمکش رہتی ہے۔ ؎

آدمی زادہ طرفہ معجونیست ازفرشتہ سرشتہ وز حیوان

یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمانسرائے ہے غم رہ گیا کبھی کبھی آرام رہگیا

اہل کمال روحانیت کو قوت دینے کے لئے بہیمیت کے پست کرنے میں بڑی بڑی ریاضات شاقہ کیا کرتے ہیں اسلئے ایک حداعتدال تک شرائع انبیاء علیہم السلام نے بھی ریاضیات قائم کی ہیں۔ روزہ۔ حج۔ نماز۔ مراقبہ۔ ذکر وغیرہ اسیطرح بیجا خواہشوں سے روکا ہے جیساکہ زنا۔ اور اس کے اسباب ودواعی ناچ و رنگ باجے گاجے برہنہ تصویر شہوت انگیز افسانے اور فحش اشعار شراب کہانے پینے میں شتر بے مہار ہوتا اور جملہ ملکات رذیلہ جہوٹھ مکر ظلم وغیرہ۔

اہل ریاضات دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو کسی انبیائی طریق کے پابند نہیں انکو حکماء اشراقین کہتے ہیں قدماء میں افلاطون الٰہی بھی تہا۔ اور اہل ہند میں جوگی سنیاسی وغیرہ۔ دوسرے گروہ جو طریق انبیاء علیہم السلام کے پابند اور انہیں کی تعلیم کردہ روحانی ترقیوں کی راہوں پر چلنے والے ہیں یہ گروہ اولیاء کرام وصوفیائے عظام کا ہے ہرچند دونوں گروہ روحانی کمالات میں ترقی کرتے ہیں اور جب روح سے حجاب بہیمیت دور ہوتے ہیں تو اس آئینہ صافی میں ہزاروں علوم منعکس ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ ادراک کشفی ہے ۔

مگر دونوں گروہوں میں بڑا فرق ہے گروہ اول کی ریاضات میں بیقاعدہ ہونے کے سبب محنتیں بھی زائد اور نتائج بھی کم اور پہر نتائج میں غلطی کا احتمال بھی زیادہ باقی رہتا ہے برخلاف گروہ دوئم کے ۔

ادراکِ کشفی کے درجات

(۱) اہل ریاضت کا کشف ہے۔ قدرت نے انسان کو جسطرح محسوسات کے ادراک کے لیئے حواس ظاہرہ و باطنہ عطا کیئے ہیں۔ اسیطرح عالمِ روحانی کے ادراک کے لیئے اس عالم میں لطائفِ سبعہ بھی عطا کیے ہیں۔ لطیفۂ قلب۔ لطیفۂ روح۔ لطیفۂ سر۔ لطیفۂ خفی۔ لطیفۂ اخفی۔ ان پانچوں لطیفوں کا مقام سر سے نیچے کے بدن یعنی سینہ میں ہے لطیفۂ نفس، لطیفۂ سر ان کا مقام سر میں ہے۔ مگر ان کی تعلیم اور ان میں ترقی اور ان کے انوار کی کیفیات بغیر روحانی معلم کے جو ابنیائی طریق کے سجادہ نشین اور ہادی ہیں میسر نہیں آتی۔ ہر ایک لطیفہ کے انوار اور انکے کیفیات جداگانہ ہیں جن سے عالم روحانی کے حقائق اور نور غیبی منکشف ہوتے ہیں اور ایک عجیب مستی اور کیف پیدا ہوتا ہے۔ مگر سالک طریق ان حقائق و اسرار کو اپنے مقصد اصلی کے مقابلہ میں کسی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

ان لطائف سے جبکہ آنکھیں بند ہوتی ہیں ہزاروں کوسوں کے محسوسات بھی دکھائی دیجاتے ہیں اور عالم مجردات کی صدہا ایسی چیزیں بھی نظر آیا کرتی ہیں کہ جنکو کوئی دوربین یا کوئی آلہ دکھا سکتا ہے۔ روحانیوں سے ملتے ہیں اور اپنی روح کو بھی عیاناً دیکھتے ہیں اور صدہا عالم ملکوت کے اسرار منکشف ہوتے ہیں یہ **اول درجہ** ہے پھر انہیں بھی کیے بعد دیگر بہت سے درجات ہیں۔ **دوسرا درجہ** صفات باری میں مراقبہ اور ان کے انوار و آثار کی تجلیات کا ظہور ہے جس سے سکی روح پر انہیں انوار کا انعکاس ہوتا ہے اسکی محبوبیت کا رنگ چڑھتا ہے تو مخلوق میں محبوب و مرعوب ہو جاتا ہے قدرت کے آثار تجلی کرتے ہیں تو اسکی طاقت اجسام کی طاقت سے بڑھ جاتی ہے اس سے وہ بڑے بڑے کام نمایاں ہونے لگتے ہیں جو ظاہر اسباب پر مبنی نہیں ہوتے جنکو **کرامت** و خارق عادات

کہتے ہیں توحید کی تجلی ہوتی ہے تو صرف اسکا وجود مطلق شیونات گوناگوں میں دکھائی دیا کرتا ہے۔ لیکن اب تک اسکا انکشاف اور اسکے کیفیات اس مرتبہ تک نہیں پہونچے جو غلطی اور آمیزش وہم سے معصوم مانے جائیں۔ پھر اس مرتبہ میں بھی درجات مختلفہ ہیں کیونکہ جسطرح سب اجسام اور جسمانی قوتیں برابر نہیں اسیطرح روحانی قوتوں اور خود ارواح میں بھی ویسا ہی تفاوت ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر ایک شخص کو مدتوں کی ریاضات شاقہ کے بعد بھی وہ مرتبہ نصیب نہیں ہوتا جو دوسرے قوی نفس ناطقہ کو تھوڑی سی توجہ میں ہو جاتا ہے یہاں تک دائرہ ولایت تمام ہوا اسکے اوپر تیسرا درجہ نبوت و رسالت کا ہے اس مرتبہ میں ذات باری کی تجلی روح پر ہوتی ہے اور ان لوگوں کے نفوس وارواح بھی اسدرجہ پر ہوتے ہیں کہ اور کیسے نہیں ہوتے اور اس مرتبہ میں انکے علوم اور ان کے مکاشفات اور ان کے حالات آمیزش وہم و تخیلات سے بھی بالکل پاک اور سراسر حق اور مطابق واقع ہوتے ہیں تمام روحانی ترقیوں کا یہاں خاتمہ ہو جاتا ہے یہی لوگ پیشرو ہوتے ہیں انہیں کے انکشاف پر اعتماد کلی ہوتا ہے اور ان کے انکشاف کو الہام اور وحی کہا کرتے ہیں اسلیے یہ لوگ مخلوق کی ہدایت کیلئے اسکی رحمت سے مامور کیئے جاتے ہیں۔

درجات کشف

درجہ نبوت

(۱) بھلا جس رحیم و کریم نے اپنی کمتر درجہ کی مخلوق نباتات و حیوانات کے لئے بھی انکے حدکمال کے رستہ واضح کر دے وہ انسان جیسے اشرف مخلوق کو یوں ناکمل رہنے دے بعید از قیاس اور خلاف شان رحمت ہے اسلیئے نفوس بشریہ میں سے چند ایسے نفوس بھی بنائے

دلیل نبوت

ف اور یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں عالم جسمانی میں کہ جہاں اثر و تاثیر بہ نسبت مجردات و روحانیات کے بہت ہی کم ہے۔ پھول کا اثر مٹی میں اور آگ کا لوہے میں ایسا محسوس ہے کہ مٹی خوشبو میں پھول اور حرارت میں لوہا آگ کا کام دیتا ہے پھر روحانیات و لطائف میں تو بدرجہ اولے ہے روح لطیف جب انوار حق متجلی ہوتے ہیں تو پھر اوسکی قدرت و طاقت کا کیا بیان ہو سکتا ہے اور قدرت و طاقت عالم اجسام میں بھی لطافت کے سبب زیادہ پائی جاتی ہے۔ خاکی اور ہوائی تاثیر سے بھانپ کی اور اسی لطافت کے سبب برقی طاقت اور بھی زیادہ ہے ۱۲ منہ

جو انسانی سعادت کے رہنما اور پکے ہادی ہیں انہیں ایک جذب مقناطیس بھی ایسا رکھدیا ہے جو نفوس بنی آدم کو کشاں کشاں سیدھے رستہ پر لاتے ہیں انہیں ایک نورانی قوت بھی ایسی رکھی ہے کہ جس سے ذرا سی صحبت بلکہ غائبانہ عقیدت و محبت سے بھی روح میں خود بخود نورانیت مشتعل ہو جاتی ہے +

جب انسانی جملہ علوم و مکاشفات غلطی سے معصوم نہیں تو ایسی حالت میں اگر ایسے اشخاص نہوں کہ جنکے ادراک و انکشاف بالکل معصوم ہوں اور انہوں نے مرنے کے بعد کے جملہ حالات اور خدا کی صفات و ذوات اور عالم روحانی کے واقعی حالات اور ارواح کے مہلک امراض اور ان کے یقینی شفا دینے والے علاجات نہ دریافت کر لیئے ہوں تو بنی آدم کی زندگی برباد اور اسکو پیدا کرنا عبث ہو جائے۔ پھر انبیاء کے بھی درجات متفاوت اور حالات مختلف ہیں۔ یہ برگزیدہ گروہ جسطرح اپنی قوت عملیہ میں معصوم ہے کہ انکی ملکیت کیوجہ سے اپنر بہیمیت غلبہ ہی نہیں پا سکتی جو خلاف فطرت کام کرنے پر ابھارے اسیطرح وہ اپنی قوت نظریہ میں بھی معصوم ہیں کہ قوت متوہمہ و متخیلہ ان میں کوئی امیزش ہی نہیں کر سکتی۔ وما زاغ البصر وما طغیٰ۔ انکے علاوہ انسان نے اپنے علوم و ادراک کے لیے اور بھی ذرائع و اسباب پیدا کر لیئے ہیں جیسا کہ۔

(۱) **نجوم رمل جفر** وغیرہ۔ اول تو ان کے قواعد و احکام ہی ظنی ہیں دوئم ان کا انطباق اور بھی ظنی ہے۔ اسلیئے اٹکلسے دریافت کیئے گئے۔ عالم حسّی کے حالات بھی قابل اعتبار نہیں چہ جائیکہ روحانی اور عالم مجردات کے احوال۔ اسلیئے بارہا ان کے احکام غلط ثابت ہو جاتے ہیں +

(۲) **علم بالاثار والعلامات**۔ مثلاً دھواں دیکھ کر آگ کا علم حاصل کرنا۔ اگر آثار و علامات وضعیہ ہیں کہ واضع نے فلاں فلاں چیزوں کو فلاں فلاں چیزوں کے لیئے علامات اور نشان مقرر کر دیا ہے جیسا کہ جھنڈیوں اور ستونوں کو میلوں کے لیئے نشان بنا دیا۔ اور

رد از نبوت ... (handwritten margin note)

تار برقی کے ذریعہ سے سوئی کے حرکات یا آواز کو مطالب کے لیئے یا حروف مکتوبہ کو الفاظ کے لیئے اور الفاظ کو معانی کے لیئے یا مخصوص آوازوں کو مخصوص مطالب کیلئے یا مخصوص اشاروں کو مخصوص مقاصد کے لیئے مقرر کرلیا ہے۔ جیسا کہ دن میں آئینہ کے ذریعہ سے اشارات کو رات میں برقی لال ٹینوں کے اشارات کو مطالب مخصوص کے لیئے خاص کرلیا ہے تب تو اسنے جو علم حاصل ہوگا وہ معتبر ہوگا۔ جسکی صداقت حس وعقل سے ہے۔ اور اگر قدرتی آثار وعلامات سے استدلال ہے جیسا کہ بارش اور زلزلہ اور موسمی سردی وگرمی کے لیئے اور امراض وحوادث کے لیئے تجارب سے آثار وعلامات معلوم کرلیئے ہیں تب یہ علم کبھی ظنی اور کبھی غلط ہوگا یہاں بھی حس اور عقل دونوں حکم کیا کرتے ہیں اس علم کو شرعاً اخبار بالغیب نہیں کہتے۔ ایسے آثار وعلامات دریافت کرنے کے لیئے تھرمامیٹر وغیرہ آلات بھی بنائے گئے ہیں۔

(۳) ارواح غیر مرئیہ جن وغیرہ سے علوم وحالات کا دریافت کرنا یہ علوم بھی کبھی صحیح ہوتے ہیں۔ کیلئے کہ خود ارواح خبیثہ اور جن کو علوم روحانیات صحیح اور یقینی نہیں ہوتے ہاں عالم محسوس کی چیزیں اور حالات تو ان کے دیکھے سنے ہوئے ہوتے ہیں۔ عرب میں ایسے لوگ بھی تھے جو جنوں اور ارواح سے سیکھ کر لوگوں کو خبریں دیا کرتے اور ایک سچ میں دس جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔ ان کو **کاہن** کہتے تھے۔ شارع نے اس سلسلہ مکروفریب کو بہت سخت الفاظ سے ممنوع کردیا۔

اور اگر ارواح خبیثہ اور جنوں کا ذریعہ نہیں بلکہ عالم مجردات کے اشخاص کا جیسا کہ **ہالتف غیب** تو اسمیں بھی کلام ہے جسکی تفصیل کسی دوسرے مقام پر کیجائیگی

اور کبھی شیاطین اور ارواح خبیثہ لوگوں پر مسلط ہوکر دور دراز کی اور آنیوالی واقعات کی خبریں دیا کرتے ہیں تاکہ ان سے اعتقاد ہوجائے اسلیئے اپنے نام بھی بزرگان دین کے نام بتایا کرتے ہیں کہ میں فلاں ولی یا فلاں شہید ہوں۔ تاکہ پھر جو کچھ یہ شرک کی تعلیم دیں

مذموم احکام بتائے تو اسپر لوگ قائم ہوجائیں ان کو پوجنے لگیں مصیبت میں انکو پکاریں۔ ان کی نذر و نیاز کیا کریں۔ اور بیشتر تو توہمات باطلہ اور گمراہی ہوتا ہے اسلیئے اسکو بھی شرع نے مذموم اور ناقابل اعتبار ٹھرایا۔

(۴) سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر ذریعہ علم شگن اور فال ہے جو سراسر پوچ اور بے اصل ہے جاہل قومیں کسی کام کے ہونے یا نہونے کا علم شگن اور فال سے حاصل کیا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کام کو جاتے وقت اگر کسینے چھینک دیا تو جانتے ہیں کہ یہ کام نہوگا اس لیئے ہنونے کا میابی اور ناکامی کے لیئے مہورت اور شگن۔ یعنے بحساب نجوم اوقات اور تاریخیں مقرر کر رکھی ہیں۔ انہیں خیالات پر آنی والے مصائب کا دفعیہ خاص خاص اوقات میں خاص جانوروں کا ذبح کرنا جیساکہ بھینسا۔ اور سونا۔ پیتل۔ غلہ۔ تیل وغیرہ مخصوص اشیاء خاص لوگوں کو دینا مصائب کا رد کرنے والا سمجھ رکھا ہے۔ اون کے اعتقاد میں ایسے عطیات و افعال امراض شدیدہ طاعون۔ ہیضہ۔ قحط۔ موت۔ غلبہ دشمن کو رو کر دیتے ہیں اسیطرح حصول مقاصد تندرستی فتحیابی رزق کی فراخی کا بھی ایسے عطیات و اعمال کو سبب بنا رکھا ہے اور پھر اسکے ساتھ اور بھی شاخسانے ہیں جنہیں جاہل اور بت پرست قومیں غرقاب ہیں اور ان کے پیشواؤں۔ پنڈتوں برہمنوں۔ جوگیوں۔ کا آج سے نہیں ہزاروں برسوں سے یہی ذریعہ معاش ہے یہ لوگ قدیم زمانہ میں بھی اپنے راجاؤں مہاراجاؤں کے لیئے اسی قسم کے جگ اور پاٹ کیا کرتے اور خوب مال اوڑایا کرتے تھے۔

مگر افسوس آج کل مسلمانوں پر بھی جہالت کے سبب ان کی صحبت کا رنگ آگیا۔ ان میں بھی پنڈت جوگی پیدا ہوگئے۔ یہ بھی سلسلہ مکر وفریب سراسر خلاف عقل ونقل ہے کبھی اتفاقاً اپنر نتائج کا مرتب ہوجانا ان کے توہمات کی تائید کر دیتا۔

(خلاصہ بحث)

یہاں تک ہمنے ان چند چیزوں کا ثبوت کامل کر دیا ہے (۱) یہ کہ موجودات کا انحصار

انہیں چیزوں پر نہیں جو حواس خمسہ سے محسوس ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم صرف انہیں چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو ہمکو آنکھہ سے دکھائی دیتی زبان سے چکھی جائیں ناک سے سونگھی جائیں کان سے سنی جائیں ہاتھوں سے چھوئی جاتی ہیں محض حماقت اور سراسر جہالت ہے۔ ایسے لوگ عجائب و غرائب آلات بنانے میں کہیں تک ترقی کر گئے ہوں حیوانات سے زیادہ انکا مرتبہ نہیں کہ جن کا ادراک محسوسات تک ہی محدود ہے ادراک عقلی سے انکو کچہہ بہی حصہ نہیں دیا گیا ہے کس لئے کہ عقل سلیم نے موجودات کا دائرہ محسوسات تک محدود نہیں کر دیا ہے نہ مرکبات کو جسم کثیف و محسوس میں محدود مانا ہے۔

(۲) جسطرح آنکھہ سے دیکھی ہوئی چیز کا یقین ہوتا ہے اسیطرح عقل کی آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کا یقین ہوتا ہے بلکہ اس سے بہی زائد۔ کیا مصنوع کے دیکھنے کے بعد عقل اسکے صانع کو نہیں دیکھتی؟ اور لازم کے دیکھنے کے بعد ملزوم کا یقین نہیں کرتی اور کیا دونوں یقینوں میں کچہہ فرق ہے؟ یا انسان کو اپنے صفات نفسانی بہوک پیاس خوف و اطمینان درد و راحت میں کوئی شک ہے؟ حالانکہ انمیں سے کوئی بہی حواس سے محسوس نہیں نہ آنکھہ سے نہ ناک سے نہ کان سے نہ ذائقہ سے نہ چھونے سے۔ ایسے حقائق کے وجود میں سائنس[1] اور فلسفۂ حال کا مکابرہ و انکار خود ان کے بطالت کی دلیل ہے (۳) ادراک کرنا خواہ کسی قسم کا ادراک ہو مادہ اور مادیات کا کام نہیں

[1] موجودہ فلسفہ کا جولان گاہ اشیاء محسوسہ ہی ہیں اسکی تمام کوشش تجارب کہربائی اور آلات اور تیزابوں کے ذریعہ سے اجسام محسوسہ اور کرات کی تحقیقات ہے یا حیوان و نباتات و جمادات و فلزات کی تفتیش ہے یا دوربینوں کے ذریعہ سے نیرات و نظام شمسی کی تحقیق ہے ان کے علوم کا موضوع صرف محسوسات ہیں۔ سائنس میں موجودات کے حقائق سے بحث ہوتی ہے خواہ محسوسات ہوں یا معقولات ہوں خواہ نظریہ ہوں خواہ عملیہ مگر موجودہ یورپ کا سائنس عجب ہے جسکے مسائل نہ براہین عقلیہ قائم کئے گئے ہیں نہ نقلیہ نہ مشاہدات و تجارب پر مبنی ہیں بعض خیالات بے سر و پا ہیں۔ تاوقتیکہ یہ معلوم ہو کہ وہ انسانی

(۴) انسان اصلی وہ روح یعنے جوہر مجرد ہے وہ عالم کثیف کا ادراک تو صرف حواس سے کیا کرتی ہے اور عالم لطیف کے ادراک میں اسکو اِن حواس کی ضرورت نہیں اِس کے لیئے اور ہی آلات ہیں اور وہ خود بخود بھی بغیر ذریعہ آلات مدرک ہے (۵) حواس کی رسائی صرف مادیات اور مادیات میں سے بھی مادیات کثیفہ ہی تک ہے۔ اِن کو تو اجسام لطیفہ وصافیہ بھی محسوس نہیں ہوتے ہوا وصافی وساکن اور خود مادہ یعنے ایتھر بھی محسوس نہیں ہوتا (۶) ادراک استدلالی وکشفی میں ترقی کرنا انسانی کمال ہے اور بجز کشف انبیائی اِن میں سے کوئی ایک بھی آمیزش وہمانی سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

فصل ۲

یہ بات متفق علیہ ہے جسمیں کسی عاقل اور کسی مذہب وملت کو بھی خلاف نہیں کہ کوئی انسان ہمیشہ دنیا میں نہیں رہتا اسمیں امیر وغریب بادشاہ ورعیت عالم وجاہل نیک وبدسب شامل ہیں جسکے لیئے نہ فلسفہ قدیم نے کوئی نسخہ بہم پہونچایا نہ فلسفہ وسائنس حال نے کوئی تدبیر نکالی۔ اگر کوئی عوارض سے بچا رہا تو عمر طبعی نے آخر ایک حد پر پہونچکر جواب دیدیا اور لطف یہ ہے کہ عمر طبعی اچانک جواب نہیں دیتی بلکہ ایک عرصہ پیشتر اپنے پیغام بھیج بھیجکر متنبہ کرتی رہتی ہے مرگ احباب واعزہ میں رمزاً تقاضا ہوتا ہے کہ تو تم بھی تیار رہو یہی دن

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴) ادراکات مذکورہ بالا میں سے کونسی قسم کا ادراک ہے پھر اِس ادراک میں اغلاط سے حفاظت کا کیا قاعدہ ہے اِن بے سروپا اقوال پر اعتقاد جازم کرلینا اور پھر باوجودیکہ اُنمیں ترمیم وتنسیخ بھی جاری ہے یہ سمجھ لینا کہ کلام الہامی کی صحت کا اُنکی مطابقت پر مدار ہے کسقدر کمزور اور جاہل دماغ کا کام ہے کہ جسکو صرف اِتنی بات نے فریفتہ کردیا کہ یہ یورپ کے مشاہیر کے اقوال ہیں اور یورپ نے صنعت وحرفت میں یہ ترقی کی ہے حالانکہ صنعت وحرفت کی ترقی میں جاہل بہائم سیرت زیادہ مشاق ہوتے ہیں کیونکہ یہ قوت متخیلہ کا کام ہے اور وہ اُنمیں زیادہ ہوتی ہے کارخانوں کے بڑے بڑے انجنیروں کا امتحان کرنیسے معلوم ہوسکتا ہے حال میں جاپان نے اِن امور میں کسقدر ترقی کی ہے حالانکہ اُنکے علوم وادراک کا یہ حال ہے کہ ابتک بت پرستی کرتے ہیں اور صدہا توہمات میں گرفتار ہیں ۱۲۔

تمہارے لیئے بھی سر پر کھڑا ہے۔ مگر یہ بہیمیت میں مست و مدہوش کب التفات کرتا ہے پھر تو کڑے کڑے تقاضے ہونے لگتے ہیں آج کیا ہے بال سفید ہو گئے۔ کل دانت گرنے لگے۔ بینائی میں ضعف آنا شروع ہو گیا ہاضمہ بھی جواب دینے لگا چہرہ کی تازگی میں بھی فرق آ چلا اول تو یہی خیال کیا کم انسان کی تمام امنگوں کو خاک میں ملا دینے والا ہے کیونکہ جب چند روزہ ہی قیام ہے تو ثروت و عیش سے بسر کی تو کیا اور فقر و فاقہ سے ایام گزارے تو کیا محنت شاقہ اوٹھا کر فلسفہ و ریاضی کے غوامض حل کیے تو کیا۔ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو گیا تو کیا عیش و عشرت کے جملہ سامان مہیا ہوئے تو کیا ع

جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

ٹرین تیار ہے کوچ کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ دوئم جب یہ ثابت ہو گیا کہ مر کر نیست و نابود نہیں ہو جاتا بلکہ جو اس پیکر جسمانی میں بولتا چالتا حس و ادراک کرتا رنج و راحت اٹھاتا برُے بھلے کام کرتا تھا وہ اس قفس سے نکل گیا اور اپنی ساتھ اِس عالم سے حاصل کردہ سعادت و شقاوت ساتھ لے گیا اب ایک دوسرے عالم لطیف میں اسکو عیش و عشرت بھی ہے یا یہ عذاب و مصائب شاقہ میں مبتلا ہے اور ہزاروں اور بے حساب زمانہ تک رہیگا تو یہ کسقدر جاں گداز مسئلہ ہے کہ جسکے آگے عاقل کو کسی دوسری بات کا خیال بھی نہ آئے وہ شب و روز حیات جاودانی کے اسباب بہم پہونچانے میں مصروف و مشغول ہونے کے سوا کسی لذت دسر در کیطرف ادنیٰ التفات بھی نکرے اور ہائے ہائے کر کے روتا رہے۔ فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ رویا کرو یہ ایسا معاملہ درپیش ہے کہ جس سے عاقل کو چین و آرام نہیں نہ معلوم کہ وہاں کیا اعتقاد اور کون کون سے اعمال نجات اور سرور دائمی کا باعث اور کون کون ابدی عذاب و ذلت کا سبب ہیں؟ اب یہاں فلسفۂ حال اور جدید سائنس تو ایک قدم بھی ساتھ نہیں دیتے اِن کی تو عالم جسمانی اور حسی سے ذرا بھی باہر نظر نہیں وہ کوتاہ بیں بلکہ اندھے ہیں

تو یہی کہتے ہیں کہ مرتے ہی سٹیم سرد ہو جاتی ہے۔ نہ روح کوئی اور اک جوہر ہے نہ مرنے کے بعد باقی رہتی ہے نہ کسی نیک و بد کا ثواب ہے نہ عذاب ہے۔ مگر اس اندھے طبیب کے اسقدر کہنے سے روح جوہر دراک کو تسکین کب ہو سکتی ہے وہ تو اولٹ کر یہ کہے گی کہ اچھا اگر تمہارا کہنا سچ ہے اور تمہارے حکم سے دنیا کے لذات و شہوات میں حیوانوں کی طرح شتر بے مہار بھی رہے تو چلو کوئی حرج نہیں اور اگر تمہارا کہنا غلط ثابت ہوا جیسا کہ روز مرہ تمہارے انکشاف و تحقیقات میں غلطیاں ثابت ہوتی رہتی ہیں ہر روز فلسفہ اور سائنس[1] میں ترمیم ہوتی جاتی ہے برخلاف اسکے ایک گروہ عظیم مقدس لوگوں کا کہنا سچ نکلا جنکا ادراک عقلی بھی بڑھا ہوا ہے اور یہ تمام سلسلہ انبیائی اور ان کے معتقد لوگوں کا گروہ ہے اور وہ کوئی دیوانہ اور پاگل بھی نہیں ہیں تو پھر بتاؤ کیا ہوگا پھر تو کوئی تدارک بھی ممکن نہیں تمہاری جان کو کون رونے بیٹھے گا کم سے کم ایک خطرہ عظیم تو دلکو لگا رہا۔ پھر کونسا عاقل ہے کہ

---

[1] اس سائنس و فلسفہ نے تو انسانی اخلاق کی بھی کوئی عمدہ تعلیم نہیں دی بلکہ اسکا اثر تو نفس پروری خود غرضی بخل جیانت شہوت رانی ابنار جنس کو بہائم سمجھکر ان کو اپنے عیش و آرام کے لئے مخلوق شدہ سمجھنا وغیرہ مشاہدہ میں آرہا ہے۔ سوائے شہوت پرستوں لذات حسیہ میں آزاد ہو کر غرق ہونے والوں کے اور کون اس فلسفہ کو پسند کر سکتا ہے اور یہ تمدن کے بھی کیا کام آسکتا ہے؟ ہندوستان میں جب سے مغربی فلسفہ اور سائنس کا ورود ہوا تو بہت سے لوگ اسکی زرق برق پر فریفتہ ہو گئے۔ لیکن مذہبی قید اور ملکی رسم و رواج اس بیقیدی کے مانع تھی اسلئے سب سے اول مذہب سے مقابلہ کی ٹھہری اور جب اس سے کھلم کھلا مقابلہ کی جرأت نہ پائی تو تاویل و تحریف کی آڑ سے مقابلہ شروع کیا دلیں تو یہ تھا کہ کوئی پھر اعتراض نکرے بے قید ہو کر دنیا کے جائز و ناجائز مزے اوڑائیں بے حجابی سے اپنی مستورات کا جلوہ اوروں کو دکھائیں اور اون کی مستورات سے خود حظ اٹھائیں ایک دسترخوان پر متعدد کھانے جمع ہو جانے سے زیادہ لذت ہوگی اور الزام مذہب اور علماء مذہب پر یہ لگایا کہ دنیاوی ترقی اختراع و ایجاد جو آج مغربی ممالک میں جلوہ افروز ہے یہ اسکے مانع ہیں یہ روشن خیالی کے بھی برخلاف ہیں۔ پھر تفاسیر کے ذریعہ سے قرآن

کہ جو ذرا سی بات کے لئے اپنے آپ کو ایسے خطرۂ عظیم میں ڈالے ؟ حکماء قدیم کا فلسفہ روح کا باقی رہنا اور نیک و بد کا عذاب و ثواب پانے کا تو اقرار ہی ہے مگر اسکے ادراک استدلالی اور کشفی میں بھی غلطیاں پیش آجاتی ہیں حکماء کا اختلاف ہی اسکی دلیل ہے وہ جو کچھ آیندہ زندگی کی متعلق تدابیر تبلاتے ہیں اسنے بھی تسلی نہیں ہوسکتی۔ ہمکو تو ایسے ہدایات میں ایسے لوگوں کی پیروی کرنی چاہیئے کہ جنکا کشف و ادراک غلطیوں سے پاک ہو وہ جو کچھ فرماتے ہوں اپنے مشاہدے سے اور دیکھے ہوئے حالات بیان فرماتے ہوں سو وہ گروہ پاک بجز حضرات انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں اور کوئی نہیں۔ انہیں کی پیروی سے دلکو تسلی ہوتی ہے اور یہ اسی کام کے لیے مبعوث بھی کیئے گئے تھے انبیائی سلسلہ میں سب سے اخیر حضرت محمد مصطفےٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کی نبوت کی صداقت انپر نازل ہوئی کتاب قرآن سے بخوبی ہوسکتی ہے جس کا مثل بنانا بشر سے ناممکن ہے۔ جسمیں تمام انبیائی اصول سعادت اور روح کی ترقی اور پاکیزگی کے طریقے اور نیز تمدن و اخلاق کی اصلاح بوجہ اتم و اکمل ایسی پائی جاتی ہے جو کسی انبیائی کتاب میں نہیں پائی جاتی اور نیز آنحضرت صلعم کی پاک سیرت اور آپکا وہ اثر روحانی جو ایک برقی قوت سے بھی زیادہ ہے جسنے نصف صدی سے پہلے دنیا کو اپنے رنگ میں رنگدیا آپ کی نبوت و رسالت کیلئے روشن دلیل اور زندہ برہان ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) و احادیث کو پلٹنا شروع کیا اور لکچروں اسپیچوں میں انکے مریدوں نے ہائے قوم وائے قوم کے نعرے بلند کرنے شروع کیئے اور انکی خوشامدی اور کاسہ لیس بھاٹوں یعنے شاعروں نے جنکی شکل و صورت پر بھی اندرونہ تاریکی نمایاں ہے نظموں مسدسوں قطعات مثنویوں میں یہی راگ الاپنا شروع کردیا۔ مگر عجب حماقت ہے کہ یورپین کے فیشن اور ان کے آزادانہ تمدن کے سوا انکی اصلی ترقی صنعت و حرفت تجارت و اتفاق میں سے تو کچھ بھی نہ لیا۔ نہ اسکو انکی تمدنی ترقی کا سبب خیال کیا بلکہ ممالک مغربی میں تعلیم پانے یا سیر و سیاحت کرنے بھی گئے تو انکا فیشن اور انکا آزادانہ تمدن ہی لیکر آئے جو اور بھی انکی بربادی اور خاندانی ننگ و ناموس و دولت و ثروت کا برباد کنندہ ہوتا ہے۔ افسوس ۱۲ منہ

فصل ۳

شاید ناظرین کے دلمیں یہ دو باتیں کھٹکتی رہگئی ہونگی (۱) روح کا مرنے کے بعد باقی رہنا (۲) اسکے نیک و بد کا بدلہ ملنا۔ ان دونوں باتوں پر باستثنای چند اقوام کہ یا تو وہ جاہل اور جنگلی ہیں یا ان کی ترقی کا دائرہ محسوسات اور جسمانی اشیار کی تحقیق و انکشاف تک محدود ہے جسلیئے وہ بھی اہل علوم عقلیہ و روحانیہ کے نزدیک جاہل ہیں۔ تمام دنیا اور کل ابنیائی سلسلہ گواہ ہے اور یہ شہادت جسمیں بڑے بڑے عقلار اور اہل کمال داخل ہیں اور ابتک دنیا کے مقتدا مانے جاتے ہیں۔ کافی اور وافی ہے۔ کیا ان کی یہ شہادت کسی وہمی اور خیالی بات پر ہے ؟ ہرگز نہیں یا انھوں نے جھوٹھہ بولا ہے۔ یا ان کی یہ شہادت کسی طمع نفسانی اور مکر و فریب پر مبنی ہے ؟ ہرگز نہیں اور نہ ہوسکتی ہے۔ جو شخص دنیا بھر کو اور دنیا کے ایسے ایسے مقدس بزرگوں عقلار و حکمار کو قاطبۃً دروغ گو اور غلط خیال کرنے والا سمجھے خود اسکے دماغ میں خلل ہے اسیر شہوات و لذات حسیہ کا پڑا ہوا ہے۔ وہ اس شہادت کو اپنی نفسانی خواہشوں کے برخلاف سمجھکر انکار کرتا ہے یہ اسکی سخت بدنصیبی اور ازلی محرومی ہے۔ وہ روحانی ریاضیات اور سلسلہ ابنیائی کی پیروی کرکے آپ دیکھہ سکتا ہے کہ روح جوہر مجرد ہے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور اسکو وہاں اس کے دنیاوی نیک و بد اعتقادات و ملکات و افعال کا عذاب و ثواب بھی ہے۔ یوں دوسرے انکار کرنا اور اسطرف کوشش نکرنا سخت بیعقلی ہے دوئم۔ جب ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ ادراک مادیات کی خاصیت نہیں بلکہ جوہر لطیف کا کام ہے جو بغیر ان حواس کے بھی ادراک کرتا ہے اور وہ روح ہے تو ثابت ہوا کہ وہ روح جسم سے دوسری چیز ہے۔ اور یہ بات بھی ہر عاقل کے نزدیک ثابت بلکہ مشہور ہے کہ جسمانیات میں بھی دیرپا وہ اجسام ہیں جو لطیف ہیں جیسا کہ بسائط۔ اور نیرات و سماوات کی بقا کو اور موالید ثلثہ جسم حیوانات

وانسانی اور نباتات وجمادات کے بقار کو دیکھو دونوں میں کسقدر فرق ہے۔ اب لطیف
اجسام کی بقار اور دیرپا ہونے پر مجردات اور روحانی چیزوں کی بقار کو قیاس فرمایئے کہ
وہ کسقدر باقی اور دیرپا ہونگی، اور روح بھی جوہر مجرد ہے نتیجہ نکلا کہ وہ بھی باقی اور دیرپا ہے
اب رہا نیک و بد اعمال کا اثر جب یہ ثابت کر دیا گیا کہ ادراک علم مجردات کا خاصہ
ہے اور موجودہ زندگانی میں بھی ادراک وعلم روح کا ہی کام تھا۔ بلکہ یہ پیکر جسمانی تو اسکے
ادراک وعلوم میں مانع وحاجب تھا۔ اور لذت و درد سب ادراک پر مرتب ہیں کیونکہ اس
عالم جسمانی میں بھی جب انسان کو کلورافارم وغیرہ سے بیہوش کر دیا جاتا ہے تو اس کو
کوئی بھی حسی درد و لذت نہیں محسوس ہوتی ہاتھ پانوں کاٹ ڈالو خبر بھی نہیں لاکھ اسکے
سامنے سامان لذت پیش آئیں اسکو کچھ بھی لذت نہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ قدرت
نے جسطرح اجسام میں تاثیرات رکھی ہیں جنکا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اسیطرح انسانی علوم
وملکات اور اسکے کاموں میں بھی تاثیرات ہیں جن سے خود اسکی روح متاثر ہوتی ہے
علمی لذات وسرور کے مست دنیا میں ہزاروں موجود ہیں۔ پھر جب یہ حجاب جسمانی
اٹھ گیا اور روح کا ادراک بھی پورا ہو گیا تو کیا وجہ کہ اب اسکو ان تاثیرات کا ادراک نہو؟
اور یہی ثواب وعقاب ہے البتہ یہ ایک سر روحانی ہے کہ وہ نیک و بد ادراک نیک و بد
صور اشکال میں بھی محسوس ہوتا ہے۔ اسلئے عذاب و ثواب کی دو قسمیں ہیں ایک روحانی
جسکو جنت و دوزخ روحانی کہتے ہیں کہ روح کو خود بخود تقرب بارگاہ الٰہی سے ایک بعید
فرحت وسرور ہوگا اور اسکی دوری اور ناراضی سے رنج و تکلیف ہوگی۔ دوئم جسمانی۔ جسمانی
سے جسم عنصر مراد نہیں تاکہ شبہات وارد کیئے جائیں بلکہ یہ کہ صور و اشکال میں وہ دکھ
اور آرام کی کیفیت محسوس ہوگی۔ آرام کی صورتیں باغ انہار حور وقصور اور رنج کی جہنم کی آگ
تنگ و تاریک مکان میں محسوس ہونگی۔ ان صور و اشکال کو اور انبیار نے بھی مگر قرآن نے
بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے جسپر ناسمجھ اعتراض کیا کرتے ہیں واللہ الہادی +

باب اوّل

فصل اوّل

ہم کہہ چکے ہیں کہ انسانی سعادت کے متعلقہ جملہ علوم حقہ جنمیں ذرا بھی آمیزش وہم نہو وہ صرف حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے بندونکو پہونچے ہیں۔ آخر زمانہ میں جبکہ انبیائی طریق مٹ چکنے کو تہا۔ اور آمیزش اوہام نے اسکی بہی اور ہی صورت کر دی تہی گویا روحانیت کا ایک بیجان سا چراغ ٹمٹما رہا تہا (جسکی روشنی بہت ہی دہندلی تہی جو آپ کو آگے چلکر ثابت ہوگا) تو اُس رحیم وکریم نے فاران کی چوٹیوں پر آفتاب ہدایت جلوہ گر کیا۔ دنیا کو اندہیریوں میں سے نکال کر نور کیطرف لایا یعنی حضرت سید المرسلین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی مرسل بناکر بہیجا اور انپر کتاب نازل فرمائی جسمیں تمام اگلے اصول انبیاء کو صاف پاک کر کے انکے ساتہ اور صدہا علوم مفیدہ اضافہ فرماکر جمع کیا اِس کتاب مقدس نے نوع انسانی کو علمی وعملی کمال کی حدتک رہنمائی کی۔ اسکو وہ وہ اسرار اور حواس سے مستور امور بتلائے کہ جہاں تک نہ حواس کی رسائی ہوسکتی تہی نہ حکماء کا سائنس[1] پہونچ سکتا تہا احکام عملیہ بہی طہارت سے لیکر تہذیب اخلاق وعبادت وتمدن وسیاست وتزکیہ روح تک وہ بیان فرمائے[2] کہ جن بغیر انسانی زندگی بالکل نامہذب اور بہائم زندگانی تہی +

---

[1] قرآنی علوم پاک وصاف کے آگے سائنس کی وہی مثال ہے جیساکہ آفتاب نصف النہار پر ہو پہر کوئی چراغ کی روشنی سے کام لے کیا خوب کہا ہے کسینے شعر مصطفے اندر جہاں وآنگہ کسے جوید زعقل + پیش مہر نور افشاں از سہا جوید ضیا + اسلیئے اسلامیوں کو قرآن نے سائنس سے بے نیاز کر دیا +۔

[2] آسمانی کتاب کی درصل یہ ضرورتیں ہیں نہ یہ کہ فلسفہ اور ریل گاڑی تار برقی کلیں انجن بنانے کے علوم

علمی چیزوں میں سے ہم اُن چند اشیاء کا ذکر کرتے ہیں کہ جو انسان کی علمی ترقی کا نصاب کامل ہیں اور اسلیئے اِن کے یقین کرنے کو شرع محمدی نے ایمان قرار دیا ہے جس سے نجات اور حیات جاودانی وابستہ ہے اور یہی عمل خیر کیطرف بھی محرک ہوتا ہے ۔

اِن میں سب سے اول خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہے

خدا کی ذات بابرکات کا ثبوت قرآن کے پہلے ہی جملے سے دکھایا ہے اسطرح پر کہ وہ ایک حکیم و فیلسوف کے مذاق کے موافق برہان بھی ہے اور عوام دماغ بھی اپنے سادہ مذاق کے بموجب اوس سے یقین حاصل کر سکتے ہیں ۔

دلیل اوّل - الحمد للہ رب العلمین ۔ یہاں چار لفظ ہیں ۔ حمد یعنے ستایش اور خوبی اللہ جو اِس ذات واجب الوجود کا علم ہے جسمیں جملہ صفات کمال حاصل ہیں ۔ ربّ پرورش کرنے والا اور جہ بدرجہ کسی چیز کو اس کے کمال تک پہونچانے والا جس سے وہ شے اپنے

(بقیہ نوٹ صلہ) سکہانا جیساکہ آریہ کے پیشوا نے ویدوں کی نسبت بیان کیا ہے ۔ کیونکہ (۱) تو یہ علوم بنی آدم اپنی خداداد عقل اور تجربہ سے خود پیدا کر سکتے ہیں انکے لئے الہام کی کوئی بھی ضرورت نہیں یورپ وامریکہ میں ان فنونکا ایجاد واختراع کسی الہامی کتاب سے نہیں ہوا ہے (۲) اگر ویدوں کے الہام کی بھی ضرورت تہی تو انہیں یہ علوم بھی ہونے چاہییں حالانکہ ویدوں کا کوئی پنڈت بالخصوص آریہ کا پیشوا بھی انجن کا بنانا تو کجا انجن چلانا ہی نہیں جانتا ۔ (۳) اگر ایسا ہی تہا تو جب یہ کتاب تازہ تازہ الہام ہوئیں تہیں اور اِن کے علم بھی موجود تہے تو تشریح و تفسیر کرنے پر قادر تہے تو ان کے زمانہ میں اِن علوم وفنون کا ہندوستان میں زیادہ چرچا ہونا چاہیئے تہا اور یوماً فیوماً انمیں ترقی ہوتی رہتی حالانکہ معاملہ برعکس ہے ابتک بھی ہندو بغیر ذریعہ علوم مغربیہ کے اِن چیزوں کے نام سے بھی واقف نہیں نہ اِن چیزوں کے آثار پائے جاتے ہیں ہم پنڈت جی نے کسی کمزور اور خلاف واقعہ بات کہی شاید ان کی نظروں میں بھی اِس صنعت وحرفت نے اپنا اثر کر لیا تھا ۔ ۱۲ منہ

مربی سے کسی حال اور کسیوقت بھی مستغنی نہیں رہسکتی۔ ہر وقت اسکی طرف دست احتیاج کشادہ رہتا ہے۔ عالمین۔ عالم کی جمع یعنے بہت سے عالم جواہر عالم مجردات عالم اجسام عالم مادیات۔ عالم سفلیات۔ عالم عناصر و بسائط۔ عالم نباتات۔ عالم حیوانات۔ عالم انسان۔ عالم محسوس عالم معقول۔ عالم جہان کو کہتے ہیں۔

اب عاقل آخر سے اول تک نظر کرتا چلا آئے۔ خود بخود اشیاء مذکورہ میں سے ایک دوسرے کے لیئے ثابت ہوتی جائے گی۔ جب صرف عالم محسوس میں سے عالم نبات و عالم حیوان عالم انسان ہی کو غور سے دیکھے گا تو صاف اور بے حجاب معلوم ہوگا کہ انمیں سے کسی ایک کا وجود بھی اپنا نہیں نہ انمیں سے کسی ایک نے بھی اپنے آپ کو بنایا ہے۔ پھر دیکھئے ہر عضو اپنی مناسب جگہ پر کسطرح لگا یا ہے فن تشریح کے دیکھنے سے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اعضاء اندرونی و بیرونی میں کیا کیا صنعتیں اور انجام اندیشتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ پھر نر کے ساتھ مادہ کا بھی جوڑا لگا دیا ہے پھر نر کے اعضاء اور قوے میں وہ امور ملحوظ رکھے گئے ہیں جو اسکے لیئے بہت ہی ضروری ہے۔ اسیطرح مادی کے لیئے وہ باتیں ملحوظ رکھی ہیں جو اسکو مناسب اور ضروری ہیں پھر انکا توالد و تناسل انکا باہم میل طبعی۔ پھر انکا نشو و نما پھر انکے لیئے آلات ادراک و تکلم جو کچھ عطا کیئے گئے ہیں حیرت انگیز ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی حکیم و مدبر اسکا بنانے والا ہے جسکی طرف بننے کے بعد بھی اسکا سلسلۂ احتیاج قائم ہے وہ کون ہے؟ اسجگہ سائنس اور فلسفۂ مغربی تو قدم پھسل گیا جس نے کبھی مادہ کبھی طبیعت کسینے نیچر کا نام لیا۔ جب اسنے سوال ہوتا ہے؟ اتنی بات تو بداہت عقل سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ خواہ وہ کوئی ہو مگر مدرک و انجام بین تو ضرور ہے کسلیئے کہ یہ حکمت کسی بے شعور و بے ارادہ کا کام نہیں۔ پھر مادہ اور طبیعت تو ان کے نزدیک بھی مدرک نہیں وہ کیونکر مربی ہو سکتے ہیں؟ ہاں یہ بات مسلم ہے کہ اسنے انکے مادہ میں کاریگری کی ہے اور طبیعت کی کل بھی ان کے سرانجام مہام کے لیئے قائم

کر دی ہے۔ اب نیچر کو بتاؤ وہ کیا ہے؟ یہ کہدینا کہ اسکا عقل ادراک نہیں کر سکتی کافی نہیں کیونکہ گو اسکی حقیقت و ماہیت کا پورا ادراک نہ کر سکے مگر کیا اسکے کچھ اوصاف بھی جان نہیں سکتی؟ اگر یہ ہے تو ایسے مجہول مطلق کو کیلئے تمنے مربی بنا دیا۔ اب بتاؤ کہ نیچر محسوس ہے کہ نہیں اگر کہیں نہیں تو تمنے اپنے قاعدہ مسلمہ سے بھی انحراف کیا کہ جو محسوس نہیں ہم اس کے وجود کے قائل نہیں اچھا محسوس نہیں معقول ہے پھر اتنا تو بتاؤ کہ وہ مدرک و با اختیار و ارادہ بھی ہے کہ نہیں اگر کہیں نہیں تب وہ بھی مربی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مصنوع اپنے صانع پر ضرور دلالت کرتا ہے۔ ہر مصنوع کیحالت صانع کی حالت کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر زمین پر چند لکیریں بے ترتیب کھنچی ہوئی نظر آئیں اور اس کے پاس کسی جانور یا درخت کی تصویر بھی نہایت عمدہ کھنچی ہوئی دکھائی دے تو پھر کیا عاقل یہ نہ سمجھے گا کہ تصویر کسی اس فن کے ماہر نے کھینچی ہے پھر یہ بھی بتاؤ کہ ہر شے کا ایک ہی نیچر ہے یا جدا جدا نیچر ہیں۔ اگر وہ ایک ہے اور صانع و مدرک و با اختیار بھی ہے تو چلو جھگڑا مٹا اسیکو ہم اللہ کہتے ہیں۔ اگر متعدد نیچر ہیں تو ضرور کہنا پڑے گا کہ نیچر ان کی حقیقت میں داخل ہے کوئی عارضی بات نہیں کسلئے کہ بے معنی عارضی بات سے تعبیر کرنے کے کوئی وجہ نہیں جب حقیقت میں داخل ہوا اور یہ جزء تمام مشترک جملہ افراد نیچر میں پایا گیا تو ضرور کوئی دوسرا جزء بھی ان کی حقیقت کا جزء ممیز ہوگا ورنہ باہم ان کی حقائق میں امتیاز نہ رہے گا پھر متعدد نیچر کہنا غلط ٹھہر جائیگا پھر جب یہ بھی جزء حقیقت ہوا تو نیچر کی حقیقت کے دو جزء ثابت ہو گئے جن سے وہ مرکب ہوا ہے اور یہ عقلی قاعدہ ہے کہ ہر مرکب حادث ہے اور ہر حادث کیلئے ضرور ایک محدث یعنے پیدا کرنے والا بھی ہے اب بتاؤ کہ ان نیچروں کو کسنے بنایا؟ معلوم ہوا کہ ان کا بنانے والا اور ہی زبردست حکیم و علیم ہے۔ ہم اسیکو اللہ کہتے ہیں۔ الغرض کسیطرف چلو جہاں جاکر جس کی طرف سلسلہ احتیاج تمام ہوگا وہی اللہ ہے وہو بکل شئ محیط۔ موجودات کا ہر طرف سے اسینے احاطہ کر رکھا ہے +

جب عالم کا مربی اللہ قرار پایا اور پھر پھر کر اوسی پر آنا پڑا تو یہی ثابت ہو گیا کہ جملہ موجودات کا وہی مربی ہے اسکی طرف دست احتیاج کشادہ ہے اسینے اپنے فیض عام سے مخلوق کی آفرینش میں حکمت واتقان ملحوظ رکھا ہے۔ جب یہ ہے تو اسمیں جملہ صفات کمال بھی ہیں اور جسمیں جملہ صفات کمال ہوں۔ وہی ہر طرح کی ستایش ونیایش تعریف ومدح کا مستحق ہے اس جملہ کو اب دوسری طرح سے بقاعدہ حکما ترتیب دے لو پوری برہان خدا تعالےٰ کے وجود اور صفات کمال پر قائم ہو جائے گی۔ بایں طور۔ تمام عالم اور اسکے جملہ افراد موثر سے مستغنی نہیں۔ کیونکہ ان کا وجود ترتیبی اور بقار کی احتیاج یہی بتا رہی ہے۔ انسان کو تو دیکھ ہی چکے ہو اب او پر نیرات کا بھی اوڑ کر ملاحظہ کر لو۔ نیرات کے بیہ تیز حرکات کہ بعض ایک گھنٹے میں چوبیس ہزار میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور پھر ان کے یہ بھاری بھاری اجسام کہ جنکی نسبت زمین ایک رائی کے دانہ کے برابر ہے۔ بتاؤ کون حکیم ومدبر ہے۔ جسنے ان کے اجسام میں ایک ایسی محدود کشش رکھی ہے کہ جس سے وہ ایک انچہ بھی اپنے دورے کے مدار سے تجاوز نہیں کر سکتے اور ان سب کے دوروں کا ایسا باقاعدہ انتظام کر دیا ہے کہ جس سے انمیں باہم ٹکر ہونے نہیں پاتی۔ ریلوں پر بڑے ہوشیار محافظ ہوتے ہیں اور وہ معدودے چند ہوتی ہیں۔ اسپر بھی ٹکرا جاتی ہیں۔ یہ نیچر مادے طبیعت کسی بے شعور کا کام نہیں۔ یہ صغریٰ دلیل تھا کبرے یہ ہے اور جو موثر سے مستغنی نہیں وہ حادث ہے نتیجہ نکلا کہ عالم بجمیع افرادہ جسمیں جواہر اعراض معقولات و محسوسات سب داخل ہیں حادث ہے یعنے ہمیشہ سے نہیں اسکو کسینے بنایا ہے اور وہ بنانے والا کاریگر علیم وقدیر خدا ہے۔ الحمد للہ رب العلمین +

عالم محسوس زمین۔ اور اسکی تمام چیزیں موالید ثلثہ اور عناصر وبسائط۔ ایسطرح صدہا ہزارہا نیرات ثوابت وستارے جنکی تعداد بجز اسکے کوئی بھی نہیں جانتا جنہیں سے بہت تو بعد مسافت کے سبب دوربینوں سے بھی دکھائی نہیں دیتے۔ ایک ایک ستارا

زمین سے ہزاروں حصہ بڑا ہے۔ پھر انہیں بھی زمین کی چیزوں کی طرح نہ معلوم کیا کیا چیزیں ہیں۔ ان کے رہنے والوں کو زمین ایک بہت ہی چھوٹا سا تارا دکھائی دیتا ہے۔ اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا کیا مادہ ہے یہی ایک مادہ اثیریہ (ایتھر) ہے یا ہر ایک کے جدا گانہ مواد ہیں اور ان کے اردگرد بھی اسی طرح کے عناصر اور بسائط ہیں جیسا کہ زمین کے اردگرد محیط ہیں یا اور مختلف الحقیقت ہیں۔ اس بارے میں جس حکیم و فیلسوف نے جو کچھ کہا ہے وہ اسکی رائے ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو یا غلط۔

اب اس تمام مجموعہ کو اسکی دریائی ہستی کا ایک قطرہ اور میدان وجود کا ایک ذرہ سمجھنا چاہیئے اور ایسے بے تعداد بحار وجود اور بوادی شہود اس قادر مطلق کے زیر حکم ہیں۔ پھر وہ ان میں کیونکر سما سکتا اور لطافت کے سبب حواس سے کیونکر دکھائی دیسکتا ہے؟

عالم معقول تو عالم محسوس سے بھی کہیں زیادہ وسیع ہے۔ جنۃٍ عرضھا کعرض السمٰوات والارض۔ اور پھر عالم معقول یکے بعد دیگر لطافت و تجرد میں مرتب ہیں انکی مخلوق اور ان کے حالات کا ادراک بشر کیا احاطہ کر سکتا ہے۔

آسمان کی حقیقت تو وہی جانتا ہے۔ مگر حکماء حال نے حواس کی تیزی کے لیئے دوربینیں بنا کر جو غور سے دیکھا تو انکو بجز ایک نیلگوں رنگت کے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا اس لیئے انہوں نے کہدیا کہ صرف فضاء وسیع کا نام آسمان ہے سبع سیارہ کے سبب سات آسمان آج سے نہیں بلکہ جب سے بنی آدم کا ظہور ہے مشہور ہو گئے ہیں۔ وہ صرف فضاء ہے جو ایک موہوم شے کے سوا اور کچھ نہیں۔

اب یہ نیلگوں رنگ جو حکماء نے اس کوشش سے ملاحظہ کیا جسکو خاص و عام بھی دیکھتے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ انوار نیرات اور ظلمت فضاء سے مرکب ہوکر نظر آنے لگا ہو ممکن ہے کہ آسمانوں کا اصلی رنگ ہو۔ اور خیر یہی سہی مگر جب بسائط حس بصر سے دکھائی نہیں دیتے تو آسمانوں کا دکھائی نہ دینا کیا تعجب خیز بات ہے اور یہ نیلگوں رنگت گو انپر عارض ہو

گر محدد جہات ہونے کے سبب ایکطرف تو ضرور عارض ہے جیسے اِن کو آسمانوں کی رنگت کہنا کچھہ بھی غلط بات نہیں جو کچھہ ہو مگر محسوس نہونے سے اِن کے وجود کی نفی کرنا خلاف عقل ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں ابھی ثابت کر آئے ہیں۔

الغرض عالم محسوس اور عالم معقول کے لاکھوں اجناس ہیں اور ہر جنس کے بیشمار انواع واصناف ہیں اور ہر نوع وصنف کے بیشمار افراد ہیں۔ اگر ہر ہر فرد اور ایک ایک چیز کی پیدایش اور اِن کے حالات میں غور کیا جاوے تو ہر ایک خدائے قادر علیم وخبیر کے وجود اور صفات کمال پر ایک روشن دلیل ہے۔

اسلیئے قرآن مجید میں عالم کے چند افراد کو پیش کر کے اپنی ہستی اور کمال کو دکھایا۔ اور انکو آیت قدرت اور دلیل وجود بنایا ہے اِس قسم کے قرآن میں بہت سے دلائل مذکور ہیں۔ جنکا چشمہ یہی جملہ الحمد رب العلمین ہے اور سب اسکی تفسیریں ہیں۔ ہم بھی کسیقدر ان کو ذکر کرتے ہیں۔ مگر یہ سب دلائل آفاق کہلاتے ہیں یعنے انسان سے بیرونی خود انسانی کے اپنے حالات بھی اسکی قدرت وکمال کے آیات بینات ہیں جنکو دلائل انفس کہتے ہیں قرآن میں اِن دونوں قسم کے آیات ودلائل کیطرف اِس آیت میں اشارہ ہے سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسکم افلا تبصرون۔

اِس جملہ الحمد للہ رب العلمین میں ذات وصفات کا ثبوت دکھا کر اپنے صفات میں سے ایک خاص صفت کا ثبوت کرتا ہے جو خدا اور بندے میں رشتۂ محبت قائم کرتی ہے اور جسکا ثبوت اِس جملہ سے ہوتا ہے الرحمن الرحیم کہ وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے۔ رحمانیت کا مقتضیٰ ہی تو تھا جو تمام مخلوق کو عالم وجود میں لایا۔ اور پھر ان کی تربیت کر رہا ہے۔ رحیمیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ نیکوں کے ساتھ ایک دوسرے عالم میں جس کی طرف اسکے بعد کے جملہ میں اشارہ ہے۔ مالک یوم الدین ایک خصوصیت خاصہ سے پیش آئے گا اور وہ خصوصیت خاصہ بندیکو نہ کسی دولت وثروت سے نصیب ہوتی ہے نہ کسی

فضل و کمال سے بلکہ اِس اقرار اور دلیں اِسکو مستحکم کرنے سے ایاک نعبد وایاک نستعین کہ اے
عالم کے صانع اور مربی اور بڑے ایک آنے والے دن کے مالک ہم تیری ہی عبادت کرتے
ہیں۔کیونکہ اور کسیکا عبادت میں حق ہی نہیں کیونکہ نہ اور کوئی موجد ہے نہ مربی ہے۔ اور اپنے
ہر کار بار میں خواہ اُس عالم کے متعلق ہو خواہ اس عالم کے اور ہر حاجت میں جو امکان کا خاصہ
ہے تجھہ ہی سے مدد مانگتے ہیں کیونکہ اور ہے کون جو کسیکے کام آئے اور مدد کر سکے۔ اِس
اقرار نامہ پر قائم رہنا بلحاظ اسکے کہ انسان میں قوئے ملکیہ کے ساتھ قوائے بہیمہ کا بھی پورا اثر ہے
جو اسکو توہمات میں بتلا کرتی ہیں بے صبری و ناعاقبت اندیشی کی وادی میں ڈالکر لذات
و شہوات فانیہ میں بھی بتلا کرتی ہے۔ خیالی معبودوں کی طرف بھی جھکا دیتی ہیں اسکی توفیق
و عنایت بغیر ممکن نہیں۔ اسلئے اسپر قائم رہنے کے لیئے اوسی رحمان و رحیم رب العالمین سے
دعا کرنے کا بھی ایما ہے۔ اہدنا الصراط المستقیم کہ ہمکو سیدہی راہ دکھا۔ یہ ایک ایسا عام لفظ
ہے جو دنیاوی اور آخروی معاملات سب کو شامل ہے راہِ راست ہر امر میں مطلب کیطرف
پہونچاتی ہے انسان کو قدرت نے دو قوتیں عطا کیں ہیں **قوت نظریہ** یعنے علم و ادراک جاننا
اور یقین کرنا۔ یہ سب علوم کو شامل ہے جنمیں کیفیت عمل کا تعلق نہیں خدا تعالے اور اِس کی
ذات و صفات ملائکہ اور انبیا اور مرنے کے بعد کے حالات سعادت و شقاوت کے علوم یہ
سب قوت نظریہ کے متعلق ہیں مرنے کے بعد یہی قوت موجب نجات ہے اور اسیکی
درستگی کو ایمان اور غلط کاریکو کفر کہتے ہیں۔

اسمیں افراط یہ ہے کہ خلاف واقع اور غلط طور پر جانے۔ خدا کا انکار کرے یا اِس کے
لیئے صفات قبیحہ ثابت کرے یا اسکی صفات میں اور ونکو بھی شریک بنائے یا اور کو بھی عالم
کا متصرف جانے (اِسکو شرع میں شرک کہتے ہیں) دوسری تفریط وہ یہ کہ حقائق موجودہ
میں سے جنکا جاننا اور انپر ایمان لانا ضرور تھا انکو بھی نہ جانے دوسری **قوت عملیہ** ہے
تہذیب اخلاق۔ تدبیر المنزل سیاست مدن کے جملہ علوم اسکی شاخیں ہیں اسمیں بھی

افراط و تفریط ہے۔ مثلاً سخاوت و جود جو انسان کی ایک عمدہ صفت اخلاقی ہے اسمیں افراط کا نام تبذیر ہے یعنے فضول خرچی کرنا اور مال اُڑا دینا اور تفریط بخل ہے۔ اسلئے جس صراط مستقیم کی ہدایت کا سوال کرنا بتایا تھا۔ اسکی تعین اور تحقیق کیطرف بھی سوال میں اشارہ ہے۔ صراط الذین انعمت علیہم سیدھی راہ سے اِن لوگوں کی راہ مراد ہے کہ جنپر تونے انعام کیا جنپر چلکے وہ مراد کو پہونچے۔ وہ کون تھے؟ انبیاء اور ان کے اتباع اُسکی تفسیر خود قرآن میں آگئی ہے من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔ اِن میں نبی پر قوت نظریہ کا پرتو اکامل ہوتا ہے اور صدیق اسکا ظلل ہوتا ہے اور نبی کی قوت عملیہ کا پرتو اشہید ہوتا ہے اور پھر صالح ہے۔ انعمت علیہم کا پتا اسلئے دیا کہ کسی شے کے نیک نتیجہ کے تجربہ کرنے سے اس شے کے مفید ہونے میں شک اور تردد نہیں رہتا۔ پھر اِس کے بعد صراط مستقیم کی جانب افراط کی نفی بھی کردی۔ غیر المغضوب علیہم کہ نہ ان لوگوں کی راہ کہ جنپر تیرا غصہ ہوا۔ حقیقت میں غضب الٰہی کا فوران قوت نظریہ کی افراط سے ہی زیادہ تر ہوتا ہے اور اسیطرح جانب تفریط کی بھی نفی کردی گئی و لا الضالین اور نہ اِن لوگوں کی راہ کہ جو گمراہ ہوئے۔ اب اِن دونوں کا مصداق اُمم ماضیہ میں سے کوئی فرقہ ہو جسقدر گمراہ فریق دیکھو گے کسیمیں افراط ہے تو کسی میں تفریط۔ خواہ انبیائی سلسلہ کے نامزد فریق ہوں جیسا کہ یہود و نصارے خواہ حکماء کے فریق ہوں +

دلیل دوئم۔ علویات۔ آسمانوں اور ستاروں کی پیدایش اور اِن کے حالات ہیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہیں آسمانوں کے بنانے اور انمیں وسعت قائم کرنے اور اِن میں استحکام رکھنے سے استدلال ہے۔ کہیں آفتاب و ماہتاب کے پیدا کرنے اور اِن کی حرکات معینہ سے استدلال ہے[۱] وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝

---

[۱] اور آفتاب کہ اپنے مقام پر ٹھہرا ہوا چلتا ہے۔ یعنے چلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ اندازہ ہے زبردست باخبر کا

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ

وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر بقول منکرین خدا۔ خود اتہر سمٹ سمٹ کر آفتاب ماہتاب اور ستارے بنگئے ہیں اور ان کے اندر کا گیاس ہی اِن کی روشنی ہے۔ تو یہ بتاؤ کہ (۱) انکی جسامت اور ان کے انوار کے مقدار و کیفیات کے تفاوت کا کیا باعث ہے ؟ کس لیئے کہ جب علت فاعلیہ مادہ ٹہرا اور وہ یکساں تہا تو اس کے افعال غیر ارادیہ بہی کُل اور طبیعت کے افعال کیطرح یکساں ہونے چاہییں (۲) وہ کیف ما اتفق بغیر ترتیب ہوتے کیلئے کہ ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ کسی چیز کا مادہ سمٹ کر اور خشک ہو کر جو اس کے مختلف اجزاء پیدا ہو جاتے ہیں تو اِن کے اجزاء میں کوئی بہی ترتیب نہیں ہوتی سب بے ڈول اور مختلف الاشکال والاوضاع ہوا کرتے ہیں۔ گیلے گارے کو دیکھو جب تالاب کے خشک ہو جانے سے اس میں گارا سمٹ جاتا ہے تو چہوٹے بڑے ڈہیلے ہو جاتے یا در زمیں پڑکر مختلف ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ پہر پہاڑوں کی چٹانوں کو ملاحظہ کرلو۔ (۲) فلسفۂ جدید کے مطابق آفتاب کو سکون اور ستاروں کو حرکت کس نے دی ؟ اور پہر ان کے حرکات کا یہ تفاوت بیّن کہ کوئی تو ایسا سریع السیر کہ ایک گھنٹے میں چوبیس ہزار میل طے کرتا ہے۔ اور بعض ایسے بطی الحرکات کہ چوبیس ہزار برس میں ایک درجہ کو بہی پورا طے نہیں کرتے جنکو ثوابت

بقیہ نوٹ صہ ۴۹) اور چاند کے لیئے ہمنے منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ اس مسافت سے آخر ماہ میں ایسا پتلا اور ٹہڑا نظر آتا ہے کہ جیسے کہجور کی پرانی ٹہنی ۔ نہ تو آفتاب ہی کا مقدور ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات ہی دِن سے آگے دوڑ سکتی ہے ۔ اور ہر ایک ستارہ ہر ایک مدار (یا آسمان) میں تیرتا پہرتا ہے ۱۲ منہ

حکماء قدیم کی ہیئت کے برخلاف آج سے تیرہ سو برس آگے جبکہ اِن تحقیقات کا نام ونشان بہی نہ تہا اِن آیات میں یہ چند باتیں ظاہر کردیں (۱) آفتاب کے لیئے مستقر فرمایا۔ اگر آفتاب و ماہتاب آسمانوں میں جڑے ہوئے ہوتے اور دونوں کی آمد و رفت ہی سے حرکت ہوتی تو ایک کے لیئے مستقر اور دوسرے کے لیئے منازل ذکر ہوتے (۲) ہر ستارہ تیرتا پہرتا ہے بتلا رہا ہے کہ وہ آسمانوں میں جڑے ہوئے نہیں جیسا کہ موجودہ ہیئت کہتی ہے ۱۲ منہ

کہتے ہیں۔ عجب کاریگری ہے بعض کو تو ساکن اور بعض کو قریب بسکون اور بعض کو سریع السیر بنا دیا پھر عنصر کے بھی درجات متفاوت رکھے۔ پھر حجامت کا یہ تفاوت کہ بعض کا رقبہ اربوں میل تک کا جیسا کہ آفتاب اور بعض اس سے کم اور بعض اوس سے بھی کم اور پھر ان کے دوائر مدار باوجود بیشمار ہونے کے متفاوت کوئی آفتاب کے گرد لاکھوں میلوں کے فاصلہ سے اپنی حرکت دوری سے دائرہ پیدا کرتا ہے کوئی اوس سے بھی دور ہو کر کوئی اوس سے بھی قریب ہو کر اس قرب و بعد کے تفاوت کو جو ثوابت و سیارات کے دوائر میں ہے اگر مفصل بیان کیا جائے تو عمر نوح بھی کافی نہو۔ اور پھر ان دوائر کے طے کرنے میں کیا مجال کہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائے پھر ان کے انوار کا تفاوت کہ کسیکا سرخ کسیکا زردی مائل کسیکا سبزی مائل۔ کسیکا سفیدی مائل۔ کوئی نیلگوں کوئی سیاہی مائل۔ حیرت انگیز صنعت ہے۔

یہ بات ہم بھی مانتے ہیں کہ ان سب کیلئے مادہ ہے۔ کیونکہ مجردات میں سے نہیں ہیں مگر مادہ کو علت فاعلیہ قرار دینے میں کلام ہے اب بتاؤ وہ علت فاعلیہ کون ہے جس کے زبردست ہاتھ اور اس کے وسیع علم و حکمت نے باختیار خود یہ تفاوت الٰہیں رکھا ہے؟ مادہ تو ہو نہیں سکتا۔ اب طبیعت کیطرف چلو وہ بھی نہیں ہو سکتی (۱) اس لئے کہ طبیعت اجسام عارض ہے معروض کے وجود سے پہلے وہ نہیں پائی جاتی پھر اسکو ان کے بنانے اور ان میں یہ تفاوت دکھا کر کمال دکھانے کا کیونکر موقع مل سکتا ہے (۲) اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ ان کی طبیعت ان کے مادہ کے ساتھ ان کے مخلوق ہونے سے پہلے تھی تو پھر مادہ یکساں تھا طبیعت بھی یکساں ہونی چاہیئے پھر ان تفاوتوں کا کون فاعل ہے۔؟

ہم مانتے ہیں کہ صانع علیم نے اجسام کے اندر تدبیر و تصرف کرنے کے لئے طبیعت قائم کی ہے جو غیر مدرک اور غیر متشعر ہے اور وہ قدرت کی ایک کل ہے۔ جو ہر جسم میں اپنا کام یکساں کیئے چلی جاتی ہے۔ مگر وہ علت فاعلیہ نہیں ہو سکتی (۳) اس وجہ سے بھی کہ جو افعال حکمت و ارادہ اور صانع کے علم و اختیار کا اظہار کر رہے ہیں طبیعت چونکہ ان وصا

معرا ہے) وہ اسکی طرف منسوب نہیں ہو سکتے +

اب حضرت نیچر کو بلایئے کہ جہاں منکرین خدا عاجز آکر ایسے افعال کو اسکی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ جب نیچر کا کچھ حال دریافت کیا جاتا ہے تو کانوں پر ہاتھ دہر لیتے ہیں کہ ہم نہیں جان سکتے۔ مگر واہ رے عقل ایسے مجہول مطلق کی طرف ایسے افعال محکمہ وصنائع متقنہ کو بیدہڑک منسوب کرتے وقت کچھہ نہیں سمجھتے کہ وہ ہے کیا؟

نیچر میں وہ کلام ہو گا جو دلیل اول میں ہوا تھا۔ اگر ایک ہے اور اسمیں علم و قدرت و ارادہ بھی ہے اور باوجود غیر محسوس ہونے کے اسکو تم مانتے بھی ہو تو وہی خدا ہے۔ اور اگر متعدد نیچر ہیں تو پھر عجب ہے کہ ان کی باہم ایسی کمیٹی اور اس کے ایسے دانشمندانہ اصول و قواعد ہوں کہ آجتک انکے کام میں کوئی بھی خلل نہیں ہوا۔ برخلاف حکماء یورپ و امریکہ کے کہ ان کے باہمی تدابیر میں صدہا غلطیاں پیش آجاتی ہیں اور انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے +

آنحضرت حکماء تم بات تو منہ سے نکالتے ہو اور اپنے طائر طبع کو بلند پرواز بھی کرتے ہو مگر آشیانہ مقصود تک نہیں پہونچتے لو آؤ تمہیں ہم بتلائیں کہ وہ بیشمار نیچر کیا ہیں؟ وہ ملائکہ ہیں جو طبیعت اجسام کے بھی محافظ ہیں اور انکو الہام نے مدبرات الامور بنایا ہے۔ وہ سب ایک بالاتر زبردست علیم و قدیر کے بندے اور اسکی مخلوق ہیں۔ ان کا بھی قرآن نے بہت کچھہ حال بیان فرمایا ہے جسکی تفصیل ہم بحث ملائکہ میں کرینگے +

تیسری دلیل عناصر اور بسائط اور ان کے تغیرات و حالات اور جو السماء کی کائنات ہے ایک ایک چیز میں غور کیجئے تو اُس قادر مطلق بیچون و بے چگون کی یکتائی اور کمال قدرت کی دلیل اور آیات بینات ہیں قرآن مجید میں اسنے بھی متعدد مقامات پر نئے نئے اسلوب سے استدلال کیا ہے۔ اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِی تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

ا۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدایش اور رات اور دن کے انقلاب اور ان کشتیوں میں جو آدمیوں کے

مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

اشیار مذکورہ میں جو کچھ حکمت بالغہ ہے وہ کسی آنکھ والے سے بھی مخفی نہیں انیں سے ہر ایک قدرت کاملہ کا نمونہ ہے۔ اِس بات کو غور کرو کہ جب تمام جسمانیات کا ایک مادہ (ایتھر) ہے تو اسمیں یہ تفریق کیسکے زبردست ہاتھ نے کی ہے کہ اسمیں سے علویات بنائے نیرات وافلاک وغیرہ اور اسمیں سے مختلف الطبائع عناصر بنا دیئے پھر نیرات کی حرکات سے رات و دن بنائے پھر وہ کسطرح بدلتے رہتے ہیں کبھی دن بڑے چلے جارہے ہیں کبھی راتیں اور یہ انقلاب زمین کی مخلوق کیلئے موجب بقار اور باعث راحت ہے۔

حکمار قدیم کہتے ہیں کہ ہوار کے اوپر کرۂ نار ہے (آتش ہے) لطافت کے سبب ہوائی کیطرح وہ بھی دکھائی نہیں دیتا مگر اسکے وجود پر یہ دلیل ہے کہ اوخنہ ارضیہ جو ادہر کو جاتے ہیں تو ہوار کے کرہ سے اوپر جاکر کرۂ نار کے سبب انیں آگ لگ جاتی ہے جو رات کو ستارے ٹوٹتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اگر مادہ زیادہ ہوتا ہے تو دیر تک مشتعل رہتا ہے۔ اور دمدار ستاروں اور ہیئت مختلفہ میں مہینوں دنوں راتوں کو نظر آیا کرتے ہیں اور انکی راکھ نیچے گرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اگر اسمقام پر کرۂ نار نہیں تو اوخنہ ارضیہ کے مشتعل ہونے کی کیا وجہ! ہمکو اسمقام پر اِس مسئلہ کی تحقیق مقصود نہیں صرف اسقدر دکھانا مقصود ہے کہ یہ تین کرے کرہ ہوا۔ کرہ پانی کرہ خاک مختلف الطبائع یکے بعد دیگر کہ زمین پر پانی اور پانی پر ہوا محیط ہے۔ اور بقول حکمار قدیم ہوا پر آگ محیط ہے۔ اوسی ایک ایتھر سے کیسے بنا دیئے؟ اِن کے طبائع کا اختلاف حرارت برودت رطوبت یبوست میں بھی ہے۔ اور

(بقیہ نوٹ ۵۱) نفع کی چیزیں لیکر دریا میں چلا کرتی ہیں اور اوپر سے پانی برسانے اور اِس سے خشک زمین کو تروتازہ کر دینے میں اور اِس سے زمین پر جانور پھیلانے میں اور اِن بادلوں میں جو آسمان اور زمین میں اوپر رہتے ہیں البتہ عقلمندوں کے لیئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں ۱۲ منہ

ہر ایک کے لیئے فضا میں جگہ بھی معین ہے جسکو حیز طبعی کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہوا کو کسی برتن میں بند کر کے سمندر کی عمیق تہ میں لیجاؤ اور وہاں جاکر چھوڑ دو تو پانیوں کو چیرتی پھاڑتی وہ اوپر ہی اپنے حیز طبعی کیطرف آئے گی۔ اور اسیطرح ہر ایک کے ثقل اور کشش میں بھی تفاوت ہے طبیعت اور مادہ اور نیچر کا نام لیا جاوے گا تو وہی بحث پھر پیش ہوگی جو اوپر گذر رہی لامحالہ خدائے قادر و حکیم کا ہی قائل ہونا پڑے گا۔ پھر ہواؤں کے بدلنے کو دیکھئے کہ ابھی تو مشرقی چل رہی تھی۔ ابھی مغربی چلنے لگی یہ پنکھا کس کے زبردست ہاتھوں میں ہے؟ اسیکے۔ پھر ان کرات کے امتزاج سے جو کچھہ عجائب غرائب اشیار پیدا ہوئیں جمادات نباتات حیوانات اور ہر ایک کے لیے طبیعت جداگانہ اور ہر ایک کے لیے صورت طبعی بھی جداگانہ اور ہر ایک کے خواص و آثار بھی مختلفہ اوسی ایک اتہر سے کسنے قائم کر دیئے۔؟

زمین سے آفتاب کی حرارت کے سبب ابخرات اوٹھتے رہتے ہیں پھر وہ ہوا کے سرد طبقہ میں جاکر منجمد ہو جاتے ہیں انکو ابر۔ بادل کہتے ہیں۔ وہ نہ زمین پر ہیں نہ آسمان میں ہیں بلکہ درمیان میں ہیں۔ ان کے ثقل کا مقتضے تو یہی تہا کہ وہ نیچے گر پڑتے۔ مگر کس موزونیت کیساتھ ان میں ثقل رکہا ہے کہ نہ نیچے گرنے پاتے ہیں نہ اوپر جانے پاتے ہیں۔ قدرت کا کرشمہ ہے۔ پھر انہیں سے کبھی اولے گرتے ہیں کبھی پانی کی بوندیں گرتی ہیں پانی کا ریلا ایکبارگی نہیں گرنے پاتا۔ پھر کبھی اسقدر پانی برستا ہے کہ زمین پر طوفان آجاتا ہے کبھی بہت ہی کم۔ پھر انکے لشکروں کی روانگی بھی عجیب و غریب ہے گویا ایک لشکر کسی افسر کے حکم سے چلا جارہا ہے اور جہاں چاہتا ہے برساتا جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے نہیں برساتا۔ پھر ان کی رگڑ سے ایک ایسی آواز ہولناک پیدا ہوتی ہے جو سخت سے سخت اجسام کی رگڑ سے بھی کم پیدا ہوتی ہوگی۔ انہیں برقی مادہ کس زور سے انکو توڑ کر نکلتا ہے اور اسکے ٹوٹنے سے کیسی مہیب آواز پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ بجلی نکلکر زمین پر گرتی ہے تو کیا آفت پیدا کرتی ہے۔ عجب ہے کہ وہیں پانی بھی ہے اور وہیں بجلی بھی ہے جو دو متضاد الطبیعت

چیزیں ہیں۔ یہ کاریگری کسکی ہے؟ اسی زبردست علیم و حکیم کی۔

ف انبیاء علیہم السلام جن کی نظر سب اسباب سے گزر کر مسبب الاسباب ہی کیطرف منتہی ہوتی ہے اشیاء کے امور طبیعیہ کو کبھی اسی مسبب الاسباب کیطرف منسوب کر دیتے ہیں جسنے طبیعت اجسام پیدا کی اور کبھی طبیعت کے محافظوں کیطرف جو اسنے طبائع پر موکل کر رکھے ہیں یعنے ملائکہ۔ اسلیئے خاتم المرسلین نے فرمایا کہ بادلوں کو خدا کے فرشتے ہانکتے ہیں وہ گرج اور کڑک ان کی تسبیح و تقدیس کی آواز ہے بجلی ان کا کوڑا ہے یہ کلام در اصل ان عارفان حقیقت شناس کا کنایہ ہے نہ کہ فلاسفی۔ اوسپر اعتراض کرنا نہایت غلط فہمی ہے۔

پھر اس پانی سے کیا کیا گلکاری کی ہے۔ اسنے نباتات کا اوگنا تو معمولی نظروں کو بھی معلوم ہے جسکی طرف فاحیا بہ الارض بعد موتہا۔ میں اشارہ ہے مگر اوس سے زمین پر چلنے والے حیوانات بھی پیدا کیئے۔ قسم قسم کے حیوانات پیدا ہوکر چلنے پھرنے لگتے ہیں تخلیق حیوانات کا مسئلہ ہم آگے چلکر بیان کریں گے۔ پھر ہوا کے ثقل اور میلان حیزی کو دیکھئے کہ ہزاروں من بوجھ سے بھری ہوئیں کشتیاں پانی کی سطح پر بادبانوں۔ انجنوں۔ برقی قوتوں سے کس تیز رفتار سے دوڑتی پھرتی ہیں۔ ہوا کا میلان حیزی انکو پانی میں ڈوبنے نہیں دیتا۔ حکماء نے اس کا اندازہ کر لیا ہے۔ اگر اوس سے زیادہ اجسام کشتی میں بھر دیئے جاتے ہیں تب اجسام کا میلان حیزی ہوا کے میلان حیزی پر غالب آکر اس کشتی کو نیچے ہی لے بیٹھتا ہے۔

اس ایک مادہ میں یہ امتیاز اور یہ خصائص کیا خود بخود پیدا ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ پھر وہ کون ہے؟ وہی زبردست خدائے قادر اسلیئے فرمادیا کہ ان باتوں میں عقلمندوں کے لیئے اسکے وجود اور کمال قدرت پر نشانیاں ہیں۔ نہ کہ بدفہم کوتاہ بینوں کے لیئے۔

چوتھی دلیل

زمین کے پہاڑ اور دیگر احجار و جمادات اور ان کے اوضاع و اشکال مختلفہ اور ان کا ثقل طبعی جو زمین کو لرزنے نہیں دیتا خواہ وہ متحرک ہو یا ساکن

جمادات اور ان کے حالات

مگر ڈگمگاتی نہیں ورنہ اسپر بسنا محال ہو جاتا اگر کبھی کہیں اسباب سے لرزتی ہے تو قیامت برپا ہو جاتی ہے (قرآن میں جو پہاڑوں کو زمین کی میخیں کہا گیا ہے اسکے یہی معنے ہیں) پھر ان کے آثار و خواص مختصہ کہ انہیں میں سے یاقوت والماس وغیرہ بنا دیئے۔ انہیں میں سے۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ لوہا۔ وغیرہ بنا دیا۔ انہیں میں سے گندک۔ شورہ۔ نوشادر۔ پھٹکری۔ نمک۔ کوئلہ۔ وغیرہ۔ بنا دیئے کہ جو دھاتوں اور دیگر اشیار مختلفہ اور کارآمد کے اصول ہیں جنہیں انسان خدا داد علم سے کیا کیا تصرف کر کے شان خلافت دکھا رہا ہے۔ پھر پہاڑوں میں کوئی سیاہ۔ کوئی سفید کوئی زرد مختلف الالوان ہیں۔ اور پھر ان میں ان رنگتوں کے پھر وہنسے کیا کیا دھاریاں پڑی ہوئی قدرت و کمال کا نمونہ دکھا رہی ہیں۔ پھر کہیں وہ متصل ہیں کہیں انمیں آنے جانے کی گھاٹیاں اور درے ہیں پھر بعض بہت بلند ہیں اور بعض پست ہیں۔ پھر بعض میں سے پانیوں کے چشمے پھوٹ کر نکل رہے ہیں اور زمین پر بہ کر آب شیریں سے کیا کیا باغ اور کھیتیاں اور عمدہ عمدہ نباتات اگا رہے ہیں اور ان سے جملہ حیوانات نفع پا رہے ہیں اور زمین ایک باغ بن رہی ہے۔ اور بعض میں سے آتش کے شعلے نکل رہے ہیں وغیر ذلک۔ اب بتاؤ کہ ایک ہی مادے نے کیا خود بخود یہ مختلف صورتیں پیدا کر دی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور مادہ تو ہمیشہ منفعل ہوا کرتا ہے یعنے وہ دوسرے کا اثر فعل قبول کرتا ہے اسمیں فعل کرنے اور فاعل ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔ پھر افعال کو اسکی طرف نسبت کرنا فنون حکمت و فلسفہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اب بتاؤ وہ فاعل کون ہے؟ اور یہ ضرور ہے کہ وہ صاحب علم و ادراک اور نہایت انجام پر نظر رکھنے والا ہے جسنے اس قسم کے تغیر میں دور تک مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ طبیعت اجسام کی صورت نوعیہ و جسمیہ و شخصیہ تو ہو نہیں سکتیں کس لیئے کہ یہ تو اس تغیر کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور فاعل کا وجود مقدم ہونا ضرور ہے۔ اب رہا وہ مجہول نیچر۔ اسمیں وہی کلام ہے جو پہلے ہوا۔ نیچر کے بندے پہلے اسمیں علم و ادراک تو ثابت کر لیں اور ان تغیرات سے پہلے اوسکا وجود مستقل مان لیں۔ اور ایسی قوی اور مدرک

اور مستقل الوجود غیر محسوس چیز کے قائل ہو جائیں تب اسکو بیش کریں۔ اور جب وہ ایسا تسلیم کر لیں گے تو نزاع بھی اٹھ جائے گی کیسلئے کہ ان کے قصور ادراک سے قطع نظر کر کے ہم بھی اسیکو واجب الوجود اور صانع عالم کہتے ہیں۔ خواہ وہ اسکو نیچر کہیں یا دہر کہیں یا اسکا کوئی اور نام رکھیں ہاں اسمیں جو کچھ وہ صفات نقصان ثابت کرینگے اور کرتے ہی ہیں وہ ان کے ادراک کا قصور ہے جو انہیں ادراک انبیائی کے چھوڑ دینے سے پیدا ہوا ہے۔

قرآن مجید نے امور مذکورہ بالا سے بھی استدلال کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی آیات فرمایا ہے۔ اور یہ استدلال مختلف سورتوں میں مختلف صورتوں سے کیا ہے۔ کہیں انمیں سے بہت چیزوں کو مجتمع کر کے بیش کیا ہے کہیں بعض کو ثبوت میں گواہ دیا ہے۔

[۱] وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَاَنْھٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۔ سورہ نحل۔ رکوع ۲) [۲] وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا۔ سورہ نحل۔ رکوع ۱۰) [۳] وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ۔ سورۃ فاطر۔ رکوع ۴۔

پانچویں دلیل

نباتات کا زمین سے اوگانا۔ اور پھر ان میں خواص مختصہ اور مختلف حالات پیدا کرنا اس کے وجود اور توحید اور کمال قدرت کی دلیل ہے۔ خاک میں پانی کی آمیزش سے ایسی صلاحیت پیدا کر دینا کہ اوسپر صورت نباتیہ فائض ہو جائے۔

---

[۱] اور اسینے زمین پر بھاری بوجھل پہاڑ ڈالدیئے تاکہ زمین تمکو لیکر ادھر ادھر نہ جھکے۔ اور اسینے ندیاں اور رستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ۔ اسمیں زمین کے رستوں کیطرف اور اس استدلال سے خداشناسی کے رستہ پانے کی طرف بھی کس لطف سے اشارہ ہے ۱۲ منہ

[۲] اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے تمہارے لیئے سائے بنادیئے۔ اور پہاڑوں میں سے تمہارے لیئے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنادیں۔

[۳] اور پہاڑوں میں بھی مختلف رنگتوں کے طبقات ہیں۔ بعض سفید اور بعض سرخ مختلف رنگتوں کے اور بعض کالے سیاہ ہیں۔ منہ

اور اس کے افعال و حالات کی محافظت کے لئے اسپر طبیعت نباتیہ مسلط کردی۔ پھر وہ رفتہ رفتہ خاک تر کو کس خوبی سے اپنا جزو بدن بناتی اور میدان وجود میں کس اندازہ کی رفتار سے چلکر اپنے کمالات موودعہ کو ظاہر کرتی جاتی ہے۔ جس سے پھول پھل برآمد ہوتے ہیں اور اس کے قد کی جو حد معین رکھی گئی ہے وہاں تک پہونچتی ہے۔ پھر اسمیں توالد و تناسل بھی ہے تغذیہ و تنمیہ بھی ہے اور پھر کمال تک پہونچکر کسطرح اوسکے پاؤں پھرتے ہے معدوم ہونے لگتی ہی اور چورا ہو کر پھر وہی خاک میں جاملتی ہے۔ گویا بحر عدم سے سر نکالکر پھر ڈبکی لگا جاتی ہے۔ عرصے کے بعد یہ بھی معلوم نہیں کہ اس خاک سے کبھی ہی صورت نباتیہ اختیار کی تھی رات دن ہزاروں کروڑں اشیاء بحر عدم سے باہر آرہے ہیں اور ایک عرصہ کے بعد پھر اسمیں غوطے لگا رہے ہیں۔ اگر چشم بینا ہو تو قدرت کا عجب دلکش منظر ہے۔

اب غور فرمائیے کس قانون قدرت کی پابندی ہے کہ تمام پتے تمام پھول تمام پھل کس سانچے میں یکساں ڈھلے ہوئے ہیں۔ کس قدرت کی کل نے یکساں بنایا ہے۔ اور پھر تیوں پھولوں میں جو کچھ گل کاری کی ہے وہ حیرت میں ڈال رہی ہے اور زبان حال سے کہہ رہی ہے ؎ کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں ❖ پیڑ کی بے شعور طبیعت کو کیا لیاقت ہے کہ وہ یہ صنعت کر سکے یہ تو کسی بڑے صناع کے دست قدرت کا کام ہے۔

اس مساوات کے ساتھ قدرت نے ایک دوسرا رخ بھی پلٹ کر دکھادیا۔ ایک ہی پیڑ ایک ہی شاخ ہی ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اسمیں پھول رنگ برنگ کے ہیں پھل بھی مختلف مزے کے ہیں۔ آجتک حکماء نے باوجودیکہ بہت ہی خوض و فکر کی مگر اسکی وجہ معلوم نہ ہوئی کہ کیسے تخم کے ایسے پتے کیوں ہوتے ہیں اور ایک ہی شاخ میں مختلف رنگ کے کیوں پھول آتے ہیں اور ایک ہی پھول اور پتے میں مختلف رنگتیں (اور وہ بھی مخصوص) کیوں ہوتی ہیں؟ پھر عالم نباتات میں طرح طرح سے قدرت کے کرشمے دکھائے۔ بعض زمین پر بیل بنکر پھیلتے

ہیں۔ بعض اپنے قد پر کھڑے ہوتے ہیں پھر بعض کا قد بہت دراز اور تنومند اور بعض کا متوسط اور بعض کا اس سے بھی چھوٹا پھر بعض کے پتے بڑے بڑے جیساکہ ناریل اور کیلا اور بعض کے باوجودیکہ درخت بڑا تن آور بہت ہی چھوٹے پتے جیساکہ املی۔ اور بعض کے پتے کم ہلتے ہیں اور بعض کے ایسے کہ ایک منٹ میں سو بار سے زیادہ حرکت کرتے ہیں جیساکہ پیپل۔ پھر بعض کے پھلوں میں اندر کا مغز کارآمد اور باہر چھلکا جیساکہ بادام بعض برعکس جیساکہ کھجور پھر بعض پھل کھلے ہوئے اور بعض لگا ہے اور عمدہ جھلی میں بڑی احتیاط سے لپٹے ہوئے بعض درخت تو بڑے تن آور مگر پھل بہت ہی چھوٹے جیساکہ جامن اور بعض برعکس جیساکہ تربوز۔ بیگن وغیرہ۔ پھر پھلوں میں شیرینی ہے تو صدہا اقسام کی ترشی ہے تو وہ بھی گوناں گوں اور کسیلے ہیں تو انہیں قدرے شیرینی اور ترشی۔ اور شیریں اور ترش ہے تو قدرے کسیلا پن۔ پھر بعض ایسے ہیں کہ نہ انہیں پھل ہے نہ پھول صرف ان کے پیڑ سے کام لیا جاتا ہے جیساکہ نیشکر۔ پھر بعض ایسے ہیں کہ جنہیں صرف پھل آتے ہیں پھول نہیں جیساکہ گولر۔ بعض برعکس جیساکہ گلاب۔ پھر پھولوں کی خوشبوؤں کو غور کیجئے صدہا اقسام ہیں جن کی وجہ اختلاف ابتک عقلاء کی سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر بعض خاردار ہیں اور بعض میں خار نہیں اب ان کے خواص و آثار کا حال تو ایک بحر ذخار ہے۔ تجربہ سے یہ تو عقلاء نے دریافت کرلیا ہے کہ اس کے یہ خواص ہیں مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ اسمیں یہ خواص کیوں ہیں دوسرے میں کیوں نہیں؟۔

اب ان کے توالد و تناسل کو غور فرمایئے بعض تو تخم سے اگتے ہیں اور بعض درخت کی شاخ اور بعض پتے ہی سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور بعض بالکل زمین پر نہیں ہوتے امربیل کیطرح ہوا میں درختوں پر پھیلے ہوتے ہیں ان کے تمام جسم میں ان درختوں اور ہوا سے غذا حاصل کرنے کی قابلیت رکھی گئی ہے بعض صرف پانیوں کے سطح ہی پر ہوتے ہیں۔ بعض بحر شور میں ہوتے ہیں۔ وہیں بڑھتے ہیں جیساکہ خونگا۔ الغرض جتنے

احتمالات عقل میں آسکتے ہیں اسلئے بھی زیادہ نباتات۔ اور حیوانات میں پائے جاتے
ہیں۔ پھر انمیں ایک قسم کا حس و ادراک بھی معلوم ہوتا ہے وہ بیمار تندرست بھی ہوتے
ہیں جوان بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔ بعض کے توالد و تناسل میں نر و مادہ کا اختلاط بھی شرط
ہے۔ وہ ہواؤں سے بھی ایک حصہ مناسب چوستے رہتے ہیں گویا یہ اِن کا تنفس ہے
یہ مادیات مرکبہ میں ترقی کی اول سیڑہی جسکو قدرت نے دوسری سیڑہی حیوانیت اور
اِس سے اوپر کی سیڑہی انسانیت تک نہیں چڑہنے دیا ہے۔ اب بھی کوئی احمق کہہ
سکتا ہے کہ یہ مادہ کا کام ہے یا ان کی طبیعت کی کاریگری ہے یا مجہول و جاہل نیچر کی صنعت
ہے؟ جنکو چشم حقیقت بیں عطا ہے اِن کے نزدیک تو ہر ہر درخت کا ایک ایک پتا اِسکی
معرفت کا دفتر اور اِس کے جمال کا آئینہ ہے پھر لطف یہ ہے کہ سب میں حضرت انسان
کے لئے بیشمار منافع ہیں دنیا میں اِس مہمان عزیز کے لئے اوسنے یہ باغ لگایا ہے۔

قرآن مجید میں نباتات اور اِن کے حالات سے اپنے کمال قدرت اور یکتائی پر استدلال
اور نیز بندے پر اپنے احسان و انعام کا اظہار بھی ہے۔ اور وہ بھی ہر موقع پر اس کے
مناسب۔ کبھی احکام میں۔ کبھی قصص امم ماضیہ میں کبھی رد شرک میں کبھی اثبات حشر و نشر میں
عجیب غریب مناسبت سے ہے۔

[۱] وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ
وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ
إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (سورہ انعام رکوع ۱۱) وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ
مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ

[۱] اور وہی ہے کہ جسنے آسمان سے پانی برسایا جس سے ہمنے ہر چیز کی بوٹیاں نکالیں پھر اِن سے ہم نے
سبز شاخیں نکالیں کہ جن سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے سے گچھے نکالے کہ جو

پیدائش حیوانات اور ان کے حالات

مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ سورہ انعام رکوع ۱۶ ؎۳ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ سورہ نحل رکوع ۱) اس قسم کی اور بہت آیات قرآنیہ متعدد سورتوں میں وارد ہیں۔

چھٹی دلیل پیدائش حیوانات اور ان کے مختلف حالات ہیں۔ مادہ مرکبہ نباتیت سے جب ترقی کر جاتا ہے تو حیوانیت کے مرتبہ میں پہونچتا ہے حیوانات میں بھی نباتیت ہوتی ہے۔ اس مرتبہ میں ایک صورت حیوانیہ بھی فائض ہوتی ہے۔ اب حس و ادراک اور حرکت بالارادہ بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے مافی الضمیر کو خواہ بہت

بقیہ نوٹ صفحہ ۶۰) بوجہ کے مارے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگوروں اور زیتونوں اور انار دنکے باغ اگھائے جنکے پھل صورت میں ملتے جلتے اور مزے میں مختلف ہیں۔ انکے پھولونکا آنا اور پکنا تو دیکھو جبکہ وہ آتے ہیں بیشک اسمیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ہماری قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں ۱۲ منہ۔

۲؎ وہی تو ہے کہ جسنے باغ اگائے جنمیں سے چھتری چھائے ہوئے بھی ہیں اور غیر چھتری چھائے بھی ہیں اور کھجور اور کھیتی بھی اگائی جن کے مختلف مزے ہیں اور زیتون اور انار بھی اگائے جنکی صورتیں ملتی جلتی اور پھل مزوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ۱۲ منہ۔

۳؎ وہی ہے کہ جس نے تمہارے لیے اوپر سے پانی برسایا جسمیں سے کچھ تو تمہارے پینے میں آتا ہے اور کچھ ایسا ہے کہ جس سے پیڑ اگتے ہیں کہ جنمیں تم مویشی چراتے ہو۔ وہی تمہارے لیے اوس پانی سے کھیتیاں اوگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور بھی اور ہر قسم کے پھل بھی۔ بیشک اسمیں اون کے لیے جو غور کرتے ہیں بڑی نشانی ہے ۱۲ منہ

ف پکنے کیطرف دیکھو۔ کہ ایک ہی مادہ غذایہ ہے جسکو درخت جڑونکے ذریعہ سے چوستا ہے پھر اسمیں سے کسقدر کو پوست کیسکو درخت کی بالیدگی میں کیسکو پتے اور پھول بنانے میں ہر ایک کے مناسب نگست دیکر صرف کرتا ہے اور پھر اسمیں سے پھلوں کیطرف کیا عمدہ شیرینی بنا کر پہونچاتا ہے عقل دنگ ہے یہ کسکا کام ہے اسیکا جو طبیعت اجسام کے ذریعہ سے رہا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ نادان کلوں کے کام کو انہیں کیطرف دانا کل بنانے اور چلانے والے کیطرف منسوب کرتا ہی

صاف طور سے خواہ اصوات مشبہ سے تعبیر کرنے کی قوت بھی آجاتی ہے۔ صاف لفظوں میں انسان اور اصوات مشبہ سے دیگر افراد حیوان بولتے ہیں منطق الطیر بھی اسیکی ایک قسم ہے بعض اہل کمال اسکو بھی سمجھتے ہیں۔ یوں تو نباتات بھی اپنے حس اور ادراک کے موافق بولتے ہیں مگر ان کی بولی میں آواز نہیں اسکا ادراک بھی خدا نے اہل کمال کو عطا فرمایا ہے۔ ہر مخلوق اپنے اپنے ادراک اور اپنی گویائی کے موافق اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے کبھی اسکو بھی باکمال لوگ سمجھ لیتے ہیں۔ معمولی اشخاص جو اس ادراک سے بے نصیب ہیں اسکو محال جانتے اور یہ توجیہ کرتے ہیں کہ وہ دلالت حال سے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ یعنے ان کی حالت صانع کی یکتائی بیان کر رہی ہے۔

حیوان دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو مادہ کے رحم میں نر کے تخم سے پیدا ہوتے ہیں۔ دوئم وہ جو بغیر اس کے پیدا ہوتے ہیں۔ قسم اوّل درند۔ چرند۔ پرند۔ آدمی وغیرہ قسم دوئم کے حشرات الارض کیڑے مکوڑے وغیرہ۔ جہاں مادہ میں خمیر ہو کر روح حیوانی فائض ہونے کی صلاحیت ہوئی فی الفور مبدء فیاض سے اوس پر روح حیوانی فائض ہو جاتی ہے۔ پھلوں۔ کھانوں۔ بلکہ گوبر۔ کیچڑ۔ سڑے ہوئے پانی نمناک گارے۔ چونے بلکہ نجاسات میں بھی جانور پیدا ہو جاتے ہیں۔ مچھر۔ پسو۔ جوئیں۔ مکھیاں۔ کیڑے۔ کھنکھجورے۔ بچھو۔ سانپ۔ مینڈک۔ مچھلیاں۔ ٹڈی وغیرہ اور کبھی بعد میں اس قسم کے جانوروں میں بھی نر و مادہ سے توالد و تناسل ہونے لگتا ہے۔ اور بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے حیوانات میں نباتیت زیادہ ہے اسلئے انمیں قسم اول کے حیوانات جیسا حس و ادراک نہیں ہوتا۔ اس قسم کے حیوانات سے اسفل کرہ ہوائی اور کرہ ارضی اور کرہ مائی بلکہ انسانی اجزاء[1] و اثمار وغیرہ بھی بہت کم خالی ہیں۔ اور اس قسم کے کیڑے بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں جو خوردبینوں سے بھی بمشکل دکھائی دیتے ہیں

[1] حال کے حکماء نے منی اور خون میں بہت مہین کیڑے معلوم کئے ہیں ۱۲ منہ۔

اور کبھی انمیں سمیت پیدا ہو جاتی ہے تو انسانی صحت کو بہت ہی مضرت پہونچاتی ہے۔

اور عجب سر پیدائش ہے کہ کبھی یہ چھوٹے چھوٹے جانور بہت جلد فنا ہو جاتے اور ان کی جگہ دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی یہ تغیرات پاکر ایک صورت اور ایک صنف بلکہ ایک نوع سے دوسری نوع کیطرف بھی منتقل ہو جاتے ہیں۔ کیڑے پر دار جانور بنتے بارہا مشاہدہ میں آئے ہیں۔ ان کے انواع و اصناف اور خواص و افعال پر مطلع ہونا تو اُس علیم و خبیر کا کام ہے جو ہر ایک کو پرورش کرتا اور اسکے اسباب حیات بہم پہونچاتا رہتا ہے انہیں میں سے ترقی یافتہ وہ حیوانات ہیں جو نر و مادہ کے اختلاط سے ماں کے رحم میں پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداءً آفرینش میں یہ حیوانات غالباً اسی قسم کے کیڑے ہونگے جو انواع مختلفہ میں سے منتقل ہو کر ان انواع و اصناف میں آگئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابتداءً خاکی مادہ سے پیدا ہوئے ہوں[1] اور پھر ان کے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہو گیا ہو۔ کبھی انواع حیوانی کا سلسلہ ہزاروں برسوں تک جاری رہتا ہے اور کبھی مٹ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے یا اِس کے وقت تک اِس قسم کے انواع و اصناف حیوانات بھی ہوں کہ وہ حس و ادراک میں ترقی کر کے قریب قریب انسان کے پہونچ گئے ہوں اور انسانوں جیسے ہی اِن کے افعال و حرکات بھی ہوں۔ مگر غلبہ حیوانیت سے ظلم اور فسق و فجور ان کی سرشت میں زیادہ تر ہوگا۔ اسلئے قدرت نے جبکہ اِس کرۂ ارضی پر انسان کا ظہور کرنا چاہا ہو تو انواع و اصناف کا استیصال کر دیا ہو۔ ابن عباس کی وہ حدیث کہ جسمیں محدثین نے بلحاظ سلسلہ روایت کے کلام کیا ہے کہ زمین کے طبقات

[1] مشاہدہ میں آیا ہے کہ ترچونے اور گڈھے میں سے چھوٹے چھوٹے سانپ نکلے اور پھر وہ بڑے ہو کر اور سانپوں کیطرح بچے دینے لگے۔ اسیطرح ترناج سے جبکہ اسمیں خمیر آگیا مکھیاں نکلی ہیں اور دوسری مکھیوں میں مل گئیں۔ اسیطرح مٹی سے مینڈک اور چوہے بنتے دیکھا ہے پھر وہ توالد و تناسل کے ذریعہ سے بہت سے ہو گئے ۱۲ منہ

یعنے قطعات میں تمہارے جیسے انسان ہیں تمہارے آدم جیسا ان کا بھی آدم اور تمہارے انبیاء جیسے انکے بھی انبیاء ہیں۔ شاید اسی مضمون کیطرف اشارہ ہو۔

ممکن ہے کہ جب نسل آدم پھیلی ہو اسوقت تک بھی پہاڑوں اور جنگلوں اور جزائر میں کچھ اِن انواع کے باقی اشخاص ہوں شاید انہیں میں کا بقیہ وہ لوگ ہوں کہ جنکو دیو اور پریاں کہا جاتا ہے۔ اور ان کے اشکال کی بھی عجائب وغرائب حکایات کیے جاتے ہیں کہ کہ سر پر دو سینگ اور گھوڑوں جیسے لمبے لمبے چہرے وغیرہ۔ اور پارسیوں میں بھی مشہور ہے کہ رستم نے سفید دیو کو مارا تھا۔ اور ہندوؤں میں بھی اِسی قسم کی روایات مشہور ہیں اور ہندو انکو راکش کہتے ہیں اور انہیں میں سے بعض کو خواہ کسی عمدہ صفت کے لحاظ سے اون کے خوف سے جو اِن کی قدآوری اور طاقت سے محسوس ہوتا تھا۔ پرستش کرنے لگے ہوں جنکی عجائب غرائب صورتیں ابتک مندروں پر کندہ پائی جاتی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ یہ محض اِن کی قوت متخیلہ کی کاریگری ہو جو بتیر گرم ملکوں اور جاہل قوموں میں جلوا کیا کرتی ہے۔ والعلم عند اللہ العلیم۔

اِن قسم دوئم کے حیوانات کے ہزارہا اقسام ہیں بعض علماء نے اٹھارہ ہزار قسمیں شمار کی ہیں نہ معلوم یہ شمار کہاں تک صحیح ہے۔

انکی ایک تقسیم یہ ہے کہ وہ یا پرند ہیں کہ پروں کی ذریعہ سے ہوا میں اڑتے ہیں۔ یا غیر پرند ہیں پھر غیر پرند یا تو زمین پر رہتے ہیں عام ہے کہ بالائی سطح یا سوراخوں میں جیساکہ حشرات الارض یا پانیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور انہیں بھی بعض پردار ہیں۔ اور یا وہ پرند تو نہیں مگر پرندوں جیسی جست کرتے اور بلند درختوں اور اونچی چیزوں پر پرندوں کیطرح جست کر کے ادہر اودہر چلے جاتے ہیں جیساکہ گلہری۔ ایک تقسیم یہ بھی ہے کہ یا تو وہ انڈے نکالتے ہیں انہیں کل وہ حیوانات شامل ہیں جنکے کان باہر جسم پر نمودار نہیں اور اعضا تناسل بھی باہر نمودار نہیں جیساکہ جملہ پرند اور اکثر دریائی جانور اور حشرات الارض میں سے سانپ وغیرہ یا وہ بچے نکالتے ہیں۔ یہ وہ حیوانات ہیں کہ جن کے کان اور اعضاء تناسل باہر نمایاں ہیں

ہیں۔ جیسا کہ کل بہائم اور درندے اور انسان۔ پھر زمین پر چلنے والوں کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں جو دو پاؤں سے چلتے ہیں جیسا کہ اکثر پرند اور انسان۔ اور بعض چار پاؤں والے ہیں۔ جیسا کہ جملہ بہائم۔ درند۔ اور بعض کے چار سے بھی زیادہ پاؤں ہوتے ہیں جیسا کہ بعض حشرات الارض کھنکھجورا وغیرہ۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے ایک بھی ہاتھ اور پاؤں نہیں جیسا کہ سانپ اور اکثر مچھلی وہ اپنے تمام جسم کے زور سے پاؤں والوں کے برابر دوڑتے ہیں۔

اب اس تمہید کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ انکے مادہ مرکبہ میں یہ گوناگوں کاریگری کس نے کی ہے؟ جہاں تک احتمالات عقلیہ کا طائر بھی پرواز نہیں کر سکتا اوس حد سے بھی زیادہ کس نے پردہ حسی میں رکھ اقسام وانواع کے حیوانات بنائے اور کیسی کیسی انکی صورتیں حسن کے سانچے میں ڈھالیں اور پھر کیا کیا مینا کاری کی ایک ہی مادہ ہے اسمیں سے ہڈی اسیمیں سے پٹھے اور اسیمیں سے رگیں اسیمیں سے گوشت اسیمیں سے اعضاء مختلف بنائے اسیں سے ہر ایک کے مناسب سرخ۔ سبز۔ سیاہ کہیں باہم ملے ہوئے کہیں دھاریاں پڑی ہوئیں کیا کیا خوش رنگ پر اور بازو اور کیا خوشرنگ بال نکالے پھر اسیمیں سے دانت چنگل چونچ پنجے ایسے سخت بنا دیئے جو لوہے کے اوزاروں کا کام دیتے ہیں پھر ان کو کیا مناسب علوم وادراک اور ان کے اعضاء دیئے کہ بڑے سے بڑا عاقل سمجھنے میں بھی حیران ہے مکڑی کو ایسا سفید رنگ جالا بنانا سکھایا کہ جسکو انسان بھی نہیں بنا سکتا کمہاری کو کیا عمدہ کوٹھری دار مٹی سے گھر بنانا سکھایا پرند کیا مناسب گھونسلے بناتے ہیں بئے کی صنعت قابل دید ہے۔ شہد کی مکھیوں کے دلمیں ڈالا کہ بلند جگہ چھتا بنائیں اور کس قدرت کی پرکار سے نپے ہوئے مسدس خانہ ہوتے ہیں کہ جنمیں ذرا بھی جگہ باقی نہیں رہتی پھر موم اور شہد کس طرح پیدا کرتی ہیں اور چھانٹ چھانٹ کر کس کس عمدہ پھل اور پھول کو چوس کر آتی ہیں اور آنے میں اپنا گھر نہیں بھولتیں پھر نر و مادہ کے اختلاط کے علوم اور باہمی قومی اتحاد و ارتباط اور اپنے یگانہ اور بیگانہ کی شناخت۔ اپنے ضروری مصالح کے علوم اپنے دشمن سے لڑنے اور اس کے صدمہ سے

بچنے کی سمجھ بوجھ پر موسموں کا ادراک اپنے مریضوں کی دوا کرنا سکہایا۔ پہر ان کے نغمات اور دلفریب آوازوں کو دیکھو کر انسان نے بہی شاید انہیں کی شاگردی کرکے موسیقی اور باجے بنانے سیکھے ہوں۔ پہر انہیں جو کچھہ آثار و خواص ہیں وہ تو ادراک بشری سے بہی باہر ہیں۔ بتاؤ اس پردہ حسی میں یہ کون علیم و خبیر عجائب قدرت دکہا رہا ہے مادہ تو سرے سے منفعل ہے طبیعت مخلوق ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ نیچر محض جاہل اور بےشعور ہے۔ اتنو صاف کہو وہی ہے دہی ہے۔ جسنے ہر ہر حیوان میں کیا کیا دور اندیشی سے کام لیا ہے اور سب میں اس ناشکر انسان کے فوائد بہی ملحوظ رکہے ہیں۔

منکرین خدا بتائیں کہ پردہ حسی میں وہ کونسی بات کرے اور اپنے وجود اور قدرت کے کیا کیا آیات دکہائے۔ تب وہ غیر محسوس کو بقاعدہ عقل یقینی طور سے مانیں تاکہ ہم وہی آیات بینات پیش کریں۔ وہ جو کچہہ بتائیں گے اوس سے بہی زیادہ اس نے صرف ایک حیوانات ہی میں دکہا دیئے مگر ہمارے کور ہی عقل پہر بہی نہیں دیکھتا چشم عقل تو ہر ایک مخلوق کے آئینہ میں سے اسکو بیحجاب دیکھہ رہی ہے۔ یہاں تک کہ اسکے وجود سے زیادہ کوئی چیز بہی مشہود نہیں ؎

ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست کہ بچشمان دل مبین جز دوست

ایک عارف فرماتے ہیں ما رئیت شیئًا الا ورئیت اللہ فیہ۔ کہ میں جو کوئی چیز دیکھتا ہوں پہلے اسمیں سے اللہ کو دیکھتا ہوں۔ یہانتک کہ ایک جنگلی عرب نے بہی آخر یہ کہہ دیا البعرۃ تدل علی البعیر و اثر الاقدام علی المسیر + افسماء ذات ابراج والارض ذات فجاج لا تدلان علی اللطیف الصانع الخبیر کہ جب اونٹ کی مینگنی سے اونٹ اور نقش پا سے چلنے والا معلوم ہوجاتا ہے تو پہر کیا آسمان برجوں والا اور زمین نشیب و پست والی اپنے خالق لطیف و خبیر کو نہیں بتا رہی ہے؟ ع

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی۔ بہی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔

قرآن مجید میں حیوانات اور ان کے حالات سے بھی قدرت و کمال پر استدلال عجب لطف سے متعدد صورتوں میں کیا گیا ہے اور ہر ایک شاہد آیت ہے۔

[1] وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ۔ سورہ انعام رکوع ۴۔

[2] وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سورہ نحل رکوع ۱

[3] وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ نحل رکوع ۹

[4] وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ نحل رکوع

[5] اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۢ بَصِیْرٌ ۝ سورہ ملک رکوع ۲۔

[6] یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ال عمران۔ رکوع ۵۔

---

[1] اور جسقدر حیوانات زمین پر چلتے پھرتے اور جسقدر اپنے دو بازوں سے اوڑتے پھرتے ہیں سب ہی تو تمہارے جیسے گروہ (تو میں) ہیں ہمنے کتاب میں لکھنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ پھر وہ سب اپنے رب کے پاس حاضر کیے جاتے ہیں۔ یعنی بنی آدم جسطرح مخلوق مختلف الحالات ہے یہی حال دیگر حیوانات کا ہے کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے جسمیں اجمالاً یا تفصیلاً ہر چیز کا بیان ہے۔ ورنہ قضاء و قدر کا دفتر علم الہی میں تعین ہے جسکو لوح محفوظ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لکڑی یا لوہے کا کوئی تختہ نہیں۔ یعنی جملہ حیوانات

ان کے سوا اور بہت آیات ہیں جنمیں یہ بھی ذکر ہے کہ اسنے دو پاؤں والے اور چار پاؤں والے اور اس سے زیادہ پاؤں والے اور پیٹ کے بل چلنے والے بھی حیوانات پیدا کیے ہیں اور یہ بھی کہ انکی رنگتیں اور حالات بھی مختلف بنائے۔

بقیہ نوٹ ۱؎) اور ان کے حالات ہمیں معلوم ہیں اپنے رب کے پاس یا تو قیامت میں لوگ حاضر کیے جائینگے۔ یا یہ مراد کہ جسطرح اشیاء کا وجود اسی مبدء فیاض سے شروع ہوتا ہے اور عالم وجود کے انقلابات کے بعد پھر اسیطرف سمٹ آتا ہے۔ ۱۲ منہ ۲؎ اسینے تمہارے لیے چار پائے بنائے جنمیں (انکی کھال اور پشم اور اون میں) تمہارے لیے سردیکا بچاؤ بھی ہے اور دیگر منافع بھی ہیں اور کچھ تمہارے کھانے میں بھی آتے ہیں اور جب تم صبح کو چرانے لیجاتے اور شام کو واپس لاتے ہو تو تمہیں بہت ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جن شہروں تک تم اپنا اسباب جان مارے بغیر نہیں لیجا سکتے وہاں یہ آسانی سے پہونچا دیتے ہیں۔ یہ تمہارے رب کی تمپر بڑی مہربانی اور عنایت ہے اور تمہارے لیے گھوڑے اور خچر اور گدہے بھی بنائے کہ تم انپر سوار بھی ہوا کرو اور تمہاری آرایش بھی ہے۔ اور وہ بہت سی اور بھی ایسی چیزیں پیدا کرتا اور آیندہ کریگا کہ جنکو تم جانتے بھی نہیں جیسا کہ اس زمانہ کے بارکش ریل اسٹیمر ٹریموے وغیرہ ۱۲ منہ

۳؎ اور تمہارے لیے چار پایوں میں بھی غور کیجگہ ہے کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسمیں سے گوبر اور خون سے جدا کر کے تمہارے پینے خالص دودہ نکالتے ہیں جو پینے والوں کو خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔

۴؎ اور آپکے خدا نے مکھیوں کو یہ وحی کی (ان کے دلمیں ڈالا) کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جو لوگ ٹٹیاں چھالیتے ہیں انمیں اپنے چھتے بنائے پھر ہر ایک پھل چوسے اور اپنے سوراخوں میں سے سمٹ کر آیا جایا کرے ان کے پیٹ سے شربت نکلتا ہے (شہد) جسمیں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بیشک غور کرنے والوں کے لیے اسمیں قدرت و کمال کی ایک بڑی نشانی ہے ۱۲ منہ

۵؎ کیا اپنے اوپر پرندوں کو پر باندھے نہیں دیکھتے کہ کبھی پر کھولدیتے ہیں اور کبھی سکیڑ لیتے ہیں۔ انکو (ہوا میں) بجز رحمٰن کے اور کون تھامے رہتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا نگہبان ہے ۱۲ منہ

۶؎ کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جب کچھ کرنا چاہتا ہے تو کہدیتا ہو کر ہو جا بس وہ چیز ہو جاتی ہے اور کسی کی احتیاج نہیں رہتی ۱۲ منہ

انسان کی حقیقت
اور اسکے حالات

ساتویں دلیل

خود حضرت انسان اور ان کے حالات حیرت خیز ہیں۔ اول تو اس کی پیدائش موجودہ دیکھو منی کا قطرہ عورت کے رحم میں جاکر کیا کیا چکر کہاتا ہے پہر اسکا جوہر کیا کیا صورتیں بدلتا ہے اور ایک مدت کے بعد اسکا خون بستہ ہوجاتا ہے پہر گوشت کا لوتہڑا بنتا ہے پہر اسمیں اعضار انسانی نمودار ہوتے ہیں ایک نقطہ سا دل اور ایک دماغ اور جگر بنتا ہے پہر رفتہ رفتہ اسکے تمام اعضا ہڈیاں اور پوست اور گوشت رگ اور پٹھے نمودار ہوتے ہیں پہر اس نباتیت پر روح حیوانی کا جوہر روح انسانی اسپر فائض ہوتی ہے۔ پہر ایک عرصہ تک رحم میں ہی پرورش پاتا ہے جب اس کے اعضار پختہ ہوجاتے اور وہیں نر و مادہ جوکچہ بنانا مقصود ہوتا ہے بن جاتا ہے۔ اور رحم میں جوکچہ اس کے غذا اور اخراج فضلہ اور تنفس کے سامان وآلات بہم کیے جاتے ہیں بڑا عاقل بہی ان کی حقیقت سمجہنے سے عاجز ہے چہ جائیکہ منی کے قطرہ کے لیے انسان بننے کا کبہی حکمت سے بند و بست کرسکے یا کسی اور حیوان کے نطفہ کو لیکر ایسا ہی حیوان بنا سکے۔ پہر ایک مدت کے بعد جسکا معمولی اندازہ نو مہینے ہیں اور کبہی کم وزیادہ بہی ہوجاتی ہے باہر آتا ہے اور ماں کا دودہ چوستا خدائی مدرسے سے پڑہکر آتا ہے۔ پہر جوں جوں اس کے اعضار میں قوت آتی جاتی ہے ویسا ہی اسکا ادراک بڑہتا جاتا ہے پہر نشو و نما کے منازل طے کرتا ہوا ایک حد معین پر آٹہرتا ہے۔ اس کے بعد پہر واپس ہونا شروع ہوتا ہے۔ اعضار کی اندرونی و بیرونی قوت کم ہوتے ہوتے آخر ایک روز یہ شجر دلربا گر پڑتا ہے اور اس خول میں سے وہ مدرک جو رحم مادر میں اس کے ساتہ وابستہ کیا گیا تہا دور ہوجاتا ہے وہ چونکہ لطیف ہے اسلیے جاتا نظر نہیں آتا پہر اسکو بذات خود ایک نئی زندگی اور نیا جہان جسکو بڑا استحکام ہے پیش آتا ہے اور جوکچہ نیک و بد اس قالب میں رہکر کیا تہا وہ بہگتنا پڑتا ہے۔ رہا یہ قالب یہ تو جس خاک کی غذاؤں سے انکا مادہ منوی بنا تہا اور جس خاک کی غذائیں کہاکر اسنے نشو و نما پایا تہا اسیمیں ملجاتا ہے گویا خاک ایک

دور اکر کے پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

یہ تو ان حضرت کی (جواب خدائی دعوی کرتے ہیں اور خدا کی قدرت میں جھگڑتے ہیں) اصلی کیفیت بہت مختصر سی ہے۔

(اسکے کمالات صوری)

(۱) اسکی شکل زیبا اسکے اعضا کا تناسب۔ اس کا بوٹا سا قد۔ بالوں اور تپلیوں کی سیاہی ناخونوں۔ گوشہ چشم دانتوں کی سفیدی اور سفیدی بھی ونق دار جسمیں چمک دمک ہے۔ پھر اس کے گاؤ دم دو ہاتھ اور دو ٹانگیں بازو اور رانیں بھری ہوئیں سینہ کشادہ گردن کی خوبی پیشانی کی کشادگی پھر دو کمانوں جیسی بھویں اور ناک کی بلندی اور باریکی وہ اسکے پتلے پتلے سرخ یاقوتی ہونٹھ۔ پھر اس کی یہ سرخ و سفید عجب رنگت۔ مردوں کے چہرہ پر رخساروں کو چھوڑ کر ڈاڑھی کا سیاہ حلقہ عورتوں کے جسم کا تناسب کس حسن کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے پھر اپر سرداری برس رہی ہے۔ حیوانات میں کوئی بھی ایسا خوبصورت نہیں۔ اسکی شکل دیکھ کر جو قدرت الٰہی کا نمونہ[۱] ہے سب حیوانات اس کے آگے سر نیچا نہ کر دیں تو کیا کر سکتے ہیں۔ حیوانات کی کیا حقیقت۔ فرشتوں اور جنوں کو بھی اس کے آگے سر تسلیم[۲] خم ہی کرنا پڑا۔ اسکی شکل زیبا اور اسمیں سرداری کے آثار نمایاں دیکھ کر

لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کہ ہمنے بنی آدم کو شرافت دی اور بر و بحر میں سواریوں پر پھیلایا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کہ ہمنے انسان کو عمدہ پیمانہ پر بنایا ہے

۱؎ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ کے یہی معنی ہیں۔ اضافت تشریفیہ ہے ۱۲ منہ

۲؎ فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا یہی بات تھی وہ اسکے کمال کے معترف ہو کر رسم سلام بجا لائے جو اسوقت سر جھکانا تھا۔ یہ سجدہ عبادت نہ تھا جو غیر اللہ کے لیے حرام ہے نہ خدائے جبار و غیور کی شان تھی کہ وہ ایسا حکم دیتا۔ نہ ملائکہ کی کہ جو عارفین حقیقت تھے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرتے۔ جن کسینے سجدہ عبادت سمجھکر شیطان کی وکالت کی ہے کہ وہ پکا موحد تھا اس لیے اس نے غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا یا پھر جس مخالف اسلام نے اعتراض کیا ہے یہ سب اُنکی غلط فہمی ہے جو قوت متخیلہ کی آمیزش سے پیدا ہوئی ہے ۱۲ منہ

اسکے حریف[1] جل بھن کے کباب ہو گئے۔ سر پر خاک اوڑانے لگے اور اس حسد میں اپنے خالق و مالک سے بھی بگڑ گئے کہ ہائے ہائے اس خاکی پتلے کو یہ خوبی دیگئی۔ اسکو مخلوق کا محبوب اور سردار بنا دیا گیا۔ ہماری ناک ہی کیوں نہ کٹ جائے عزت و حرمت ہی کیوں نہ برباد ہو جائے مگر جاتا کہاں ہے۔ اس کے اور اس کی بھولی بھالی اولاد کے نورانی چہرہ پر داغ ہی لگا کر نہ چھوڑا تو ہمارا نام۔ اس کے اندر قوی بہیمیہ تو موجود ہی ہیں۔ بس اب کیا ہی انمیں ایسی تحریک پیدا کر دوں کہ یہ لذت و شہوت۔ غصہ۔ طمع ان تین بھوتوں کے پنجے سے نہ چھوٹے اور اپنے اوس محسن و خالق کے احکام کی کچھ بھی پروا نکرے اور اس سے باغی و سرکش ہو جائے۔ وہمیات کے پھندے میں ایسا اُلجھے کہ سیکڑوں خیالی معبود بنا کر پوجنے لگے اور اس کی عقل جو کہے کہ ان کو جبکہ یہ آسمان و زمین اور بشر اور کسی ایک چیز کے بھی خالق نہیں نہ مالک نہ کچھ انکو نفع و نقصان پہونچانے کا اختیار ہے تو ان کو معبود و مسجود ہونے کا کیا حق ہے تو میں اسمیں قوت متخیلہ کی وہ پچر لگاؤں کہ ساری عقل گم ہو جائے اور صرف اسیقدر خیالی سہارے پر جا رہا کہ یہ ہمارے اور خدا کے درمیان وسائل ہیں انہیں کے ذرائع سے اوسکا فیض پہونچتا ہے۔ یہ چیزیں اس کے اظہار کمالات کے آلات اور اس کے مظاہر ہیں یہ اس کے کارخانوں کے مالک و مختار ہیں دنیا میں بھی شاہی کارندوں کی نذر و نیاز بغیر کوئی کام نہیں چلتا۔ ایسا ہی خدائی کارخانہ ہے میں اسکو جبکہ یہ کسیقدر علوم و فنون کے دریا میں تیرنے لگے تو ایسا غوطہ دوں کہ پھر کبھی اوپر ہی نہ اُبھرے کہ کیا خدا اور کہاں کے فرشتے اور کہاں مرنے کے بعد روح کی بقا

[1] وہ حریف حاسد شیطان اور اسکی ذریت تھی جو ظہور آدم سے پہلے دنیا پر سکہ خلافت جمائے بیٹھے تھے۔ وہ موالید ثلثہ میں سے نہ تھے انکی سرشت میں ایسے عناصر زیادہ تھی جو ہر وقت محسوس نہو سکیں انمیں بہیمیت کا زیادہ غلبہ ہے اس لیئے شہوات و لذات کیطرف انکو زیادہ رغبت ہے اور اونکی ناری مادہ کے سبب غرور اور سرکشی اور فخر و تعلی بھی نہیں بہت سے جنوں سے شیطان ریاضت کر کے صف خدا پرستان یعنی ملائکہ ارضیہ میں شامل ہو گیا تھا۔ اسکی تحقیق آگے آتی ہے انشاء اللہ ۱۲ منہ

اور کدہر کے عذاب وثواب جو گروہ اپنے آپ کو انبیا رکہلاتے ہیں وہ بہی معمولی حکمار ہیں قوم کو خیالی ترغیب وترہیب سے اپنے قوانین پر چلنے کے لیئے آمادہ کیا کرتے ہیں بہلا غیر محسوس چیزوں کا یقین کرلینا اور ان کے لیئے دنیا کے مزے چہوڑ بیٹہنا کس عقل کا فتویٰ ہے چلو جو چاہو کیا کرو آزادی ہے انسانی فطرت میں آزادی ہے۔ الغرض اس محسن ومالک سے ایسی لڑائی کرادوں جو اس کے فرستادے صلاح اور ملاپ کرانے بہی دنیا میں آئیں۔ اور اپنی صداقت کے لیئے اسکو وہ باتیں بہی دکہائیں جو معمولی قدرتوں سے باہر ہوں (معجزات وخوارق) تب بہی یہ سرکش برسر آشتی نہ آئے اور ان کی باتوں اور عمدہ نصائح کو ٹہٹہوں میں اُڑادے اور برسر مقابلہ آجائے +

قرآن نے انسان کو اس سرگذشت اور ان کے دشمن کے اصلی ارادے۔ اور اسکی تدابیر سے متعدد مقامات پر متنبہہ فرمایا ہے +

وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ کہ ہمنے انسان کو وہ کچہہ سکہایا کہ جسکو جانتا بہی نہ تہا

انسان کے معنوی کمالات

(انسان کے معنوی کمالات)

(۱) اس کے اندر جو جو قوتیں رکھی ہیں انہیں سے ایک کی بہی تشریح کیجائے تو ایک دفتر بہی کافی نہو۔ ادراک کے اقسام جنکا ہم ذکر کرائے ہیں اور ان کے آلات اور ان میں ترقی وتنزل کے اسباب بہت کچہہ قدرت نے ودیعت رکہے ہیں اور اسلیے نباتیت اور حیوانیت کے مراتب کو طے کرکے یہ انسانیت کے بلند مرتبہ پر پہونچا ہے۔ چونکہ اسمیں بہیمیت وملکیت کا امتزاج ہوا ہے اور قدرت نے اسمیں ایک عجیب اعتدال ملحوظ رکہا ہے جس سے ان نمکین وشیریں دو دریاؤں کے ملنے سے عجائب غرائب ملکات فاضلہ جذب محبت رضا وتسلیم کے آبدار موتی اور مونگے پیدا ہوتے ہیں۔ ملکیت جب اس رنگ میں رنگی گئی تو اسمیں وہ باتیں پیدا ہوگئیں جو نفوس مجردہ فرشتوں میں بہی نہ تہی اور یہی سر الٰہی ہے کہ انسان کی روح کو جو جوہر مجرد ہے دنیا میں اس قالب خاکی کے ساتہ وابستہ کیا جاتا ہے۔ اسکا روحانی انجذاب جب حق سبحانہ کیطرف ہوتا ہے تو تمام محسوسات

اور غیر محسوسات مخلوق کو نیست سمجھتے ہوئے اور جملہ حجابات کو پھاڑتے ہوئے اسی بارگاہ قدس تک جا پہونچتا ہے جو اس کا قرارگاہ اور آرام دل ہے پھر اس کے ساتھ اس کا وہ درد دل اور وہ سوز و گداز جو بہیمیت کے امتزاج سے حاصل ہوا ہے اسکو ملائکہ پر بھی بعض وجوہ سے فوقیت بخشتا ہے اور یہی وہ امانت الٰہی ہے کہ جسکو نہ آسمان و زمین اٹھا سکے نہ پہاڑ سر پر لے سکے مگر اس ظالم نا عاقبت اندیش نے سر ہی توجھکا دیا کہ لیجئے حاضر ہوں جو کچھ بار محبت ہے وہ اس سر پر سودا پر رکھدیجئے اور کیسکو آپ کے فدائی کے ہوتے کیا حق ہے؟

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی۔

اور جب اسکی روح میں بہیمیت کی ظلمات سے صفائی آجاتی ہے تو تمام عالم ملک و ملکوت کے اسرار اسپر منکشف ہونے لگتے ہیں اور اس کے آئینہ صافی میں حق سبحانہ کا آفتاب جمال چمکنے لگتا ہے تب تو اسمیں وہ قوت و قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کے ادراک سے عقول عامہ دنگ رہجاتی ہیں ایسی حالت میں اس کے کام مافوق القدرت الانسانیہ سرزد ہوتے ہیں۔ کیونکہ در اصل وہ کام کسی اور ہی قوی قدرت کے ہوتے ہیں +

ادہر بہیمیت کے غلبہ اور محسوسات کی رغبت سے اسکا ادراک محسوسات کے حقائق و دقائق دریافت کر کے وہ وہ حیرت انگیز کاریگریاں دکہاتا ہے کہ حیوانات تو حیوانات جنات بھی حیران رہجاتے ہیں۔ یہ اپنی روزی اپنا لباس اپنا مکان اپنے اسباب معاش میں وہ وہ تغیرات دیکر فوقیت حاصل کرتا ہے کہ کوئی حیوان بھی نہیں کر سکتا۔ اس نے ریلیں بنائیں انجرات اور گیاس اور برقی قوت سے کیا کیا ستم ڈہائے ہزاروں کلیں ہیں کہ کام کر رہی ہیں ہزار ہا من بوجھ کو آناً فاناً خشکی اور تری میں انجن گہسیٹے لیے جا رہے ہیں۔ بجلی کی طاقت سے کیا کیا حیرت انگیز کام کر رہا ہے۔ اسنے طبقات الارض اور سمندروں کی تہ کی چیزیں دریافت کیں کرہ ہوائی کے عجائب حالات پر مطلع ہوا دوربینوں سے نیرات کے حالات دریافت کیے گئے اجزاء مفردہ کے خواص و آثار پر مطلع ہو کر ان سے ترکیب کے دیگر

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ کہ ہمنے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کی سامنے امانت پیش کی تو انہوں نے اٹھانیسے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اٹھایا کیونکہ وہ بڑا ظالم نا عاقبت اندیش ہے ۱۲۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

امانت محبت و انجذاب کی ذمہ داری آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں میں یہ مادہ نہیں رکہا گیا اسکو امانت نہ اوٹہانے سے انسان میں مادہ رکہا گیا اسکو اٹہانے سے بطور استعارہ کے تعبیر فرمایا۔ ۱۲ منہ

کیا سحر آمیز کام کئے الغرض خدائی میں قدم دہرنے لگے۔ اِس نے قدرت کے کاموں کی نقل اتارنے اور انہیں تغیرات کر کے عجب صنعت دکہانے میں بھی حیرت انگیز ملکہ پیدا کیا ہے۔ یہ کون ہے وہی قطرۂ منی وہی بیجز دبچہ جو اپنے مونہ سے مکھی بھی نہ ہٹا سکتا تہا جو اپنے اندر کے دکہ درد کو بھی اظہار نکر سکتا تہا۔ آج یہ ناشکر اپنے معلم کو بھول گیا جس نے اسکو یہ قوی اور یہ ادراک عطا فرمایا پہر دیکھو جو کچھ تمام عالم میں ہے اِن سب کا نمونہ حضرت انسان میں بھی ہے اسیلئے اسکو عالم صغیر کا خطاب دیا گیا ہے۔ خود اپنے اندر غور کرنے سے بیشمار آیات بینات قدرت وکمال باری تعالےٰ پر مطلع ہوسکتا ہے۔ یہ دلائل انفس کے نام سے موسوم ہیں۔ انسان کی بہیمت وملکیت کے امتزاج سے کئی قسم کے انسان ہو گئے کیونکہ یا تو دونوں قوتیں باہم موافقت سے ہیں یا مخالفت سے۔ اول صورت میں دو قسم ہونگے اوّل قوت ملکیہ کا غلبہ اور بہیمت اسکی مطیع یہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پہر اوس سے نیچے اور تر کردرجہ بدرجہ اولیاء وصلحاء دوئم اسکے برعکس کہ بہیمت نے ملکیت کو دبا لیا کبھی ابہرنے ہی نہیں دیتی۔ یہ وہ ازلی بے نصیب ہیں کہ شب وروز لہو ولعب لذات وشہوات میں گرفتار ہیں خدا تعالےٰ اور اسکی صفات اور مرنے کے بعد کے حالات پر بہیمت کی ظلمت یقین ہی نہیں آنے دیتی یہ وہ کفار ومشرکین اور پہر الئے اوتر کر فساق وفجار ہیں کہ جنپر کسی ہادی کا کوئی اثر نہیں پہونچتا اِس حالت کو قرآن نے کبھی اِن کے دلوںپر مہر کر دینے سے کبھی آنکھوں وغیرہ مشاعر پر پردا ڈالنے سے تعبیر کیا ہے اِن کے حق میں بعثت انبیاء محض اتمام حجت ہے۔ قسم دوئم کی بھی دو حالتیں ہیں اوّل یہ کہ ملکیت غالب ہے مگر اس کے ساتہ بہیمت بھی کبھی اپنا زور دکہا جاتی ہے۔ یہ عوام ایماندار وصلحاء امت ہیں کہ نیک کاموں کے ساتہ کبھی اِن سے بمقتضی بہیمت برائی بھی ہو جاتی ہے۔ مگر ملکیت کا غلبہ پہر انکو توبہ واستغفار کیطرف مجبور کر دیتا ہے۔ اور عنایت الٰہی میں داخل ہو جاتے ہیں خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا اُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْہِمْ۔ اِن لوگوں کے لیے ریاضات شاقہ اور نفس کشی کی زیادہ حاجت ہے۔ اِس لیے

۵ سورہ توبہ رکوع ۱۲

احکام کی ریاضت شریعت نے قائم کر دی۔ وودم وہ کہ جنکی بہیمیت غالب ہے اور کبھی کبھی ملکیت کی چمک بھی انپر پڑ جاتی ہے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کیطرف رغبت بھی ہوتی ہے برے کاموں کو برا سمجھنے لگتے ہیں مگر بہت جلد ظلمات بہیمیت کے پردے آپڑتے ہیں ایسے لوگوں کو عرف شریعت میں **منافق** کہتے ہیں۔ ان کی مثال قرآن میں بارش اور بجلی اور کڑک کے ساتھ دی ہے۔ کلما اضاء لھم مشوا فیہ۔ کہ جب انوار ملکیت کی بجلی چمکتی ہے تو اسکی روشنی میں دو چار قدم چلتے ہیں واذا اظلم علیھم قاموا۔ اور جب بہیمیت کی اندھیری چھا جاتی ہے تو رک جاتے ہیں اور احکام الٰہی اور مواعید آخرت سننے کے بھی روادار نہیں ہوتے جعلوا اصابعھم فی اذانھم اپنی انگلیاں کانوں میں کرتے ہیں۔ پھر ان کے بھی مختلف درجات ہیں +

مرنے کے وقت بھی غلبہ قوت ملکیہ و بہیمیہ کے موافق حالات پیش آتے ہیں۔ بعض اسوقت اوس عالم کے مشتاق ہوتے ہیں اور مرنا بند قفص سے آزاد ہو کر عالم قدس کے طائران خوش الحان میں ملجانا سمجھتے ہیں۔ اور بعض کی بہیمیت اور عالم خاک کی محبت وانس کے سبب یہاں سے جانا عذاب الیم خیال کرتے ہیں جب جاہ و مال زن و فرزند کے بھاری لنگر روح کو عالم بالا تک پرواز نہیں کرنے دیتے اور بند قفص ٹوٹنا ضرور ہے اسلئے ایک عذاب الیم اور ہیبتناک منظر سامنے ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ + مرنے کے بعد بھی ارواح کو یہی معاملہ بقدر اس تعلق و عدم تعلق جسمانیت کے پیش آتا ہے جسقدر بے تعلقی ہے اسیقدر اسکو رفعت ہے اور جسقدر تعلق ہے اسیقدر پستی ہے۔ اسلئے اشرار کے ارواح عالم سفلی میں معذب ہوتے ہیں۔ جسکو عرف شریعت میں **سجین** کہتے ہیں۔

انسان ایک حقیقت جامعہ ہے جسنے اسکو جان لیا ضرور اس نے خدائے قادر کو جان لیا یوں تو ہر مصنوع وجود صانع اور اس کے کمال کی دلیل ہے مگر ایسا مصنوع کہ اس کے جمال کا پورا آئینہ بھی ہو بھلا جسنے اسمیں نظر کی تو بشرط صحت بصیرت

اسکو خدائے قادر کے دیکھنے میں کچھ بھی شک باقی رہتا ہے۔ ظاہری آنکھہ سے محسوس کے دیکھنے میں جسقدر یقین ہوتا ہے اوس سے بھی کامل یقین چشم باطن سے دیکھنے میں ہوتا ہے جو وہ اپنے صانع کو عیاناً دیکھتی ہے۔ اسلیئے حقیقت انسانیہ کی بابت کسی عارف نے کیا عمدہ فرمایا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کہ جس نے اپنی ذات کو جان لیا یقیناً اسنے اپنے رب کو جان لیا۔

انسان کا سلسلہ مختلف افراد سے نہیں (اسکے بہت سے دلائل ہیں جنکے ذکر کا یہاں موقع نہیں) بلکہ ایک شخص سے جسکو خدائے جہان آفرین نے ابتداءً خاک سے پیدا کیا تہا۔ جیساکہ اب بھی ہم بہت چیزونکو خاک سے پیدا ہوتے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اوس اول شخص کا نام حضرت آدم ہے علیہ السلام۔ ان کے بعد ان کی بیوی انکی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں جنکا نام حوا ہے۔ بائیں پسلی سے پیدا ہونا شاید سمجھہ میں نہ آئے۔ مگر جب تخلیق حیوان کا ابتک سلسلہ جاری اور آنکہونکے سامنے ہے تو یہ کیا محال بات ہے آدم کے ایک جزء سے وہ پیدا ہوگئی ہوں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ بھی آدم کیطرح خاک سے پیدا ہوئیں تہیں اور بائیں پسلی سے پیدا ہونا اسطرف کنایہ ہے کہ عورت مرد کی ہم پہلو اور قدرتاً اوس سے کم مرتبہ اور اسکی سرشت میں کجی ہے و خلق منہا زوجہا کی تاویل کرتے ہیں مگر یہ قول ضعیف اور سست ہے +

انہیں حضرت آدم کی تمام انسان نسل ہیں۔ انہیں سے ملائکہ کے سجود اور شیطان کے حسد و انکار کا واقعہ پیش آیا تہا۔ اِسنے پہلے حیوانات و نباتات سب کچہ تہے۔ ہنود اور مجوس کے نزدیک تو اِن کی پیدایش کا زمانہ اسقدر دراز ہے کہ گنتے گنتے بھی آدمی تہک جاتا ہے عجب چکر دیکر کروڑوں بلکہ اسنے بھی زیادہ برس بتائے ہیں اور زمانوں کو خیالی طور پر تقسیم کیا ہے۔ یہ صرف اِن کے خیالات ہیں جنپر نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان نہ کوئی تاریخی شہادت ستاروںنسے حساب لگاکر یہ مدت قائم کرنا بالکل غلط ہے۔ حکماء یونان کا

ایک گروہ تو انواع کو قدیم ہی کہتا ہے اور ابدی بھی مانتا ہے جسکے قول کا بطلان روزمرہ کا مشاہدہ کررہا ہے۔ اور ایسے لوگ سب انسانوں کو ایک شخص کی اولاد بھی نہیں کہتے۔ مختلف افراد سے مختلف سلاسل نسل جاری مانتے ہیں۔ بعض حال کے فلاسفر کہتے ہیں کہ نباتات ترقی کر کے حیوانات بنگئے اور بعض حیوانات (بندر) ترقی کر کے انسان بنگئے یہ غلط خیال ہے انسان نے نباتیت سے ترقی کر کے حیوانیت اور حیوانیت سے انسانیت ضرور حاصل کی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ جو ان حضرات نے سمجھے ہیں بلکہ وہ کہ جسکو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ابتداءِ آفرینش انسان میں نباتیت یعنے نشو و نما ہوتا ہے پھر حیوانیت یعنے حس و ادراک آجاتا ہے پھر تکمیل ہو کر رحم ہی میں انسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جسکی تکمیل باہر آکر ہوتی رہتی ہے۔

حضرت آدم کہاں پیدا ہوئے تھے۔ اسمیں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں عدن میں۔ بعض کہتے ہیں فلسطین میں۔ بعض کہتے ہیں آرمینیہ کے کسی بالائی مقام میں جہاں قدرتی باغ لگا ہوا تھا۔ ان کی پیدائش کا زمانہ علماءِ اہل کتاب سات ہزار برس سے اوپر کہتے ہیں جسکو وہ انکی اولاد کے انبیاء علیہم السلام کی عمروں سے لیتے ہیں +

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے بہشت میں رہنے کا حکم دیا تھا کسی مصلحت سے صرف ایک پیڑ کے کھانے سے منع کر دیا تھا شیطان نے بہکا کر وہ کھلوا دیا جسکی سزا میں بہشت سے نکالے اور زمین پر ڈالے گئے مدتوں روتے رہے آخر گناہ معاف ہوا آیندہ کے لیے احتیاط کی تاکید کر دی گئی۔ پھر دنیا پر آکر انکی نسل پھیلی پھر وہ کہاں رہے اور کہاں اُن کی وفات ہوئی اور ان کے رو برو ان کی کسقدر نسل پھیلی تھی اور ابتدا میں ان کے قد و قامت اور عمریں کتنی ہوتی تہیں اور ان کا تمدن کیا تھا یہ سب باتیں مورخین نے لکھی ہیں جنمیں ان کا اختلاف بھی ہے +

حاصل کلام

ایک مادہ میں یہ صنعتیں اور ایسی دور اندیشی سے اسمیں وہ کمالات بدیعہ کس نے پیدا کردیئے اس مصنوع نادر میں اپنی قدرت وکمال کا یہ حیرت انگیز جلوہ کسنے دکھایا ہے؟ کیا خود بخود مادہ ایسا ہوگیا اور از خود اس نے میدانِ وجود میں یہ انقلابات عجیبہ دکھائے ہیں کہ جن کے ادراکِ علت وحقیقت سے ابتک عقول حکماء عاجز ہیں؟ ہرگز نہیں جسطرح کہ عقل سلیم کسی عمدہ صندوقچہ کو دیکھکر فی الفور یہ حکم لگا دیتی ہے کہ یہ ضرور کسی کاریگر مصلحت اندیش کا کام ہے لکڑی لوہے کے ٹکڑے آپ سے آپ اگر اس ترتیب عجیب سے نہیں مل گئے ہیں اور نہ انہیں یہ نقش ونگار خود بخود پیدا ہو گئے ہیں اسیطرح اس مصنوع عجیب کو دیکھ کر حکم دیتی ہے کہ ضرور یہ کسی علیم وخبیر قادر مطلق صناع کا کام ہے کہ جس نے اسکو اس اسلوب عجیب سے پیدا ہی نہیں کیا ہے بلکہ تمام عالم میں اس کے مصالح بھی ملحوظ رکھے ہیں۔ ایک ادنی بات جسکو حال کے فیزک نے تسلیم کرلیا ہے یہ ہے کہ انسانی نظر کے لیئے نیلا اور سبز رنگ زیادہ مناسب ہے بالخصوص سفید رنگ مضر ہے۔ پھر اسنے سطح بالائی کی اور اس کے بعد کرۂ آب کی رنگت جو کرۂ ارض کو محیط ہے نیلگوں بنادی اور پھر زمین پر اسقدر اشجار ونباتات پیدا کرکے اسکی رنگت سبز کردی اس کے علاوہ اسکی زندگی اور بقاء کے کیا کیا سامان پیدا کیئے۔ پھر وہ علیم وخبیر قادر مطلق جو تمام عالم پر حاوی ہے کون ہے؟ طبیعت اجسام ہے یہ بھی نہیں کیونکہ وہ غیر مدرک اور اجسام کے وجود سے پہلے اسکا وجود نہیں اور پھر ایک جسم کی طبیعت دوسرے اجسام پر کیا اثر پیدا کرسکتی ہے کہ جہاں اسکی رسائی بھی نہو۔ پھر وہ نیچر یاد ہر ہے! وہ بھی نہیں کیونکہ وہ مجہول الحال ہیں اس کے سوا وہ علم وادراک اور قدرت وکمال سے بھی بے بہرہ ہیں اور اگر کوئی سب سے بالاتر ایسا ہے کہ اسمیں قدرت وکمال اور علم وادراک بھی ہے اور تمام کائنات کا سلسلہ اسی پر جاکر منتہی ہوتا ہے وہی خدائے قادر ہے خواہ کوئی اوس کو

ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۝ وہی ہے چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا زبردست رحم کرنیوالا جسنے اپنی رحمت سے ہر شے کو بہت ہی خوبی سے بنایا اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اسکی نسل کو جسم کے خلاصہ پانی حقیر سے شروع کیا یعنی منی سے جسمیں تمام جسم انسان کا خلاصہ اور ویسا ہی تخم کا مادہ ہی پھر اسکو درست کیا اور اسمیں اپنی ہاں کی روح پھونکدی اور تمہارے لیئے علم حسی کیلئے کان اور آنکھ دیئے اور علم عقلی کیلئے دل بنائے تم کمتر شکر کرتے ہو بلکہ اپنے علوم خداداد پر نازاں ہوکر اسکا انکار کرتے ہو ۱۲ منہ

کس لفظ سے تعبیر کرے نیچر کہے یا دہر کہے یا کوئی اور نام رکھے۔ یہ نزاع لفظی ہے +

قرآن میں انسان کی پیدائش اور اس کے حالات و تغیرات اور اس کے لیئے مفید اشیاء کے پیدا کرنے سے اسقدر دلائل پیش کیئے ہیں کہ جو قرآن خواں سے مخفی نہیں اور جنکا نقل کرنا بہت طوالت ہے +

فصل دوم

بحث صفات میں

صفات میں

خدا تعالیٰ جمیع صفات حمیدہ سے موصوف اور جملہ برے اوصاف سے پاک ہے۔ علم حیات۔ قدرت۔ ارادہ وحدانیت۔ ازلیت ابدیت۔ رحمت غضب تکلم۔ لطافت صمدیت۔ غناء۔ تقدس۔ عدالت۔ وغیرہ سب صفات حمیدہ قرآن نے خدا تعالیٰ کے لیئے ثابت کیئے ہیں۔ حدوث۔ فنا۔ احتیاج۔ جہل۔ تشبیہ یعنے مانندیت۔ جسمانیت اور اسکے لوازم ظلم۔ وغیرہ جملہ عیوب سے پاکیزگی بیان فرمائی ہے +

علم وہ سب چیزوں کو جانتا ہے ازل میں اسکو ہر ایک ہونے والا معاملہ معلوم رہتا۔ ہمارے علوم کے لیئے جسقدر امور حجاب ہیں اس کے لیئے کوئی حاجب نہیں۔ وہ عالم حسی کی تمام چیزوں کو بھی جانتا ہے خواہ تعداد میں جنگل اور دریا کی ریت سے زیادہ کیوں نہوں خواہ وہ زمین اور دریاؤں کی تہ میں ہوں۔ یہ چیزیں ہمارے نزدیک غائب مگر اس کے نزدیک حاضر ہیں۔ اسیطرح وہ عالم مجردات کی بھی سب چیزوں کو جانتا ہے اور مجردات سے بالاتر عالم جبروت و لاہوت کی باتیں بھی سب جانتا ہے جو غیب الغیب ہیں وعندہ مفاتح الغیب۔ وَعِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ عَلَّامُ الْغُيُوبِ۔ العلیم الخبیر۔ اس کے لیئے سننا۔ دیکھنا۔ السمیع۔ البصیر۔ بھی بلحاظ علم بادیات کے قرآن نے بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ عرف عباد میں ادیات کا علم

ان دو آنو نسے حاصل ہوتا ہے ورنہ یہ ظاہر ہے کہ بندوں کی طرح سے نہ اس کے دو کان مضغہ گوشت اور نہ دو آنکھہ پارہ جسم ہیں نہ ہوا کے ذریعہ سے وہ سنتا ہے نہ خطوط شعاعی یا انطباع اشکال کے وسیلہ سے دیکھتا ہے ✦

حکمائے یونان نے اپنے اس قاعدہ کی پابندی سے کہ مادیات جزئیات کا علم حواس سے مختص ہے اور خدا حواس سے پاک ہے کیسلئے کہ یہ جسمانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہدیا کہ خدا کو جزئیات مادیہ کا علے وجہ التفصیل علم نہیں۔ یہ انکی بڑی غلطی ہے جیسا کہ مقدمہ کتاب میں حالت خواب کے علم کو آپ جان چکے ہیں کہ بغیر حواس جسمانیہ کے بھی روح جزئیات مادیہ کا علے وجہ التفصیل ادراک کیا کرتی ہے۔ اور جب تک روح اس جسمانی ہیکل سے متعلق ہے اسوقت تک وہ ان حواس کے روزنوں سے ادراک کرتی ہے پھر جب اس سے آزاد ہوگئی تو ان پانچ کھڑکیوں میں سے ادراک کرنے کی اسکو کوئی بھی ضرورت نہیں وہ ہر طرف سے ادراک کرسکتی ہے۔ جب روح کا یہ معاملہ ہے تو خدائے قدوس جو سب لطیفوں سے لطیف تر ہے وہ انکا کیوں محتاج ہونے لگا

علوم عقلیہ اور ادیان غیر اسلامیہ سب میں کچھہ نہ کچھہ علم الٰہی کی تنقیص ہے توریت موجودہ اور اناجیل مروجہ اور ویدوں اور دساتیر کے مطالعہ سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوسکتی ہے ✦

سوال۔ نقص علم الٰہی تو قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے بہت جگہ آیا ہے لیعلم لیبلوکم کہ فلاں کام اس لیئے کیا کہ خدا کو یہ بات معلوم ہوجائے یا خدا امتحان کرتا ہے یا اس نے امتحان کے لیئے ایسا کیا کہ کون سچے اور کون جھوٹے ہیں **جواب** خدا تعالےٰ کا علم حضوری ہے جو حصولی سے بالاتر ہے اور حضوری بھی قدیم۔ لیکن علم کی دو قسم ہیں ایک قبل الوقوع یہ علم اسکا مخلوق اور واقعات کے ظہور سے پہلے بھی تھا وہ سب اس کے علم ازلی میں حاضر تھے دوسرا علم بعد الوقوع یہ بندوں پر حجت ہے مقامات مذکورہ میں علم سے

مراد قسم اخیر کا علم ہے جس سے قسم اول کے علم کی نفی نہیں ہو سکتی

حیات - زندگی - ہر چیز کی حیات اسکی بقا ہے اور ہر شے کی بقا اسکی ذات کے مطابق ہے - خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا - یہی اسکی حیات ہے - اشیاء کے اوصاف مختصہ کا زوال بھی ایک قسم کی فنا ہے خدا اس سے بھی پاک ہے ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کیونکہ وہ واجب الوجود اور علۃ العلل ہے اس کے جملہ صفات اور اسکی ذات کسی دوسرے کی طرف سے نہیں جو زوال پذیر ہو سکے برخلاف ممکن کے ۔

قدرت و ارادہ

جملہ ممکنات پر اس کی قدرت ہے انمیں جسطرح چاہتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے تصرف کرتا ہے۔ مخلوق کا پیدا کرنا ان کی پرورش انکا کمال و زوال سب اسکے ارادہ و اختیار سے ہے - اسپر کوئی مجبوری نہیں کہ بلاارادہ و بلا اختیار اسکو وہ کام کرنا پڑے - یہ بات اور ہے کہ اس نے اپنے ارادہ و اختیار سے بلحاظ مصالح و بمقتضائے عدل و انصاف و رحمت - اسباب و علل عادیہ پر نتائج و آثار مرتب کر دیئے ہیں آگ میں حرارت آفتاب میں روشنی رکھدی ہے ۔ پانی سے پیاس کا بجھنا کہانے سے بھوک کا دور ہونا - ابخرات سے ابر بننا - بادل سے بارش نازل فرمانا نر و مادا کے اجتماع سے بچہ پیدا ہونا - سمیات میں زہر - برے افعال پر برے نتائج اچھے کاموں پر اچھے نتائج مرتب کر دیئے ہیں - یہ بھی اِس کے اختیار اور ارادہ اور قدرت سے باہر نہیں چاہے تو مرتب نہونے دے یا وہ مخصوص نتائج اِن اشیاء پر مرتب کرے جنپر خلاف نتائج مرتب ہوتے تھے - آگ میں سردی - اور پانی میں حرارت قائم کر سکتا ہے - اسباب و علل کے سلسلہ پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں درحقیقت یہ بھی اسی کے افعال ہیں - تلوار کا کاٹنا قلم کا لکھنا کل کا کوئی کام کرنا درحقیقت تلوار مارنے والے اور قلم اور کل چلانے اور بنانے والے کا ہی کام ہے ہاں مجازاً تلوار اور قلم اور کل کیطرف بھی نسبت کر دیئے ہیں دوا اور ہوا کی تاثیر بھی اسکی طرف سے مرتب شدہ ہے -

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ۔ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ہ

ابنیائی رستہ چھوڑ کر اس مقام پر بھی اور لوگوں کے اور اک نے ٹھوکر کھائی ہے اور خدا اسے قادر میں صفت نقص پیدا کر دی ہے ÷

حکماء یونان کہتے ہیں کہ یہ عالم اس سے بلا ارادہ و اختیار پیدا ہوا ہے۔ اور اشیاء کے خواص مختصہ و آثار لازمہ اشیاء سے وہ دور نہیں کر سکتا اور نہ عالم کے سلسلہ انتظام میں خلل ڈال سکتا ہے۔ قدرت کے مذکورہ ترتیبات کا قانون ہے قانون قدرت کے برخلاف کوئی کام ہو نہیں سکتا محال ہے اسلیئے وہ معجزات انبیاء علیہم السلام و کرامات اولیاء کرام کو جو ان کے روحانی کام ہیں اور وہ ایک اور دوسرے قانون قدرت کے تحت میں ہیں نہیں مانتے اس قسم کی روایات کو خرافات اور قصہ اور کہانیاں جانتے ہیں۔ آجکل کے حکماء میں بھی وہ پرانا مسئلہ مسلّم ہو رہا ہے انکا بھی ایسا ہی خیال ہے ÷

خلفاء بنی العباس کے عہد میں جب یونانی فلسفہ اور حکمت عربی زبان میں ترجمہ ہو کر آئے اور قلوب سے نور نبوت دنیاوی تجملات و اسباب تمدن سے کم ہوتا گیا اور ظلمت بہمیت پھیلتی گئی تو مسلمانوں کے ایک گروہ پر وہ فلسفہ اثر کر گیا۔ اس لیئے ان کی تمام کوشش اسطرف متوجہ ہوئی کہ اسلام کو فلسفہ کے حملے سے بچائیں۔ مگر فلسفہ کو تو وہ ایک انچ بھی نہ ہٹا سکے۔ بلکہ اسلام کے روشن اصول کو ہی پیچھے ہٹانے لگے یعنے تاویلات و توجہات کے ذریعہ سے اصلی معنی کو چھوڑ کر ان آیات و احادیث میں فلسفہ کو ٹھہانے لگے اور ان کی کمزور طبیعتوں میں یہ کام بڑا احسان اسلام اور مسلمانوں پر شمار ہونے لگا۔ اس فرقہ کا نام **معتزلہ** تھا مگر ان کے مقابلہ میں حکماء اسلام میں سے بھی وہ لوگ اوٹھہ کھڑے ہوئے جنہوں نے ان کے فلسفہ کی جو انکا مایہ ناز تھا دلائل عقلیہ سے دھجیاں اوڑا دیں اور یونانیوں کی غلط فہمیوں کو آشکارا کر دیا۔ جیساکہ امام **غزالی** امام **فخر رازی** وغیرہ جزاہم اللہ خیراً۔ ہمارے زمانہ میں بھی بعض وہ حضرات پیدا ہو گئے جو علوم اسلامیہ سے ماہر نہ اسرار شریعت سے واقف نہ مشرقی فلسفہ سے خبر نہ مغربی فلسفہ سے مطلع۔ بلکہ مغربی علوم کی زبان سے بھی آگاہ نہیں۔ صرف سفر یورپ اور وہاں کی زرق برق سے ان کی کمزور آنکھیں چوندھیا گئیں

اسلئے ان کی نظروں میں اسلام موجودہ فلسفہ سے کامل شکست پا گیا۔ اور یورپ کی ترقی ان کے نزدیک ان کی صنعت اور حرفت اتفاق باہمی۔ ہمدردی کوشش پر نہیں بلکہ ان کے فیشن اور طرز تمدن اور ان کے الحاد اور بے قیدی اور انہماک لذات و شہوات اور اس قسم کی خرافات پر مبنی معلوم ہوئی تو وہ قوم کے ہمدرد اسلام کے حقیقی بہی خواہ بھی قرآن کی تاویل کی طرف متوجہ ہوئے اور جملہ ان آیات و احادیث میں جو ان کو یورپ کے خیالات کے برخلاف معلوم ہوئیں خواہ وہاں کے بازاریوں ہی کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ سب میں انہیں کے خیالات قطع و برید کر کے بھرنے شروع کر دیے اور اسی مراد سے انہوں نے بھی قرآن کی تفسیر اور ترجمہ کے ذریعہ سے مسلمانوں میں یہ روشن خیالی پھیلانی چاہی جو در اصل تنگ خیالی تھی مگر ان کے مقابلہ میں بھی خدا کے بندے کھڑے ہو گئے اور انکا تمام تار و پود توڑ پھوڑ کر رکھدیا جسپر انہوں نے اور ان کے کاسہ لیس شاعروں اور اخباروں نے بہت کچھ غل مچایا مگر ابھی تک مسلمان ایسے گئے گذرے نہ تھے جو وہ ان کی ملمع کاری پر فریفتہ ہو جاتے بے اصل بات تو بے اصل ہی ہوتی ہے ادہر ان کی تعلیم گاہوں سے جو فیشن اور بے قیدی کی تعلیم پا کر نمونہ بنکر نکلے اور وہ صنعت و حرفت اکتساب معاش کے علوم سے عاری جنکا مدار کار نوکری کی امیدواری اسپر یورپین سوشیل کے مصارف ادہر مذہب و ملت و قوانین اخوت و برادری سے آزادی اسپر افلاس اسنے اور بھی بھرم بگاڑ دیا کیونکہ تجربہ بڑی دلیل ہے ہنود میں بھی انہیں کے قدم بقدم دو گروہ **مصلح قوم** پیدا ہوئے اول انگریزی خوان بنگالیوں میں **برہمو دہرم** پیدا ہوا۔ انہوں نے تو ایک صلح کل ایسا مذہب ایجاد کیا جو سب کے نزدیک عزیز ہو حالانکہ ہر دلعزیز ہر دل ذلیل ہو جایا کرتا ہے اور کھانے پینے کے بھی جملہ قیود جو ہندو دہرم میں تھیں سب اٹھ گئیں در اصل ہندو دہرم کی سخت قیود کی پابند رہکر کوئی قوم قوم نہیں رہ سکتی دوسرا گروہ ہندو پنڈتوں میں **آریہ دہرم**ف نکلا اس کے بانی کی نظروں میں ویدوں اور شاستروں اور پرانوں میں

ف فرقہ آریہ کے بانی نے نیا فلسفہ اور نیا سائنس ہی بنایا ہے جسکی نہ کسی دلیل عقلی پر بنیاد ہے نہ دلیل نقلی پر

جو کچھ غلط اور جاہلانہ تعلیم تھی اوہام پرستی اور جاہلانہ قصص و حکایات وہ نہ صرف ایک عاقل اور روشن خیال آدمی کے لئے باعث عار و ننگ ہے بلکہ ان کے بزرگوں کے لئے بھی بڑا سیاہ دھبہ ہے جس سے انکی حقیقت معلوم ہوتی ہے) وہ سب قابل رد قرار پا چکی تھی۔ سب کا سرانجام تو ناممکن تھا مگر اس باہمت شخص نے اور سب خرافات کو خیرباد کہکر صرف چاروں ویدوں کے حصہ اول سنگھتا ہی پر قناعت کرنا غنیمت جانا اور جہاں تک ہو سکا اگو خلاف لغت و محاورہ سنسکرت ہی کیوں نہو اس کے اگلے شارحین کیوں نہ فریاد ہی کرتے ہوں کہ ارے مہاراج کیا غضب کرتے ہو تمنے تو اصلی کلام کو بالکل پلٹ دیا) تاویلات کرنے شروع کیے اور تفسیر بھی لکھی مگر تمام نہ کر سکے۔ علوم جدیدہ کی چمک سے ان کی آنکھیں بھی خیرہ ہو چکی تھیں ویدوں کے اعتبار و وقار دلانے کے لئے انہیں کھینچ تان کر حکماء کے اصول بھی ٹھونسے بلکہ ریل۔ تار۔ سٹیمر بنانے کے علوم کے بھی مدعی ہو گئے۔ مگر جب انہیں کسی ایک معمولی چیز بنانے کا بھی علم نہ تھا نہ عقائد و اخلاق و طہارت و عبادت کی بابت نہ دار آخرت کی بابت کچھ تھا تو بیچارے

بقیہ ص۸۳ اپنے تراشیدہ مضامین کا کبھی کبھی شت پتہ ذخیرہ کتب ہنود کیطرف حوالہ دیا کرتے ہیں مگر کتب مذکورہ میں ان باتوں کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا ہاں کتب مذکورہ کے مطالب کو شاید کسی ادنی مناسبت سے کھینچ تان کر اپنے موافق تاویل کرتے ہوں منجملہ ان کے مطالب فلسفیانہ کے ایک یہ بھی ہے کہ جملہ ارواح انسانیہ اگلے جنم کے کرموں کے مطابق نباتات حیوانات انسانوں کی شکل میں بطور تناسخ ظہور کیئے ہوئے ہیں اس صورت کے کرموں یعنے اعمال کے موافق پھر کسی دوسرے جسم میں ظہور کرینگے۔ اول تو ابتداء آفرینش میں کس جنم کے کرموں کا ظہور قرار دیا جائیگا جبکہ ان موالید ثلاثہ کا حادث ہونا ثابت ہو جائیگا۔ دوئم نباتات و حیوانات کے افعال قابل جزاء و سزا تسلیم کرنے پڑینگے اور یہ بغیر اسکے کہ انکو حس و ادراک کامل اور اپنے افعال میں اختیار و قدرت اور پھر انکو کوئی الہام و وحی متنبہ کرنیوالا ہو ناممکن ہے۔ حالانکہ کسی وید میں انسان کیلئے بھی یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ فلاں کام سے فلاں جنم میں جاتا ہے اور فلاں سے نجات پاتا ہے۔ پھر جب انکے الہام نے انسان ہی کی حاجت پوری نہ کی اور بغیر بتائے اسکو سور کتے کا جنم دیا جاتا ہے تو وہ بُرے حال نباتات و حیوانات کو بتائیگا کون ۱۲

پنڈت مہاراج بجز اسکے اور کیا کرتے کہ اعمال میں تو ہوم کرنے کو تمام علوم و حکمت علمیہ کا سرچشمہ بنایا۔ اور علوم نظریہ کے لیئے آشون وغیرہ جو ویدوں میں الفاظ وارد ہیں ان کے معنے کبھی آفتاب کبھی گھوڑے کبھی بھانپ کبھی گیاس کے قرار دیکر کہدیا کہ سب جدید صنائع کے یہی اصول ہیں انہیں سے انجن چلتے ہیں یہ ویدوں میں موجود ہیں انسے سیکھکر اہل یورپ نے یہ تمام صنعتیں نکالیں ہیں۔ کہیں مہرشی پنڈت کے مقابلہ میں اہل یورپ نہ بول اوٹھیں کہ ویدوں کا سیکھنا تو کجا ہمنے تو ان کے نام بھی نہیں سنے۔ اب حال میں چند علماء جرمن کو زبانوں کا شوق پیدا ہوگیا ہے ویدوں کو پرانی کتاب سمجھکر چھپوادیا اور سنسکرت زبان میں مہارت پیدا کرلی ہے جیساکہ ژندی زبان اور دیگر قدیم زبانوں کو حاصل کیا ہے آریہ کے عقیدہ میں بھی خدا کی قدرت ویسی ہی محدود ہے جیساکہ اوپر بیان ہوا۔ بلکہ وہ تو خدا کو نہ جواہر کا خالق سمجھتے ہیں نہ اعراض کا۔ ارواح مادہ بسائط عناصر سب قدیم اور خدا کے غیر مخلوق اور غیر مقدور ہیں خدا بندہ کے آثار افعال کو دور نہیں کرسکتا جو کچھ اس عالم میں بندہ کو راحت و رنج پہونچ رہا ہے۔ یا آیندہ تناسخ کے ذریعہ سے پہونچے گا اسمیں خدا کو کچھ بھی اختیار نہیں کہ بندہ کی توبہ و ندامت و استغفار سے اسکو دور کرسکے۔ مخلوق میں سے کوئی جانور بھی اس کے پیدا کرنے سے پیدا نہیں ہوا ہے ایسے عاجز و مجبور خدا کے ماننے کی انکو کیا ضرورت پیش آئی اپنے بھائیوں فرقہ ناستک اور بودھ اور جینیوں کیطرح اسکا بھی انکار کردیتے تو معاملہ صاف تھا اور اب بھی ایک قسم کا انکار ہی ہے +

ہاں یہ قرین عقل ہے کہ محالات عقلیہ مقدور ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ اپنا مثل پیدا کردینا یا اپنے ذات میں صفات ذمیمہ حدوث و فنا کذب و ظلم وغیرہ پیدا کرلینا۔

واحدانیت وہ جسطرح اپنی ذات مقدسہ میں یکتا ہے اسیطرح اپنے صفات کمال میں بھی یکتا ہے۔ کیلئے کہ عالم وجود میں سوا اس کے اور کوئی واجب الوجود ہی نہیں۔ پھر جو کچھ موجود ہے وہ سب فی حد ذاتہ ممکن ہے اس کے وجود کا پرتو اپڑکر

ھ آگ پر گھی وغیرہ جلانا ۱۲ منہ

مخلوق موجود ہوئی ہے اسیطرح اپنے اس کے صفات کا بھی ایک اثر نمایاں ہوا ہے۔ مخلوق کی قدرت اسکا علم اسکی حیات اسکا ارادہ محدود ہے اور جو کچھ ہے اسیکا عطا کردہ ہے۔ اسینے ان کے اسباب عطا کئے ہیں۔ مخلوق کے صفات علے حسب مراتب بلحاظ ملائکہ و انبیاء علیہم السلام کہیں تک وسیع ہوں مگر اس کے صفات کے مقابلہ میں ایسے ہیں کہ جیسا بحر ذخار کی نسبت ایک قطرہ۔ کسی مخلوق کو خواہ وہ کتنی ہی عند اللہ محترم ہو اسکی ذات اور صفات میں مساوی یا حصہ دار سمجھنا شریعت محمدیہ علے صاحبہا الصلوٰۃ و السلام میں **شرک** ہے جو اشد معصیت ہے جیسا کہ اسکی ذات و صفات میں کمی تصور کرنا **کفر** ہے۔

توحید پر بہت سے براہین عقلیہ قائم کئے گئے ہیں۔ (۱) اگر اور بھی کوئی دوسرا خدا ہو تو ضرور ہے کہ ہر خدا میں خدائی اسکی حقیقت میں داخل ہوگی نہ کہ عارضی۔ اس صورت میں خدائی دونوں کے لئے جنس ہوگی جو دونوں میں مشترک ہے۔ تو اب کوئی دوسرا جز بھی ہونا چاہیئے کہ جس سے باہم ایک دوسرے کو امتیاز ہو جائے ورنہ دو نہوں گے۔ پھر جب ماہیت میں دو جز ثابت ہوئے تو ہر ایک کی حقیقت دو جزؤں سے مرکب ٹھہرے گی۔ اور ہر مرکب بقاعدہ عقلیہ حادث ہے کسلئے کہ ترکیب سے پہلے انکا وجود نہ تھا اور ہر حادث کے لئے ایک **محدث** یعنی پیدا کرنے والا اور دونوں جزؤں کو ملا دینے والا ضرور ہے تب یہ خدا خدا نرہا بلکہ مخلوق ہو گیا۔ دراصل خدا یہی محدث ہے۔ اب اس محدث کیساتھ اور بھی کوئی محدث ہے تو یہی کلام ہوگا اور دوسرا محدث ماننا پڑے گا۔ غیر متناہی سلسلہ لازم آئے گا اور وہ محال ہے یا کہو اور کوئی دوسرا محدث نہیں تو مدعیٰ حاصل ہوگا کہ خدا واحد ہے۔ قرآن مجید میں کیا عمدہ عنوان سے دلیل توحید بیان ہوئی ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ کہ اگر آسمانوں اور زمینوں کے دو خدا ہوتے تو کبھی کے خراب ہو گئے ہوتے ❖

کسلئے کہ ہر ایک قدرت و اختیارات میں مستقل ہے ورنہ خدا خدا نہوگا۔ بلکہ کسی کمیٹی کا

ہوگا۔ جو دنیاوی امور میں بھی مستقل کچھ بھی اختیار و قدرت نہیں رکھتا۔ ایسا خدا اگر مانیں گے تو عیسائی مان سکتے ہیں۔ جو باپ بیٹے روح القدس کی کمیٹی بنا کر خدائی کروایا کرتے ہیں۔ اور جب مستقل ہوا تو ایک کو دوسرے کے خلاف میں کوئی کام کرنے کی قدرت ہوگی یا نہو گی۔ اگر نہوئی تب وہ مستقل با حیات و قدرت نرہا اور جو ہے تو یہی منشار مخالفت آسمانوں اور زمینوں اور جملہ انتظام عالم کا مخرب ہے۔ حالانکہ عالم کا انتظام قائم ہے تو معلوم ہوا کہ اور کوئی دوسرا خدا نہیں صرف ایک ہی خدائے قادر وحدہٗ لاشریک ہے

اگر عاقل مجموعہ مخلوقات میں سے کسی ایک چیز میں بھی غور کرے گا تو فی الفور اسکو توحید محض کا جلوہ دکھائی دیگا۔ چنانچہ اسی بات کو عرب کے کسی شاعر نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔ ؎

ففی کل شئی لہ شاہدٌ یدل علےٰ انہٗ واحدٌ

کہ ہر شے میں اس کے لیئے ایک شہادت دینے والا موجود ہے جو شہادت دے رہا ہے کہ وہ واحد ہے ؛

اور **عارف** کی نگاہ میں تو اس کے سوا اور کوئی دوسرا موجود ہی نہیں اور جو کچھ موجود ہے اسیکے وجود اصلی کا پرتو ہے پھر دوسرا خدا ہونا تو درکنار دوسرے کا وجود ہی نہیں ؎

بخدا غیر خدا در دو جہان چیزے نیست بے نشان است کزو نام و نشاں چیزے نیست

قرآن مجید میں ان امور کیطرف بھی جا بجا اشارہ کیا گیا ہے ؛

اوہام بنی آدم جو بہیمیت کے خمیر سے پیدا ہوا کرتے ہیں کبھی عالم میں کسی کے تصرفات خیال کرکے اسکو بھی خدائی میں شریک کر لیا کرتے ہیں اور نادیدہ خدا میں مخلوق پر قیاس کرکے صدہا ایسے اوصاف پیدا کر دیتے ہیں جو ان کے خیال میں تو وہ اوصاف کمال ہوتے ہیں لیکن در اصل وہ اس کی ذات مقدسہ کی نسبت سخت سے سخت عیوب ہوتے ہیں۔ یہ وہمی آمیزش ایک ایسی بلا ہے کہ جس سے

وہی بچ سکتا ہے جو طریقۂ انبیاء علیہم السلام کا پیرو اور ان کے قدم بقدم چلتا ہے۔ یہ توہمات کا ایسا بحر ذخار ہے کہ جسمیں صدہا کشتیاں غرق ہوگئیں اور کسیکا ایک تختہ بھی اوپر نہ ابھرا۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ھزار کہ پیدا نشد تختۂ بر کنار

طوائف بنی آدم نے کبھی تو ارواح نجوم کو شریک الوہیت کر لیا۔ انکی نذر و نیاز پرستش کے طریقے جاری کریئے اور جب انسے تحقیق کیا گیا تو یہی کہتے ہیں کہ جسطرح دنیا کے بادشاہ اپنے امور سلطنت کارندونکے سپرد کر دیتے ہیں اور انہیں کے رضامند رکھنے سے کام نکلتے ہیں اسیطرح خدا نے بھی امور قضاء و قدر ان اشخاص کے سپرد کر دیئے ہیں۔ وہ فراخدستی تندرستی۔ بارش ارزانی فتح و نصرت دفع بلا کرتے ہیں قیامت میں بھی اپنے پرستش کرنے والوں کی شفاعت کرینگے۔ پھر کبھی یہ اختیارات حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاندان کے اور کبھی اولیاء اللہ کے سپرد کرتے ہیں کبھی فرشتوں کے اور انہیں اور خدا میں رشتۂ ابوت بھی قائم کر دیتے ہیں کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور کبھی جنوں کے اور کبھی اپنے مشاہیر کے۔ اور کبھی خیالی اشخاص چڑیل بھوت کے

یہ وبار کچھ عرب ہی میں نہ تھی بلکہ اور ملکوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں تو اب تک موجود ہے گو مسلمان بادشاہوں نے بہت کچھ دفع کیا ایسے خیالات پر قرآن میں جا بجا عتاب کر کے کہا گیا ہے ما انزل اللہ بھا من سلطان کہ تمہارے ان خیالات پر کہ خدا نے ان چیزونکو اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ نذر و نیاز کی رشوت میں تمہارے کام کر دیتے ہیں کوئی بھی سند نہیں آتاری اور کبھی فرمایا ہے کہ اسپر کوئی دلیل تو پیش کرو۔ کبھی اپنا جبروت اور قدرت و یکتائی کا اظہار فرما کر ارشاد کیا ہے کہ ہمارے سوا اور کوئی بھی نہ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر پہونچا سکتا ہے کبھی یہ فرمایا ہے کہ تمہارے ان معبودوں نے میری مخلوق میں سے کونسی چیز بنائی ہے اور کبھی یہ کہ اگر ہم تمہارے معبودوں کو ہلاک کر ڈالیں تو کوئی ان کو بچا سکتا ہے۔ اور کبھی خدا کو ایک بادشاہ قوی الھیکل فرض کر کے جملہ لوازمہ دربار بشریہ اسکے

ثابت کرتے ہیں۔ کبھی ایک بوڑھا بزرگ سفید ریش نورانی صورت سر پہ عمامہ گلے میں کرتا یا ننگ
ننگ بدن پر بھبوت ملے سانپوں کی مالا گلے میں ڈالے بیل پر سوار ہاتھ میں ترسول لال لال
قہر آلود آنکھیں نتھنوں سے آتش کے شعلے نکل رہے ہیں وغیرہ ولک آشکال میں
تصور کرتے ہیں۔ اور کبھی اسکو کسی حسین عورت یا مرد کی صورت میں تصور کر کے اس کے
لیے زلف عنبریں اور عارض گلگوں اور در دندان خیال کر کے اور اس فرضی خدا کے شوق
میں آہ و نالہ کرتے ہیں۔ مگر وہ سبوح و قدوس ان سب وہمی اشکال و اوصاف سے
پاک اور مقدس ہے۔ اسلیئے قرآن میں صاف صاف فرمادیا سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ
عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۚ کہ رب العزۃ ان کے اوصاف تراشیدہ سے پاک ہے۔ ایک جگہ فرماتا
ہے اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ کہ اے پیغمبر آپنے انکو بھی دیکھا کہ جنہوں نے
اپنی خواہش کو خدا بنا لیا خواہش کی اطاعت کرتے اور خیالی قوالب میں اسکی صورت
ڈھالتے ہیں +

ازلیت ابدیت وہ ازلی ہے اسکی ابتدا انتہا نہیں اُس سے پہلے کوئی چیز نہیں جہانتک
زمانہ کی درازی ذہن فرض کرتا چلا جاوے وہ اس سے بھی پہلے سے
ہے اور اسیطرح اسکی انتہا بھی نہیں کہ اس کے بعد اور کوئی چیز ہو جہاں تک اسطرف زمانہ
کی درازی فرض کیجاوے وہ اوس کے بھی بعد تک ہے +

واجب الوجود کے لیئے یہ دونوں باتیں لازمی ہیں جسطرح اور صفات میں کوئی اسکے
ساتھ شریک نہیں اسیطرح ان صفات میں بھی کوئی چیز اس کے برابر نہیں۔ حکما یونان کا فلسفہ جیسا کہ
اور صدہا توہمات پر مشتمل ہے اور امور متخیلہ کو حقائق حقہ سمجھ رکھا ہے۔ اسیطرح اس مسئلہ میں
بھی انپر قوت وہمیہ غالب آگئی کہ وہ عالم آسمانوں اور زمین اور نیرات اور عناصر و بسائط کو
قدیم مانتے ہیں انکو بھی ازلی اور ابدی کہتے ہیں۔ انہیں کی تقلید سے اور حکما بھی ایسا ہی
کہتے ہیں اور فرقہ آریہ کا بھی یہی اعتقاد ہے وہ ارواح کو بھی ازلی اور ابدی کہتے ہیں۔

ف [1] فلسفہ حال نے تو نیرات و سماوات کی ابدیت و ازلیت کی قلعی کھولکر کہدی اور ثابت کر دیا کہ یہ بھی ایک پرانا و قیانوسی خیال ہے کیونکہ آلات سے ثابت کر دیا ہے کہ اثیر سے نیرات بنتے اور بنے ہوئے تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اب کے سال جو غیر معمولی سردی اور برف باری ہوئی تو آلات رصد سے دیکھ کر حکماء حال نے کہدیا کہ کچھ اربع میل کسر آفتاب میں گیاس کم ہو گئی۔ اور جب نیرات میں اس قسم کے تغیرات مشاہد ہیں تو پھر ان کے حادث و فانی ہونے میں کیا شک ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ چیزیں دیرپا ضرور ہیں جنکی عمر کا کوئی حساب نہیں پہلے حکماء اور ان کے مقلدین نے ان کے دیرپا ہونے سے ان کو ازلی اور قدیم بھی سمجھ لیا اور وہی مقدمات پر کرکے مبنی دلیل بھی پیش کر دی۔ ۱۲ منہ

ان سب کے نزدیک خدائے قادر کیساتھ اور صدہا چیزیں وجود کی ازلیت وابدیت میں برابر ہیں خدا کو ابات میں کوئی فوقیت نہیں - اس شرک کا کیا ٹھکانا ہے - ان کے پاس اس خیال باطل پر کوئی برہان نہیں حکما یونان نے جو کچھ خیالی دلائل قائم کیے ہیں علما ر کلام نے سب کو توڑ پھوڑ دیا ہے - آریہ یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ اگر یہ چیزیں جب سے وہ ہے اسوقت سے اسکے ساتھ نہوں اور جب تک وہ رہے اسوقت تک نہ رہیں تو اسکی خالقیت و حکومت کس چیز پر ہو؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ممکن ہے کہ مذکورہ اشیار کے علاوہ اور صدہا چیزیں اس کی اظہار خالقیت و حکومت کے لیے ایسی ہوں کہ جنکو ہم نہیں جانتے اور وہ قادر ایک زمانہ معین تک انکو باقی رکھہ کر مٹا ڈالتا ہو اور پھر اور چیزیں پیدا کرتا ہو اور پھر انکو بھی مٹا ڈالتا ہو اور انکی جگہ اور دوسری پیدا کرتا ہو اسیطرح ازل سے ابد تک وہ نئی نئی چیزیں عالم وجود میں لاتا اور مٹا ڈالتا ہے اس صورت میں اسکی خالقیت و حکومیت کا انحصار کرنا اس کے صفات کو بلا دلیل محدود کرنا ہے دوئم کسی صفت کا وجود اس کے اظہار پر موقوف نہیں فرض کرو کہ کسیکو کلام کرنے کا ملکہ ہے اور وہ کبھی نہ بولے تو کیا اس کے ملکہ کلام میں کچھ فرق آسکتا ہے غایۃ الامر وہ شخص کہ جسنے اسکو بولتے نہ سنا ہو وہ اس کے ملکہ تکلم کا مشاہدہ نہونے کے سبب قائل نہوا کرے یہ بھی اسکی بیوقوفی ہے کیونکہ علم و یقین کا مدار کچھ مشاہدہ پر نہیں سوئم - جب یہ چیزیں ان کے نزدیک ازلی اور ابدی ہیں تو وہ اس کی مخلوق اور محکوم کسطرح سے ہو سکتی ہیں؟ کس لیے کہ خالق اور مخلوق میں تقدم و تاخر ضروری ہے جب بوجہ خالق ہونے کے وہ متقدم ہوا اور یہ چیزیں متاخر ہوئیں تو انکی ازلیت کہاں رہی؟ - کیونکہ ازلی تو اسکو کہتے ہیں کہ جس کے وجود پر عدم سابق نہو اس تقدیر میں بھی انکا مدعیٰ اظہار خالقیت و حکومت بھی فوت ہو گیا - پھر ان اشیار کا ازلی اور ابدی ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ انکو واجب الوجود مانا جاوے - اور جب

یہ اشیاء واجب الوجود ہوئیں تو جسطرح اپنی ذات میں غیر سے مستغنی ہیں اسیطرح اپنی صفات میں بھی مستغنی ہیں جیساکہ واجب الوجود کی شان ہے پھر جو چیز اپنی ذات اور صفات میں مستغنی اور بے نیاز ہے تو اسپر کسیکی حکومت بھی کیونکر ہو سکتی ہے؟ نہ معلوم آریہ عقلاء نے اسمیں کونسی فلاسفی سوچی ہے۔!

رحمت و غضب

رحمت و غضب یہ دو صفات آپسمیں متضاد ہیں۔ ہر ایک کا اپنے اپنے موقع اور وقت پر ظہور ہوتا ہے۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ خالق کو اپنی مخلوق پر بہت کچھ رحمت اور محبت ہے ماں باپ اولاد کے خالق نہیں اسپر انسان سے لیکر درند و پرند وحوش تک میں ایک تعلق خاص سے کسقدر مرحمت و محبت ہے۔ پھر اسکی محبت و مرحمت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے قرآن نے اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔ کہ میری رحمت نے ہر شی کو گھیر رکھا ہے۔ ہر چیز اسکی رحمت کے وسیع دائرہ میں ہے۔ پھر خالق ہونے کے سوا وہ مربی اور پرورش کرنے والا بھی ہے اسلئے اسلام کی تمام تعلیم کا خلاصہ یہی دو باتیں ہیں اول تعظیم لامر اللہ۔ خدا کی باتوں کی تعظیم کرنا۔ دوئم شفقت بر مخلوق خدا۔ اور اس کی اس رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ اس نے کوئی چیز بھی ناقص اور نامکمل پیدا نہیں کی اور پیدا کر کے ہر شے کو اس جملہ اسباب کمال و حاجت عطا فرما دیے ہیں اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔ بالخصوص انسان عزیز ترین مخلوق کی چندروزہ زندگی کے لیے کیا کیا نعمتیں عطا کیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ۔ عالم علوی وسفلی سب کو اس کے کام میں لگا دیا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اور اسی رحمت کا مقتضے ہے کہ اس نے ایک آنے والی حیات جاودانی حاصل کرنے کے لیے دنیا میں حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ

تاکہ اسکے بندوں کو مضرات و منافع سے مطلع کریں +

مگر او رے انسان تیرے اندر قدرت نے جو کچھ قدرت و اختیار تیری فوائد کے لیئے رکھدیا ہے۔ تو اسکو لذات و شہوات اور اپنے آقائے قدیم کی نافرمانی میں صرف کرتا ہے۔ نہ محسن کا شکریہ نہ اسکے وجود کا اقرار نہ اسکے صفات پر ایمان نہ اس کے فرمودہ پر یقین کر ان زہردار ہیلو ن کا یہ برا اثر ہے جسکا نتیجہ تجھی کو بھگتنا پڑے گا۔ پھر اس کے فرستادوں سے مقابلہ۔ ایذا رسانی کی فکریں بجائے اس کے او نمک حرام تو نے اپنے ہاتھ کی کھودی ہوئی مورتیں اور وہم و خیال کے گھڑے ہوئے معبود بنائے ارے او بے غیرت تو مالک محسن قدیم کے آگے نہ تو جھکا جھکا تو اپنی جیسی بلکہ اپنے سے بھی کم مرتبہ مخلوق کے آگے جھکا اپنی مصیبتوں میں اوس رحیم و قادر کو تو نہ پکارا جو بغیر پکارے بھی فریادرسی کرتا ہے پکارا تو ان فرضی معبودوں کو جو تیری پکار بھی نہیں سن سکتے اور جو سنیں بھی تو انکو قدرت فریادرسی کی نہیں اور ہو بھی تو تجھپر رحم کہانے کا انکو کیا تعلق +

اب ایسی حالت میں جب انسان نہ مانے اور گمراہی اور گناہ میں آگے ہی قدم دہرتا چلا جائے تو اس پر غضب الٰہی نہو تو کیا ہو؟ اب یہ غضب کبھی تو دنیا میں ظاہر ہوتا ہی زلزلہ خسف قحط۔ سیلاب۔ ژالہ باری۔ بیماری۔ طاعون۔ تنگدستی۔ غلبۂ اعدا۔ شکست ذلت۔ تدابیر میں ناکامی۔ باہمی نفاق و خودغرضی۔ دشمنوں کے ہاتھ سے قتل و اسیری زوال دولت و حشمت۔ بے برکتی۔ بد امنی۔ بے چینی۔ مرگ اولاد و اقارب وغیرہ صدہا تونہیں مگر واہ واہ انکی رحمت اسپر بھی اگر بندے توبہ و استغفار کریں اپنی بدکاری و شرارت سے باز آئیں۔ مخلوق پر صدقات و خیرات سے مہربانی کرنے لگیں تو وہ اپنا عذاب اوٹھا لیتا ہے قرآن میں اسکی تصریح ہے۔ کبھی آخرت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد روح کو آتش جہنم تنگ و تاریک قید خانوں کی قید وغیرہ وغیرہ جنکی قرآن و احادیث میں بہت کچھ تصریح و تشریح ہے۔ مگر اب توبہ و استغفار کا وقت نہیں رہا۔ جس بارود میں یہ آگ لگ کر آیا تھا اس میں

آپ جلیگا۔ یہاں بھی اگر قوت نظریہ کے جرائم میں گرفتار نہ تھا بلکہ ایمان تھا اعمال کے جرائم تھے کبھی وہ رحیم محدود سزا کے بعد معاف کر دیتا ہے کبھی اپنی رحمت سے بے سزا معاف کر دیتا ہے اور کبھی معافی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ زندوں کا اس کے لئے دعا کرنا اسکی طرف سے صدقات ومبرات کرنا ÷

اس مقام پر بھی خلاف کرنے والے گروہ غلطی میں پڑ گئے۔ عیسائیوں نے اول تو خدا کو ایسا تنگ حوصلہ اور قہار محض سمجھا کہ آدم کے ایک ذرا سے گناہ کو باوجود توبہ و استغفار اور دنیاوی سزا پریشانی وغیرہ کے معاف نکرنا تھا نہ کیا اسکا انتقام ناکردہ گناہ حضرت عیسی علیہ السلام سے لیا کہ جو آبائی سلسلہ کے لحاظ سے حضرت آدم کی نسل سے بھی نہ تھے بلکہ بالکل اجنبی۔ انکو صلیب پر کھنچوا دیا۔ ان کے رونے اور آہ وزاری پر کچھ بھی رحم نہ آیا اور ایک ناکردہ گناہ کو تین روز جہنم میں رکھا اور لعنتی بنایا۔ پھر اس کے رحم کیطرف آئے تو ایسے آئے کہ اس واقعہ کے بعد سب کو آزادی دیدی۔ حلال وحرام اور توریت کے احکام موکدہ ومویدہ سے آزادی بخشدی۔ بلکہ گناہ کرنے کی اجازت بھی عطا کر دی کہ شتر بے مہار ہو کر جو چاہو کرو۔ سب معاف ہو اور ہنود نے اس کی رحمت کو خاص اپنے ہی لیئے مخصوص کر لیا کیونکہ وہ خدا کے فرزند دلبند اور محبوب ہیں۔ گناہ پر مواخذہ بھی ہوا تو بہت ہی کم۔ برہمن آزاد ہے کوئی شودر خواہ کتنا ہی نیک اور خدا پرست بنجائے برہمن کے درجہ کو نہیں پہنچتا برہمن معمولی جرائم کی سزاوں سے بھی معاف ہے اور اگر سزا بھی ہے تو ایسی ہی جیسا کہ یورپین کو ہندوستانی کے مقابلہ میں ہوا کرتی ہے۔ ان کے خاندانوں سے خدا قول ہار چکا ہے ثروت وشوکت ہے تو انہیں کے لیے نبوت وفضائل انسانی ہیں تو انہیں کے خاندانوں میں۔ اور تمام بنی آدم ان کے غلام اور وحوش کیطرح ان کے آرام کے لیئے پیدا کیئے گئے ہیں۔ آریہ کے خدا کو کبھی نہ رحم آتا ہے کہ کیسے کرم وگیان کی سزا میں اوسے سور کبھی بھرے کتے کی جون میں نہ جانے دے نہ کسی بدکرم وبدگیان پر قہر

کر دہ اپنی طرف سے کوئی سزا دیسکے۔ الیشر مہاراج معزول بادشاہ کی طرح چپکے بیٹھے تماشہ دیکھا کرتے ہیں۔

تکلّم

تکلّم خدا تعالےٰ اپنے مطلب کو اپنی مخلوق پر ظاہر کرتا ہے۔ حال و ماضی و مستقبل کی خبریں دیتا ہے نیک باتوں کا حکم دیتا بُری باتوں سے منع کرتا ہے اور اسکی یہ صفت بھی ازلی ہے ہاں اِس کے تعلقات حادث ہیں۔ جیسا کہ پیدا کرنا اِس کی ایک صفت ازلی ہے مگر زید کا پیدا کرنا عمر کا پیدا کرنا یہ اِس کے افراد و تعلقات حادث ہیں۔ اور اسکیو[1] کلام نفسی کہنا چاہیئے لیکن جسطرح ہمارے دیکھنے سننے اور اِس کے دیکھنے سننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہم اعضار جسمانی سے دیکھتے سنتے ہیں وہ اُسنے بھی بہتر بغیر اعضار جسمانی کے دیکھتا سنتا ہے۔ اسیطرح ہمارے کلام کرنے اور اِس کے کلام کرنے میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم بذریعہ آلات جسمانیہ کے مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ اسلئے اِن کے خصوصیات بھی جداگانہ ہیں ہم زبان سے بولتے ہیں اِس سے آواز کے ساتھ لغات موضوعہ میں مطالب ادا کرتے ہیں اور کبھی مافی الضمیر کو کتاب و حرکات سے بھی بتا دیتے ہیں جیسا کہ تار برقی میں ہوتا ہے اسکا کلام اِن سب باتوں سے پاک ہے۔ وہ کبھی ملائکہ مقربین کے وسیلہ سے عمدہ الفاظ میں مطالب بندیجو سنوا دیتا ہے کبھی بندیکے دلمیں القار کرواتا ہے اور کبھی خود اِس کے دلمیں کلام القار کرتا ہے۔ روحانی طور پر خوب عمدہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ باتیں ہوتی ہیں اِس کے کلام کے خصائص بھی جداگانہ ہیں۔ ہزاروں کوس دور بیٹھے اہل کمال روحانی ایک دوسرے بغیر زبان اور بغیر الفاظ و اصوات خوب عمدہ طور سے باتیں کر لیتے ہیں۔ خواب میں ارواح سے کلام کرتے ہیں جہاں نہ یہ زبان کام دیتی ہے نہ اسکے الفاظ و اصوات وہاں اور ہی زبان ہوتی ہے اور ہی طرح کے آواز و حروف پیدا ہوتے ہیں۔ ممکنات غیر انسانیہ بھی بقدر مراتب کلام کرتے ہیں اِن کے کلام کے آلات و اسباب ہی جداگانہ ہیں

[1] صفت قدیم کو۔

روحانیات و ملائکہ کے کلام کے دوسرے ہی وسائل اور کیفیات ہیں۔ خدا کے کلام کو بشر کے کلام پر قیاس کر کے بیہودہ اعتراضات کرنا سخت نافہمی ہے۔

دنیا میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے جو کچھ بندوں سے فرمایا گیا ہے وہ سب اوسکا کلام ہے جسکو جمع کر لیا گیا ہے۔ اور اس جمع شدہ کا نام توریت۔ زبور۔ انجیل۔ قرآن صحف انبیاء ہے۔ اوس کلام کے لیے حروف و نقوش محافظت کرنے والے بندوں نے ایجاد کر لیے ہیں اور کاغذ و پتر وہی لکھے جاتے ہیں پتھروں پر دلوں پر وہی کندہ کئے جاتے ہیں مگر قرآن کے مطالب و عبارت جو نقوش حروف کے قوالب میں مکتوب ہے سب خدا کا کلام ہے اسمیں ایک حرف بھی کم و بیش نہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کیطرف سے ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ۔ کہ بیشک اللہ لطف والا دانا ہے ۱۲ منہ

لطافت

خداتعالےٰ مادہ سے پاک ہے اس کی ذات مادہ اور مادیات اور ہر قسم کے جسم اور جسامت سے بری ہے بلکہ مادہ اور مادیات اور جملہ اجسام خود اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں وہ جملہ خصوصیات جسمانیہ و مادیہ سے بھی پاک ہے اسلئے وہ **حواس** بشریہ سے محسوس نہیں ہو سکتا۔ نہ آنکھ سے دکھائی دیسکتا ہے نہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے نہ زبان سے چکھا جا سکتا ہے نہ ناک سے سونگھا جا سکتا ہے نہ ہاتھوں سے ٹٹولا جا سکتا ہے۔ کسلئے کہ حواس بشریہ مادیات کثیفہ کے سوا رجسمانیات لطیفہ کو بھی حس نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ مقدمہ کتاب میں مذکور ہوا۔ ہاں روحانی آنکھوں نے بقدر امکان اس کو دیکھہ سکتے ہیں اور اسلئے اس پیکر جسمانی کے بعد جنت میں دیکھیں گے اور اسکو تپلا دبلا موٹا لمبا چوڑا بھی نہیں کہہ سکتے اور نہ اسکو گورا کالا۔ شیریں۔ تلخ۔ خوشبودار بدبودار کہہ سکتے ہیں کسلئے کہ یہ سب امور خاص جسمانی چیزوں کے لیئے ہوتے ہیں نہ اس کے لئے کوئی مکان خاص تجویز کر سکتے ہیں کہ وہ آسمانوں پر ہے یا زمین پر ہے یا فلاں جگہہ بیٹھا رہتا ہے یا وہ کھاتا پیتا۔ سوتا جاگتا ہے یا وہ بوڑھا جوان یا وہ کسی عورت سے نیچے جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سب خصائص جسمانیہ ہیں اور وہ جملہ خصائص جسمانیہ سے پاک ہے

اور نیز جملہ سماوات وستارے اسکے آگے ایک ذرہ ہے پھر وہ اِس ذرہ میں کیونکر سما سکتا ہی البتہ یوں ہر جگہ اِس کا جلوہ اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ لیکن اِس کے اس ظہور وحضور کو کبھی مقامات مقدسہ والمکنہ رفیعہ کیطرف اسکی عظمت وجبروت کے اظہار کے لیئے منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً اسمانوں پر یا عرش پر خدا ہے۔ یا پانیوں پر اسکا تخت تہا اور وہ پانیوں پر تہا۔ یا مومن کے دلمیں خدا ہے۔

یہ سب استعارات ہیں۔ اِس کے جہت رفعت وعلو کے لیئے یا اجسام ومخلوق کے احاطہ کے لیئے۔ یا اِس کے تقدس کے لیئے۔ مثلاً جب آسمان ماتحت کو اور آسمانوں کو فلک الافلاک محیط ہوا جسکو شرع میں عرش کہتے ہیں۔ تو یہاں تک عالم اجسام تمام ہوچکا وہ قدوس وقادر اس سے بہی بالاتر ہے تو اس معنی سے وہ آسمانوں پر بہی ہوا اور عرش پر بہی ہوا۔ اور عرش عالم اجسام میں سب سے بالاتر اور لطیف تر ہے اِس کے تمام کا ذریعہ روحانیات ہیں اِس لیے اس کے عرش کے گرد ملائکہ صف بستہ کہڑے ہونے اور اسکے عرش کو اوٹہائے کہنا درست ہوا۔ اِس کے عرش کو رام لیلا کی سنگہاسن اور اسکے اُٹہانے والوں کو کہار سمجہا اور اوسپر خدائے برین کو برہمنوں کے دو چہوکروں رام ولچہمن کیطرح بٹہاکر بازاروں کی سیر کرانا اور پہر اسپر لالہ جی کا اعتراض کرنا خود لالہ جی کی سمجہہ کا قصور ہے +

صمدیت بے نیازی استغنار۔ وہ پاک ذات کسی بات میں بہی کسیکا محتاج نہیں نہ اپنی حیات میں نہ اپنی ذات میں نہ اپنی صفات میں۔ تمام مخلوق نیکوکار وابرار ہو جائے اور رات دن اِس کی تسبیح وتقدیس کرنے لگے تو اسکو کچہہ بہی نفع نہیں نہ اوسکا کوئی کام اٹکا ہوا درست ہوگا۔ اور اگر تمام مخلوق بدکار ہو جائے فسق وفجور کرنے لگے شریعت کے تمام احکام چہوڑ بیٹھے بت پرستی کرنے لگے تو اسکا کچہہ بہی نقصان نہیں۔ نہ اِس کی سلطنت میں ذرہ برابر فرق آئے گا۔ **غنا** کے معنی بہی اسکی

صمدیت

قریب قریب ہیں عالم کے جملہ انتظام اور اسکے پیدا کرنے اور فنا کرنے اور پرورش کرنے میں بہی اسکو کسی کی احتیاج نہیں۔ اسیطرح خدا کو نہ کبہی روپیہ کی ضرورت ہے نہ کہانے کپڑے کی نہ کسی جانور کے گوشت اور خون کی بلکہ وللہ خزائن السماوات والارض کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے سب اللہ ہی کے لئیے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ہ وہ تمام عالم سے بے نیاز ہے گرچہ وہ اپنی مخلوق کی آپ حاجت براری کرتا ہے۔ مگر جسکو خدا نے دولت و نعمت عطا فرمائی ہو تو اسپر اسکا شکریہ بہی لازم ہے۔ کم از کم خدا کی مخلوق کے ساتہ سلوک تو کرے یہی ہے وہ مالی عبادت جو خدا کی رضامندی کا باعث ہے۔ اور جسکا اسنے حکم موکد دیا ہے۔ کبہی بندیکو اطمینان بہی دلایا ہے کہ جو کچہہ تو نیک کاموں میں صرف کرے گا وہ ضائع نہ جائے گا ہم اسکا اجر دنیا و آخرت میں ضرور دیں گے پہر اس مضمون کو کبہی یوں تعبیر کیا ہے کہ وہ سب تمہارا دیا لیا ہمارے پاس جمع ہے۔ تمکو ملے گا۔ کبہی یوں کہ کوئی فقیر و محتاج کو کیا دیتا ہے گویا ہمیں دیتا ہے کیونکہ ہماری خوشنودی میں صرف کرتا ہے۔ کبہی یہ بہی فرمایا ہے کہ اِن کاموں میں صرف کرنا ہمکو قرض دینا ہے کون ہے جو ہمکو قرض حسنہ دے کہ ہم اسکو اصل اور نفع دیں +

یہ باتیں کچہہ ایسی باریک تو ہیں نہیں کہ کوئی نہ سمجہتا ہو مگر بعض دشمنان اسلام نے اپنی انصاف پسند طبیعت کا یہ جوہر دکہایا کہ اسپر مضحکہ اوڑایا کہ اسلامی خدا محتاج ہے بندوں سے قرض مانگتا ہے اور کوئی ایسی ضرورت پیش آئی ہے کہ دوگنے تگنے دینے کا وعدہ کرتا ہے سو آفریں باد بریں ہمت مردانہ او۔ یہ خیال کر لینا کہ جو کچہہ ہم اسکے لئے دیتے ہیں خدا اپنے کام میں لاتا ہے۔ یا ہمارے نذرانہ پر وہ ہمارا کام کر دیا کرتا ہے غلط خیال ہے۔ توہمات انسانیہ یہاں تک بڑہے کہ اختیارات خدائی اس کی مخلوق کو تقسیم کرنے شروع کر دئیے۔ یہاں تک کہ اس قادر کو ایک معزول بادشاہ سمجہنے لگے اور تمام نذرانے اِن فرضی مختاروں کو بہونچنے لگے۔ پہر اِس سے بہی نیچے گرے تو ہاتہ کی تراشی ہوئی

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ہ
خدا کے پاس نہ تمہاری قربانیوں کے گوشت پہونچتے ہیں نہ اِن کے خون البتہ تمہاری پرہیزگاری اور خدا ترسی اوس کے پاس پہونچتی ہے اسکو قربانیوں کے خون اور گوشت کی کوئی حاجت نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل متفق علیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نذریں نہ مانا کرو کسلیے کہ تمہاری نذریں قضا و قدر کے معاملات میں تغیر پیدا نہیں کر سکتیں جو مقدر ہے وہ ہو کر رہیگا تم لاکہہ نذر مانا کرو صرف نذر کے ذریعہ سے بخیل کا کچہہ مال نکلوا دینا ہے ہاں کسی مراد کا شکریہ یا کسی کام کو یا کسی عبادت اسکی خوشنودی کیلیے ترک

[illegible]

موروتوں پر نذرانے چڑہنے لگے بتوں کو کہانا کہلایا کپڑے پہنائے جاتے ہیں وہ گہری نیند سوجاتے ہیں توزور زور سے گہنٹاں بجاکر جگایا جاتا ہے انکو قوالوں کا راگ سنایا۔ اور انکی خوشنودی کے لئے باجا بجایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے بتخانوں کو کوئی آکر دیکھ لے۔ شرک اور بت پرستی کے ایسے ہی اسباب واقع ہوئے ہیں +

تقدس سب آلائش امکان وحدوث ومادیت وجسمیت وزمانیت ومکانیت سے وہ پاک ہے۔ زوال وفنا۔ بہی اسپر طاری نہیں ہوتا۔ نہ عجز وفقر وبیماری ندامت وغیرہ +

عدالت وہ عادل ہے کسی پر کچہہ بہی ظلم نہیں کرتا۔ بندہ پر دنیا یا آخرت میں کوئی دکہہ اور مصیبت پیش آتی ہے تو فبما کسبت ایدیکم بندہ کے اعمال بد سے پیش آتی ہے وہ جرم سے زیادہ سزا نہیں دیتا نہ کسیکا جرم کسی اور پر ڈالتا ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی نہ باپ کے جرم میں اولاد کو گرفتار کرتا ہے نہ اولاد کے جرم میں باپ کو اسمقام پر بہی وہم کی آمیزش سے کم قومیں محفوظ رہی ہیں عیسائی۔ ہندو۔ آریہ خود اپنے مسائل غور کرلیں۔ اسی طرح وہ نیکی کی جزا بہی پوری پوری دیتا ہے۔ بندہ کبہی نیکی کرکے سخت تر برائی کرتا ہے اس برائی کے اثر قوی سے وہ نیکی کا ثمرہ ضعیف بہی مٹ جاتا ہے۔ یہ خدا کا ظلم نہیں بلکہ خود بندہ کا اپنے اوپر ظلم ہے اس اثر مٹ جانے کو شریعت نے **حبط اعمال** سے تعبیر کیا ہے۔

وہ غفور ورحیم۔ جواد وکریم۔ بہی ہے اپنے فضل وکرم سے کبہی کم سزا دیتا ہے کبہی سزا ہی نہیں دیتا۔ درگزر کرجاتا ہے و یعفو عن کثیر اور تہوڑے سے کام کا بہت سا بدلہ بہی چاہتا ہے تو دیدیتا ہے۔ اور کسیکو اپنی عنایت ازلیہ سے بغیر عمل کے بہی بہت کچہہ عطا کردیتا ہے یہ کوئی ظلم اور خلاف عدل نہیں۔ اپنی مرضی کی بات ہے جس کو جو چاہا انعام دیا جسکو چاہا کم دیا۔ اسمیں نعماء دنیا اور توفیق سعادت اور استعداد ترقی کمالات

دنیا و آخرت سب آگئے۔ بنی آدم میں تفاوت کا یہی باعث ہے۔ اسکو اگلے جنم کے کرم کا پہل کہنا محض غلط خیالی ہے جسپر کوئی بھی دلیل عقلی اور نقلی نہیں۔ علاوہ اس کے اس صورت میں کوئی بھی خدا کا ممنون منت و مرہون احسان نہیں ہوگا۔ پہر اس کی دیا کرپا۔ کا کیا اثر اور کہاں ہوگا؟ کیونکہ جو کچہ کسیکے پاس نعمت ہے وہ تو بقول ہنود اس کے کرم کا پہل ہے۔ اول تو البشر ہی ایسا کمزور اور کم قدرت فرض کیا تہا کہ ارواح۔ مادہ کچہ بہی اسنے نہ بنایا تہا۔ نہ اسکا سلسلہ انتظام عالم میں کچہہ دخل و اختیار تہا۔ اب کرپا۔ اور دیا سے بہی عاری کر دیا ہر ایک عاقل با انصاف کہہ سکتا ہے کہ یہ ضرور قوت نظریہ کا قصور ہے خدا شناسی میں وہم نے اغلاط پیدا کر دیئے اور اس ورطہ ظلمات میں اپنے چند تراشیدہ اصول کی پابندی سے پڑ گئے۔ آجتک ایک بہی ایسی دلیل کوئی نہیں لاسکا کہ جس سے معلوم ہوجائے کہ وہ اگلے جنم میں کون تہا کہاں پیدا ہوا تہا کس شہر میں کس کے گہر اور اس نے کیا کیا کرم کیے تہے اور کب اور کس بیماری میں کہاں مرا تہا۔؟ اور ان کے اعزہ واقارب میں سے جو مر گئے ہیں اب وہ اس دنیا میں کس جنم میں آئے ہیں اور کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ برہمن ایسے واقعات بتانے میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیسکتے یوں جاہلوں کے بہکانے کے لیئے بہت سی تدبیریں کیا کرتے ہیں جو راز کہل جانے پر شرمندہ ہوتے ہیں۔

نوٹ ص۹۹ سطر ۱ ظلم صرف عمل خیر کا نیک بدلہ نہ دینا۔ یا شر کے بدلہ میں عمل سے زیادہ سزا دینا ہے بعض اعمال جو قوت نظریہ یعنی اعتقاد سے متعلق ہیں وہ انسان سے اگر وہ توبہ نکرے تو کبہی جدا نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ عقائد فاسدہ کا شخص ابد الاباد تک میں جتنا رہے تو انہیں پر جا رہے اسلیئے ایسے اعمال کی سزا بہی دائمی ہے شریعت محمدیہ نے اسلیئے فیصلہ کر دیا ہے کہ کفر و شرک کی سزا دائمی جہنم ہے اور یہ جرم عملی جرائم سے اشد ہے کیونکہ عمل پر بہی اعتقاد اور علم ہی محرک ہوتا ہے۔ یہ بہی خدائے عادل کا کوئی ظلم نہیں کردنی خویش آمدنی پیش ۱۲ منہ

سطر ۵ فضل و کرم - ۱۲ منہ

وہ خالق بھی ہے

عالم وجود میں جو کچھ موجود ہے یا موجود تھا یا آیندہ ہوگا خواہ اعراض ہوں۔ یا جواہر سب کا وہی خالق ہے۔ ملائکہ ارواح مادہ علویات۔ سفلیات موالید ثلثہ بالخصوص انسان اور اس کے اعمال بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اسنے عمدہ پھولوں میں خوشبو اور بُروں میں بدبو پیدا کی ہے۔ اسنے سانپ کی منہ میں زہر اور بعض دیگر مخلوق کے مونہہ میں تریاق رکھا ہے۔ آگ میں حرارت آفتاب میں نور اسینے پیدا کیا ہے۔ یہ کہنا کہ معدوم سے کوئی چیز موجود نہیں ہو سکتی ہاں مادہ میں تصرف کر کے نئی نئی صورتیں بنا سکتے اور بنی ہوئیوں کو بگاڑ سکتے ہیں۔ خدا بھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرتا۔ ایک بڑا لغو خیال ہے۔ کیلئے کہ جب واجب الوجود وہی ایک قادر ذوالجلال ٹھہرا تو جسکو جو کچھ وجود کا حصہ ملا ہوگا اسکی طرف سے ہوگا یہی معدوم سے موجود کرنا ہے۔ اب یا تو عالم میں کوئی چیز موجود نہ مانی جائے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے یا موجود مانی جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اسکو وجود اسکیطرف سے عطا ہوا ہے تب یہ شے حادث بھی ماننی پڑے گی اور معدوم سے موجود بھی تسلیم کرنی پڑے گی۔ مخلوق کو جو اس نے موجود کیا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے وجود میں سے اجزا منفصل ہو کر مخلوق بنی ہے جیسا کہ ہنود کا خیال ہے کہ فلاں شے خدا کے مونہہ سے فلاں بازوں سے فلاں پاؤں سے بنی جس کے سبب وہ اقوام میں تفاضل ثابت کیا کرتے ہیں اور یہ مضمون وید میں ہے۔ کیونکہ اس سے اسکی تجزی لازم آتی ہے۔ جو اسکی ذات مقدسہ کے لئے سخت عیب ہے +

اور نہ یہ بات ہے کہ وہ ہر ہر شے میں حلول کئے ہوئے ہے نہ یہ کہ ہر شے وہی ہے اوس کلی نے تعینات و تشخصات اختیار کر کے ظہور کیا ہے۔ کیلئے کہ خالق و مخلوق میں عقلاً و نقلاً تغائر ذاتی ہے وہ قدیم مخلوق حادث ہے وہ خالق مخلوق مخلوق ہے اور اس صورت میں دونوں متحد ہو جاتے ہیں۔ اور جو شیونات و تعینات کے سبب

تغائر بتلایا جاتا ہے اور تمثیل میں حباب اور دریا یا موم اور اسکی مختلف اشکال پیش کی جاتی ہیں وہ کافی نہیں کسلئے کہ اعیان خارجہ جسمیں کلام ہو رہا ہے۔ اسکی حقیقت اگر وہی خدا ہے تو وہی اتحاد لازم آگیا اور یہ تعینات کچھ بھی موجب امتیاز نہیں ہو سکتے کس لیے کہ یہ معدومات ہیں یا موجودات اگر موجودات ہیں تو وہی وجود مابہ الاشتراک ہے مابہ الامتیاز کچھ بھی نہ رہا۔ اور خدا اور اسکی مخلوق میں مابہ الامتیاز باقی نہ رکھنا تمام شرائع سابقہ اور قرآن مجید اور آنحضرت صلعم کے اقوال اور جزا و سزا دوزخ و جنت سب کا درپردہ انکار ہے۔ چھٹی صدی ہجری سے پیشتر بڑے بڑے اولیاء اللہ اسلام میں گزرے ہیں۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی۔ جنید۔ شبلی۔ بایزید بسطامی۔ حسن بصری۔ صحابہ۔ و اہل بیت کوئی بھی اسکا قائل نہ تھا ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جسطرح کھینچ تان کر بذریعہ تاویلات نصوص قرآنیہ سے یہ **وحدت الوجود** ثابت کیا جاتا ہے اسیطرح اِن بزرگوں کے اقوال سے ثابت کیا جائے تو کون مشکل بات ہے۔ یہی مسئلہ ہنود میں بھی آج سے نہیں کئی ہزار برس سے مروج ہے ایسے لوگوں کو ویدانتی کہتے ہیں۔ بیاس جی کا ویدانت شاستر جو زردشت پارسی سے تعلیم پاکر تصنیف کیا ہے اسی مسئلہ کی توضیح و ثبوت میں ہے۔ البتہ اس کے الفاظ سنسکرت زبان کے ہیں جنکو ہمارے موجودہ صوفیہ کرام نہیں سمجھتے۔ اسلام میں اس مسئلہ کے بانی حضرت شیخ **محی الدین ابن العربی** قدس سرہٗ ہیں۔ اسمیں کچھ بھی شبہ نہیں کہ حضرت شیخ صاحب مکاشفات و مقامات علیہ تھے ان پر مخلوق کے وجود ظلی کی حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد انکو وہی وجود اور مطلق۔ اِن پردوں نے دکھائی دیا ہو۔ جو کچھ انکا حال اور ذوق تھا درست ہوگا مگر وجدانیات و کیفیات باطنیہ کے بیان کرنے میں بھی الفاظ و عبارت استعمال کئے گئے جو اِن معانی کو پوری طرح سے ادا نہیں کر سکتے۔ اِسی لیے حضرت شیخ نے بھی عوام کو منع کر دیا تھا کہ میری کتابیں نہ دیکھا کریں۔ اسپر بھی اسی عہد میں اِس مسئلہ پر ایک شورش پیدا ہوگئی۔ اور حضرت علاء الدولہ

سمنانی قدس سرہ جیسے جلیل القدر شیخ الطریقہ مقابلہ پر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس مسئلہ کو زندقہ والحاد کہے بغیر نہ رہ سکے شیخ ابن العربی کی جماعت نے بھی جواب دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا خیر جو کچھ ہو مگر اتنی بات حضرت شیخ اکبر کی نسبت ہم کسیطرح سے منسوب نہیں کر سکتے کہ وہ خالق و مخلوق میں امتیاز نہ رکھتے تھے یا ان اعیان خارجہ کو عین خدا بتلاتے تھے۔ حاشاہ ثم حاشاہ +

مگر افسوس توبعد کے طرفداروں پر ہے کہ جنہوں نے اس سرمکتوم کو اپنی نظموں میں نہایت بری طرح سے ادا کیا اور ہندوی وحدت الوجود کے رنگ میں رنگا اور پھر اسی خیال کو طریقت و حقیقت سمجھنا انہیں نظموں پر جبکہ تال و سر سے گائیں جائیں وجد کرنا ناچنا کودنا کلمات خلاف قرآن واحادیث مونہہ سے بکنا زندقہ ہے۔ خواہ شیخ اکبر ہوں یا شیخ اصغر کسیکا عرفان و کشف حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خدام کے برابر بھی نہیں۔ آپ سرگروہ عارفین ہیں جسقدر جسکا کشف و عرفان آپکے برخلاف ہے اسیقدر اسمیں نقص ہے۔

فصل (۳)

(وہ عالم کا موجد و محدث ہے)

اس کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم ہے بروزن خالب۔ ما یعلم بہ الشئ عالم کو اسی لیئے عالم کہتے ہیں کہ اس سے اسکے صانع اور محدث کا علم حاصل ہو جاتا ہے وہ اپنے خالق کے جمال کا مصفا آئینہ ہے بشرطیکہ آنکھ بھی دیکھنے والی ہو۔ خدا نے انسان کی فطرت میں بینائی پیدا کی ہے کہ وہ اس آئینہ سے اپنے خدا کو دیکھ سکے۔ مگر انسان کے لذات و شہوات حسیات پر فریفتگی۔ اسکی کورہی ہے اسلیئے خدا کا انکار اگر کیا ہے تو انہیں لوگوں نے کیا ہے نہ اہل بصیرت نے +

عالم۔ کے بہت سے اقسام ہیں عالم محسوسات عالم معقولات۔ پھر عالم محسوسات کہ جسکو

وہ عالم کا موجد و محدث ہے

عالم ناسوت کہتے ہیں بہت سے اقسام ہیں علویات۔ آسمان۔ ستارے عالم سفلیات۔ عناصر۔ بسائط۔ جمادات نباتات۔ حیوانات۔ انسان جو ان سب کا عطر ہے اور بجائے خود ایک دوسرا عالم ہے جسکو عالم صغیر کہتے ہیں۔ اسلیئے خدا نے ہر ایک کے حالات و تغیرات سے اپنے وجود و کمال قدرت پر استدلال کیا ہے جیساکہ آپ کو معلوم ہوا۔ پھر عالم معقولات کے بھی بہت سے اقسام ہیں۔ عالم لاہوت۔ عالم جبروت۔ ذات و صفات کا عالم عالم ملکوت میں ملائکہ۔ ارواح۔ اور بہت سی چیزیں ہیں۔

تکوین عالم

تکوین عالم

جیساکہ الہام انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہوا یوں ہوئی ہے کہ وجود باری تعالےٰ کو ایک قسم کی تجلی ہوئی۔ ذات بحت میں صفات کا تعین و ظہور ہوا۔ پھر بحر وجود نے توجہ کیا تو غیر مادی اشیاء کا ظہور ہوا اسلیئے کہ وہ بھی غیر مادی اور لطیف ہے ان اشیاء کو اوس سے زیادہ تر مناسبت ہے۔ اسلیئے یہ اشیاء جو اول منظہر ہیں اپنے وجود اور صفات میں بھی دیگر اشیاء سے فائق و اکمل ہیں۔ جیساکہ ملائکہ و ارواح۔ پھر اس کے بعد اور بھی انبساط ہوا تو ان اشیاء کے واسطہ سے عالم حسی کا ظہور ہوا۔ گویا وہ موجودات بحر وجود سے تنزل کرتے کرتے مادیت و جسمانیت کے مزدتر مرتبہ میں آتی گئیں اور عالم اجسام ظہور پذیر ہوا۔ یہ عالم ناسوت بحر وجود کی موج کا آخری اور انتہائی مرتبہ ہے۔ اسکے بعد وہ موج وجود پھر سمٹتی ہوئی اودہر ہی جاتی ہے اس عالم کی اشیاء کثافت کا جامہ اتار کر پھر اوسی عالم ملکوت کیطرف پھر جاتی ہیں۔ کُلٌّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ ہ آدمی مر کر فنا نہیں ہو جاتا جیساکہ پانی اجزات نبکر اوڑ جانے سے نیست نہیں ہو جاتا۔ کل شیٔ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ اس تمام بیان کی تصدیق یہ آیت کر رہی ہے۔ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ہ سورہ رعد۔ کہ اے نبی کہدے ہر شے کا خالق وہ اللہ واحد و قہار ہے۔

عالم جسمانی

کی تکوین اجمالاً قرآن نے یوں بیان فرمائی ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ط۔ ا السجدہ۔ کہ اللہ تو وہی ہے کہ جسنے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اِن کے اندر ہے سب کو چھ روز میں بنایا پھر تخت حکومت پر جلوہ گر ہوا۔ قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗٓ اَنْدَادًا ط ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ وَجَعَلَ فِیْہَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِہَا وَبٰرَکَ فِیْہَا وَقَدَّرَ فِیْہَآ اَقْوَاتَہَا فِیْٓ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْہًا ط قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰہُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَہَا ط وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ق وَحِفْظًا ط ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ حم سجدہ۔ رکوع ۲۔ ا اُنسے پوچھو کہ کیا تم اوس قادر مطلق کی خدائی سے انکار کرتے ہو کہ جسنے زمین کو دو دن میں بنا دیا۔ تم اس کے لئے شریک ٹھراتے ہو وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اسنے زمین کے اوپر بھاری بوجھ رکھدے (پہاڑ بنائے) اور اسمیں برکت رکھی اور اس کے پیداوار کا سائلوں کے لیے برابر کرنے کو چار دنمیں اندازہ بھی کر دیا۔ (دو روز اس کی پیدایش کے اور دو روز اس میں اِن چیزوں کے بنانے کے اسلیئے سب چار روز ہوئے) پھر وہ آسمان کیطرف متوجہ ہوا اور وہ اسوقت بخارات تھے تب اسکو اور زمین کو حکمدیا کہ دونو چلے آؤ۔ (یعنے بخاو خوشی سے یا زبردستی سے اِن دونوں نے عرض کیا کہ بخوشی خاطر حاضر ہیں۔

تب اِن ابخارات کو دو روز میں سات آسمان بنا دیا۔ اور انتظام کا ہر آسمان میں حکم دیدیا۔ اور نیچے کے آسمان کو قندیلوں سے سجایا اور اِن کی حفاظت بھی کی

بہی اندازہ زبردست خبردار کا ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا
فَسَوَّاهَا وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا
أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا نازعات - کیا تمہارا بنانا
سخت ہے (مرنے کے بعد) یا آسمانوں کا جسنے اسکی چھت بلند کی پھر اسکو ہموار کر دیا۔ اور
اسکی رات تیرہ بنائی اور اس کی دہوپ نکالی اور اس کے بعد زمین کو ٹہیک کیا اسمیں سے
اسکا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اسکا بوجھ بنایا۔

حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کان اللہ ولم یکن شئی قبلہ وکان
عرشہ علی الماء ثم خلق السماوات والارض رواہ البخاری۔ کہ اللہ ہی تہا اس سے پہلے کوئی نہ تہا
اور اسکا تخت پانی پر تہا۔ پہر اسنے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا رزین کہتے ہیں کہ مینے
آنحضرت صلعم سے پوچہا کہ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ کہاں تہا فرمایا فی عماء ما تحتہ
ہواء وما فوقہ ہواء وخلق عرشہ علی الماء رواہ الترمذی۔ کہ غیب میں تہا اس کے اوپر بہی
عدم اور نیچے بہی عدم تہا یعنے کچہہ نہ تہا اور اپنا تخت پانی پر بنایا۔ آپنے فرمایا ہے کہ اگر
کوئی شخص نیچے کیطرف رسی لٹکاؤ گے تو وہ آخر خدا ہی تک پہونچے گی۔ یعنے موجودات حسیہ
کے باہر خدا ہی خدا ہے اگر کسی رسی وغیرہ سے موجودات حسیہ کو طے کیا جائے تو آخر کار
خدا ہی کیطرف منتہی ہوگا۔ پہر آپنے یہ آیت پڑہی ہو الاول والآخر والظاہر والباطن وہو
بکل شئی علیم کہ اول بہی وہی ہے آخر بہی وہی ہے ظاہر بہی وہی ہے باطن بہی وہی ہے
اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد و ترمذی نے روایت کیا ہے +

ان تمام آیات و احادیث کے ملانے سے وہی مطلب پیدا ہوتا ہے کہ جس کو
حال کے حکما نے دوربینوں اور فلسفی دلائل سے ثابت کیا ہے وہ یہ ہے کہ عالم ناسوت
میں سب سے اول خدا نے ایتہر یعنے مادہ پیدا کیا جو مرن وبہ لطیف بہی ہے وہ کیا ہے؟ اجزا
ایتہریہ غیر متجزی۔ اور اسیکو دہوئیں اور بخارات سے تعبیر کیا جاتا ہے تمام فضا

غیر محدود میں وہی بہرا ہوا تہا۔ پہر اِس کے دو حصہ ہو گئے فوقانی و تحتانی۔ تحتانی حصہ کچہہ تو منجمد ہو گیا جس سے زمین بنی اور بہت کچہہ مستحیل ہو کر پانی یعنے سمندر بنگیا۔ اب پانی میں ایک جنبش اور تموج تہا کچہہ تو اِس کے اجزات مرتفعہ کا اور کچہہ اسی ایتہر کا ایک دہواں ہی دہواں تہا تب خدائے قادر نے اسی مادہ سے تلے اوپر سات آسمان بنا دیے اور باقی مادہ کا ایک بڑا حصہ جس میں گیاس بہی پیدا ہو گیا تہا سمٹ کر آفتاب اور باقی کی جائے اور سیارے اور بے تعداد ستارے بن گئے اور ہر ایک آسمان اور نیرات و نجوم میں قوت و کشش اور اِن کے اندر ایک مدار خاص پر خاص حرکت کرنے کا انتظام کر دیا۔ اور چونکہ اوس ایتہر کی طبیعت متساوی تہی اس لیئے اِن جملہ اجسام کی شکلیں بہی کردی بنائی گئیں جو ہر سمت سے مساوی ہوتی ہیں۔ مگر ابہی زمین پر اندہیرا تہا بسبب اجزات متکاثفہ کے آفتاب کی شعاعیں صاف نہ پڑتی تہیں اِن اجزات میں سے پانی برسنا شروع ہوا جن سے کٹ کٹ کر زمین کے اونچے نیچے قطعات ہو گئے اور مرتفع حصوں میں بہی دہاریں پڑ گئیں مختلف اشکال کے بلند بلند ٹیلے ہو گئے۔ اب شعاعیں بہی صاف ہو گئیں جن کے سبب وہ قطعات صلب و سخت ہو کر پہاڑ ہو گئے اور پہاڑوں سے چشمہ نکلنے شروع ہوئے جسلئے زمین میں بہی ایک ثقل طبعی پیدا ہو گیا اور ادہر اودہر لرزنے سے باز رہی اور ندی نالوں چشموں کے سبب نباتات بہی پیدا ہوئے بمقدار عرصہ دو روز کے اول زمین کو پیدا کیا تہا اور اسوقت تخت حکومت پانی ہی پر تہا وہی ہر طرف محیط ہو رہا تھا اور وہ خدا کے بس میں تہا اور اسپر تخت حکومت ہونے کے یہی معنی ہیں تکوین چند روز کے اندر ہوئی ہے +

پھر زمین پر اول نباتات گوناں گوں اوگہائے اور وہ نئی نئی صورتیں پلٹتی رہیں۔ اور کچہہ میست اور کچہہ نئی پیدا ہوتی گئیں۔ زمین میں قابلیت پیدا ہو جانے کے بعد حیوانات کی پیدائش شروع ہوئی اور اِن کی جنس بہی ترقی کرتی گئی۔ اور آخر حضرت انسان کو پیدا کیا

(یہ بحث) کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں اور جسکو نیلی رنگت کا آسمان بتایا جاتا ہے وہ در اصل فضاء ہے جو اجزاء اثیریہ سے پر ہے اور زیرات کی سفیدی اور اصلی ظلمت سے مرکب ہو کر نیلگوں دکھائی دیتے ہیں محض بے دلیل و بے سند بحث ہے۔ اول تو اس لئے کہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ نیلگوں رنگت آسمانوں کی نہیں ہے تب بھی آسمانوں کے وجود کی نفی نہیں ثابت ہوتی کیونکہ ممکن ہے کہ آسمان لطافت مادہ کے سبب نظر نہیں آتے ہوں۔ دوئم اسپر بھی کوئی دلیل نہیں کہ یہ نیلگوں رنگت آسمانوں کی نہیں یہ بھی ایک قیاسی بات ہے۔ جیساکہ اور صدہا باتیں اہل سائنس نے محض قیاسات سے پیدا کر رکھی ہیں۔ اور اسیلئے ایک عرصہ کے بعد ان کی غلطی ظاہر ہوتی جاتی ہے +

حکماء قدیم نے یہ ثابت کیا ہے کہ آسمان تلے اوپر محیط ہیں اور وہ آپسمیں ملے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد سیارات کے سبب معلوم ہوئی ہے۔ وغیر ذلک +

ہمیں اس تعداد میں بحث نہیں نہ ان کے محیط ہونے میں ہاں یہ محل بحث ہے کہ سیارات انہیں میں جڑے ہوئے ہیں اور ایک آسمان در اصل کئی آسمان ہیں انہیں سے ایک کی حرکت کیساتھ کہ جسکو تدویر کہتے ہیں سیارات حرکت کرتے ہیں اور نیز یہ کہ وہ باہم ملے ہوئے ہیں کلام ہے فلسفۂ جدید کے مسائل اسموقع پر قرین قیاس ہیں۔

حکماء قدیم یہ بھی کہتے ہیں کہ آسمانوں کے نیچے کرۂ نار ہے اس کے نیچے کرۂ ہوا ہے اس کے نیچے کرۂ آب ہے اس کے نیچے کرۂ زمین ہے۔ صرف آسمان حرکت کرتے ہیں انہیں کی حرکات سے رات دن پیدا ہوتے انہیں کی حرکات سے سیارات کو حرکت ہے زمین ساکن ہے +

اس سے اسلام کو نہ اتفاق ہے نہ خلاف ہے نہ بالصراحت یہ مسائل قرآن میں بیان کیے گئے ہیں نہ قرآن کا منصب ان مسائل کا بیان کرنا ہے نہ حضرات انبیاء علیہم السلام اس قسم کے مسائل بیان کرنے کے لیئے بھیجے گئے ہیں۔ نہ ہیئت جدیدہ کا اسلام

حامی ہے نہ حدیث، قدیم کا اور جس بزرگ نے آیات کے اشارات سے اس قسم کے مسائل پیدا کر کے ان کا قرآن کو ذمہ دار ٹھرایا ہے یہ اس کی غلطی ہے۔ اور یہ مسائل صرف اس استنباط کے نتائج ہیں جنہیں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے ×

(تکوین عالم میں)

حکما، اور دیگر مذاہب کے عجائب و غرائب اقوال ہیں جنکا باہمی اختلاف ہی انکی صحت میں شک پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ حکیم ثالیس ملطی۔ پانی کو جملہ عالم کی اصل قرار دیتا ہے۔ جو پانی منجمد ہوگیا وہ زمین ہے اور باقی پانی مستحیل ہوکر ہوا بنی اور کچھ ہوا حرکات کے سبب آگ بنی۔ اور ان کے ابخرات سے آسمان پیدا ہوئے ×

حکیم انکسائس ملطی تمام عالم کی اصل ہوا کو کہتا ہے وہی مستحیل ہوکر دوسرے عناصر بنے ہوا لطیف سے فرشتہ وارواح غیر محسوس اشیاء پیدا ہوئیں کثیف سے محسوسات۔ حکمائے مشائین ارسطا طالیس وغیرہ کہتے ہیں کہ مبدء نے پہلے اسنے عقل اول (یعنی ایک چیز جوہر مجرد) پیدا کی۔ عقل اول نے بلحاظ اپنے وجود کے عقل دوئم کو پیدا کیا اور بلحاظ وجوب بالغیر کے روح کو پیدا کیا اور اپنے امکان ذاتی کے لحاظ سے فلک الافلاک یعنی نویں آسمان کو پیدا کیا۔ پھر عقل دوئم نے عقل سوئم اور آٹھویں یعنی فلک الثوابت کو پیدا کیا یہاں تک کہ نویں عقل نے فلک القمر سب نیچے کے آسمان کو۔ اور دسویں عقل کو پیدا کیا اسی طرح سے دس عقول اور نو آسمان پیدا ہوئے۔ دسویں عقل نے کہ جسکو عقل فعال کہتے ہیں باقی سب چیزوں کو پیدا کیا ×

ہنود

کے اقوال اس امر میں نہایت وحشت انگیز ہیں جنکو نہ عقل سے لگاؤ ہے نہ نقل سے ×

وہ کہتے ہیں

کہ سب سے اول جسکو اوس قادر مطلق نے پیدا کیا ہے وہ برہما ہے۔ برہما بے انتہا مدت تک ایک انڈے میں رہا پھر اوسنے اوس انڈے کو توڑ دیا اس کے بالائی حصے سے سورگ یعنی بہشت اور تحتانی سے زمین بنی۔ اور ان کے درمیانی خلا سے آسمان وغیرہ بنے اور طاقت سے منتر تصور بنایا پھر اہنکار یعنی غرور بھی اسی سے بنا تو دعقل اول اور دوشے ہونگے اندریاں (حواس) بنائے گئے۔

ان کے اقوال متناقضہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق اوس خالق کے اجزا بدلنے بنی ہے سر سے کوئی اور ہاتھوں سے کوئی اور پاؤں سے کوئی۔ پھر یہ اسقدر بیچارے آخر فنا کا چکر کہا سکتے کہاتے اوسمیں جاملتے ہیں اور یہی ان کی کش یعنی نجات ہے۔ اور انہیں کی کتابوں سے ایسے ایسے واہیات مضمون بھی آفرینش عالم کی بابت معلوم ہوتے ہیں کہ جو مہذب لوگوں کے سامنے ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں آریہ کے مرشد نے اسلامی تکوین عالم پر یہ اعتراض کیا ہے اور اسکو ہم ان کے باقی اعتراضات کے لیئے نمونہ بناتے ہیں کہ چھ روز میں پیدا کرنا اس کے عجز وقصور قدرت کی دلیل ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر ایک آن میں پیدا کردینے کی قدرت کی نفی ثابت ہو جاتی تو اعتراض بجا تہا سو وہ ثابت نہیں بلکہ اس کے برخلاف یہ ثابت ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کن کہتے ہی پیدا کر سکتا ہے اب اگر کوئی قادر اپنے اس کام کو کہ جسکو وہ ایک منٹ میں کر سکتا ہے اگر اپنی کسی مصلحت سے چھ روز یا برس میں کرے تو اس سے اسکا عجز کیونکر لازم آتا ہے شاید یہ ہندی منطق کا نتیجہ ہو۔

صفات متشابہات

فصل (۴)

(صفات متشابہات)

الہامی کتابوں کا مقصود بندوں کو سمجھانا ہوتا ہے۔ مگر جب اسکی ذات و صفات وغیرہ ان اشیار کا بیان مقصود ہوتا ہے کہ جو بشر کے ادراک حسی سے باہر ہوں تو انکی استعداد فہم کے موافق ضرور استعارات و تشبیہات کے پیرایہ میں بیان کرنا پڑتا ہے جس سے وہم انکو محسوسات ہی کیطرف کھینچکر لیجاتا ہے۔ ہاں افہام سلیمہ جو علوم انبیار سے تربیت یافتہ ہوتے ہیں انکو اصلی معانی پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن جنپر حسیت کا حجاب پڑا ہوتا ہے اور ان کے دلمیں شرارت اور کجی بھی ہوتی ہے تو وہ الہام پر نکتہ چینی کرنے کے لیے یا اپنے منشار فاسدہ کے موافق مراد لینے کے لیے دوسرے معنے پیدا کرتے ہیں۔ ایسے آیات و صفات کو شرع میں **متشابہات** کہتے ہیں۔ جنکا اس آیت میں ذکر ہے هُوَ الَّذِیْ[1] أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (آل عمران۔ رکوع ۱)

اس آیت کے بموجب علمار ربانی ان کے علم کو حوالہ بخدا کرکے اسپر ایمان لانا ہی سعادت

---

[1] کہ اسنے آپ پر اپنی کتاب نازل کی ہے جسمیں کھلے کھلے احکام بھی ہیں جو کتاب کی بنیاد ہیں اور کچھ متشابہات بھی ہیں۔ پھر جن کے دلوں میں کجی ہے جو فتنہ برپا کرنے کے لیے اور تاویلیں کرنے کے لیے ان کے وہی معنی قرار دیتے ہیں جو دوسرا پہلو رکھتے ہیں۔ اور تاویل تو ان کی خدا ہی جانتا ہے اور راسخین فی العلم کہتے ہیں ہم سب پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کیطرف سے ہے۔ اور سمجھنا تو دانشمندوں ہی کا کام ہے ۱۲ منہ

جانتے ہیں وہ اِن کے کوئی معنی قائم نہیں کرتے چہ جائیکہ فاسد معنی پیدا کریں اور فتنہ وشہائیں اور تاویلیں بنائیں۔ متاخرین اہل علم فرماتے ہیں کہ اِن کے معنی سمجھنے کا راسخین فی العلم کو بھی حق ہے اسلیئے وہ اِن آیات کے قوانین شرعیہ و اصول اسلامیہ کے موافق ایک عمدہ معنی قائم کرتے ہیں جو الفاظ سے بھی بطور استعارہ وکنایہ ومجاز وتشبیہ سمجھے جاسکتے ہیں اون کے وہ معنی ہرگز مراد نہیں لیتے جو شان تقدس اور دیگر آیات تقدیس وتنزیہ کے صریح مخالف ہوں۔ اور بات بھی ٹھیک ہے کیلئے کہ بلیغ وفصیح کلام میں استعارہ کنایہ۔ مجاز۔ تشبیہ۔ ایک جزء اعظم ہے اور اسکا استعمال قرآن میں بکثرت ہے پھر بقرینۂ آیات تنزیہ جو قرینہ صارفہ ہے کیوں نہ مان لیا جائے۔ کہ کنایہ و استعارہ مراد ہے۔

متشابہ۔ وہ کلام ہے کہ جسکے الفاظ سے متعدد معانی پیدا ہوتے ہوں ایک معنی دوسرے سے ملتا جلتا ہو جبتک کہ کوئی قرینہ خاص ایک معنی کے لیئے پیدا نہو۔ اسوقت تک ہر ایک معنی کا احتمال برابر ہو۔

قرآن مجید میں بہت سے متشابہات ہیں۔ از انجملہ الرحمن علے العرش۔ استویٰ۔ ید اللہ عین اللہ۔ قدم وجہ ساق وغیرہ۔ انسے یہ سمجھنا کہ جسطرح دنیا کے بادشاہ اپنے تخت چوبین پر بیٹھتے ہیں یا جسطرح اِن کے تختوں کو خدام اٹھا کر چلتے اور اوپر وہ بیٹھے ہوتے ہیں یا اسکا سونہ ایسا ہی ہے کہ جیسا جسمانی مخلوق کا محض غلط خیال ہے جسکو آیات تنزیہ وتقدیس رد کر رہی ہیں +

فصل (۵)

(تنزیہات)

خدا تعالےٰ نے قرآن میں اپنی ذات مقدسہ کو جملہ عیوب ونقصانات سے مبرا ثابت کیا ہے اور وہ در اصل ازل سے مبرا ومنزہ ہے مگر خیالات واوہام بنی آدم

اسکی عظمت و جبروت کو جسمانی قوالب میں ڈھال لیتی ہیں پھر مخلوقِ جسمانیہ کے خصائص اسمیں تصور کر لیتے ہیں۔ یہ خیال کہیں سے کہیں سے اڑتا ہے۔ پھر ایسے خیالات عوام میں مشہور ہو جانے سے یا نسل در نسل متوارث چلے آنے سے ایسے پختہ اور حق الیقین ہو جاتے ہیں کہ ہر مشکل سے دور ہوتے ہیں۔ اسلئے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اہلِ وحی و الہام کا فرض منصبی ہے کہ دنیا آدم کو اس اندھیری سے نکالکر نور کیطرف لائیں۔

قرآن میں بہت آیات تنزیہ وارد ہیں از انجملہ۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ کہ اسکی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ از انجملہ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ۔ کہ کیا خالق مخلوق جیسا ہو سکتا ہے۔ از انجملہ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ کہ وہ ان کے شریکوں سے پاک اور بلند تر ہے۔ از انجملہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ کہ نہ اس نے کسیکو جنا ہے نہ اس کو کسی نے جنا ہے اور نہ کوئی اسکا کفو۔ کنبہ برادری مانند و مثل ہے۔ از انجملہ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ۔ کہ نہ اسکو اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ از انجملہ لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ کہ اسکو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی (کیونکہ آنکھ محسوس کو دیکھتی ہے اور وہ محسوس اور مادی نہیں) بلکہ وہ بینائی کو دیکھتا ہے اور وہ لطیف ہے ہر شے کا اسکو علم ہے۔

نہ وہ جسمانی ہے نہ مادی ہے۔ اسلئے جملہ خواص جسمانیہ سے پاک ہے۔ محسوس ہونا کسی جگہ میں ہونا۔ اسپر زمانہ کا اثر ہونا۔ بوڑھا۔ جوان ہونا۔ موٹا دبلا۔ لمبا۔ پست قد ہونا بیمار و تندرست ہونا کھانا پینا۔ شہوانی خواہشوں۔ جماع وغیرہ۔ طمع۔ طیش وغیرہ۔ بھول و نسیان۔ سب سے پاک ہے۔ یہ سب امور جسمانیات کا خاصہ ہیں۔ اسی طرح حدوث۔ احتیاج۔ سب سے پاک ہے۔ وہ بیچون و بے چگون ہے۔ جہاں تک انسان کی عقل اور اسکا طائر ادراک حسی اڑ کر ہو سکے وہ خدا اُسے بیچون و بے چگون اور اس سے

بالاتر ہے اور قوت متخیلہ جس صورت میں اسکو تصور کرے وہ اس سے بھی پاک و منزہ ہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست | ہرچہ بروے میرسی بروے مایست
رہتا ہے یار قہقہہ دیوار کے پرے | جاؤں میں کس طرح مرے بال و پر نہیں
کیف الوصول الی سعادہ ودونہا | قلل الجبال ودونہن حتوف

اسلیے اسکی کہنہ حقیقت کا ادراک محال ہے جو کچھ انسان کو اسکی ذات کا علم و یقین ہے وہ اسکی صفات و حالات سے ہے۔ علم بالکنہ و بکنہہ دونوں وہاں مفقود ہیں۔ البتہ علم بالوجہ و بوجہ موجود ہیں۔ مگر بلحاظ ادراک انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام اسمیں بھی ایسا تفاوت ہے جیساکہ آسمان و زمین میں ہے +

البتہ[1] عارفان الٰہی و سالکان طریق وصول خدائی پر اذکار و مراقبات و دیگر ریاضات روحانیہ سے اسکی تجلی ان کے مذاق و رغبات کے موافق اشکال و صور حسیہ میں بھی ہوتی ہے۔ پھر جوں جوں مرتبہ ادراک بلند ہوتا جاتا ہے اسیقدر یہ تجلیات تجرد اختیار کرتی جاتی ہیں اور بندیکو اسکی طرف کشش مقناطیسی اور بیخودی اور شوق و انجذاب بڑھتا جاتا ہے اور اسیقدر اسکی روح میں نور و قوت و آثار جبروت و ملکوت پیدا ہوتے جاتے ہیں ؎ جمال ہمنشین در من اثر کرد + وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔ اور ارواح میں قابلیت و استعداد بھی ازل سے جداگانہ ودیعت رکھی گئی ہے۔ جو

[1] دارمی نے عبدالرحمن بن عائش سے اور ترمذی نے انس سے اور ابن عباس سے ایک حدیث نقل کی ہے جسکی صحت اور معنی میں محدثین نے کلام بھی کیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی عزوجل فی احسن صورۃ۔ قال فیما یختصم الملاء الاعلی قلت انت اعلم قال فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردہا فعلمت ما فی السماوات والارض ۱۲ منہ

ف یہی علم وہ حجاب اکبر ہے اس کی بدولت فسق و فجور طمع نفسانی خودغرضی وغیرہ قبائح کے دریا ان تعلیم یافتوں میں موجزن ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ؏ بگاڑا بچے خوبصورت بنا کے ۱۲ منہ

ایک شخص کو سخت سے سخت محنت شاقہ سے برسوں میں جو مرتبہ نصیب ہوتا وہ دوسرے کو جسمیں استعداد و قابلیت زیادہ ہوتی ہے تھوڑیسی توجہ سے نصیب ہو جاتا ہے اسلیے افراد بنی آدم میں درجات مختلف ہیں سب سے بڑھکر حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اور انہیں خاتم سلسلۂ معرفت حضرت سید الانام محمد مصطفےٰ ہیں صلے اللہ علیہم اجمعین۔

اوس محبوب مطلق کیطرف ہر افراد موجودات میں قدرتی میلان و انجذاب رکھا ہوا ہے آسمان اور ستارے سب اپنی حرکت دوری میں اسیطرف چکر کھا رہے ہیں۔ باغ میں پھول ہر زبان سے اسکی تسبیح و تقدیس کر رہا ہے ؎

سروے جنبد بصحن بوستاں   در ہوائے قامت دلجوئے تو

مگر انسان ہے کہ اس کے انجذاب میں شہوات و لذات کی رغبت۔ طمع و غصہ کے روڑے اٹکے ہوئے ہیں جنکو نہ کوئی فلسفہ دور کر سکتا ہے نہ کوئی سائنس ہٹا سکتا ہے بلکہ یہ انسان کی سادہ زندگی میں تکلفات پیدا کر کے اسکو انسانیت کے بلند مرتبہ سے گرا کر حیوانیت کے مرتبہ میں پہونچا دیتے ہیں ہاں وہ نور نبوت ہی رہبری کر سکتا ہے جو اس رحیم و کریم نے ابتدا سے انسان کے لئے ہادی بنا رکھا ہے۔ جسکو شراب بہیمیت کا مست شہوات کے گرد و غبار سے گل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آخر کار یہی اسکے لیے آتش جہنم بنکر پیش آتا ہے +

فصل (۶)

(ملائکہ کا بیان)

اوس رحیم و کریم نے اپنے بندوں کے علوم و ادراک کامل کرنے کے لیئے ایک ایسی مخلوق کے وجود سے بھی قرآن مجید میں خبر دی ہے۔ کہ جو انسان کے حواس خمسہ سے محسوس نہیں اور ان کی حیات مخلوق ہے جنمیں نہ انسانی توالد و تناسل ہے نہ

انسانی تغذیہ و تنمیہ ہے نہ انسانی خواہشیں رکھتے ہیں نہ جن اشیاء سے انسانی لذت و آرام پاتا ہے اوس سے وہ لذت و آرام پاتے ہیں چونکہ مادی اور جسم عنصری سے ان کا قوام نہیں اسلیئے انہیں بہیمیت بھی نہیں اور جب بہیمیت نہیں سراسر ملکیت ہے تو اوس نورانی مخلوق کو خدا کی عبادت ذکر و تقدیس و تسبیح ہی میں لذت و آرام ہے اور انسانی شہوات سے وہ معصوم ہیں :۔

اِس قسم کی مخلوق کا نام **فرشتہ** عربی میں ملک ہے۔ اور اصل میں یہ لفظ ملارک ہے جیساکہ شمئل جسکی جمع ملائک و شمائل آتی ہے۔ اور ت ملائکہ میں جمع کے لحاظ سے زائد کردی گئی ہے۔ (بیضاوی) اسیطرح یونانی رومی عبرانی۔ ایرانی۔ ہندی۔ زبان میں فرشتوں کے لیئے الفاظ مقررہ ہیں۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ طوائف متمدنہ بنی آدم سب ملائکہ کے وجود کے قائل ہیں آج سے نہیں ہزاروں برس سے۔ اسیطرح انبیائی سلسلہ میں فرشتوں کے وجود کا اقرار ہے۔ چنانچہ موجودہ توریت کتاب پیدائش کے سولہویں باب میں ہاجرہ والدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرشتہ کا نظر آنا اور سارا کے پاس واپس جانے اور اولاد میں برکت دینے کا ذکر ہے۔ اور اسی کتاب کے اٹھارہویں باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تین فرشتوں کا مہمان بنکر آنا اور تولد فرزند کی بشارت دینا اور سدوم کے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دینا مذکور ہے۔ اسیطرح کتاب دانیال کے ساتویں باب اور انجیل متی کے چھبیسویں باب اور انجیل لوقا کے دوسرے باب سے ملائکہ کا وجود ثابت ہے اور نامہ عبرانیاں کے بارہویں ۲۲ باب سے کروڑوں بلکہ کروڑہا در کروڑہا فرشتوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اہل کتاب حواریوں تک سب اسبات کے قائل تھے کہ فرشتوں کے باہم درجات مختلف ہیں جبرئیل و میکائیل کا نام اور انکی عظمت کتب اہل کتاب میں مذکور ہے۔ اور ان کی کتب مقدسہ سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ فرشتے انسانوں کی صورت میں متشکل ہوکر دکھائی دیجاتے تھے اور قدما اہل کتاب کا بھی

اعتقاد تھا کہ اجسام ملائکہ کا مادہ ہمارے مادۂ اجسام جیسا نہیں کیونکہ وہ جب چاہتے ہیں لوگوںکو دکھائی دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں نظروںسے غائب ہوجاتے ہیں۔ اہل کتاب اسکے بھی قائل ہیں کہ فرشتوں میں مرد و عورت نہیں نہ وہ انسانی حوائج رکھتے ہیں۔ البتہ بت پرست قوموں نے یہ باب نہ معلوم کیونکر قرار دے رکھی تھی کہ فرشتوں میں نر و مادہ بھی ہیں چنانچہ ہنود اب تک دیوی۔ اور دیوتا کے قائل ہیں اہل کتاب ملائکہ کی نسبت یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ فرشتوں میں انسان سے عقل و علم بھی بہت زیادہ ہے اور قدرت و طاقت بھی زیادہ ہے اور وہ پاک و برگزیدہ بھی ہیں اور وہ خدا کی مرضی و منشا کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اور یہ کہ وہ عالم کے تدبیر و تصرف میں بحکم الٰہی مصروف ہیں۔ اس کے حکم و مشیت کے خلاف کچھ بھی نہیں کرتے ہیں +

اسلامیوںکا عقیدہ بھی اس معاملہ میں قریب قریب اہل کتاب کے ہے قرآن مجید نے فرشتوں کے بہت کچھ حالات متعدد آیات و مقامات میں بیان فرمائے ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ مدرک مستقل الوجود و متحرک بالارادہ جواہر ہیں وہ اعراض نہیں جو کسی کی صفات قرار دے جائیں جیسا کہ بعض کم ہمتوں نے حال کے حکماء کی تقلید میں جو غیر محسوس اشیاء کے قائل نہیں بذریعہ تاویلات رکیکہ ملائکہ کو کبھی صفات باری تعالیٰ کبھی اجسام نامیہ کے قوی کبھی اسمار الٰہی بتایا ہے اور اس کو تاویلات میں تناقض اقوال اور مخالفت جمہور علماء مفسرین و اہل لغت و اہل حدیث و خلاف سیاق و سباق وغیرہ عجب پریشان بیانیاں پیش آئی ہیں جن سے ماول کی بے علمی اور دماغ کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ **ازانجملہ** الذین یحملون العرش ۔ و قولہ یحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية **ازانجملہ** وہ ملائکہ ہیں جو صرف خدا کی تقدیس و تسبیح ہی کیا

مقدمہ تفسیر حقانی میں اس کے اقوال کو نقل کرکے کمال وضاحت سے جرح کیگئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ ماول کو نہ علوم اسلامیہ سے بہرہ ہے نہ علوم حکمیہ و سائنس سے آشنائی ہے محض بے تکی تاویلیں ہیں جو کسی غرض دنیاویہ پر مبنی ہیں۔

کرتے ہیں۔ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۔ ازانجملہ وہ ملائکہ ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی اور پیغام لاتے ہیں یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا۔ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ اس قسم کے ملائکہ بہت جلد عالم سفلی سے عالم بالا تک صعود و نزول کرتے ہیں اسلئے ان کی تیز رفتاری کو بطور استعارہ کے پروں اور بازوؤں سے تعبیر کیا ہے نہ یہ کہ چیل کوؤں کیطرح اِن کے بازو اور پر ہیں۔ جس پر بعض کم فہم معترض اعتراض کرتے ہیں اس گروہ کے سر دفتر۔ جبرئیل امین ہیں ازانجملہ وہ ملائکہ ہیں جو جملہ عالم کے تدبیر و تصرف پر متعین ہیں اجسام سفلی و علوی کے طبائع جو بمنزلہ قدرت کی کلوں کے ہیں انکو اس ادراک و دور اندیشی سے ملائکہ ہی بحکم الٰہی چلاتے ہیں وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا الی قولہ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔ وقولہ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ ازانجملہ وہ ہیں جو بوقت مرگ حیوان و انسان کی بدن سے روح قبض کرتے ہیں قُلْ یَتَوَفّٰىکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ وقولہ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ ازانجملہ وہ ہیں جو قیامت کو صور پھونکیں گے۔ ان کے سرگروہ اسرافیل ہیں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ۔ ازانجملہ وہ ہیں جو مرنے کے بعد عالم برزخ اور حشر میں

بقیہ ف" وہ جو عرش اٹھاتے ہیں۔ اور تمہارے رب کے عرش کو اسروز آٹھ اٹھائے ہوئے ہونگے۔ وہ رات دن تسبیح کرتے نہیں تھکتے ۱۲

لے خدا اپنے فرشتوں میں سے رسول برگزیدہ کرتا ہے۔ اسنے فرشتوں کو رسول بنایا ان کے بازو بنائے دو دو اور تین تین اور چار چار ۲ے قسم ہے ان فرشتوں کی جو عالم وجود میں آثار قدرت پھیلاتے ہیں۔ وہ جو اوامر قضا و قدر تقسیم کرتے ہیں۔ وہ جو کافر کی جان نکالتے ہیں۔ وہ جو مومنوں کے اجسام سے ارواح کی گرہیں کھولتے ہیں۔ وہ جو فضاء عالم میں تیرتے پھرتے ہیں۔ وہ جو تعلیم احکام کے لیئے آگے دوڑتے ہیں۔ پھر وہ تدبیر امور کرتے ہیں ۳ے کہدو کہ تمہاری جان وہ فرشتہ موت نکالتا ہے جو تم پر موکل کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ جب کسی کو موت آتی ہے تو اسکی جان ہمارے فرشتے قبض کرتے ہیں ۱۲

بندوں کو ان کے اعمال کے ثواب و عذاب دینے پر متعین ہیں جنکے حالات قرآن میں بکثرت ہیں
حقیقت ملائکہ میں اختلاف ہے حکمار قدیم ان کو جواہر مجردہ بتاتے ہیں سلسلۂ
انبیائی کے پابند ان کو اجسام لطیفہ کہتے ہیں مگر نہ جسم عنصری و حسّی بلکہ ایک اور جسم لطیف جو
بمنزلہ ارواح کے ہے اور جسکی حقیقت ہم نہیں جانتے ہیں۔ اسلئے وہ جب چاہتے ہیں
ہمکو نظر آجاتے ہیں اور جب چاہتے ہیں غائب بھی ہوجاتے ہیں۔ اس لطافت کے
سبب وہ طرفۃ العین میں مشرق سے مغرب تک پہونچ جاتے ہیں اور قوت بھی انمیں
بہت ہی زیادہ ہوتی ہے۔ عالم محسوس کی اشیا خواہ وہ ہماری نظر سے کتنی ہی غائب
ہوں اور ہزاروں کوس دور ہوں اور اسیطرح عالم ملکوت کی اشیاء۔ ارواح اور ان کے
حالات سب انپر اسیطرح عیاں ہوتے ہیں کہ جیسا عالم محسوس کی مشاہد چیزیں ہمارے
سامنے۔ ہماری آنکھوں سے عالم حسی کی غائب چیزیں جسطرح غیب اضافی ہیں کہ بغیر آلات
و اسباب عادیہ انپر مطلع ہوجانا خارق عادت سمجھا جاتا ہے اسیطرح ملائکہ کی مشہود اشیاء
بھی ہماری نسبت غیب اضافی ہیں۔ ملائکہ کا غیب جسپر انکو خدا تعالے وقتاً فوقتاً مطلع
کرتا ہے البتہ غیب حقیقی ہے۔ جسکا پورا علم اسی علام الغیوب لطیف و خبیر کا خاصہ
مختصہ ہے +

بعض **عیسائیوں** کا اعتقاد تھا کہ نیک انسانوں کے ارواح ملائکہ ہیں اگر ان کی
یہ مراد ہے کہ نیک انسانوں کے ارواح مرنے کے بعد ملائکہ میں ملجاتی ہیں اور بس۔
جیسے بنی آدم کیا ان کے دادا حضرت آدم بھی پیدا نہوئے تھے اسوقت سے پہلے
بھی فرشتہ تھے +

ملائکہ کے بھی درجات مختلف ہیں۔ بعض علوی ہیں اور پھر انمیں بھی بعض
مقربین بارگاہ اور موجودات کا سلسلہ بلحاظ تجرد باری تعالے انہیں سے شروع
ہوکر درجہ بدرجہ نیچے اوترتا آتا ہے اور عالم محسوس و اجسام کثیفہ تک منتہی ہوتا ہے

حقیقت ملائکہ

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ۔ لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح اپنے خدا کے حکم سے ہر بات سے سلامتی کیلئے اترتے ہیں سورۂ قدر

میں تم سے کہتا ہوں کہ لوگوں کا ہر گناہ اور کفر بکنا معاف کیا جاوے گا مگر وہ جو روح کے حق میں کفر بکتے ہیں وہ معاف نہوگا۔ (انجیل متی باب ۱۲) ۱۲ منہ علمار کا اختلاف ہے بعض روح القدس سے مراد جبرئیل علیہ السلام لیتے ہیں بعض دوسرا فرشتہ کہتے ہیں ۱۲ منہ

اور عالم کثیف میں مرکبات کا وجود سب کے بعد ہے اب بلحاظ لطافت وکثافت کے غور کیجئے گا تو حق سبحانہ اور اس کی مخلوق مادیہ اور کثیفہ میں کسقدر بون بعید معلوم ہوگا۔ اس سلسلۂ وجود کا ارتباط انہیں ملائکہ کے سبب سے ہے اِن کے سبب سے یہ تمام سلسلہ مربوط ہوگیا۔ اِس لیئے فیض الہی پہونچنے کے بھی ملائکہ وسائط ہیں جبلئے انکو مدبرات امر کہا جاتا ہے اب اِس درمیانی وسائط میں بیشمار درجات یکے بعد دیگر پیدا ہونے ضرور ہیں۔ اسیلئے اعلیٰ قسم کے ملائکہ وہ ہیں جو مقربین اور عالم قدس میں رہتے ہیں اور اِن سب کا سلسلۂ ایک ایسے عظیم الشان فرشتہ پر منتہی ہوتا ہے جبکو روح اعظم۔ روح القدس کہتے ہیں۔ تمام ارواح بنی آدم کو اسکیطرف ایک ایسا جذب مقناطیسی ہے کہ جیسا ذرات کو آفتاب کیطرف۔ اور سب سے نیچا درجہ ملائکہ سفلی وارضی کا ہے۔ جن کا مادہ اسنسے بھی نیچے درجہ کی ایک مخلوق غیر محسوس کے قریب قریب ہے۔ اور یہ مخلوق لاتعد ولاتحصیٰ ہے۔ جبکو وہی علام الغیوب خوب جانتا ہے +

فصل (۷)

(جن کی حقیقت)

اِس قسم کی مخلوق میں سے ایک قسم کا نام جن ہے۔ لغت عرب میں اس کے معنی پوشیدگی کے ہیں چونکہ یہ قوم بنی آدم کی آنکھوںسے پوشیدہ ہے اس لیئے انپر لفظ جن کا اطلاق ہوا۔ اور جس لفظ میں جیم نون جمع ہوتے ہیں اسمیں پوشیدگی کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔ دل چونکہ مخفی رازوں کا خزانہ ہے اس لیئے اسکو جنان کہتے ہیں۔ اور ڈھال کی آڑ میں چھپتے ہیں اسیلئے اسکو جُنّہ کہتے ہیں اور جنون چونکہ عقل کو پوشیدہ کرلیتا ہے اسکو جنوں کہتے ہیں اور جنین جسکی جمع اجنۃ

وجود جن پردلیل

آتی ہے ماں کے پیٹ میں بچے کو کہتے ہیں اور باغ اپنے پتوں اور درختوں سے زمین کو ڈھانک لیتا ہے۔ اس لیئے اسکو جنت کہتے ہیں اس قسم کی مخلوق کا مادہ جسم لطیف ہے اسلئے نظر نہیں آتی۔ اور یہ کوئی محال اور ناممکن بات نہیں کہ بسائط جدیدہ واجسام غیر محسوسہ سے کوئی شئے مخلوق ہو۔ بلکہ یہ بات خلاف عقل اور نہایت بعید الفہم ہے کہ مرکبات کا دائرہ صرف مٹی اور پانی ہی میں محدود مانا جاوے۔ ان کے سوا اور کسی عنصر سے کوئی چیز مرکب نہو سکے اور جب محدود نہیں تو ضرور ہے کہ پانی اور مٹی کے سوا اور عناصر سے مرکب چیزیں نظر نہ آئیں جیسا کہ ان کا مادہ نظر نہیں آتا +

اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اجسام لطیفہ میں بہ نسبت کثیفہ کے طاقت و استحکام بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے ایسی مخلوق قوی اور دیرپا بھی ہوتی ہے اور بجلی یا ہوا کیطرح آناً فاناً میں دور بھی پہونچ جاتے ہیں۔ اس مادہ ترکیبیہ کے لحاظ سے اس قسم کی مخلوق کے بہت سے اقسام ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جن کا مادہ بالکل لطیف ہے اس لطافت کے لحاظ سے انمیں اور سفلانی ملائکہ میں بہت ہی کم فرق ہے اور بعض وہ ہیں کہ انکا مادہ بالکل لطیف تو نہیں بلکہ مادہ کثیفہ بھی ان کی ترکیب میں داخل ہے مگر غلبۂ لطافت کے سبب نظر نہیں آتے۔ اس قسم کے جنوں میں خیر و شر دونوں کا مادہ ہوتا ہے اسلئے وہ بھی انسانوں کیطرح احکام الٰہی کی تعمیل پر مامور کیئے جاتے ہیں۔ انکو بھی عذاب و ثواب ہے۔ اسلئے قرآن میں انسانوں کے ساتھ انکو بھی مخاطب بنایا گیا ہے یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔

اس قسم میں بیشتر مادہ ناری زیادہ ہوتا ہے وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ کہ ہمنے جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ہے اور اسلیئے ان کی سرشت میں غرور و سرکشی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ان میں ہوائی مادہ زیادہ ہوتا ہے

بلحاظ مادہ غیر محسوسہ کے ان کے بہت سے اقسام ہیں۔ اور عرب میں انہیں اقسام وصفات کے لحاظ سے جدا جدا[۵] نام بھی تھے۔ مگر اس قسم کی انواع میں مادہ ردیہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے شر کیطرف زیادہ رغبت ہوتی ہے اور خیر کیطرف بہت کم۔ اور اس قسم کی انواع میں توالد وتناسل بھی ہوتا ہے اور بعض اقسام تو ایسے ہیں کہ جنکو مزاج انسانی سے بہت ہی مناسبت رہتی ہے ان کے نام اور ان کا تمدن اور ان کی زبان اور ان کے ادیان ومذاہب ہر ملک کے انسانوں جیسے ہوتے ہیں۔ اور کبھی ان کے نر ومادہ انسان کے نر ومادہ کے ساتھ اختلاط بھی کرتے ہیں۔ اور جس قسم کی شکل میں چاہتے ہیں ظاہر ہوجاتے ہیں اور پھر جب چاہتے ہیں غائب ہوجاتے ہیں +

حکماء قدیم نے جن کی یہ تعریف بیان کی ہے جسم ناری تتشکل باشکالٍ مختلفۃٍ کہ وہ جسم ناری ہے ہر شکل میں ظاہر ہوسکتا ہے تمام اہل کتاب یہودی اور عیسائی ہمیشہ سے اس مخلوق کے قائل ہیں +

توریت کتاب پیدائش کے تیسرے باب میں سانپ کا حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا دینا مذکور ہے۔ اور باتفاق علماء یہود اوس سے شیطان مراد ہے۔ اور کتاب اول سموئیل کے انیسویں باب ورس ۹ (جملہ) میں یہ ہے اور خداوند کی طرف سے وہ بری روح ساؤل پر چڑہی۔ بری روح شیطان اور اسی قسم کی غیر محسوس مخلوق ہے۔ جنکو لطافت کے سبب روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور لطافت کے سبب انکا انسان پر تسلط اور اس کے خیالات میں دخل بھی ہوتا ہے اور یہی وہ شیطان کا گمراہ کرنا ہے۔ اسیطرح ملائکہ کا نیک لوگوں پر تسلط ہوتا ہے تو ان سے وہ ملکی صفات اور انسانی قدرت سے بالاتر افعال

---

[۵] چنانچہ وہ جن جو انسانوں کے ساتھ رہتے تھے انکو عامر کہتے تھے اور جو لڑکے بالوں کو ستاتے ہیں انکو ارواح کہتے تھے جنکو ہندی میں بھوت پریت کہتے ہیں۔ اور جو زیادہ سرکش اور موذی ہیں انکو شیطان کہتے ہیں اور جو اس سے بھی زیادہ موذی ہیں انکو مارد اور عفریت کہتے تھے۔ جنکو ہندی میں دیت

سرزد ہونے لگتے ہیں۔ انجیل متی کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ شیطان حضرت مسیح علیہ السلام کو فریب دینے آیا اور ان کو ہیکل کے کنگورے پر لے گیا اور پھر اونچے پہاڑ پر لے گیا اور وہاں سے دنیا کی ساری بادشاہتیں اور شان و شوکت انکو دکھا کر کہنے لگا کہ اگر تو مجھے سجدہ کرے تو میں یہ سب تجھکو دیدونگا تب مسیح نے فرمایا کہ اے شیطان دور ہو کیونکہ سجدہ اور بندگی خالص خاص خدا تعالیٰ کے لیئے سزاوار ہے اور کوئی اسکا مستحق نہیں۔ پھر انجیل متی کے آٹھویں باب سولھویں درس میں یہ ہے کہ جب شام ہوئی اس کے پاس بہتوں کو جنپر دیو چڑھے تھے لائے اور اس نے ان دیوں کو کلام ہی سے دور کیا۔ یعنے کچھہ پڑھکر پھونک دیا۔ اسمار الٰہی کی برکت سے وہ بھاگ گئے پھر اسی انجیل کے نویں باب کے بتیسویں[۳۲] جملہ میں یہ ہے جسوقت وہ باہر نکلے دیکھو لوگ ایک گونگے کو جسپر دیو چڑھا تھا اُس پاس لائے اور جب دیو نکالا گیا وہ گونگا بولا۔ اور لوگوں نے تعجب سے کہا کہ اسرائیل میں کبھی ایسا دیکھا نہیں گیا پر فریسیوں نے کہا کہ وہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے۔ اسیطرح اور بھی جنوں کا نکالنا اور انکا نکلکر سور نبکر جھیل میں ڈوب مرنا۔ ان انجیلوں میں اور نیز شیطان کا بہت سا حال مکاشفات یوحنا میں مذکور ہے +

شیطان۔ بروزن فیعال شطن سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں نیکی سے دور کے بعض کہتے ہیں نون زائد ہے شاط بمعنی بطل سے مشتق ہے **ابلیس**۔ بلس سے

بقیہ ح ۱۲۱ فارسی میں دیو کہتے ہیں۔ اور جو جنگلوں میں آوازیں دیتے ہیں انکو **ہاتف** کہتے تھے اور جو جنگلوں میں بھولوں کو راستہ بتاتے ہیں ان کو **رجال الغیب** کہتے تھے۔ ہندی میں انکو کہ جنپر جن رہوائی غالب ہوتا ہے پَوَن کہتے ہیں ۱۲ منہ

شیطان ابلیس

مشتق ہے جسکے معنی ہیں نا امید اور فریبی کے گرچہ اِن صفات ذمیمہ کے لحاظ سے یہ الفاظ بنی آدم کے بدبختوں پر بھی مجازاً بولے جاتے ہیں جیسا کہ نیک کو فرشتہ کہتے ہیں۔ مگر اِن دونوں لفظوں کا مصداق دراصل ایک شخص اسی قسم کی مخلوق غیر محسوس میں سے ہے جو اپنا مادہ آتش بتاتا ہے۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ یہ وہی ہے کہ جسنے آدم کو سجدہ نہ کیا اور وہ راندہ گیا اور اِس نے آدم اور اِس کی اولاد کے گمراہ کرنے پر کمر باندھی اور بہکا کر وہ درخت ممنوع آدم کو کھلا دیا اور حضرت عیسےٰ کی آزمائش کی وغیرہ

کہ جب کہ وہ آگ سے اور آدم کو خاک سے پیدا کیا ہے اِس لئے سجدہ آدم پر قدرتی فوقیت رکھتا ہوں پھر کیونکر سجدہ تعظیمی کر سکتا تھا۔ ۱۲ منہ

فوائد

(۱) ملائکہ اور جن کے وجود پر باوجود امکان کے حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر صادقوں کی شہادت کافی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کے سوا انجیل لوقا کے بھی چوتھے باب میں یہ ہے اور عبادت خانہ میں ایک شخص تھا جسمیں شیطان کی ناپاک روح تھی وہ بڑی آواز سے چلایا کہ اے یسوع ناصری ہمیں چھوڑ تو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے یسوع نے دھمکا کر کہا کہ تو اسمیں سے نکل جا چنانچہ وہ نکل گیا اور کچھ نقصان نہ پہونچایا۔

پھر اسی انجیل کے آٹھویں باب میں یہ حیرت خیز واقعہ مذکور ہے۔ کہ جب مسیح دریا کے کنارے پر اترے تو ایک شخص کہ جبپر مدت سے جن مسلط تھا اور برہنہ پھرا کرتا تھا اور قبروں میں رہتا تھا انکو ملا وہ دیکھتے ہی یسوع کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں آپکی منت کرتا ہوں مجھے دکھ نہ دیجئے۔ کیونکہ اوس شخص کا یہ حال تھا کہ ہر چند لوگ اسکو پکڑنے اور لوہے کی زنجیروں میں باندھ کے رکھتے تھے مگر وہ توڑ کر نکلجاتا تھا۔ مسیح نے اوس سے

ف۲ روحانی بزرگوں اور کلمات اللہ کے قدرتی تاثیر سے اس قسم کی مخلوق بہت ڈرتی اور انپر تکلیف پہونچتی ہے بلکہ یہ مخلوق انکی مسخر بھی ہو جاتی ہے اور اس تاثیر سے مر بھی جاتی ہے اِس قسم کے حیرت خیز صدہا واقعات دیکھے گئے ہیں اِس قسم کی مخلوق سے بلکہ کلمات کیے موکلات سے حیرت خیز معاملات ظہور پذیر ہوئے ہیں ۱۲ منہ ف۲

پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے وہ بولا لشکر کیونکہ بہت سے جن اوس پر تھے مسیح سے عرض کیا کہ ہمکو
نہایت عمیق گڑھے میں جانیکا حکم نہ دیجئے اور وہاں پہاڑوں پر سوروں کا ایک غول چر رہا
تھا کہا ان میں بلجانے کی اجازت دو۔ چنانچہ مسیح نے اجازت دی اور وہ سب اوس شخص
میں سے نکلکر سوروں پر جا چڑھے اور سوروں کا غول کڑاڑے سے کودکر جھیل میں
ڈوب مرا +

اسیطرح حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی شہادت ان کے وجود پر کافی ہے۔ سورۂ جن میں ان کے حالات مذکور ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صدہا ہزار جن ایمان لائے۔ جیساکہ احادیث صحیحہ میں مذکور ہے +

اور پھر صدہا ہزار معتبر اشخاص کو ایسے واقعات پیش آئے۔ ایک ہندو عورت جو صاف اُردو بھی نہیں بول سکتی تھی فارسی وعربی زبان تو کجا اور اسکو سب جانتے تھے وہیں کی پیدائش ہوئی تھی۔ اسپر جن مسلط ہوا اور وہ فارسی اور عربی زبان میں کس فصاحت وبلاغت سے حقائق ودقائق علیہ بیان کرتی تھی +

فلسفۂ حال اس قسم کی مخلوق کا قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جو چیز آنکھ سے دکھائی نہ دے کان سے سنی نہ جائے زبان سے چکھی نہ جائے ناک سے سونگھی نہ جائے ہاتھوں سے ٹٹولی نہ جائے اس کے وجود کا قائل ہونا خلاف عقل اور وہم پرستی ہے یہ فلسفی خیال کچھ ابھی یورپ میں پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ جب یورپ وادی جہالت میں ٹکراتا پھرتا تھا اور ایشیا کی جملہ کمالات میں سرداری مانی جاتی تھی اسوقت بھی ایشیا ہی میں بہت سے لوگ ان خیالات کے تھے۔ شہرستانی کی ملل ونحل کتاب کو ملاحظہ کرو ایسے لوگوں کا جب کسیوجہ سے اعتبار اور عزت بڑھ جاتی ہے تو بعض سست اعتقاد اہل مذاہب اپنے مذہب کو تاویلات کے ذریعہ سے انہیں کے خیالات کے مطابق کرنیمیں سلامتی مذہب سمجھنے لگتے ہیں۔ خود مسلمانوں میں پہلے معتزلہ اس قسم کی تاویلات

فلسفۂ حال

کیا کرتے ہیں اور ہمارے زمانہ میں ایک شخص بانی مذہب نیچری نے تفسیر کے ذریعہ سے ایسی بہت کچھ تاویلات کیں ہیں ملائکہ کو قوی نامیہ وصفات باری تبلایا ہے۔ جنوں کو جنگلی قوم ٹھرایا ہے جو پہاڑوں میں رہنے کے سبب لوگوں سے مخفی رہتی تھی جاہلے انکو جن کہنے لگے۔ بہت خوب۔ مگر اسقدر آیات کی کہ جن سے اِن کا ایک دوسری قسم کی مخلوق ہونا پایا جاتا ہے کچھ بھی تاویل نہ بن سکی اور نہ بن آئے گی یہ ایسی تاویلات گویا ہیں کہ جیسا بانی مذہب آریہ ویدوں کی تاویل کر کے کاہ کا کوہ بنا دیا کرتا ہے یا جیسا کسی مداری فقیر نے امنت باللہ و ملٰئکتہ کے یہ معنی بیان کیے تھے کہ بوی امنت کا بلا ان کی لائی کہا گیا تھا۔ یا جیسا ایک پنڈت نے جو فارسی جانتا اور تصوف میں بڑا دم مارتا تھا مثنوی کے اِس شعر کے یہ معنی بیان کیے تھے۔ بشنو از نے چوں حکایت میکند وز جدائیہا شکایت میکند ✽ کہ سری بشنو نے یعنی بنسری بجا کر یہ حکایت کرتے ہیں۔ اسلام میں بھی مذاہب باطلہ پیدا ہوتے ہیں۔ اِن کے بانی در اصل پورے مسلمان تو ہوئے نہیں قرآن وحدیث کا دام بچھا کر تاویلات رکیکہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو پھنسایا کرتے ہیں جیسا کہ آج کل ایک صاحب پہلے مثیل مسیح پھر مسیح پھر جو ایک مہینے میں کسوف خسوف ہوا اسکو مہدی کی خاص علامت سمجھکر مہدی آخر الزماں ہونے کا بھی مدعی ہو گیا اور برسوں گزر گئے بجز اِس کے کہ تاویلات اور اپنے مناقب اور مریدوں کی جھوٹی مہر چھاپنے اور مہمل پیشین گوئیاں کر کے کہ جنکے جو چاہو معنی ٹھہالو۔ اور کوئی فائدہ اسلام کو

ف کیا وہ عاقل ہے جو ہوا اور صافی کا انکار کرتا ہے جبکہ وہ ایک شیشہ میں ہو اور کسی حس سے بھی محسوس نہیں اور کیا وہ فلاسفر کہلا سکتا ہے جو ایتھر (مادہ) کا انکار کرتا ہے جو کسی حس سے بھی محسوس نہیں اور کیا وہ عاقل کہلا سکتا ہے جو طبیعت اجسام کا انکار کرتا ہے جو کسی حس سے بھی محسوس نہیں اور جو وجدانیات اور لازم سے ملزوم اور مصنوع سے صانع کے وجود کا منکر جبکہ وہ کسی حس سے بھی محسوس نہیں عالم و دانا کہلا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں پھر خیال کرنا چاہیے کہ قول کسدرجہ کا لچر اور غلط ہے پھر اسکے اعتماد پر اصول الٰہیہ کا انکار کسدرجہ کی نادانی ہے ۱۲ منہ

پہونچایا نہ اسکی انکو توفیق ہوئی۔ ہاں اپنا فائدہ دنیا تو حاصل کر لیا کہ سادہ لوح مریدوں کی ایک جماعت نان و حلوا اور اپنی بیٹیاں دینے کے لیئے موجود ہو گئی۔ جس سے باطمینان آپ نبوت کا بھی دعوی کرنے لگے۔ کوئی دنیں خدائی دعوی بھی کرنے لگیں گے۔ اب شروع تو کیا ہے کہ اپنے آپ کو ہندوؤں کا کرشن اوتار کہنے لگے ہیں +

جبکہ فلسفہ کا یہ دعوے ہی سبے بنیاد ہے کہ جو چیز حواس خمسہ سے محسوس نہیں وہ موجود نہیں جیسا کہ مقدمہ کتاب میں ہم ثابت کر چکے ہیں تو اس لغو اور باطل اصول پر الہامی اصول کا انکار کرنا اور انکار کو تاویل کے پردہ سے چھپانا سراسر نادانی اور کمزوری دماغ اور سستی ایمان کی نشانی ہے +

(۲) فرشتوں اور جنوں کے سوا اور بھی غیر محسوس مخلوق ہے۔ بعض انسانوں کی ارواح خبیثہ بھی مرنے کے بعد عالم سفلی میں محبوس اور معذب ہوتی ہیں۔ وہ بھی کبھی لوگوں پر شیاطین کے زمرہ میں داخل ہو کر مسلط ہو جاتے ہیں +

(۳) فرشتوں۔ جنوں۔ ارواح۔ کو بسبب انہیں تعلقات کے اوہام عامہ پوجنے لگے اور پھر ہر ایک کے ساتھ صفات مختصہ قائم کر کے اِن کی پرستش کے جداگانہ طریق اپنے اپنے خیال اور مذاق کے موافق پیدا کیئے۔ جیسا کہ صفات باری تعالے کو اپنے خیالی مظاہر میں تصور کر کے اِن کے جدا جدا بُت بنائے محبت کو عورت کیصورت میں غضب و انتقام کو شیر کیصورت میں تصور کر کے کہیں حسین عورت کی کہیں شیر کیصورت کو پوجنے لگے کلدانی قوموں میں اِسی قسم کی بت پرستی تھی۔ بلکہ اجرام علویہ آفتاب ماہتاب تاروں کو بھی اس کی کسی خاص صفت کا مظہر سمجھکر اِن کے موافق بڑے بڑے عظیم الشان بُت خانے اور بُت بنائے تھے۔ یونانی۔ مصری۔ رومی۔ عرب اکثر اِس بلا میں مبتلا تھے۔ ہندوستان میں تو ابتک وہی حالت موجود ہے پھر اِنکی نذر و نیاز اور ان کے دستورات اور ان کے نام کی تسبیح و تقدیس۔ بوقت مصیبت

اِن کو پکارنا قربانیاں چڑھانا وغیرہ اسقدر خرافات ہیں کہ جنکی شرح ایک بڑی کتاب میں بھی نہیں آسکتی ⁺

اسلام نے اسکو حرام قرار دیدیا - اور قرآن اور نبی اسلام نے مختلف دلائل سے ثابت کردیا کہ خدا کے سوا اور کوئی نہ نفع دیسکتا ہے نہ نقصان پہونچا سکتا ہے وہی قادر مطلق اپنی رحمت سے اپنی مخلوق کی حاجت روا کرتا ہے - مخلوق کی قدرت و اختیار عام ہے کہ دواؤں اور اسمار کی تاثیر ہو - یا ذی ادراک اشیار کے اقتدارات حیات یا بعد ممات ہوں جیسا کہ ایک زندہ شخص کا دوسرے کو نفع و نقصان پہونچانا - سب محدود ہیں - اور ان کے آلات و اسباب بھی محدود اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں - اگر وہ چاہے تو کوئی دوا راثر نکرے عالم حیات میں کوئی کسیکو کچھ نفع و نقصان دے سکے نہ بعد ممات یہ تمام پتلیاں اس کے ہلانے سے ہلتی ہیں - کل کچھ نہیں کرتی جو کچھ کر رہا ہے کل چلانے والا کر رہا ہے - کسی فرشتہ جن ارواح کو اس کی خدائی میں ذرہ کے برابر بھی حصہ نہیں - اسلئے اسیکو پوجنا چاہیئے - اسیکو پکارنا چاہیئے وہی اس قابل ہے کہ

ف اسیطرح جاہل اور گرم قوموں اور ملکوں میں محض وہم پرستی سے بات بات میں بھوت - دیو - پری کا سایہ اور مردوں کی ارواح کا ظہور سمجھا جاتا ہے - معمولی بیماری بلکہ حیوانات کی کمزوری اور دیگر اسباب عادیہ بھی جن بھوت پری دیو کے کرشمے اور نظر بد فال شگن کے آثار خیال کیے جاتے ہیں ہر حوادث دہر کو بھی ستاروں کی تاثیر مستقل بتایا جاتا ہے اس قسم کی اوہام پرستی کو اسلام نے شرک بتایا ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی نظر مسبب الاسباب پر نہیں ہوتی صحابہ کبار تعویذ گنڈے جھاڑے منتر کو بھی بہت برا سمجھتے تھے اور جو اس قسم کی روایات مشہور ہیں وہ بشیتر بے اصل ہیں اسلام جملہ توہمات و شکوک سے پاک ہے اسمیں ہر بات کو خدا ہی کے ید قدرت کا فعل سمجھنا تعلیم کیا گیا ہے ۱۲ منہ

۱۲ ۱۲ ۱۲

کہ اسکے نام کی تسبیح و تقدیس کیجائے یہ مضمون قرآن میں بکثرت ہے۔ اور سلسلہ انبیائی خصوص ملت ابراہیمہ کا توحید خالص سب سے پہلا حکم موکد ہے۔ ملحد اور موحد میں اتنا ہی توفرق ہے کہ ملحد اسباب کیطرف اور موحد مسبب الاسباب کیطرف نظر کرتا ہے پھر یہ کتنا فرق ہے کہ ایک کی نظر گہر کے مالک کیطرف اور دوسرے کی اس کے اسباب۔ اور خادموں کیطرف ہے +

فصل (۸)

روح کا بیان

ہم مقدمہ کتاب میں ثابت کرچکے ہیں کہ اس عالم حیات میں اصل مدرک بذریعہ حواس یہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں اس قسم کے ادراک کی قابلیت ہے بلکہ وہ مدرک ایک دوسرا شخص ہے اور وہی اس جسم کو اپنے ارادے کے موافق حرکت بھی دیتا ہے بلکہ اسکی محافظت اور اسمیں تدبیر و تصرف بھی اسیکا کام ہے اسیکے وجہ سے اسکے تمام کلیں اور پرزے چلتے ہیں اگر وہ اس سے دور ہو جائے تو پھر یہ ایک خاک کا ڈھیر ہے دراصل وہی انسان ہے وہ کون ہے روح۔ جسکی جمع ارواح آتی ہے اور حکماء اسکو نفس ناطقہ اور ہندو آتما کہتے ہیں۔ اور ہر زبان میں اسکا ایک نہ ایک نام ہے۔ وہ بھی حواس خمسہ سے بسبب لطافت کے محسوس نہیں۔ ہر رنج و راحت دکھ سکھ سب اسکو ہیں اور وہی برے بھلے علوم اور افعال کی فاعل بھی ہے جسم اوس کا اس عالم محسوس میں ایک آلہ ہے۔ دونوں میں قدرت نے ایسا پیوند لگایا کہ جس کا سرا ابتک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ روح۔ طبی روح نہیں جو خون کے لطیف انجرات سے پیدا ہوتی ہے۔ جو تمام جسم کے لئے سٹیم ہے۔ بلکہ روح کا مرکب نسمہ ہے اور اسکا روح طبی اور اسکا تمام جسم +

فوائد

(۱) روح حکماء کے نزدیک جوہر مجرد ہے۔ جملہ جواہر مجردہ میں اور اسمیں کوئی ممیز بھی ہے مگر سلسلۂ انبیاء ہی کے پابندوں کے نزدیک روح بھی جسم لطیف یا کچھ جسم نورانی ہے اور اسکے مطابق اس کے اعضاء اور شکل بھی ہے۔ اسمیں قدرت نے کیا کیا کمالات ودیعت رکھے ہیں اگر انسان انپر مطلع ہوجائے تو عارف و کامل بنجائے روح کا حسن حیرت انگیز ہے اگر کوئی دیکھے تو فریفتہ ہوجائے +

وہ جسم لطیف ہونے کے سبب ایسے ہی اجسام لطیفہ سے مرنے کے بعد لذت والم پاتی ہے وہ مرنے کے بعد باقی رہتی ہے اور اوسکو دنیادی باتیں بھی یاد رہتی ہیں اور اپنے احبہ سے محبت اور اعدا سے نفرت بھی باقی رہتی ہے +

(۲) ارواح قدیم نہیں نہ کوئی شئے اس کی ذات کے سوا قدیم ہے اس عمدہ صفت میں اوسکا کوئی بھی شریک نہیں پھر بعض علماء کہتے ہیں کہ جسم کے مکمل ہوجانے کے بعد جبکہ اسمیں روح کے تعلق کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ تب روح پیدا ہوتی ہے۔ مگر جمہور کا یہ قول ہے کہ وہ اس پیکر انسانی سے ہزاروں لاکھوں برس پہلے خدا نے پیدا کی۔ اور اور حظیرۃ القدس میں رہتی ہیں اور ان کی تعداد خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ انکے تکمیل کی غرض سے خدا نے انکو اس دنیا میں اجسام سے متعلق کیا ہے۔ اور ایک معین زمانہ کے بعد پھر جدا ہوجاتی ہے۔ اور اس قول پر یہ آیت اور یہ حدیث دلیل ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ۔ الآیہ۔ اس آیت کی تفسیر میں امام احمد حنبل وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے آدم کی پشت سے انکی اولاد جو قیامت تک ہونے والی تھی باہر نکالی پھر ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں

سورۂ اعراف رکوع ۲۲ ۱۲ منہ

سب نے اقرار کیا ہاں۔ سب سے عہد لیا کہ میرے سوائے اور کیسکو خدا نہ بنانا تمسے اس لیے عہد لے لیا گیا ہے کہ پہر تم یہ عذر نکرو کہ ہمارے باپ دادا بت پرستی کیا کرتے تہے ہمنے انہیں کی پیروی کی ہمارا کیا قصور ہے۔ اور اس عہد کو یاد دلانے کے لئے میں انبیاء بہیجوں گا۔ اور نیک و بد شقی و سعید اور سیروزان کی استعداد و قابلیت کے لحاظ سے ممتاز ہوگئے تہے جنپر خدا کا نور پڑ گیا وہ اہل سعادت ہیں اور جنپر نہ پڑا وہ اہل شقاوت ہیں اور نبیوں سے بہی تبلیغ کا عہد لیا گیا تہا اور انبیاء ارواح میں روشن چراغوں کیطرح چمک رہے تہے +

(۳) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ قرآن نے الثانی سعادت و شقاوت کا نقشہ اس آیت میں نہایت اختصار کے ساتہ کس خوبی سے کھینچکر دکہا دیا ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی جملہ شریعت حکمت نظریہ سے لیکر حکمت عملیہ تک سب اسی جملہ کی تفسیر ہے +

اس آیت میں تصریح ہے کہ جسنے اس عالم میں قوی بہیمیہ کے امتزاج سے (جو قدرت نے اسمیں ملکات فاضلہ پیدا ہونے کے لئے خمیر کی ہے)۔ جو کچھ روح پر گرد و غبار جمتے ہیں اسنے پاک کر لیا اور اس کے اصلی جوہر کو چمکا دیا۔ تو اسنے دنیا اور دار آخرت میں بہی فلاح پائی۔ اور جسنے اسکو آلودہ کر لیا وہ دنیا میں بہی خراب ہوا آخرت میں بہی +

اسمیں کوئی **شبہ نہیں** کہ خدا کو ازل سے میں ہونیوالے واقعات کا پورا علم تہا جو اہر واعیان جو کچھ عالم شہود میں پیش آتے جاتے ہیں اور انسان جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ کریگا اور جو کچھ کر چکا ہے سب اسکے علم ازلی میں تہا۔ اور خدا نے اول ہی سے ارواح میں استعداد و قابلیت بہی مختلف رکہی تہی اور یہ اسکا کچھ بہی ظلم نہیں کہ زید کو بادشاہ اور عمر کو اسکا نوکر کیوں بنادیا اب سعادت و شقاوت جو کچھ اس سے ظاہر ہو رہا ہے اسی قابلیت و استعداد ازلی کا نتیجہ ہے۔ یہی وہ **تقدیر** ہے کہ جو نہ بدلی ہے نہ بدلے گی

لہ تقدیر کے یہ معنی سمجہنا کہ دنیا اور دین کے کاموں میں ہماری کوشش بیکار ہے اور اسکو اپنی سستی کا حیلہ

لیکن اس کے ساتھ بندیکو قدرت وارادہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ مساوی الطرفین کام کو ایک طرف وجود یا عدم میں لاسکتا ہے یہ اپنے افعال ارادیہ میں مجبور نہیں اس کے ارادی حرکات وسکنات مرتعش کے ہاتھ کے حرکات وسکنات کیطرح بے خودانہ نہیں۔ یہی وہ بندیکی قدرت و اختیار ہے جسکو ٹھیک طور پر عمل میں لانے سے قابل مدح اور برے طور پر استعمال میں لانے سے قابل ذم ہے۔ اور اسی قدرت واختیار کے سبب بندہ اچھے کاموں کے عمل میں لانے پر مامور اور برونکے عمل میں لانے سے ممنوع کیا گیا ہے اور اس بجاآوری حکم اور اسمیں سعی کوشش کے سبب یہ ماجور وممدوح ہے اور نافرمانی سے معذب اور مقبوح ہے اس عالم میں اس کے لیے ترقی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

گوئی توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند کس بمیداں درنمے آید سواراں راچہ شد

قرآن خود خبر دیتا ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى کہ انسان کے لیے اسکی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور وہ اپنی کوشش کے نتائج کو بہت جلد دیکھے گا +

پس خدانے انسانوں کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں اول **قوت نظریہ**۔ جسکی اصلاح کو شرع میں **ایمان** اور بگاڑ کو **کفر وشرک** وجہل کہتے ہیں۔ دوسری **قوت عملیہ** یعنے عمدہ کاموں کو عمل میں لانا اس کی درستی اصلاح کو **تقوی** کہتے ہیں اور بگاڑ کو **فسق وفجور** +

انسان کے ان عمدہ علوم اور ملکات فاضلہ اور اعمال صالحہ کا ضرور روح پر ایک اثر پہونچتا ہے۔ کیا کوئی شخص اسکا انکار کرسکتا ہے کہ اسکو بعض چیزوں اور بعض کاموں کے کرنے سے خوشی نہیں ہوتی اور اس کے برخلاف میں رنج نہیں ہوتا؟ یہ جدانیات اور

بقیہ ص ۱۳۰ بنانا اور ہاتھ پاؤں توڑکر بیٹھ رہنا بڑا غلط خیال ہے جو نصوص قرآنیہ واحادیث نبویہ وآثار صحابہ وہدایات انبیاء وہدایت عقل کے سراسر خلاف ہے ۱۲ منہ

نفسانی کیفیات ہیں جن کا انکار بجز مجنون کے اور کون کرسکتا ہے؟ لذاتِ افکار لذات ابکار سے بدرجہا بہتر ہوتی ہیں۔ کیونکہ لذت ادراک ملائم کا نام ہے پھر جب مدرک اور مُدرَک دونوں عمدہ ہونگے تو اس ادراک کی کیا کیفیت ہوگی۔ انسان میں دراصل مدرک روح ہے وہ ان مادیات کا ادراک تو حواس کے ذریعے اور مادیات کا عقل سے کرتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ادراک حسّی بہ نسبت ادراک عقلی کے ناکمل ہے پھر جب روح نے مجردات اور واجب الوجود کا ادراک کیا تو اسکی لذت کا بہ نسبت ادراک مادیات کے کہ جہاں ادراک بھی ناکمل اور مدرک بھی ناکمل کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ کھانے پینے جماع کرنے نغمات سننے خوشبوئیں سونگھنے میں جو ادراک مادیات ہے وہ لذت نہیں جو ادراک روحانی روحانیات میں ہے۔ مگر روح جبتک اس پیکر انسانی سے وابستہ ہے اور اس کے رنگ میں رنگین ہے اسوقت تک اسپر اس ادراک روحانی کی لذت و رنج کا پورا پورا ظہور نہیں ہوتا جیسا کہ کلوروفارم سونگھنے کے بعد بیہوشی میں کسی لذت و درد کا علم نہیں رہتا۔ لیکن مرنیکے بعد جب بہیمیت کے تمام نشے دور ہوجاتے ہیں وہ اثر پورا معلوم ہونے لگتا ہے؎

بروز حشر شود ہمچو صبح معلومت ... کہ با کہ باختئی عشق در شب دیجور۔

؎ باش تا بندروئے بکشایند ... باش تا با تو در حدیث آیند

تاکیا ترا نشاندہ بر در ... تاکیا ترا گرفتہ در بر

اس آیت میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ؎ اور کسیقدر اس عالم میں بھی ان روحانی لذات و آلام کا ادراک ہوجاتا ہے باصفا لوگوں کو اپنے معارف و عبادات اور نیک کاموں کا سرور و نور معلوم ہوتا ہے اور ہر عبادت کے انوار متمائز ہوتے ہیں انکی یہ لذت جملہ لذات حسیہ سے فائق ہوتی ہے اور اسیطرح خطرات و غفلات اور گناہوں کی ظلمت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اور

؎ سو ہٹنے تیری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا بس آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے ۱۲ منہ

اسپر انکو وہ رنج و قلق ہوتا ہے جو حسی آرام سے بدرجہا بڑھکر ہوتا ہے جیپر وہ گریہ و زاری توبہ و استغفار کرتے ہیں اور انکا یہ الم ان کے لیئے دنیاوی جہنم بنکر ان کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے +

الحاصل بندہ نے بقدر استعداد روح جسقدر اس آئینہ کو قوت نظریہ و عملیہ کے ذریعہ سے صاف کرلیا اسیقدر اسنے فلاح پائی اور جسنے جسقدر اس آلائش میں آلودہ کیا وہ خسارہ میں پڑا

(۴) روح کو اس عالم میں آکر روحانی مرض و صحت اور ترقی و تنزل کے اسباب بغیر ابنیاء علیہم السلام کے تبلائے اچھی طرح سے معلوم نہیں ہو سکتے کسلئے کہ عقل کے ساتھ ہمیشہ وہم معارض رہا کرتا ہے خصوصًا ان چیزوں کے ادراک میں کہ جہاں حواس خمسہ کام نہ آسکتے ہوں نہ فلسفہ و سائنس رہبری کرسکتا ہو جسنے محسوسات کے دائرہ سے ایک انچہ برابر بھی باہر قدم نہیں رکھا اور یہی وجہ ہے کہ بعض علوم و اعمال کو بعض بہتر اور دوسرے مضر اور غلط سمجھتے ہیں ہنود گوشت کہانے اور حیوانات کے ذبح کرنے کو سخت گناہ جانتے ہیں برخلاف انکے تمام بنی آدم اسکو برا نہیں جانتے - خلاصہ یہ کہ عقائد و اعمال کے نتائج کس پر کیا روحانی نتیجہ مرتب ہوتا ہے ایک ایسا امر ہے کہ جہاں صرف عقل کام نہیں کرسکتی بلکہ آمیزش وہم سے غلطی میں پڑ جاتی ہے - مثلاً ایک خدا کے تین حصہ سمجھنا اور گوشت و خون مسیح علیہ السلام کا سمجھکر روٹی کہانا - جسکو عشاء ربانی کہا جاتا ہے - پانی کے حوض میں اس نیت سے غوطہ لگانا کہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے - دفع امراض کے لیے گدہوں کو دانا کہلانا کہ اس سے انکے اولاد کو چیچک مضرت نہ پہونچائے گی - بتوں اور خیالی معبودوں کی نذر و نیاز کرنا انکو پکارنا - صدہا عملیات اور ٹوٹکوں کو اور نجومیوں کے فرمودہ صدقات عملیں لانا جیسا کہ بھینسا ذبح کرنا - ماش اور تیل خیرات کرنا - سونے کا پتلا بناکر نجومی و برہمن کو دینا چوراہے میں خشکہ اور دہی اور ہلدی کی گرہ ڈال کر رکھدینا وغیرہ ان سب خرافات کو دفع بلیات و حصول مقاصد کا ذریعہ جاننا ایک ایسا بیہودہ خیال ہے کہ جسکی نہ عقل راہبری

نہ نقل بلکہ بعینہٖ ایسا بے ربط ہے کہ جیسا کھانا کھائے کوئی اور موٹا ہو کوئی دوسرا یہی تو ہمارے مذاہب باطلہ پیدا ہونے کے اسباب ہوئے ہیں اور اسمیں انسان کی عمر گرانمایہ ضائع ہو کر بجائے ثمرات حسنہ پیدا ہونے کے برے نتائج پیدا ہونیکا قوی اندیشہ ہے جیسا کہ اس جہل مرکب کے بابت قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا[۱] اس لئے اوس رحیم و کریم نے اِس مشکل کشائی کے لیئے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے اور انپر کتابیں نازل فرمائیں جنمیں روحانی امراض کے مجرب نسخے اور عقائد و اعمال پر یقینی نتائج مذکور ہیں۔ اِس مشکل کا حال بجز الہام ربانی اور وحی انبیاء کے اور کسی دوسرے طریق سے ہو نہیں سکتا اِس لیئے اس رحیم نے روحانی حکماء حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے

(۵) روح کا اِس پیکر جسمانی کے ساتھ چندروزہ تعلق ہے۔ جسمانی قوی جو قدرت نے ودیعت رکھے تھے تحلیل ہوتے ہوتے آخر ایک روز یہ رشتہ تعلق منقطع ہوجاتا ہے اسکو موت طبعی کہتے ہیں۔ جس کے لیئے اطبار نے بلحاظ بلاد حارہ و باردہ مختلف تعداد قائم کی ہے۔ اس زمانہ میں اوسط عمر طبعی ساٹھ ستر برس کی ہے۔ اِس کے سوا بیرونی واقعات بھی پیش آجاتے ہیں امراض شدیدہ۔ قتل۔ وغیرہ انسے بھی وہ رشتہ منقطع ہوجاتا ہے اِس موت سے روح نہیں مرتی نہ اس کے ادراک و علوم زائل ہو جاتے ہیں۔ اب صرف یہ فرق ہو گیا کہ جو پہلے حواس سے ادراک جزئیات ولذائذ و الام حسیہ ہوتے تھے اب بغیر اسکے ہونے لگے پہلے وہ پیکر جسمانی کے سبب محسوس تھا اب اوس قالب سے باہر ہو جانے کے سبب غیر محسوس ہو گیا اور پہلے بھی محسوس صرف پیکر تھا مگر پیکر سے اسکا رشتہ اتحاد تھا جسلیئے اوسکا محسوس ہونا کہا جاتا تھا ورنہ جو یہ پہلے تھا وہی اب بھی ہے بلکہ اب

بعد الموت روح کا باقی رہنا اور اوس کا علم و ادراک اور اوس کی کیفیت

---

[۱] کہو تو تمکو ہم بتائیں کہ کون خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں؟ وہ کہ جن کی دنیاوی کوششیں بیکار گئیں اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں ۱۲ منہ۔

تکمیل ہو گئی اور یہی وہ حیات جاودانی ہے جسکے انبیا و اولیا اور ان سب میں حضرت خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم زیادہ تر زندہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ البتہ انکی موت سی حیات جسمانی نہیں رہی نہ اب انپر وہ جسمانی احکام مترتب ہوتے ہیں کیونکہ یہ خلاف مشاہدہ وخلاف آیت ہے انک میت وانہم میتون ہاں بعض افراد کا جسم عنصری لطافت کیطرف مستحیل ہو جاتا ہے وہ ویسے ہی زندہ رہتے ہیں مسیح والیاس وغیرہما۔

پاک ارواح کو مرنے سے پہلے اوس عالم نورانی کیطرف انجذاب ہونے لگتا ہے کیونکہ ہر شے اپنی اصل کیطرف میل رکھتی ہے۔ روح نورانی ہے اسلئے اسکا میلان بھی اسیطرف ہوتا ہے البتہ جنکی روح پر کثافت چھاگئی ہے وہ ان کو اسطرف مائل نہیں ہونے دیتی بلکہ عالم سفلی اور اس کے لذات کیطرف کھنچتی رہتی ہے۔ ارواح طیبہ کو کبھی وہ عالم قدس خواب میں کبھی مکاشفہ میں دکھایا جاتا ہے تب تو انپر اس قفس تن سے آزاد ہوکر اوڑ جانے کی بہت ہی بیقراری طاری ہو جاتی ہے۔ پھر دنیا اور اس کے لذات سے تعلقات بھی کم ہونے لگتے ہیں جسطرح نسیم سحر کیوقت مرغان چمن کے چہچہے سنکر انہیں میں کا وہ طائر جو قفس میں بند ہو کس حسرت سے کہتا ہے ؎

آواز من برسانید بمرغان چمن۔ کہ ہم آواز شما در قفسے افتادہ است

اسیطرح اسکا حال ہوتا ہے خصوص حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کا شوق تو حد سے گزر جاتا ہے۔ اسلئے وہ مرنے سے پہلے واقف بھی ہو جاتے ہیں اودہر عالم قدس کے لوگوں میں اشتیاق غالب آجاتا ہے وہ بھی ان کے منتظر رہا کرتے ہیں اور بوقت رحلت استقبال کے لیے بھی آتے ہیں۔ آنحضرت صلعم مہینوں پیشتر اپنی رحلت سے مطلع فرما چکے تے اور لوگوں سے رخصت ہوتے تہے اور وقت اخیر یہی کلمہ ورد زبان تہا اللہم الرفیق الاعلیٰ۔ کہ الہی جلد مجھے بارگاہ قدس میں پہونچا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جبکہ خواب میں حضرت یعقوب اور اسحاق اور ابراہیم علیہ السلام اور اپنی

والدہ کو دیکھا کہ ایک عمدہ اور روح کش مقام میں کرسیوں پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے ہیں تو اس عالم کے شوق میں بیدار ہو کر یہی دعا مانگی توفنی مسلما و الحقنی بالصلحین عموماً ایمانداروں کو بھی جن کی ارواح میں کچھ بھی لطافت ہوتی ہے چالیس برس کے بعد جبکہ قوی بہیمیہ کا زور ٹوٹنے پر آجاتا ہے تو اسی عالم کا شوق پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ یہ آیت اس حال کو بیان فرما رہی ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

عارفین بھی اپنے کلام میں اسی اشتیاق کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ ؎

توئی آں دست پرور مرغ گستاخ۔ کہ بود آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی۔ چو دو ناچند ایں ویرانہ گشتی۔
بیفشاں بال و پر ز آمیزش خاک بہ پر تا کنگرہ ایوانِ افلاک

برخلاف ناپاکوں کے کہ انکو اور بھی عالم سفلی و لذائذ خسیسہ کیطرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ انسان جب کسی کام کو بار بار کرتا اور راتدن اسیکا شغل رکھتا ہے تو اسکام کا

سلہ کہ الٰہی مجھے اپنی نیازمندی میں موت دیجئے اور ابرار سے ملا دے ۱۲ منہ

سلہ یہاں تک کہ جب مومن اپنی پوری قوت اور چالیس برس کو پہونچ جاتا ہے تو دعا کرتا ہے کہ اے رب مجھے اس بات کی توفیق دے کہ آپنے جو کچھ مجھ پر اور میرے ماں باپ پر عنایتیں کی ہیں میں انکا شکر ادا کروں اور یہ کہ وہ کام کرتا ہوں جو آپ کو پسند ہوں اور میری اولاد میں بھی صلاحیت دی (کہ اس سے ہمیشہ سلسلہ عبودیت قائم رہے) کیونکہ میں آپ کی طرف رجوع ہو گیا اور میں تیرے نیازمند بندوں میں سے ہوں۔ اسلام گردن نہادن اس سے مراد تابعداری ان احکام کی جو اسنے اپنے رسولوں کی معرفت بھیجے ہیں۔ مرتے وقت اسلام میں ہونے کی آرزو انبیاء کو بھی تھی اور یہی ایک عمدہ واسطہ بندہ اور اسکے خدا میں ہے۔ آمین ۱۲ منہ

وقت مرگ کا حال

اسمیں ایک ملکہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ شب و روز دنیا طلبی۔ رات دن لہو و لعب میں شغل۔ فسق و فجور۔ مکاری و عیاری میں انہماک۔ اسکے جوہر نورانی کو بالکل سیاہ کر دیتے ہیں۔ اس کی اور بھی حرص دنیا بڑھ جاتی ہے ع مرد چوں پیر شود حرص جواں میگردد۔ یہ مرنے کے نام سے بھی ڈرتا ہے۔ وہاں جانا ایسا برا سمجھتا ہے کہ جیسا کوئی ملزم عدالت میں جانا۔ اسلئے بوقت اخیر گروہ اول کا فرح و سرور اور گروہ ثانی کا رنج و غم جنت و دوزخ بنکر سامنے آتا ہے۔

(۴) بوقت مرگ ہر انسان کا معاملہ اسکی روح کی صفائی اور کدورت کے لحاظ سے جداگانہ پیش آتا ہے۔ جو مومن اور نیک ہیں۔ یعنے ان کی روح پر تاریکی بہیمیت غالب نہیں ملائکہ ان کی گرہ کھولنے کو آتے ہیں اس قفص عنصری سے نہایت آسانی کے ساتھ روح کا تعلق منقطع کر دیتے ہیں حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ جب حواس ظاہرہ پر پردہ پڑجاتا ہے اور یہ بیکار ہو جاتے ہیں توجسطرح خواب میں ایک دوسرا عالم منکشف ہو جاتا ہے۔ اسیطرح اب ایک دوسرا عالم نمایاں ہونے لگتا ہی حقیقت میں خواب دنیا سے آنکھہ کھل گئی۔ جہاں تک اسکی نگاہ کام کرتی ہے فرشتے اور روحانیات اس کے مرتبہ کے موافق جن سے اسکو اور اسکو انسے ارتباط تہا اس کے لینے کے لیے آئے بیٹھے دکہائی دیتے ہیں۔ ان کی وہ مانوس اور دل خوش کن صورتیں اور اس عالم کی بہار جو کچھہ اسکو مسرور کر رہی ہے اسکا بیان نہیں ہو سکتا۔ اب وہ اسکی روح کو نہایت لباس فاخرہ سے جسمیں نہایت خوشبو ہے عالم بالا کو لیجاتے ہیں۔ اسکے مرتبہ کے موافق اسکو خدا تعالےٰ کے دربار میں حضوری ہوتی ہے اور اس کو **علیین** میں رہنے کا حکم ہوتا ہے۔ وہاں اپنے اعزہ و احباب سے ملتا اور ہر طرح کی فرحت و سرور سے حیات جاودانی بسر کرتا ہے۔ اس حضوری کے بعد۔ اسکو ہر طرح کی آزادی ہے وہ اپنے جسم اور گھر والوں اور دوست احباب کو روتے غم کرتے دیکھتا ہے اور سب کو پہچانتا ہے۔ پھر اسکو اپنے جسم عنصری کے ساتھ بھی ایک قسم کا علاقہ قائم رہتا ہے

خواہ وہ جسم ہوا میں لٹکا دیا جائے یا دریا میں ڈبو دیا جائے یا جلا دیا جائے یا گڑھے میں دبا دیا جائے بہر حال اس تعلق کے سبب جسکو شرع نے وَيُعَادُ رُوْحُهُ فِي جَسَدِهِ سے اور کبھی يَقْعُدَانِهِ سے اور کبھی فیجلسانہ سے تعبیر کیا ہے یہاں کے ملائکہ بھی جو اسکے لیئے نعیم و راحت پہونچانے پر معین ہیں اس سے توحید و رسالت کی بابت سوال کرتے ہیں کسلئے کہ نجات کا زیادہ تر دار و مدار تکمیل قوت نظریہ ہے اور قوت نظریہ کی تکمیل کے لیئے اسیقدر کافی ہے آگے جو کچھہ اسنے ترقی کی ہر وہ اس کے رفع درجات کا باعث ہے جب یہ خدا کی توحید اور نبی آخر الزماں کی رسالت کا اقرار کرتا ہے تو اس اقرار کے بعد اسکو عالم علیین کے اندر جانے کی اجازت دیتے ہیں تب ہر قسم کے نعیم و ناز میں رہتا ہے۔ قیامت تک۔ یہ اس شہر قدس میں داخل ہونے کے لیئے ایک قاعدہ ہے جس سے بہت لوگ مستثنیٰ بھی ہیں مسلمانوں کی صغیر اولاد شہدار انبیا ر اولیار اور جو کافر و مشرک اور اسپر فاسق و فاجر بھی ہے تو اسکو مہیب ملائکہ اور اس کے بُرے اعمال متشکل ہوکر نظر آتے ہیں اور بہت سختی اور اہانت سے اسکی روح قبض کرکے اوپر لیجایا جاتے ہیں جسمیں سے بدبو آتی ہے لیکن اسکا وہ ثقل ہیولانی جو اس کے جوہر نورانی پر غالب آگیا ہے اسکو عالم بالا تک جانے نہیں دیتا جسکی طرف اِس آیت میں اشارہ ہے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۝ تب وہ عالم سفلی کیطرف پھینکدیجاتی ہے جسکی طرف اِس آیت میں اشارہ ہے وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ اب اوسی علاقہ مخصوص کے سبب عالم برزخ کے

لہ اِس کی روح اِس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ ۲ فرشتے اِسکو بٹھاتے ہیں ۳ کفار اور مشرکین کی روح کے لیئے آسمانوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے کہ وہ اوپر جائیں) اور نہ وہ جنت میں جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں گھس جائے ۱۲ ۴ اور جسنے شریک کیا اللہ کے ساتھ کسی اور کو گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ ۱۲ منہ

ملائکہ اس سے توحید و رسالت کی بابت پوچھتے ہیں اور یہ جواب نہیں دیتا یا غلط جواب
دیتا ہے تو اسکو ہر قسم کا عذاب قیامت تک دیا جاتا ہے۔ (یہ مضمون اکثر آحادیث میں
وارد ہے) اور جسجگہ یہ اشرار معذب ہوتے ہیں اسکو سجین کہتے ہیں۔ یہ انکا جیلخانہ ہے۔

سوال۔ یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ کسلیئے کہ قبر میں صدہا مردوں کی لاشیں دیکھی گئیں نہ ان کے
جسم میں انکی روح کا اعادہ کیا گیا وہ تو ویسے کے ویسے ہی بیحس اور بیجان مرے نظر آئے
نہ انکا وہ ثواب نظر آیا نہ وہ عذاب۔ کسیکو باغ و انہار ہر قسم کی راحت میں نہیں دیکھا گیا نہ اسکے
پاس حور و غلمان بیٹھے نظر آئے نہ انگور وغیرہ میوے دیکھے گئے۔ نہ کسی پر آتشیں گرز
پڑتے دیکھے نہ کسیکو آگ میں جلتے دیکھا نہ سانپ اور بچھو ڈستے دکھائی دیئے گئے
ایسی باتوں سے عرب کے پیغمبر نے اس ملک کے جاہلوں کو ڈرا اور رجھا کر مطیع کر لیا تھا +

جواب۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ روح محسوس نہیں نہ اسکے ثواب و عذاب محسوس ہیں پھر انکا نظر
نہ آنا کوئی تعجب خیز بات نہیں اور قبر سے مراد وہ عالم برزخی ہے اور اس گڑھے کو کہ جہاں
جسم پڑا ہوا ہے اوسی تعلق خاص کے سبب قبر کہا جاتا ہے ورنہ اسمیں روح بند ہے
نہ اسمیں ثواب و عذاب ہو رہا ہے۔ البتہ کبھی کبھی اس روحانیت کے ثواب و عذاب کا
اثر اس بدن[1] پر بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسکی بعینہ ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص خواب میں کوئی
رنج و راحت کے سامان دیکھے یا کہیں کی سیر کرے اور اسپر واقعات پیش آئیں اس کے
جسم پر دیکھنے والے کو انمیں سے کوئی بات بھی محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ تو وہیں پڑا ہوا
دکھائی دیتا ہے پھر کیا وہ دیکھنے والا اس کے خواب کے واقعات کو جو اس کی روح پر

---

[1] اسی لیئے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اکثر اولیاء کرام و بعض شہداء و صالحین کا جسم بھی یا ہی
سلامت رہتا ہے بغیر کسی حنوط اور مصالح لگانیکے سینکڑوں برسوں کے بعد انکی قبروں میں ویسی کی
ویسی لاشیں دکھائی دی ہیں۔ اور اسکا بارہا مشاہدہ ہوا ہے اور اسیطرح بعض اشقیاء کے بدن پر بھی
آثار عذاب دیکھے گئے ہیں۔ روح جو برسوں جسم میں رہی ہے اسکا اثر جسم تک پہونچ جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ۱۲

پیش آرہے ہیں جھٹلا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں - البتہ کبھی واقعات خواب کا جسم پر بھی اثر نمایاں ہوتا ہے - خواب میں کوئی چوٹ آئے تو بیدار ہونے کے بعد اعضار جسم میں درد محسوس ہوا ہے - یا خواب میں رونے کا اثر دکھائی دیا ہے کہ آنکھوں سے آنسو رواں پائے گئے ہیں - اسیطرح احتلام کا اثر ہے - ان حقائق کا انکار کرنا محض کوری اور سخت بے نصیبی ہے +

(۷) انبیائی سلسلہ کے لوگ بالاتفاق روح پر عذاب و ثواب ہونے کے قائل ہیں اور اسکے بھی کہ روح انسان کے مرنے کے بعد باقی رہتی ہے اور اسکو دنیا کے تمام واقعات یاد رہتے ہیں اور اپنے عزیزوں دوستوں سے محبت بھی باقی رہتی ہے اور پھر روح کسی دوسرے جسم عنصری میں جزا و سزا بھگتنے کے لیئے نہیں آتی جسکو تناسخ ہندی میں آواگون کہتے ہیں - قرآن فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ سورۂ بقرہ - رکوع ۱۷ + وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ سورۂ ال عمران رکوع ۱۶ - اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انکو مرا ہوا نہ سمجھنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس موجود ہیں انکو روزی دیجاتی ہے اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنی عنایت سے بخشا ہے اسمیں خوش و خرم رہتے ہیں - اور جو ان کے عزیز دوست ابھی مرکر انکے پاس نہیں پہونچے ہیں ان کی طرف سے بھی خوشی پاتی ہیں کہ انپر بھی کوئی خوف اور رنج نہیں - قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ سورۂ یسین رکوع ۱ - کہ جب عیسے کے رسولوں میں سے ایک کو لوگوں نے قتل کرڈالا تو اسکو حکم ہوا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ جنت میں

جاکر اسنے کہا کہ اے کاش میری قوم کو بھی یہ معلوم ہو جاتا کہ میرے رب نے مجھے بخشدیا اور مجھپر کیا کیا عنایت کی۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ سورہ لیسین رکوع ۱۔ کیا وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ اسنے پہلے ہمنے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا وہ پھر کر ان کے پاس نہیں آتے وہ تو سب کے سب ہمارے پاس حاضر کئے گئے ہیں +

ان آیات سے یہ باتیں ثابت ہوئیں (۱) یہ کہ مر کر انسان نیست نہیں ہو جاتا جیسا کہ اہل محسوسات (فلسفہ جدید) کہتے ہیں (۲) یہ کہ نیکوں کو ایک دوسرے عالم میں خدا کی طرف سے ہر قسم کی نعمتیں ملتی ہیں اور فرحت وسرور بے اندازہ نیں مسرور رہتے ہیں۔ (۳) یہ کہ انکو اپنے دنیاوی دوست اور عزیزوں سے علاقہ ہمدردی اور محبت باقی رہتا ہے جبپر انکو انکی طرف سے بھی بخشش وعنایت کا اطمینان دلایا جاتا ہے۔ (۴) مر کر دنیا میں پھر واپس نہیں آتے۔ وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ کر ان کے سامنے قیامت تک ایک پردا ہے جس سے وہ پھر کر دنیا میں نہیں آتے اور بھی آیات ہیں اور احادیث میں تو نہایت تشریح ہے **انجیل لوقا** کے سولھویں باب میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول منقول ہے +

"ایک دولتمند تہا جو مہین اور لال کپڑے پہنتا تہا اور ہر روز شان وشوکت سے عیش کرتا تہا۔ اور ایک دوسرا شخص بھی تہا جسکا لعزر نام تہا جس کے بدن میں ناسور تہے اور وہ اس کی ڈیوڑہی پر پڑا ہوا تہا جسکو آرزو رہتی تہی کہ اس کی میز کے گرے ہوئے ٹکڑوں سے اپنا پیٹ بہرے اور کتے آکر اس کے زخموں کو چاٹا کرتے تہے۔ اور ایسا ہوا کہ غریب لعزر مر گیا اور فرشتوں نے اسے لیجاکر ابراہیم[۱] کی گود میں رکہا اور پہر وہ

[۱] حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایمانداروں کے ساتھ علاقہ پدری ہے اسی لئے اوس عالم میں وہ ارواح مومنین کے مربی ہیں اسلئے مناسبت اور ارتباط قائم رکہنے کیلئے مسلمانوں کو درود نماز میں ابراہیم علیہ السلام پر بھی رحمت بھیجنے کا حکم ہے ۱۲ منہ

دولتمند بھی مرگیا اور گاڑ دیا گیا اس نے دوزخ کے اندر سے بڑے عذاب میں سے دور سے
آنکھ اوٹھا کر ابراہیم کو اور لعزر کو اُن کی گود میں دیکھا۔ تب اس نے پکار کر کہا کہ اے باپ
ابراہیم مجھپر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی اُنگلی کا سرا پانی میں تر کر کے میری زبان ٹھنڈی کرے
کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں تب ابراہیم نے فرمایا کہ تو دنیا میں اپنی زندگی کے
مزے لے چکا اور لعزر تکلیفیں پا چکا۔ سو اب وہ آرام پاتا اور تو تڑپتا ہے۔ اس کے
سوا ہمارے اور تمہارے درمیان ایک خندق حائل ہے جسکے سبب ادہر کے لوگ اودہر
اور اُدہر کے ادہر نہیں جاسکتے تب اسنے کہا کہ میں آپ کی منت کرتا ہوں کہ لعزر کو میرے
باپ کے گھر بھیجے کیونکہ میرے پانچ بھائی اور ہیں یہ جاکر انکو مطلع کرے ایسا نہو کہ وہ بھی
اسی عذاب کی جگہ میں آئیں ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ان کے پاس موسیٰ اور دوسرے نبی ہیں
چاہیئے کہ وہ ان کی سنیں اس نے کہا اے باپ ابراہیم اگر کوئی مردوں میں سے انکے
پاس جائیگا تو وہ ضرور توبہ کرینگے ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ جب وہ موسیٰ اور دیگر نبیوں کی
نہیں سنتے تو اگر مردوں میں سے بھی کوئی ان کے پاس جائیگا تو وہ کب مانیں گے +

اس قول سے بھی یہ چند باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) یہ کہ مرتے ہی قیامت سے پہلے
ہر شخص پر عذاب و ثواب عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ دولتمند کے مرنے سے قیامت
نہیں ہوگئی تھی بلکہ اس کے دنیا میں پانچ بھائی باقی تھے اور نیز مسیح علیہ السلام سے پہلے
کا واقعہ ہے اور اسیکو شریعت اسلام میں **عذاب و ثواب قبر** کہتے ہیں جسپر بعض ناواقف
مشنری بتقلید فلاسفہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ (۲) یہ کہ اب بھی دوزخ اور بہشت موجود
ہے۔ کیونکہ لعزر بہشت میں اور دولتمند دوزخ میں تھا۔ (۳) اوس عالم میں نعمت
و تکالیف جسمانی بھی ہیں گو یہ جسم عنصری نہو۔ کس لیے کہ لو اور پانی کا ذکر اس واقعہ میں ہے
اسیطرح اور اسباب نعیم و تکالیف بھی ہوں تو قرین قیاس ہے۔ اور نیز انجیل میں انگور کے
شیرہ پینے کا بھی ذکر ہے۔ پھر کیا صرف انگور کے شیرے ہی پر قناعت ہوگی۔ یہ وہ

دوزخ اور بہشت جسمانی ہے کہ جسپر ناواقف عیسائی اعتراض کیا کرتے ہیں۔ (۴) مرنے کے بعد اوس دولتمند کو اپنے بھائیوں کے ساتھ دردمندی تھی جس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور کا علم اور محبت باقی رہتی ہے (۵) اوس عالم سے پھر دنیا میں واپس نہیں آتا۔ ہاں معجزہ کے طور کبھی کبھی سابق جسم میں روح کا لوٹ آنا ثابت ہوا ہے سو یہ تناسخ نہیں کسلئے کہ تناسخ دوسرے قالب میں اعمال کی جزا و سزا پانے کے لیے آتا ہے +

یہود کا صرف فرقہ صدوقی اور فلسفہ جدید اور فرقہ دہریہ اور مادیہ وطبعیہ چونکہ غیر محسوس چیز کا وجود نہیں مانتے اپنے اس غلط قاعدہ کی پابندی سے مرنے کے بعد روح کے قائم رہنے اور اس کے ثواب و عقاب کا انکار کرتے ہیں جسپر بجز اس لغو دلیل کے کہ جو محسوس نہیں ہم اسکو نہیں مانتے اور کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ مگر اب بہت سے حکماء حال اس کے قائل ہوتے جا رہے ہیں۔ حکماء قدیم مرنے کے بعد روح کے قائم رہنے اور اسکو ثواب و عذاب ہونے کے قائل تھے مگر عمدہ علوم و معارف کی خوشی کو جنت اور بُرے علوم و ملکات رذیلہ پر افسوس کرنے کو جہنم کہتے تھے۔ دیگر نظار کے سبب سے کہ روح کو جوہر مجرد سمجھتے تھے قائل نہ تھے +

ہنود عموماً روح کے باقی رہنے کا تو اقرار کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنے گیان و کرم کا پھل پاتی ہے مگر اسی عالم حسی میں تناسخ کے طور پر۔ یعنے وہ روح اپنے پہلے گیان و کرم کے موافق کسی اور دوسرے جسم میں جاتی اور جنم لیتی اور جون بدلتی ہے برا انسان مر کر کتے سور کے جسم میں ظہور کرتا ہے یہاں تک کہ انسان بلکہ جملہ حیوانات بلکہ نباتات کے جون میں جاتی ہے۔ اب وہ جو گوشت نہیں کھاتے اور ذبح حیوانات کو بڑا گناہ سمجھتے ہیں یہ تو بتائیں کہ جب نباتات بھی وہی انسان ہیں تو پھر انکا کھانا کیا انسان کا کھانا نہیں؟ اور ان کا توڑنا کاٹنا ذبح حیوانات نہیں تو پھر کیا ہے؟

گیان علم کرم عمل ۱۲ منہ

اگر سب نہیں تو بعض کی تمکو کیا تمیز ہے +

(مسئلہ تناسخ)

نہ کسی دلیل و برہان عقلی سے ثابت ہے نہ کسی الہامی دلیل سے۔ محض ہنڈونکا ایک خیالِ فاسد ہے۔ جسکی تقلیداً پیروی کرتے چلے آتے ہیں۔ بلکہ اس کے بطلان پر یہ دلائل ہیں +

دلیل اول۔ جب یہ ثابت ہوچکا کہ تمام عالم خواہ مادہ خواہ مادیات خواہ ملائکہ خواہ ارواح سب حادث ہیں وصف قدم میں اس کے ساتہ کسیکو بہی شرکت نہیں۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب اول بار روح کا جسم کے ساتہ تعلق ہے اور انسان بنکر عالم شہود میں آیا تو رنج و راحت جو کچھ گزر رہا ہے یا جو کچھہ اسکو عمدہ صورت اور دولت و ثروت ملی ہے یہ کس عمل اور سابق علم کا ثمرہ ہے؟ کہنا پڑیگا کہ کسیکا بہی نہیں کسلئے کہ اس سے پہلے اسنے نہ کوئی عمل کیا تہا نہ کوئی معرفت حاصل کی تہی۔ اور اگر ہم تہوڑی دیر کے لئے یہ بہی تسلیم کرلیں کہ ارواح قدیم ہیں جیسا کہ ہنود کا خیال بلا دلیل ہے تو مرکبات کے حادث ہونے میں تو کلام ہی نہیں انسان یعنے اوسکا یہ پیکر اور اس کے ساتہ تعلق روحانی ضرور حادث ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اگلے جنم کے اعمال و معرفت کا نتیجہ نہیں پس ثابت ہوا کہ تناسخ جسکو اعمال و معرفت سابقہ کا نتیجہ ثابت کرنے کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ باطل ہے +

دلیل دوئم۔ دنیا کو دار العمل ہندو بہی مانتے ہیں اسیلئے آریہ ہندو اور قوموں کو اپنے مذہب میں ملاتے اور وید و نپر عمل کرنے سے مکش (نجات) حاصل ہونا فرماتے ہیں

ف آریہ ہندو کہتے ہیں کہ ابتدار آفرنیش میں چار وید چار رشیو نپر الہام ہوئے تہے وہ بتلائیں کہ ان کی کیا خصوصیت تہی اور ان کے کونسے عمل سابق کا نتیجہ تہا ۱۲ منہ

نیک کاموں کا (وہ جو کچھ بھی اِن کے نزدیک ہوں) حکم دیتے ہیں اور انسان کو اپنے افعال کا فاعل مختار بھی سمجھتے ہیں۔ پھر اگر دار العمل ہی جزا و سزا کا مقام ہو جائے تو وہ دار العمل نہ رہے کیونکہ سزا میں گرفتار ہو کر اسکو نیک کاموں کی فرصت ہی کہاں ہو گی اور عیش و آرام شراب و کباب جو اس عالم کی بہشت ہے اس کے مزے سے وہ کیونکر باز رہیگا اور کیوں رہے؟۔ اور بندہ جب اپنے اعمال میں مختار ہے تو کیا وجہ ہے کہ اسکو اِس عالم میں اِن کی کچھ بھی سزا و جزا نہ ملے۔ حالانکہ ملتی ہے زہر کھانے سے مرتا ہے تریاق سے فائدہ اٹھاتا ہے چوری۔ قتل کی سزا پاتا ہے تجارت میں نفع اٹھاتا ہے زمین کاشت کر کے پھل کھاتا ہے پھر ان نتائج کو اعمال سابقہ کی جزا و سزا کہنا خلاف مشاہدہ اور بدیہی البطلان ہے پس یہ کہنا کہ جو کچھ اسپر دکھ مکھ ہے وہ اگلے جنم کا اثر ہے غلط ثابت ہو گیا۔

تیسری دلیل۔ ہنود خدا کو رحیم و کریم بھی کہتے ہیں۔ دیالو لقب سے ملقب کرتے ہیں پھر انسان پر جو کچھ رنج و راحت گزر رہا ہے اور جو کچھ اسکو کمال و خوبی ہے اگر وہ اس کے اعمال سابقہ کا ہی نتیجہ ہے تو خدا کا کیا احسان بندہ پر ہوا۔ اول تو اُس نے اِن کے اعتقاد کے موافق اسکی روح کو پیدا ہی نہیں کیا۔ کیونکہ ایسا کہیں تو روح حادث ہو جائے پھر جو کچھ اس کے پاس نعمت ہے وہ بھی اِس کی نہو تو اس کی دیا اور کرپا کیا ہے؟ اور نیز رحمت کا مقتضے یہ ہے کہ بندہ اگر اپنے اعمال بُرے سے نادم اور تائب ہو تو اِس دار العمل میں وہ رحیم و کریم معاف بھی کر دے۔ اس صورت میں وہ معاف ہی نہیں کر سکتا۔ اب نہیں معلوم کہ وہ فرضی خدا کس مرض کی دوا ہے نہ کچھ دیسکتا ہے نہ لے سکتا ہے نہ کوئی مصیبت دور کر سکتا ہے نہ توبہ سے کچھ کام چل سکتا ہے پھر کوئی انسان جو طرح طرح کی تکلیف میں مبتلا ہے اور دار العمل میں رات دن دعائیں مانگتا ہے مگر الیشر مہاراج کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

پھر یہ معلوم کہ یہ ہنود و مسلمانوں اور عیسائیوں کے اس اعتقاد پر کہ یہ لوگ جہنم میں

تیسری دلیل ابطال تناسخ

جلیں گے چلائیں گے مگر نجات نہ پائیں گے کس بنیاد پر اعتراض کیا کرتے ہیں
حالانکہ وہ عالم دار الجزا رہے دار العمل نہیں +

چوتھی دلیل جب دنیا دار العمل بھی ہے تو اسکو جو کچھ جزا و سزا ہوا اسکا علم بھی ہونا چاہیئے کہ یہ فلاں جنم کے فلاں کاموں کا برا یا بھلا نتیجہ ہے تاکہ آیندہ برے کاموں سے اجتناب بھلے کاموں کی کوشش کرے۔ حالانکہ اسکو یہ بھی یاد نہیں کہ میرا پہلے کس جنس یا نوع میں جنم تھا اور میں کسکے گھر کس شہر میں پیدا ہوا تھا۔

پانچویں دلیل آریہ ہندوؤں کا سرگ ایک خرابات اور چکلہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کسلیئے کہ جو فواحش اور بدکار مالدار ہر قسم کے خرافات میں مصروف رہکر مزے اوڑا رہے ہیں وہ اگلے جنم کا ثمرہ ہے اور ان کے عمدہ کرموں کا پہل اور بہی اسکی اس عالم میں بہشت ہے۔ اسکو نظر انداز کر کے اہل اسلام کی جسمانی بہشت پر قہقہہ اڑانا کار خردمندانہ نہیں ہے +

چھٹی دلیل تناسخ کا مسئلہ انسان کی روحانی سعادت کا مانع ہے۔ کس لئے کہ انسانی سعادت کے لئے جزو اعظم معرفت (گیان) ہے سو وہ تو ایک جنم میں اسنے جہاں تک حاصل کیا تہا دوسرے جنم میں آکر بالکل زائل کر دیا۔ کیونکہ جب اگلا جنم ہی سرے سے یاد نہیں تو اس جنم کے علوم و معارف کیا خاک یاد رہیں گے اب اس جنم میں آکر ان علوم و معارف کا نتیجہ اور اس جپ تپ کا ثمرہ اسکو سلطنت۔ دولت عیش و عشرت ملی جسنے اسکو لذات حسیہ اور شہوت پرستی میں مبتلا کر کے حیوانوں سے بھی بدتر کر دیا۔ تو اگلے جنم میں اس جنت کے بدلا اسکو ضرور جہنم ملے گی ترقی کے بعد تنزل قضیہ معکوس ہے اور بھی بہت سے دلائل ہیں +

(۸) ارواح کے حالات بھی جداگانہ ہیں۔ بعض کو مرنے کے بعد عالم سفلی کیطرف سے بے التفاتی ہوتی ہے۔ وہ عالم روحانی ہی میں مسرور و مشغول رہتی ہیں اور بعض کو

چوتھی دلیل

پانچویں دلیل

چھٹی دلیل

ارواح کا حال

اِس عالم کیطرف بھی التفات رہتا ہے۔ پھر اِس التفات اور بے التفاتی کے درجات مختلفہ ہیں۔ کبھی بہت زیادہ یہاں تک کہ اپنے دنیاوی معاملات کا حال تبادینا علوم و معارف تعلیم کرنا۔ آنے والے حوادث اور ان کی تدابیر تبادینا۔ کبھی خواب میں اور کبھی دیکھنے والے کے مراقبہ میں۔ کبھی مجسم دکھلائی دیکر۔ مگر یہ بہت کم ہوتا ہے۔ اس کے لیئے دعا کرنا۔ اس کے غم والم سے مغموم ہونا اس التفات کی دلیل ہے سلف صالحین ؒ شہیدونکی بابت اِس قسم کے بہت سے واقعات بیان کیئے ہیں۔ عیسائی بالاتفاق مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام حواریوں اور اپنی والدہ ماجدہ کو عیاناً دکھائی دیئے۔ اور ان سے باتیں بھی کیں۔ جیسا کہ اناجیل موجودہ میں مصرح ہے +

اسیطرح ارواح خبیثہ جو عالم سفلی میں معذب ہوتی ہیں اور بقدر جرائم انکا عذاب بھی مختلف ہوتا ہے۔ کبھی لوگوں کو دکھائی دے جاتی ہیں۔ چنانچہ بعض آثار صحیحہ سے ثابت ہوا ہے کہ بدر کے مقتول کفار کو بعض نے مبتلا ر عذاب دیکھا ہے کبھی شیاطین بھی لوگوں پر مسلط ہو جاتے اور بزرگوں کے نام سے شرک تعلیم کرتے ہیں۔ جہال قوموں میں اسکا بہت کچھ نمونہ پایا جاتا ہے اور انکی صحبت سے جاہل مسلمانوں پر بھی اثر پڑ گیا ہے چنانچہ کہیں سید کے طاق پر سہرا اٹکا ہوا ہے۔ جمعرات کو چراغ روشن کیا کرتے ہیں اور اوس سے مرادیں مانگا کرتے ہیں۔ کہیں کسی قبر پر سیکڑوں پرستش کے سامان موجود ہیں۔ اِن کے لیئے نذریں نیازیں ادا کیجاتی ہیں۔ انسے مرادیں مانگی جاتی ہیں +

اور کبھی یہ تعلق رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے جبکہ اوس عالم کی طرف توجہ بڑھتی جاتی ہے۔ یہ ایک عجیب سرالہی ہے۔ اہل صفا نور باطن کے سبب ارواح سے ملتے اور اونسے فیض بھی پاتے ہیں۔ پھر ارواح بھی آپسمیں ملتی ہیں۔ ان کے لیئے جہاں تک نظر کام کرے پر بہار باغ اور انمیں وہ وہ مکانات اور وہ وہ سامان ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسیکے دلمیں انکا خطرہ گزرا ہے اور وہاں اپنے اپنے

درجات کے موافق ارواح میں بھی قابل تعظیم و احترام ہوتے ہیں۔ گناہگار اور کفار بہت تنگ و تاریک مکانوں میں مقید ہوتے ہیں۔ پیاس لو۔ عذاب جہنم سب کچھ ان کے لیئے ہوتا ہے +

(۹) دار الجزار کامل تو عالم آخرت ہے۔ وہاں عمل کا نام و نشان بھی نہیں دنیا دار العمل ہے لیکن کبھی کسیقدر دنیا میں بھی انسانی اعمال کی جزا و سزا ملتی ہے جیساکہ قرآن مجید کی اکثر آیات اور احادیث صحیحہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ولقد اٰتینٰہ اجرہٗ[ل۱] فِی الدُّنیَا وَاِنَّہٗ فِی الاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ مگر یہ سمجھنا کہ کافر پر جو کچھ دنیا میں مصیبت آتی ہے وہی دوسرے عالم کے لیئے کافی ہے غلط بات ہے۔ کیونکہ یہ اسکی سزا اخروی کا ایک حصہ ہے۔ ہاں ابرار پر جو ان کی لغزش و بشریت کے سبب مصائب آتے ہیں البتہ وہ ان کے لیئے کفارات اور انپر صبر اور رضا بخدا کے سبب رفع درجات کے اسباب ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ نیک دنیا کے عیش و نشاط اور اسباب غفلت سے روکے جاتے ہیں جیساکہ حکیم مشفق مریض کو بدپرہیزی سے روکتا ہے۔ اسکو اعمال کی سزا اور خدا کا قہر سمجھنا ویسا ہی ہے کہ جیسا ناوان بچہ یا بیمار ماں باپ اور حکیم کی احتیاط کو قہر سمجھتے ہیں +

عالم برزخ

مرنے کے بعد سے جزار کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے مگر وہ زمانہ دنیا اور عالم آخرت کے بین بین ہے اور اسیلئے اوسکو **عالم برزخ** کہتے ہیں۔ وہاں کچھ اس عالم کی بھی رنگت باقی رہتی ہے۔ جیساکہ چولھے پر سے اترنے کے بعد بھی دیر تک ہنڈیا میں چولھے کی آگ کا اثر باقی رہتا ہے۔ اسیلئے اس عالم میں بندہ جن جن عبادات و ریاضات کا جن جن اوقات میں کاربند تھا وہاں اسکا نہ بطور تکلیف بلکہ بطور لذت

ل۱ اور البتہ ہم نے ابراہیم کا اجر دنیا میں بھی دیا اور وہ آخرت میں بھی بہت ہی عمدہ لوگوں میں سے ہونگے ۱۲ منہ سورہ عنکبوت آیت ۲۷

وسرور کے ظہور ہوتا ہے۔ اسیلئے ارواح طیبات حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کو نماز پڑھتے اور تسبیح وتہلیل کرتے دیکھا گیا ہے حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں رئیت موسیٰ وہو یُصلّی کہ میں نے موسیٰ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ مشاہدہ دیدار اور اسکی تسبیح وتقدیس کا ملکہ ان کے ساتھ جاتا اور وہاں ان کی ازدیاد فرحت وسرور کا باعث ہوتا ہے اسیلئے دنیا کے حسنات باقیہ جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ان کی طرف سے جو صدقات ومبرات کیئے جاتے ہیں وہ بھی ان کے سلسلہ اعمال میں منسلک ہوتے ہیں۔ روح کے متعلق اوہام عوام نے صدہا بیہودہ خیالات بھی پیدا کر لیئے ہیں اور پھر بے احتیاط رواۃ نے ان کو پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ و اہل بیت کیطرف منسوب بھی کر دیا ہے جنپر بہت سے سادہ لوح لوگوں نے اعتماد کر رکھا ہے اور اپنے توہمات کو عبادت اور باعث فلاح دارین[1] سمجھ رکھا ہے ؛

فائدہ

قرآن وآحادیث صحیحہ میں روح کے حالات بکثرت بیان ہیں پھر ایک کوڑ مغز یہودی کے

---

[1] مثلاً یہ کہ شہدار کربلا اور علم برادر عباس کے لیے خولبصورت عورتیں تیار رکھتے ہیں کہ وہ اسسے اگر متمتع ہوتے ہیں۔ یا جو کچھ دنیا میں میت کو جسمانی لذائذ میں سے مرغوب تہا وہ حاضر کیا جاتا ہے کہ یہ بجنسہ میت کے پاس کلام کے زور سے پہونچ جاتا ہے کہیں قبر کے سامنے حقہ بھر کر دھرا جاتا ہے جس سے میت کو رغبت تھی گویا میت اِس قبر کے گڑھے میں بندہے وہ نکلکر حقہ پینے آتی ہے۔ یا اسکی قبر کے سامنے راگ گاتے باجے بجاتے رنڈیاں نچاتے ہیں گویا میت قبر میں بندہے اور اب بھی وہ دنیاوی اشیاء سے اسیطرح متمتع ہوتی ہے۔ بعض جمعرات کے روز کھیر وغیرہ اشیاء مردوں کیلئے پکا کر رکھتے ہیں اور کسی محسن نے کہا ہے کہ جمعرات اور شب برات کو گھروں میں مردے آتے ہیں اور شاکر دروازے کے کسی کونے میں کھڑے ہوجاتے ہیں کہ دیکھیے ہمارے گھروالے ہمیں کیا دیتے ہیں اور اسیلئے شب برات میں آتشبازیاں چھوڑتے ہیں کہ مردے بھاگ جائیں اور صدہا خرافات ہیں جنکو جہال نے مذہب بنا رکھا ہے اور یہ انہوں نے یہودیوں مجوسیوں عیسائیوں اور ہندوستان میں آکر بہت کچھ ہندوؤں سے سیکھا ہے ۱۲ منہ

سوال پر جو کیت کاٹتے کاٹتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر امتحان کے طور پر روح کی حقیقت سے سوال کرنے کھڑا ہو گیا تھا اس آیت کا نازل ہونا[۵] قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ قرآن نے روح کے بیان سے انکار کیا۔ اور جسنے ایسا سمجھا اسنے قرآن نہیں دیکھا جسمیں روح کے متعلق کہاں تک بیان ہے جیسا کہ ہم بحوالہ آیات ذکر کرتے آئے ہیں۔

فصل ۹

قیامت اور عالم آخرت

قیامت اور عالم آخرت

جنت اور دوزخ جس کا ذکر کتب انبیاء علیہم السلام میں ہے جسکی حضرات انبیاء علیہم السلام بشارت دیتے اور جس جہنم سے ڈراتے آئے ہیں۔ اور قرآن اور احادیث میں ان کے بہت حالات و کیفیات مذکور ہیں وہ بھی اس عالم محسوس سے باہر ہیں جیسا کہ ارواح و ملائکہ وغیرہ بیشمار مخلوق الٰہی عالم حسی سے باہر ہے۔

اس لئے اس عالم حسی میں اسکا تلاش کرنا اور اس آسمان و زمین کے تنگ میدان میں خیال کرنا بہت تنگ خیالی ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کی وسعت سے زیادہ تو اسکا عرض ہے پھر طول کا کیا ٹھکانا ہے۔ اور جب وہ عالم محسوس میں نہیں تو حواس سے محسوس نہونا بھی کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اور جب عالم محسوس کا محیط آسمان ہیں تو لامحالہ وہ ان کے باہر ہے اسلئے جنت کو آسمانوں کے اوپر یعنی بالا اور بیروں کہنا ایک ٹھیک پتا بتا دینا ہے اور جب وہ محسوسات میں سے نہیں تو وہاں کی جسقدر چیزیں ہیں نہریں۔ باغ۔ میوے۔ وہاں کے حور و غلمان وہاں کے سونے چاندی کے مکان۔

[۵] کہدو کہ روح میرے ربکے حکم سے ہے یعنے مخلوق و حادث ہے اور تمکو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے تم اپنے خیال سے جو اسکی نسبت بیان کرتے ہو وہ قابل اطمینان نہیں۔ ۱۲ منہ بنی اسرائیل[۱۱] آیت[۸۵] پارہ[۱۵]

اِن کے یاقوت و الماس اور موتی کے قبہ وہاں کے جڑاو تخت وہاں کی مخمل و دیبا وہ اگو
دراز سایوں کے درخت جو بلوری نہروں پر دو رویہ ایستادہ ہیں جنمیں رنگ برنگ کے
پھل اور پھول اور جنمیں انواع و اقسام کے طیور نغمہ سنج ہیں۔ جہاں اوپرے پانی کی
چادریں اور آبشاریں کیا کیا بہاریں دکھا رہی ہیں۔ جہاں سینکڑوں کوس تک لالہ زار ہے
جہاں کبھی خزاں ہو کر ہی نہیں گزری جہاں جوانی کے بعد بوڑھاپا نہیں جہاں حیات کے
بعد موت و امراض نہیں جہاں کوئی غم و حزن جنت کی دیواروں کے پاس سے بھی ہو کر
نہیں گزرا ہے۔ جہاں ستر سرحن ہے وہ سب چیزیں اجسام عنصری کی نہیں نہ اس مادے
سے بنی ہیں۔ اسلئے وہ تکدر و زوال سے پاک ہیں یہاں کی چیزوں پر اِن کا قیاس مع
الفارق ہے۔ اسیلئے اِن کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ اِن محسوسات کے ادراک کرنے
والے آلات آنکھوں اور کانوں نے انکو نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ نہ وہ خیالات حسیہ میں
آ سکتے ہیں جہاں کہ محسوسات ہی کا گزر ہوتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ
اَعْیُنٍ۔ جَزَاءً بِمَا كَانُوا یَعْمَلُوْنَ سورۂ سجدہ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالے
فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ جنکو نہ کسی
آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے نہ کسیکے خیال میں گزری ہیں +

اسیطرح جہنم بھی عالم حسی کی چیز نہیں وہاں کی وہ آگ جسکی نسبت آیا ہے نَارُ اللّٰهِ
الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ۔ کہ وہ خدا کی جلائی ہوئی آگ ہے جو دلوں کو
جھانکتی ہے۔ نہ صرف تن سوز بلکہ دلسوز بھی ہے وہاں کے تنگ و تاریک پر آتش
نہایت عمیق گڑھے جنکا اوپرے مونہہ بند اور تنگ ہے اور نیچے سے وہ گہرائی
اور اسمیں وہ آگ اور دھواں اور زہردار چیزیں اور سانپ اور بچھو ہیں کہ جن کے
تصور سے دل گھٹ جائے خیال کرنے سے لرزہ آجائے وہ بھی سب غیر حسی
ہیں اسلئے دیرپا اور قوی ہیں +

وہاں کے کیفیات کو شرع نے بندوں کی نجات و استعداد فہم کے موافق بیان فرمایا ہے۔ گویا وہ اس حقیقت مستورہ کے لئے استعارات ہیں ٭

اس عالم غیر محسوس اور وہاں کی نعماء کے سمجھانے کے لئے خواب کی نظیر کافی ہے خواب میں جہاں کہ یہ آنکھیں اور کان بند ہوتے ہیں ہم بڑے بڑے وسیع میدان اور انمیں باغ وانہار حسین عورتیں عمدہ اسباب عیش دیکھتے ہیں کھاتے پیتے عورتوں سے دل خوش کرتے گھوڑوں پر چڑھتے عمدہ لباس پہنتے ہیں۔ پھر جب تک خواب سے بیدار نہیں ہوتے اسوقت تک اس عالم اور وہاں کی بہار کو یا برعکس وہاں کی تکلیف کو اصلی اور حقیقت واقعیہ ہی سمجھتے ہیں اگر ہزاروں برس تک فرضاً اسی حال میں رہتے تو کبھی بھی انکو خواب وخیال نہ کہتے بلکہ وہاں تو عالم بیداری خواب وخیال ہے۔ خواب وخیال تو اب بیدار ہوکر کہنے لگے۔ اب دیکھو جو کچھ وہ عالم اور وہاں کے عیش تھے وہ کس نے دیکھے تھے روح نے۔ جو اس عالم میں مجسم ظاہر ہوکر سب قسم کے لذائذ سے مستفید ہوئی مگر نہ اس جسم اور نہ ان اعضا و نہ ان حواس سے۔ اور یہ بھی دیکھو کہ وہ عالم اس عالم سے غیر ہے۔ اس عالم میں خواہ مشرق کیطرف یا مغرب کی طرف یا اوپر یا نیچے کہیں تک ڈھونڈتے چلے جاؤ اوس عالم کا نام ونشان بھی نہ پاؤ گے اسپر جنت ودوزخ اور عالم غیر محسوس کو قیاس کر لیجئے پھر جسطرح رات کو یکے بعد دیگر سو جاتے ہیں اسیطرح یکے بعد دیگر اقران واحباب واعزہ سب خواب عدم کی نیند سوتے جاتے ہیں جسطرح نصف شب کے بعد سناٹا ہوتا ہے کیونکہ اپنے مال کی خبر نہ زن وفرزند کا ہوش ایسکے قریب قریب موت کے حال ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کیونکر مر جائیں گے اور کیا بات پیدا ہو جائے گی وہ خواب کو خیال کرلیں ان دونوں حالتوں میں ایک بڑی مشابہت ہے اسلئے خواب پر موت کا اور موت پر خواب کا اطلاق ہوا ہے ارا نجملہ مَنْ بعثنا من مرقدنا ہٰ

یہاں موت پر خواب کا اطلاق ہے۔ الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور
یہ دعا حدیث میں وارد ہے جو بیداری کے بعد پڑھی جاتی ہے اسمیں کہا گیا کہ سب تعریف
اس ذات کو ہے کہ جسنے موت کے بعد ہمکو زندہ کردیا۔ اور اسی کی طرف پھر کر جمع ہونا ہی
یہاں خواب پر موت کا اطلاق ہوا ہے *

ہر انسان اپنے اعمال و عقائد کے موافق جنت یا دوزخ میں مرنے کے بعد جاتا ہی
پھر جنت اور دوزخ عذاب و ثواب کے بھی درجات مختلف ہیں اور سزائیں اور جزائیں
بھی مختلف ہیں۔ نیک ارواح بھی جنپر قدرے قلیل آثار عالم حسی باقی رہتے ہیں تھوڑے
دنوں تک جنت کے تحتانی درجوں میں رہتے ہیں پھر جب یہ آثار زائل ہوتے جاتے
ہیں تو درجات عالیہ میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور جن پر کچھ بھی آثار باقی نہیں رہتے
جیساکہ شہدار و اولیاء و انبیاء علیہم السلام ہیں وہ اول ہی سے درجات عالیہ میں
پہونچتے ہیں *

مجرموں کی سزاؤں کے بھی مختلف طریق ہیں۔ جنکی قوت نظریہ تکمیل کو پہونچ گئی
ہے جو ایمان سے تعبیر کیجاتی ہے وہ ہمیشہ سے جہنم سے آزاد ہیں۔ ہاں قصور عمل کی
سزا موافق جرم ملتی ہے اگر دنیا میں توبہ استغفار نہیں کیا ہے۔ پھر بعض پر دنیا کے
مصائب یہاں تک کہ مرض الموت کے شدائد کفارہ ہوجاتے ہیں وہ دنیا سے پاک
صاف جاتا ہے اور بعض جبقدر کثافت لگا لیگئے ہیں آتش جہنم کے جلائے جانے کے
بعد پاک ہوکر پھر جنت میں جاتے ہیں۔ اور کبھی رحمت الٰہی ظہور کرتی ہے۔ تو دنیا
کے لوگوں کی دعا و صدقات سے یا روحانی بزرگوں کی شفاعت اور ان سے محبت
و ارتباط کے سبب معاف کیئے جاتے ہیں۔ اور کبھی بغیر ان وسائل کے رحمت کا ظہور
ہوتا ہے اور جنکی قوت نظریہ خراب ہوگئی ہے اور وہ **کافر مشرک۔ منافق**۔ ہے
تو یہ ہمیشہ کے لیئے جہنم میں جلتے ہیں کیسلئے کہ قوت نظریہ کبھی حال میں بھی ساتھ نہیں

چھوڑتی۔ عمل جدا ہوجاتا ہے۔ مگر علم جدا نہیں ہوتا۔

پھر **جنت** کے نعیم اور دوزخ کے عذاب۔ عام ہے کہ عالم برزخی میں ہوں یا عالم حشر میں بندوں کے عنایتہ واعمال ہی ہوتے ہیں جو اپنے مناسب صور واشکال میں پیش آتے ہیں۔ اس کے معارف الہیہ اور اس کے اعمال صالحہ انہار واثمار وحسین رفیق کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس کی ناجائز آتش شہوت۔ اس کے جسد کی دلپر دہکتی ہوئی آگ اس کا ظلم وستم اسکا بخل۔ سنگدلی۔ آتش جہنم۔ سانپ بچھو۔ تنگ وتاریک مکان کی صورت میں پیش آتے ہیں ؁

اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں رات دن عالم غیر محسوس کی اشیار عالم محسوس میں بشکل وصورت خاص ظہور کرتے ہیں۔ اعمال بد۔ دشمن۔ قحط۔ وبار۔ افلاس۔ مرض۔ بصورت ذلت دنیا میں پیش آتے ہیں عمدہ اعمال برکت۔ عزت عافیت کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور یہ کل جواہر واعراض اس عالم حسی کے اوسی عالم ملکوت سے جامہ اشکال وصور پہنکر نمودار ہوتے ہیں اور پھر یہ جسمانی چہلکا اُتار کر وہیں چلے جاتے ہیں۔ **قیامت** بھی اس تمام عالم حسی کی فنار کلی کا نام ہے۔ جسکا وقت اسی خدائے علیم کو معلوم ہے۔ اسکے اول آثار نمودار ہونگے جنکی مخبر صادق نے خبر دی ہے پھر نفخ صور سے اسکی ابتداء ہوگی نیرات کا تصادم ہوگا زلازل سے دریا اور پہاڑ چورا چورا اور درہم برہم ہوجائینگے نہ یہ آسمان وزمین باقی رہیں گے نہ اس عالم حسی کی کوئی چیز باقی رہے گی۔ پھر یہ سب ایک دوسرے لطیف وجود میں ظہور کریں گے اور اسکو **عالم حشر** کہتے ہیں۔ ہر انسان وحیوان اپنے سابق پیکر جسمانی سے وابستہ ہوگا مگر وہ جسم یہ عنصری جسم نہوگا۔ بلکہ اسکا مغز۔ واصل حقیقت۔ اسروز نئے آسمان نئی زمین قائم ہوگی عدالت کا تخت قائم ہوگا۔ اعمال ومعارف کا موازنہ کرکے بندوں کو دکھایا جائیگا جسکو **میزان** سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہر ایک اپنے اعمال ومعارف کے

موافق جنت یا دوزخ میں جائیگا شافع محشر شفاعت کرینگے - انکی یہ شفاعت بھی اسکی رحمت کا ظہور ہوگا + ان سب باتوں کا قرآن میں بکثرت ذکر موجود ہے نظائر میں آیات نقل کرنیکی کوئی ضرورت نہیں احادیث میں بھی تفصیل آئی ہے

یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہی موجود اور وجود حقیقی ہے - اسیکے وجود کا دریا موجیں مارتے ہوئے مخلوق کو آخر حد عالم حسی تک لاتا ہے پھر رفتہ رفتہ ایک روز یکبار گی وہ موج اسی طرف رجوع کرتی آئی ہے اور کرے گی سب کو سمیٹ کر پھر او وہی عالم ملکوت کی طرف لیجاتی ہے اور لیجائے گی - اس بحر وجود کا تماشہ وہی دیکھ سکتا ہے کہ جسکو خدا نے چشم باطن عطا کی ہے منہ الابتدار والیہ الانتہی - اور کُلٌّ اِلَیۡنَا رٰجِعُوۡنَ - آیت کے یہی معنی ہیں +

عالم برزخ

عالم برزخ اوس عالم کا ابتدائی درجہ ہے جسطرح عالم حسی سے لوٹ کر جانے کی بھی یہی منزل ہے اسی طرح عالم حسی میں عالم غیب سے آنے والوں کے لیئے بھی وہی منزل ہے - وہاں آنے کے بعد پھر عالم حسی میں ظہور ہوتا ہے - اسی لیئے جن کی روحانیت مصفا ہے - انکو وہ حوادث جو ابھی عالم ملکوت کی منزل میں مقیم ہیں عالم حسی یا عالم ناسوت میں آنے سے پہلے معلوم ہو جایا کرتے ہیں حضرات انبیار علیہم السلام کی پیشین گوئیاں اسی معائنہ غیبی پر مبنی ہیں وہ خدائے علیم و خبیر انکو پہلے سے مطلع کر دیتا ہے - لیکن یہ معائنہ ہر وقت ان کے قابو میں نہیں کیونکہ وہ بھی پیکر انسانی میں ہیں جس کا پردہ ظلمت ادراک روحانی کو مانع آتا ہے - اسی راز کو حکیم سعدی شیرازی نے اس شعر میں نظم کیا ہے

گہے بر طارم اعلے نشینم　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

انسانی نجات

(انسانی نجات)

دراصل اسکی صفائی روح کے موافق حق سبحانہ نور محض کے ساتھ تقرب ہے - اور یہی اسکا اصلی آرام اور یہی اسکی لذت حقیقی ہے - جسکی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ ۝ اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئیں

ایک مقعد صدق راستی کا مقام۔ جسکو دوسرے لفظوں میں جنت یا بہشت کہتے ہیں دوسرے عند ملیک مقتدر۔ بادشاہ مقتدر کی قربت۔ پس نجات حقیقی تو قربت ہے اور جنت اوس قربت کا مقام ہے نہ کہ نجات حقیقی۔ مگر دونوں[1] لازم و ملزوم ہیں۔ جو اس مقام میں جائیگا اسکو قربت نصیب ہوگی۔ اور جسکو قربت نصیب ہوگی تو اس مقام میں ہوگی یہی مقام دیدار یار ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاظِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ +

پھر معترض کا یہ کہنا کہ اسلامی نجات صرف لذات جسمانیہ حور و قصور باغ و انہار ہیں محض ناواقفیت یا تعصب ہے البتہ اسلام یہ نجات نہیں بتلاتا کہ جس طرح اس کے اجزاء منفصل ہوکر انسان بنے ہیں اسیطرح یہ اجزار اسکی ذات میں جاکر ملجاتے ہیں۔ یہہ ہندوؤں کی نجات ہے جس سے خدائے قدوس کی ذات میں تجزی لازم آتی ہے اور وہ موجب حدوث و امکان و ترکیب ٹہرتا ہی اور اس سے اس کی خدائی میں قصور لازم آتا ہے تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً +

فصل ۱۰

(نبوت اور الہام)

نبوت اور الہام

ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انسانی ادراک حقائق غیر محسوسہ کے لیئے بغیر اسکے کہ خدا کی طرف سے اسکو ادراک روحانی عطا ہوا ور اس ادراک میں عنایت الہیہ آمیزش وہم سے اسکو معصوم بھی رکھے کافی نہیں اور نہ اس قسم کے ادراک بغیر انسان

[1] بعض صوفیہ کے کلام میں جنت اور دوزخ سے بے پروائی پائی جاتی ہے ان کا مقصود ذات باری عزاسمہٗ ہے اور ہونا بھی چاہیئے یہ مقصود نہیں کہ وہ جنت سے نفرت رکھتے ہیں اور دوزخ کی پروا نہیں کرتے کس لیئے کہ جنت اسکی رحمت کا اور جہنم اس کے قہر کا مظہر ہے جنت مقام تقرب و مشاہدہ دیدار ہے جہنم مقام حجاب و غضب قہار ہے۔ صوفیہ کرام کی شان سے بعید ہے کہ وہ اس کی رحمت اور

اپنی سعادت میں کمال پیدا کر سکتا ہے اور نہ بغیر ایسے اشخاص کے سلسلۂ ہدایت اور طریق خدا پرستی پر چل سکتا ہے۔ نہ انسان اخلاق و ملکات فاضلہ میں ترقی پا سکتا ہے کیس لیئے کہ اگر بفرض محال کوئی ادراک روحانی میں کمال بھی حاصل کرنے تو تاوقتیکہ اس کے علوم وادراک پر عصمت کی مہر نہو قابل اطمینان نہیں اور تاوقتیکہ اسمیں قلوب بنی آدم کا انجذاب نہو اور اسکا روحانی اثر ارواح کو ہدایت اور روحانی کمالات کے رنگ میں رنگ دینے والا نہو تب بھی زبانی قیل وقال اور خوش بیانی اور حقائق گوئی مفید نہیں۔

اوس رحیم وکریم نے کہ جسکی رحمت سے ہر شے اپنے کمال محدود و مقدور سے محروم نہیں اور جس کی انسان پر جیسا کہ اس کی بناوٹ اور اس کے حالات سے معلوم ہوتا ہے بیحد عنایت و مہربانی ہے اس کی روحانی اور حیات جاودانی اور نیز دنیاوی تمدن کی اصلاح کے لیئے ایسے اشخاص پیدا کیئے ہیں۔ کہ جو بلحاظ پیکر جسمانی کی تو انسان اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں مگر روحانی کمالات کے لحاظ سے وہ فرشتہ بلکہ انسے بھی من وجہہ بڑھکر ہیں وہ انسانیت کا عطر اور کمالات انسانیہ کا سرچشمہ ہوتے ہیں انکا کشف وہاں تک پہونچتا ہے کہ جہانتک کسی بشر کا بھی طائر علم وکشف پرواز کرکے نہیں جا سکتا۔ وہ موجودات حسیہ اور غیر حسیہ کے حقائق کو انکی اصلی حالت پر دیکھتے ہیں ان کی قلوب بنی آدم پر سلطنت ہوتی ہے انکا ارشاد انکا وعظ انکا کیسکے لیئے ہدایت پر لانیکا ولی عزم بشرطیکہ اسمیں ہدایت پر آنے کی ازلی قابلیت

بقیہ صفحہ ۱۵۶ اور مقام قربت سے نفرت کریں اور اس کے قہر وغضب سے نڈر اور بے پروا ہو جائیں لو اگر کیا یہی مقصود ہے تو اس کی معرفت کا قصور یا ذائع کا فتور ہے۔ البتہ بعض نمائشی صوفی ایسی شیخیاں گھمارا کرتے ہیں حال یہ ہے کہ دنیا کے لذائذ سرد پانی چاہیئے حقہ پان زردہ پلاؤ قورمے روپیہ پیسے کے لیئے یہ سارا بھروپ بھرے پھرتے ہیں اور انکا یہی مقصود اور یہی مجبود ہوتا ہے اسپر یہ دعوے۔ ۱۲ منہ

بھی ہو انکا سکوت اِن کی نظر ان کی صحبت انسان میں کمالات باطنیہ پیدا کر دینے کے
لیے اکسیر سے زیادہ ہے۔ انکا تمدن ان کے حالات ان کی روش سب فطرت الٰہیہ
کا پورا پورا پیمانہ ہے جو اِس کے مطابق نہیں وہ یقیناً غلطی پر ہے جسقدر تفاوت
ہے اسیقدر غلطی اور راہِ حق سے بعید ہے +

جہاں قوی بہیمہ کی ظلمت انسان کی روحانیت کو ہر طرف سے محیط ہوتی ہے اور
ظلمات متراکمہ نور حق کو دیکھنے نہیں دیتیں وہاں بھی وہ ذات مقدسہ شمع ہاتھ میں
لئے رہنما ہوتے ہیں۔ اِن کی ذات آفتاب جہانتاب ہوتی ہے جس سے تمام ظلمات
دور ہو جاتے ہیں۔ ایسے اشخاص کو اہل ادیان سماویہ **نبی** اور **رسول** کہتے ہیں۔ جنکی
جمع **انبیاء و رسل** آتی ہے۔ اور ہر ملک متمدن میں انکا ایک لقب اور نام ہے[۱]۔

جب سے خدا نے سلسلہ نسل انسانی جاری کیا ہے اسیوقت سے بنی آدم کی صلاح و
فلاح دارین کے لیئے سلسلہ نبوت بھی ساتھ ہی ساتھ جاری کیا ہے انہیں انسانوں میں
سے صفات مذکورہ بالا کے انسان پیدا کرتا آیا ہے اور جب ہزاروں برسوں میں انسانی
تمدن اور اِن کے اخلاق و عادات اور اِن کے توہمات و میلان طبع الٹی پلٹیاں
کھاتے کھاتے ایک ایسی حد پر پہونچ گئے کہ اِس کے بعد جو کچھ نئی بات انسانی
شقاوت و سعادت کے لیے پیدا ہوگی تو انہیں اصول سابقہ کی ایک جزئی ہوگی۔ تو
ہر روز کے انقلاب نبوت کی زحمت رفع کرنے کے لیے کس لیے کہ انقلاب نبوت
انقلاب سلطنت سے زیادہ انتظام عالم کے سلسلہ میں برہمی اور خلل پیدا کرنیوالا
ہے کیونکہ مالوف و معروف باتوں کا چھوڑنا انسانی طبیعت کے نزدیک مال و دولت
گھر بار خویش و تبار کے چھوڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے اسلئے باہم تلوار چلتی اور کشت و خون کا
بازار گرم ہوتا ہے تو اِس سلسلہ کو حضرت **محمد مصطفٰے** سرتاج انبیاء پر تمام کردیا
صلے اللہ علیہم و علیہ وسلم +

[۱] ہندو مہارشی۔ مہاتما۔ انگریز پرافٹ کہتے ہیں ۱۲ منہ

(۱) حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی انسانیت کے لحاظ سے خواص بشریہ میں شریک تھے کھانا پینا سونا جاگنا لذائذ حسیہ سے لذت پانا اِن کے برخلاف سے تکلیف محسوس کرنا زن و فرزند خرید و فروخت اِن میں بھی ویسے ہی تھے کہ جیسا اور بنی آدم مگر مہذب اور روحانیت کے مطیع ہو کر جو ایک شخص کو گرمی میں سردپانی بھوک میں عمدہ اور لذیذ کھانا خوش کن ہوتا ہے انکو بھی ہوتا تھا مگر یہ فرق ضرور ہے کہ اوس معمولی شخص کو وہ نعمت نفس کی تازگی کا باعث ہوتی ہے برخلاف اس گروہ مقدس کے کہ انکو اسمیں بھی تقرب الٰہی زیادہ ہوتا ہے وہ شکریہ ادا کرتے اور اوس محبوب حقیقی کے مبارک ہاتھوں کی تیار کردہ نعمت سمجھتے اور اِس سے روحانی مسرت حاصل کرتے تھے یہ حالت انپر اسکی طرف زیادہ نرکشش کا باعث ہوتی تھی۔ اِن کی انسانی خواہشیں اِن کے تابع۔ اور ملکیت کے رنگ میں رنگی ہوئیں تھیں برخلاف اور لوگوں کے۔ اِسی لئے رسول کریم نے فرمایا ہے کہ ہر بنی آدم کے ساتھ ایک شیطان ہے جو اسکو بدی کیطرف ابھارتا ہے مگر میرا شیطان میرا مطیع ہو گیا ہے۔ جسمیں اشارہ ہے کہ میری قوت بہیمہ میری ملکیت کے خدا نے زیر فرمان کر دی ہے +

انبیاء میں یہ انسانیت اِن کی تحتانی نسبت ہے جسکے سبب سے انکا بنی آدم کے ساتھ واسطہ قائم ہے جو ہدایت کے لیے ضروری ہے اور یہی حکمت ہے کہ فرشتہ اِس کام کے لئے مقرر نہ ہوئے ہر چند جاہل و کفار جو اِس سرے واقف نہ تھے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں یہی حجت پیش کرتے تھے کہ اگر خدا کو بنی آدم کی ہدایت کے لئے کوئی بھیجنا ہی تھا تو فرشتہ کیوں نہ بھیجدیئے +

اسیطرح انمیں یہ ملکیت کی فوقانی نسبت بھی تھی جس کے سبب وہ فرشتوں کے خواص رکھتے تھے اور خدائے قدوس سے ملتے اور اوس سے باتیں کرتے اور اسکو نورانی پردوں میں سے دیکھتے تھے۔ جب انپر یہ شان غلبہ کرتی تھی تو

عالم ملکوت کے اسرار ان کے پیشِ نظر ہو جاتے تھے اور وہ اوس مخلوق غیر حسی کو عیاناً دیکھتے تھے جو دوسروں کو بڑی ریاضت روحانی سے بھی دیر میں نظر آتی ہے۔ حلاے مقرب فرشتے جبرئیل امین وغیرہ کو کبھی ان کی خاص اصلی صورت پر دیکھتے تھے اور کبھی ان قوالب میں کہ جو بمقتضائے مصلحت الہیہ انکو اختیار کرنے پڑتے تھے۔ وہ جبرئیل امین اور دیگر ملائکہ اور دیگر مخلوق غیر حسی کے افراد میں ایسا ہی امتیاز کرتے تھے کہ جیسا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں میں امتیاز کرتے ہیں بلکہ اوس سے بھی زیادہ اسی شان ملکیت میں انسے وہ کام بھی سرزد ہوتے تھے جو انسان کی معمولی طاقتوں سے باہر ہیں۔ جنکو شرع میں **معجزہ** کہتے ہیں۔ اور اسی حالت میں وہ اپنے خدائے قادر و قدوس سے ہمکلام بھی ہوتے تھے کبھی بواسطہ جبرئیل امین جنکو **ناموس اکبر۔ روح القدس** کہتے ہیں۔ اور کبھی بلاواسطہ۔ پھر اس میں انکی بیداری اور خواب دونوں برابر تھے۔ اسکو شرع میں **الہام۔ وحی** کہتے ہیں گرچہ جملہ مخلوق بالخصوص مدرک مخلوق اور انمیں سے خاص کر اہل صفا سے کہ جن کی روحانیت بہمیت پر غالب ہے اسکا سلسلۂ الہام قائم ہے۔ مگر آمیزش وہم سے کوئی انسان بھی معصوم نہیں بجز حضرات انبیاء علیہم السلام کے یہ جس طرح اپنی قوت عملیہ میں معصوم ہیں ان کی بہمیت انپر غلبہ کر کے ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں کرا سکتی ہے اسیطرح وہ اپنی قوت نظریہ میں بھی معصوم ہیں ان کے کشف وادراک میں کسی قسم کی بھی غلطی نہیں ہونے پاتی۔[1] وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یہ بات الہام اولیاء و صدیقین میں نہیں اسلیئے انپر بھی الہام انبیاء کا اتباع واجب و فرض ہے اور ان کے جملہ کمالات کمالات نبوت کے اظلال اور پرتوے ہیں جو انکو نبی کے اتباع سے موافق اپنی اپنی قابلیت و استعداد ان کے نصیب

[1] نبی کی آنکھ نے حقائق حقۂ دیکھتے ہیں نہ غلطی کی نہ بہکی ۱۲ منہ

معجزہ

الہام و وحی

ہوتے ہیں انکے کشف میں جسقدر نبی کے کشف سے تفاوت ہوگا اسیقدر انکا نقص سمجھا جائیگا
لیکن ان کے الہام کے غیر معصوم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ضرور اپنے الہام اور کشف
میں غلطی کرتے ہیں یا انکا الہام وکشف صحیح نہیں ہوتا۔

ابحاث

(۱) نبی کو صداقت کے لئے خدا کی طرف سے معجزہ عطا ہوتا ہے۔ یعنی وہ بات جو انسانی
طاقت سے فوق ہو۔ واضح ہو کہ ایسے امور جو انسانی قدرت سے فوق ہوں اگر وہ نبی سے
سرزد ہوں تو انکو معجزہ کہتے ہیں اور اگر اسکے متبع سے سرزد ہوں کہ جن میں نور نبوت سرایت
کر گیا ہے تو اسکو کرامت کہتے ہیں اور یہ بھی اس کے نبی کا معجزہ ہے اسکی تعلیم
وتربیت کی صداقت کی پوری دلیل ہے اور اگر خود نبی سے ایسے افعال قبل النبوت سرزد
ہوئے ہیں تو ان کو ارہاص کہتے ہیں اور اگر ایسے افعال نبی کے معمولی تابعداروں سے
سرزد ہوں تو انکو معونت کہتے ہیں۔ اور اگر کافر سے سرزد ہوں گو وہ افعال ایسے
نہیں ہوتے نہ ہوسکتے ہیں مگر ظاہر اسباب پر مبنی ہونے کے سبب خلاف عادت مستمرہ
سمجھے جاسکتے ہیں انکو استدراج کہتے ہیں +

معجزہ اور استدراج کی حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے گو بظاہر عوام کے نزدیک دونوں
کام حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صاف کردہ بلور اور ہیرا لیکن دونوں کی
حقیقت ایک نہیں جوہری فوراً تمیز کرسکتا ہے مگر معمولی لوگونکو یکساں معلوم ہوتے ہیں
اسوجہ سے قدرت نے عوام کی حفاظت کے لئے دونوں میں امتیاز کردیا ہے اول
یہ کہ صاحب استدراج کے حالات کو (جو خداپرستی اور صدق ومکارم اخلاق سے دور اور
مکر وفریب خودغرضی نفس پرستی پر مبنی ہوتے ہیں) طبائع سلیمہ فوراً امتیاز کرلیتی ہیں کہ یہ
شخص باخدا نہیں نہ اس کی صحبت سے روحانی انوار حاصل ہوتے ہیں بلکہ ظلمت وغم وہ ایسے

معجزہ
کرامت
ارہاص
معونت
استدراج

افعال کے صدور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں کرسکتا گرچہ بظاہر دعویٰ کرنا ممکن ہے لیکن قدرت نے اسکو روکدیا ہے اور اگر دعویٰ کریگا بھی تو فوراً رسوا و ذلیل بھی ہوگا عام ہے کہ قتل کیا جائے یا اس کی خواہش کے برخلاف اوس سے استدراج ظاہر ہو جو اس کی تضحیک کا باعث ہو جائے۔ توریت سفر استثنے کے اٹھائیس باب میں اور قرآن مجید کی اس آیت میں اسیطرف اشارہ ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ۔ اور ابتک ایسا ہی واقع ہوا ہے +

معجزہ کی دو قسم ہیں ایک وہ جو عالم محسوس کے اسباب پر مبنی نہو اور وہ حسی تصرف ہو جیسا کہ کوڑہی اندہے کا چھوکر تندرست کردینا یا تھوڑے سے پانی اور قدر قلیل غذا سے جو ایک شخص کو بھی کافی نہ ہو صدہا آدمیوں اور حیوانوں کو سیراب اور شکم سیر کردینا پھر عام ہے کہ نبی کا وہ تصرف روحانی عالم سفلی کی کسی چیز پر ہو یا عالم علوی کی اشیاء پر ہو جیسا کہ چاند کا اشارہ سے شق کردینا۔ اس قسم کے معجزات اون لوگوں کے لئے زیادہ مفید ہوتے ہیں جو حسیات کے ادراک پر فریفتہ ہوتے ہیں معنی سمجھنے کی قابلیت کم رکھتے ہیں **دوسرا** وہ جو انسانی طبائع اور ان کے وجدانیات میں تغیر عظیم پیدا کردیا جاوے۔ قسم ثانی کے معجزات قسم اول سے قوی اور عظیم ہوتے ہیں (اول) اسلئے کہ ان کے مشابہ تصرفات کافر بھی کر دکھایا کرتے ہیں۔ اور طلسم وغیرہ امور سے لوگونکو حیرت میں ڈالدیا کرتے ہیں برخلاف قسم ثانی کے کہ وہاں تک ان کی رسائی بھی نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک شخص کافر بدکردار سنگدل شہوت پرست مشرک دنیا کا لالچی تھا اسکو اپنی تھوڑیسی صحبت سے باخدا صاحب معارف جلیلہ پرہیزگار رحمدل دار آخرت کا طالب بنادیا جاوے۔ اسکی کایا پلٹ دیجاوے (دوئم) اس لیے کہ انبیاء کی بعثت سے بنی آدم کی ہدایت اور ان کے اخلاق و معارف کی درستی مقصود ہوتی ہے۔ معجزہ کوئی مقصودی کام نہیں بلکہ نبی کی صداقت کے لیے صاف

کرایا جاتا ہے اور نبی کی نبوت معجزہ پر موقوف نہیں ہوتی ممکن ہے کہ بعض انبیا رنے
ایک بھی معجزہ نہ دکھایا ہو اور بعض اولیا رسے عمر بھر کوئی بھی کرامت ظاہر نہوئی ہو۔ پر جس
نبی نے اپنے فرض منصبی میں یہ حیرت انگیز تصرف کردکھایا ہو جو مقصود بالذات تھا تو وہ
اوس سے بدرجہا فائق ہے کہ جسنے اس معاملہ میں تو کوئی حیرت بخش اثر پیدا نہ کیا ہو۔
عالم حسی میں بہت کچھ تصرفات کردکھائے ہوں **سوئم** معجزات قسم اول کے دیکھنے کے
بعد بھی منکر کو انکار کی گنجایش رہتی ہے برخلاف معجزات قسم ثانی کے **چہارم** معجزات
قسم اول جاہلوں تیرہ باطنوں کو زیادہ دکھائے جاتے ہیں جنمیں کچھ بھی روحانی ادراک
نہیں ہوتا یا ہو تو بہت ہی کم ہو اس لئے وہ لوگ ایمان لانے کے بعد زیادہ تر کمالات
میں ترقی نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو انکا وہ رنگ بہت جلد اتر جاتا ہے برخلاف
قسم ثانی کے۔ اکثر انبیا علیہم السلام کو زیادہ تر قسم اول کے معجزات دیئے گئے تھے او
حضرت خاتم المرسلین علیہ السلام کو زیادہ تر قسم ثانی کے اور کم قسم اول کے معجزات عطا
ہوئے تھے۔ قسم ثانی کے معجزات کو بشیتر **آیات** کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے +

(۴) کیا اس قسم کے افعال جو انسان کے فوق القدرۃ ہوں جنکو خلاف قانون قدرت
کہا جاتا ہے ممکن الوقوع ہیں ؟ ۔ حکما رحال کا ایک گروہ انکو محال سمجھتا ہے اور جن
روایات میں ایسے واقعات کا ذکر ہے ان کو راویوں کا مبالغہ کہتا ہے اور جو انہیں
سے کسی مذہب کے برائے نام پابند ہیں وہ ان کی تاویل کرتے ہیں گو وہ تاویل عبارت
کے الفاظ سے کچھ بھی تعلق نہ رکھتی ہو +

وہ کہتے ہیں کہ قدرت کا عام قانون ہم یہ دیکھتے چلے آتے ہیں کہ ہر شے اپنے
اسباب عادیہ پر مرتب ہوتی ہے پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے خاک پھانکنے سے کبھی
نہیں بجھتی۔ انسان پانیوں کے سطح پر تیر کر یا کشتی وغیرہ سے عبور کر سکتا ہے یہ نہیں ہو
کہ خشک بالا بالا عبور کر جائے۔ یا ہوا میں خفیف اجسام یا پر دار وغیرہ اڑ سکتے ہیں۔

یہ نہیں ہوتا کہ انسان یا ہیں گائے خود بخود اُڑ جائیں - اور قدرت کا قانون فطرت الٰہی ہے جسکی نسبت قرآن میں بھی آیا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ اور ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو مان لینا مگر یہ سنو کہ فلاں کی جبلت بدل گئی تو اسکو سچ نہ جاننا مشہور ہے جبل گردد جبلت بزگردد پھر ایسے مستحکم اصول کو راویوں کی روایات سے جنمیں بنیتر وہم کی زیادتی غلط فہمی عمدہی کذب ہوتا ہے ہم کیونکر توڑ سکتے ہیں؟ ایسے توہمات وتخیلات پر اگر عالم کے معاملات کا مدار کار رکھا جائے تو معاملہ درہم برہم ہوجائے۔ کیا وہ ایک مجنون نہیں سمجھا جائیگا کہ جو کہتا ہے کہ مجھے ہوا میں ہزاروں ہاتھی گھوڑے لشکر توپخانے جاتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں دیکھو وہ جا رہے ہیں مگر وہ تمکو دکھائی نہیں دیتے۔ مجانین اکثر اپنی خیالی صورتوں سے ہم کلام ہوا کرتے ہیں کبھی اونسے لڑتے ہیں کبھی پیار کرتے ہیں کبھی انکو مارنے کو اُٹھتے ہیں کبھی ان کی باتوں پر ہنستے کبھی روتے ہیں۔

جن حضرات کو نبی یا رسول کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے وہ در اصل نیک اور پاکباز لوگ ہیں انمیں قومی خیرخواہی اور اصلاح کا ایک ملکہ راسخہ ہوتا ہے وہی ان کی نبوت اور وہی ان کی رسالت ہے انکا وہ ملکہ انپر ایک فوارہ کیطرح سے اوچھل کرا نہیں پر گرتا ہے از دمے خیز د بروے ریزد۔ یہی انکا الہام اور یہی ان کی وحی ہے۔ اور انکا وہ ملکہ راسخہ ہی انکو مجسم نظر آیا کرتا ہے جیساکہ مجنونوں کو اپنا خیال نظر آیا کرتا ہے وہی انکا جبرئیل اور وہی ناموس اکبر ہے جسکو اہل مزاور حقیقت سے ناآشنا لوگ وحی کا واسطہ بتایا کرتے ہیں حالانکہ ان کے الہام اور وحی میں کوئی بھی واسطہ نہیں ہوتا - اور جنکو فرشتہ کہا جاتا ہے ان کی نظروں میں وہ خدا کی صفات یا اجسام کے طبائع ہیں جنکو وہ مختلف عبارت سے تعبیر کرتے ہیں حقیقت سے ناآشنا انکو سچ مچ کے نورانی اشخاص خوبصورت کہیں مرد کی کبھی عورتوں کی شکل میں تصور کرتے ہیں جن اور بھوت انسان کے خصائل بہیمیہ ہیں

انکو بھی انبیاء ایسے عبارات سے تعبیر کرتے ہیں کہ جنکو الفاظ پرست نہیں سمجھتے جنت دوزخ ایک راحت
وتکلیف کا نام ہے جو انسان کے نیک اور بد اعمال پر بمقتضائے قانون قدرت مرتب ہوتی ہے
عرب کے جاہلوں کو رغبت دلانے اور ڈرانے کے لئیے باغ حور قصور نہروں میووں اور آگ
اور زنجیروں اور زقوم سے تعبیر کیا ہے یہی عالم جزار کے لحاظ سے جنت اور یہی سزا کے
لحاظ سے دوزخ ہے مرنیکے بعد روح باقی رہتی ہے نہ اسپر کوئی ثواب وعذاب طاری
ہوتا ہے یہ سب باتیں رغبت وخوف دلانے کی غرض سے یہ مقدس لوگ بیان فرمایا کرتے
ہیں اور یہ ان کی نیک نیتی کے سبب جھوٹھ شمار نہیں ہوسکتا معجزہ محض ان کے مریدوں کی
محبت وخوش اعتقادی ہے۔ دنیا میں ڈھڑ بندی وغیرہ اسباب سے ایسی ہزاروں باتیں دیکھی
جاتی ہیں بازیگر آم کا درخت لگا کر وہیں اسکے پھل کھلوا دیتے ہیں پرکیا در اصل وہ درخت
اور اس کے پھل ہوتے ہیں اپنی چالاکی سے جو ان کا ایک فن خاص ہے تخیلات عوام
میں تغیر پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر انبیاء بھی ایسا کرتے ہوں تو تعجب کیا ہے +

یہ انکی تمام تقریر کا خلاصہ ہے کہ جسپر اوس گروہ کے بانی اور ان کے مریدوں کو ناز ہے
اور انکو وہ ایک اسلام حقیقت شناس سمجھتے ہیں +

(اس کا مختصر جواب تو یہہ ہے)

کہ جب ہم عالم غیر محسوس کا وجود اور اس کی مخلوق کا ثبوت کر آئے ہیں۔ خدا تعالے
اور اس کے صفات۔ فرشتہ اور جن۔ اور اسی قسم کی مخلوقات۔ روح اور اس کے علوم انسان
کی اصل حقیقت لطیف اشیاء کے خواص اور انکا تعقل وادراک اور ان کی قوت سب کو مدلل
کرچکے ہیں۔ اور یہ کلیہ بھی باطل کرچکے ہیں کہ جو محسوس نہیں وہ موجود نہیں تو پھر اس بدگمانی
اور تنگ خیالی کی ضرورت کیا ہے اور ان خیالات فاسدہ پر کونسی دلیل ہے +

(جواب تفصیلی یہہ ہے کہ)

قدرت کا قانون وہ نہیں کہ جو مشاہدہ میں محیط ہو سکے جسکو ہم دیکھتے آئے کی دلیل سے

مدلل کیا کرتے ہیں کیسلئے کہ انسان اور خصوص ایسے انسان کہ جسکا دائرہ معلومات محسوسات سے باہر نہیں وہ جو کچھ دیکھتے آئے ہیں تو صرف محسوسات ہی کو دیکھتے آئے ہیں پھر غیر محسوس اشیاء اور ان میں اسکی قدرت کا قانون انکو کیونکر معلوم ہوگیا۔ اور محسوسات میں بھی وہ جو کچھ دیکھتے آئے ہیں اپنی عمر چند روزہ ہی کے اندر دیکھتے آئے ہیں اور جو کچھ اور دیکھے آئے ہیں وہ انکو روایات ہی کے ذریعہ سے ثابت ہوگا اور روایات کے سلسلہ کو اس قائل نے خود مخدوش کر دیا ہے۔ اب اس کے چند روزہ تجربے نے تمام قدرت پر احاطہ کرلیا ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیتے ہیں کہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے اور اسنے جو کچھ دیکھا ہے اور جو کچھ سنا ہے وہ سب ایک کتاب میں بھی درج ہے اور وہ کتاب تحریف وتبدیل سے بھی بری ہے اور اس کتاب کو قائل نے حفظ بھی کرلیا ہے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ کئی ہزار برس کا تجربہ اسکو حاصل ہے جس کی تعداد اہل ادیان سماویہ کے نزدیک چھ سات ہزار برس سے زائد نہیں ہے۔ پھر اسقدر محدود تجربہ ان واقعات پر کیونکر حاوی ہوسکتا ہے کہ جو بیس ہزار یا پچاس ہزار کے بعد ظہور کیا کرتے ہیں۔ آخر یہی کہنا پڑیگا کہ چند تجارب پر جملہ نادیدہ وناشنیدہ معاملات کو قیاس کرلیا ہے اس قیاس کی وقعت جو کچھ حکماء وعلماء کے نزدیک ہوسکتی ہے مخفی نہیں۔

اور یہ کیونکر قائل نے یقین کرلیا کہ ایک شے کا وہی سبب ہے کہ جسپر اسنے مسبب کو مرتب ہوتے دیکھا ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ اس کے اور بھی اسباب ہوں جسکو اسنے ابتک نہیں جانا ہو پھر جب وہ مسبب انپر مرتب ہوگا تو کیا یہ کہدیگا کہ یہ خلاف قانون قدرت ہے۔

جن اشیاء کو وہ اسباب عادیہ پر مرتب ہوتے نہیں دیکھتے ممکن ہے کہ ان کے ترتیب کے اسباب نبی کی روحانی قوت ہو جو برقی اور اسٹیم کی قوت سے بدرجہا بڑھکر ہے۔ یا وہ مسبب الاسباب جسنے انکو اسباب عادیہ پر مرتب کیا تھا وہ تو بغیر ان اسباب کے بھی انکو پیدا کردے اسمیں کیا محال لازم آتا ہے؟۔ قائل نے اسباب عادیہ پر نتائج کے ترتیب کو فطرت الہٰیہ

سمجھتے ہیں بڑی غلطی کی ہے کیونکہ فطرت کے معنی ہیں تراش سکے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو جس وضع شخصی یا نوعی پر بٹھایا ہے وہ اسی پر قائم ہے پرندو درند نہیں ہو جاتے۔ نیرات اجحار سفلی نہیں بنجاتے۔ جسکی سرشت میں ازل سے بدبختی خمیر ہے وہ نیک نہیں ہو جاتا یہی وہ جبلت ہے کہ جس کا حدیث میں ذکر ہے اِن معنوں میں اور اِن میں کہ جو قائل نے پیدا کئے ہیں بہت فرق ہے۔ قائل نے نیچر کا ترجمہ فطرت کیا ہے مگر حکماء یورپ کہ جن سے قائل نے یہ کلمہ سیکھا ہے ابتک نیچر کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہیں

اور نہ سائنس یہ بتا سکتا ہے کہ مخصوص اشیاء میں مخصوص خواص و تاثیرات پیدا ہونے کی کیا فلاسفی ہے ؟ گلاب میں یہ مخصوص خوشبو اور جنبیلی میں دوسری قسم کی اور آفتاب میں حرارت اور ماہتاب میں برودت کیوں پیدا ہوئی اس کے برعکس کیوں نہوا اور پھر اسباب حادیہ کو مخصوص مسببات کیلئے کیوں خصوصیت پیدا ہوئی ؟ آخر تلاش کرتے کرتے سب کے اوپر ایک بالا دست قادر مختار مخصص تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ پھر کیا وہ قادر مختار کبھی کبھی اوس قانون قدرت کو کہ جسکو بندوں نے آپ بنا رکھا ہے اپنی کسی مصلحت سے بدل نہیں سکتا ہے ؟ ضرور بدل سکتا ہے +

یہ تمام پیچیدگیاں جو حکماء کو پیش آئی اور آتی ہیں صرف اسلئے ہیں کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ اپنی عقل کا تراشا ہوا پیدا کیا ہے اور اسکو انہوں نے اختیارات و قدرت بھی محدود عنایت کی ہے اور بہت سے دانشمندوں نے تو اس سے اختیارات و قدرت بالکل سلب کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنے قانون کو آپ بدل سکتے ہیں مگر انکا وہی اور فرضی خدا بدل ہی نہیں سکتا یہ جو کچھ اپنے فرضی خدا کی جو کچھ مجبوریاں بیان کرتے ہیں سب درست ہے۔ ان کے فرضی خدا میں بیشک کچھ بھی قدرت و اختیار نہیں وہ کوئی قانون جو بندوں نے بنا کر اسکو دیا ہے اسمیں کچھ بھی تغیر نہیں کر سکتا۔ مگر ایسے بیکار اور وہمی خدا کے ماننے کی انکو ضرورت ہی کیا تھی صاف انکار ہی کر دیتے جیسا کہ ان کے بہت سے بھائیوں نے

کر دیا ہے۔ مگر مصیبت[۱] میں جان تو ان بیوقوفوں کی پڑ گئی کہ مذہب کی لکیر ہی پیٹے جاتے ہیں اور اوس گروہ کے مرید و مقلد بھی ہیں۔ اب ان کے نبی کا حال سنئے وہ بھی ایک معمولی شخص ہے صرف یہ بات ہے کہ اسکو ایک خیال کی دھن لگ گئی ہے اسمیں اور مجنون میں تھوڑا ہی سا فرق ہے وہ بھی اپنی خیالی صورتوں سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ انکو بھی خیالات مجسم دکھائی دیا کرتے ہیں۔ اور قومی مصلحت سے وہ کچھہ جھوٹھہ بھی بولدیا کرتے ہیں۔ اب ہم بھی مانتے ہیں کہ ایسے نبیوں میں کوئی بھی قوت روحانی نہیں جسکے زور سے وہ کوئی ایسا کام کر دکھائیں جو انسانی قوت سے زائد ہو۔ اور ان کے علوم و ادراک بھی ایسے کمزور ہیں کہ فلسفہ کی ٹکر سے چورا ہو جاتے ہیں لاچار اس کے دردمند ان کے کلام کو پھیر پھیر کر اس ٹکر سے بچانے میں کوشش کیا کرتے ہیں۔ ایسی نبوت کا کسی شخص پر خاتمہ بھی نہیں ہو گیا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک ہندوؤں کا رام موہن بنگالی اور گرو نانک سکھوں کا پیر اور بہت سے نبی ہیں اور ہر ملک میں ایسے دھن کے پکے اس

---

[۱] منجملہ مصائب کے ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ تاریخی واقعات کا انکار کرنا پڑتا ہے اپنے ثبوت دعوے کے لئے تو ایسی تاریخیں بھی معتبر مانی جاتی ہیں کہ نہ جنکا سلسلۂ روایت مسلسل ہے نہ ان کی مصنفوں کا نقل مضامین میں اعتبار ہے نہ یہ معلوم کہ یہ واقعہ اس نے کس سے سنکر لکھا آیا وہ معتبر بھی تھا کہ نہیں پھر اس نے بچشم دید واقعہ اس سے بیان کیا تھا یا سنا سنایا پھر یہ کتاب تبدیل و تحریف سے بھی محفوظ رہی ہے یا نہیں؟ برخلاف اس کے ایسے واقعات کی روایت کو خواہ وہ ان مذکورہ بالا جملہ نقصانوں سے پاک ہی کیوں نہو بیدھڑک انکار کر دیا جاتا ہے۔ دوسری مصیبت یہ کہ حضرات اولیاء کرام کی متواتر و مشاہد کرامات کا بھی انکار کرنا پڑتا ہے حالانکہ خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے معجزات کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ سب کچھہ سہی مگر فلسفۂ جدیدہ اور سائنس حال اسبات کا تو انکار ہی نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلعم نے عرب کی کایا پلیٹ دی تھی بت پرستوں سفاک جاہلوں بدکرداروں کو اس سرے سے اوس سرے تک تھوڑے دنوں میں انسان کامل بنا دیا تھا پھر یہ سکہ ایسا جمایا کہ زمانہ کے حوادث سے بھی مٹ نہ سکا

عمدہ کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسا اون کا خدا تہا ویسے ہی اس کے نبی ہیں۔

وزیرے چنیں شہریارے چناں جہاں چوں نہ گردد قرارے چناں

ایسے دیوانوں کی کتاب اور شریعت بیشک اس قابل ہے کہ جسکو مدارس کے وہ لونڈے بہی جنہیں استنجا کرنا بہی نہیں آتا اور وہ بیرسٹرایٹ لا اور وہ دولتمند جن کا مایہ ناز یورپین سوشیل اور آزادی ہے دن بہر میں سو بار ترمیم کر سکتے ہیں۔ پہر جب ان کے خدا کا ملک بہی یہی عالم محسوس ہے اور اسپر اوسکا پورا اختیار بہی نہیں تو اس کے ہاں جنت اور دوزخ کجا! اپنے اعمال کا نیک نتیجہ اسی عالم میں پالینا ہی جنت ہے۔ بنگلہ کوٹھی رہنے کو۔ ہر قسم کی آزادی سے شراب کباب کہانے کو ملجائیں یہی بہشت ہے۔ حوریں یہی لیڈیاں ہیں جو عمدہ گاڑیوں پر آزادانہ اوڑتی پہرتی ہیں۔ مگر قریب ہر قسم کی بیقیدی لوازم جنت ہے۔ اور جہنم کیا ہے یہی افلاس نوکری میسر نہ آنا وغیرہ۔ انبیائی طریق کو ایسے خدا اور ایسے نبی اور ایسے الہام اور ایسی شریعت اور ایسی جنت و دوزخ سے کچہہ بہی سروکار نہیں انہیں کو مبارک رہے

جب انکا اصول ہی بدل گیا تو اب ان سے بحث بہی بیکار ہے۔ اپنے غلط اصول کے ان کی ساری باتیں منطبق ہیں مگر ان اصول اور اصول انبیائی بالخصوص اصول اسلامیہ میں زمین و آسمان یا راتدن کا فرق ہے۔ انکو اسلام سے کچہہ بہی تعلق نہیں۔ بلکہ اس کے صریح برخلاف ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ کسی مصلحت دنیاوی سے اسلام کا لفظ اپنے لئے مفید سمجہتے ہیں +

الحاصل رد شنضمیر حکمار کے نزدیک انبیاء سے ایسے افعال سرزد ہونے ممکن ہیں۔ اور پہر یہ شبہ کرنا کہ ان کے معجزات اور مداریوں اور بازیگروں کے شعبدات میں کیا فرق ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹ اس نشہ کو کوئی ترشی نہ اوتار سکے پہر یہ کام مافوق القدرۃ نہیں تو اور کیا ہے کیا ایسا کسینے آجتک کیا ہے؟ آپ کے اول اور بعد کوئی اسکی نظیر بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! ب اسکا بہی انکار کرنا ایک صریح اندھاپن ہے ۱۲ منہ

ایسا ہی حمق ہے کہ جیسا کسی دہقانی کا یہ شبہ کرنا کہ الماس اور بلور میں کچھ فرق نہیں۔ دونوں یکساں ہیں۔ ایسے شیطانی وسواس قابل التفات بھی نہیں +

(۳) یہ گروہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں میں معصوم ہے جس رحیم وکریم نے اپنے بندوں کی رہنمائی کیلئے ایسے انسان پیدا کئے ہیں کہ انکی بہیمیت کو انکی ملکیت کی مطیع ہی کر دیا تھا جس سے نہ انکا نفس انکو بیجا خواہشوں اور خدا کی نافرمانی کی طرف ابھار سکتا تھا نہ بہیمیت کے ظلمات توہم وتخییل سے ان کے کشف حقائق وادراک محسوسات وغیر محسوسات میں کوئی خلل پیدا کر سکتے تھے۔ وہ جو کچھ کرتے تھے منشاء الٰہی کے موافق کرتے تھے وہ جو کچھ معلوم کرتے تھے اشیاء کی اصلی حقیقت معلوم کیا کرتے تھے۔

(۴) قرآن مجید میں انبیاء سابقین کی علے سبیل التذکرہ بہت معجزات مذکور ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے سلامت برآمد ہونا۔ حضرت موسےٰ کا قلزم سے خشک قوم کو پار لیجانا۔ صالح علیہ السلام کے لئے ناقہ برآمد ہونا جسکو آیہ کہا گیا ہے۔ حضرت سلیمان کا تخت پر بیٹھکر مہینے کی راہ نصف دن میں طے کرنا۔ ان کے پاس طرفۃ العین میں بلقیس یمن کی شہزادی کا تخت حاضر ہو جانا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کر دینا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دینا وغیرہ خاتم المرسلین کا تذکرہ قرآن مجید میں بطور سرگذشت

نوٹ متعلق ص ۱۶۹ سطر ۵ گو یہ بہشت چند روزہ ہے بشرطیکہ اعضاء بدن بھی سلامت رہیں اور حوادث دہر کوئی سنگ آسمانی بھی سر پر نہ آپڑے۔ پھر اس تھوڑی سی لذت وسرور پر جسکو پھول کی تازگی سے زیادہ بھی بقا نہیں یہ فریفتگی عقل کی کوتاہی اور دار آخرت سے بے نصیبی نہیں تو اور کیا ہے لذات وشہوات نے کہاں تک اندھا کیا ہے کہ اپنے سامنے ہر روز ہزاروں اہل نعمت ودولت کو تہ خاک ہوتے دیکھتے ہیں کہ جن کا بعد میں نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا نہ ان کے وہ نعیم وناز باقی رہتے ہیں ان کے دیوار ان کے حال زار پر حسرت کے آنسوؤں سے روتے ہیں انکو عبرت نہیں افسوس ہزار افسوس۔ پھر انکو یہ زندگی کہاں جسمیں مافات کا تدارک کرسکیں خدائے رحمان انپر رحم فرمائے اور ان کی آنکھوں سے یہ پردہ اٹھائے۔ آمین ۱۲ منہ

بیان کرنیکا کوئی موقع نہ تھا کیلئے کہ خود آپ مخاطب ہیں اور مخاطب سے اسکی سرگزشت بیان کرنا عبث بات ہے مگر تاہم ضمناً بہت سے معجزات کا ذکر ہے اول تو قرآن ہی آپ کا بڑا زندہ معجزا ہے جس سے تحدی کیگئی اور آجتک کوئی بنی اسکی مثل نہ بنا سکا۔ یہ مردہ کے زندہ کر دینے سے بھی زیادہ حیرت خیز اور مافوق القدرۃ کام ہے دوئم آپ کی شرح صدر و رفعت ذکر جو بڑا معجزہ ہے جسکا کوئی انکار نہیں کرسکتا قرآن میں مذکور ہے الم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک ورفعنا لک ذکرک۔ کیا کسی ایسے شخص کا کہ جس نے کسی سے کچھ بھی پڑھا نہو نہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو نہ حکماء کے ملک کا رہنے والا ہو جملہ علوم و معارف کا سرچشمہ ہوجانا جسکی تفصیل علوم قرآن میں آتی ہے ایسی شرح صدر نہیں ہے کہ جو انسانی قدرت سے فوق ہے۔ پھر چند برسوں میں باوجود شدید موانع کے مشرق سے مغرب تک آپکا نور نبوت آفتاب کی طرح پھیل جاتا اور کسیکے روکے نہ رکنا رفعت ذکر نہیں ہے؟ جسکا نظیر اب تک نہیں پایا جاتا کیا یہ مافوق القدرۃ کام نہیں ہے؟۔

سبحان الذی اسرٰی بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصے الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا۔ شباشب مکہ سے بیت المقدس پہونچ جانا اور چلا آنا نہ کوئی ریل تھی نہ کوئی دوسرا اسبب عادی تھا معجزہ نہیں ہے؟ اسیطرح بہت سے آیندہ آنیوالے واقعات کی خبریں قرآن مجید میں دیگئی ہیں اور وہ حسب موقع ظاہر بھی ہوئیں پھر کیا یہ معجزہ نہیں ہے؟ ازانجملہ لیظہرہ علے الدین کلہ اوس مغلوبی اور مصیبت کے وقت یہ ایک ایسی پیشین گوئی تھی کہ جسپر مخالف قہقہے مارتے تھے آخر ہوکر رہی۔ ازانجملہ وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصلحت منکم لیستخلفنہم فی الارض الایہ پھر آپکے بعد اوربھی شان و شوکت کے خلفا ہونا جنکا آیت میں ذکر ہے معجزہ نہیں؟ رومیوں کی نسبت جبکہ وہ ایرانیوں سے مغلوب ہوگئے تھے یہ خبر دینا وہم بعد غلبہم سیغلبون کہ نو برس کے اندر رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے پھر اسیکے مطابق غالب آجانا معجزہ اور پیشین گوئی کا صادق آنا نہیں ہے؟

اور بھی ہیں۔ اور احادیث صحیحہ میں تو بلحاظ تسلسل روایت اور صحت کے اناجیل اربعہ سے بڑھکر ہیں آنحضرت صلعم کے صدہا معجزات مذکور ہیں پھر منکر کا یہ کہنا کہ ان کے پاس کوئی بھی معجزہ نہ تھا اور سند میں یہ آیت پیش کرنا وما منعنا ان نرسل بالآیت الا ان کذب بہا الاولون سخت نافہمی نہیں تو اور کیا ہے اسی قسم کا جملہ حضرت مسیح نے بھی فرمایا تھا جبکہ انکو سولی دینے لے چلے اور ان سے معجزہ طلب کیا تھا کہ تمکو کوئی نشان نہ دکھایا جائیگا (انجیل متی) پھر کیا اس سے کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا؟ مکہ کے چند سرکشوں نے بطور تمسخر کے آنحضرت صلعم سے چند معجزات طلب کئے تھے ان کے جواب میں یہ آیت اتری اسیلئے الآیات سے انہیں مطلوبہ معجزات کا انکار ہے نہ کہ مطلقاً۔ الف لام عہد خارجی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو ان کی بعثت سے مخلوق کو فائدہ نہ پہنچتا نہ ان کا کوئی فعل حجت ہوتا نہ کوئی قول سند ہوتا۔ کس لئے کہ ہر ایک پر احتمال غلطی کا بدنما دھبہ لگا رہتا +

سوال ۔ انبیاء کی نسبت کتب انبیائی ہی میں بہت سے ایسے واقعات اور الفاظ مذکور ہیں کہ جن سے نہ ان کی عصمت عمل باقی رہتی ہے نہ عصمت علم۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا جو اول نبی شمار ہوتے ہیں شیطان سے فریب کھا کر ممنوع درخت کو کھانا جسکی سزا میں وہ بہشت سے نکالے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتونکو توڑ کر بڑے بت کے کندھے پر کلہاڑا رکھدینا اور قوم کے سوال پر یہ کہنا کہ ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے۔ اور آفتاب کو دیکھکر یہ کہدینا کہ یہ میرا رب ہے یہ بڑا ہے۔ اور مصری جبار بادشاہ کے استفسار پر اپنی بیوی سارہ کو اپنی بہن کہدینا۔ قوم اپنے میلہ میں لیجاتی تھی باوجودیکہ تندرست تھے یہ عذر کر دینا کہ میں بیمار ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی کو مکا مار کر ناحق قتل کر ڈالنا حضرت داود علیہ السلام کا اوریا کی بیوی بنت سبع کو کس ناجائز طریق سے اسکے خاوند سے چھین لینا جسپر فرشتونکی معرفت انپر سوال کے پیرایہ میں

عتاب ہوا اور وہ سجدہ میں گر پڑے۔ اور خود آنحضرت صلعم کی نسبت چند واقعات مسلمانوں کی کتابوں میں ایسے مذکور ہیں کہ جن سے دونوں قسم کی عصمت باقی نہیں رہتی۔ (۱) زید کی بیوی کا جبکہ وہ زید کے گھر میں تھی عشق رکھنا اور زبان سے تو اسکو یہ کہنا کہ طلاق مت دے خدا سے ڈر اور دلمیں یہ کہ وہ طلاق دیدے تو میں اس سے نکاح کر لوں (۲) اوروں کو چار بیویوں کی اجازت دیکر اپنے لئے بغیر تعداد عورتوں سے خواہش نفسانی پورا کرنا اور اپنے نکاح میں کوئی حد معین نکرنا۔ (۳) لوگوں کو اس لئے کہ وہ آپ کا حکم نہیں مانتے تھے بیرحمانہ قتل کرنا اُنپر چڑھائی کرنا ان کے گھربار لوٹ لینا اِن کے بچوں کو غلام بیویوں کو لونڈیاں بنا کر کام میں لانا۔ یہود بنی قریظہ اور بعض اشخاص کو کس بے رحمی سے قتل کروا ڈالنا۔ علاوہ انہیں باتوں پر قرآن میں آپ کو اپنے گناہوں سے معافی مانگنے کا حکم ہے۔ اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ اے محمدؐ ہمنے تمکو گمراہ پایا تھا پھر ہدایت کر دی۔ وغیرہ۔

جواب سے پہلے یہ بات معلوم کر لینی بھی ضرور ہے کہ نبی باوجود اِن کمالات کے پھر بھی جامۂ بشری میں ہے اور جب تک انسان جامۂ بشریت میں ہے خواص بشریہ سے دور ہو نہیں سکتا۔ بھوک پیاس۔ غصہ۔ پیار۔ بھول۔ چوک۔ سب کچھ ہے نہ یہ امور گناہ ہیں نہ عصمت کے منافی۔ چنانچہ بعض اوہام نبی کو ان امور سے بھی مبرا تصور کر کے آنحضرت صلعم کو خرید و فروخت کھانے پینے بال بچوں سے صحبت رکھتے دیکھکر بڑا تعجب کرتے اور ان باتوںپر اعتراض کیا کرتے تھے جنکے جواب میں قرآن نے دو ہی باتوںپر فیصلہ کر دیا اول یہ کہ قل انما انا بشر مثلکم الآیہ کہ میں بھی بشر ہوں خصائص بشریت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا دوم یہ کہ آپ سے پہلے جسقدر انبیاء آئے ہیں جنکو ایک دنیا مانتی ہے وہ بھی بشر تھے یمشون فی الاسواق۔ بازاروں میں خرید و فروخت بھی کیا کرتے تھے یعنی خواص بشریہ رکھتے تھے۔ یہ الزامی جواب تھا۔ اور یہ بھی

یاد رکھنا چاہیے کہ جرائم کی سزائیں ملزموں کی سفاکی اور ان کی سرکشی اور عادت کے موافق دنیا حسن انتظام اور عین انصاف ہے۔ اور قوانین ملکی میں جنکا تہذیب اخلاق و ترقی روحانی سے کچھ تعلق نہو صرف تمدنی امور میں افراد کے لحاظ سے ضرور تفاوت ہونا چاہیئے اگر ایسا نہو گا تو گدہے گھوڑے اور سیاہ و سفید میں امتیاز نکرنا صادق آئیگا۔ ان تینوں مقدمات کے بعد جواب سنیئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اوس درخت کو کہا لینا وہی بھول چوک بشریت تھی جسپر احتیاط نکرنیکے سبب انپر عتاب ہوا۔ خود قرآن میں ہے فنسی کہ آدم بھول گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذرا بھی جھوٹ نہیں بولا نہ کوئی خلاف واقع جاہلانہ بات کہی تھی۔ ہاں تعریض ضرور کی اور توریہ سے بھی کام لیا تھا جو عقلاً جھوٹھ نہیں ہوتا۔ بڑے بُت کے کندہے پر کلہاڑا رکھہ کر بت پرستوں کو نادم کرنے کے لئے یہ فرما دینا کہ بل فعلہ کبیرہم کہ یہ کام سب سے بڑے نے کیا ہے یعنی جو ان سے بالا دست ہے اپنے پوچھہ دیکھو اگر بول سکتے ہوں۔ ایک عاقلانہ اور پُراثر وعظ تھا۔ اسیطرح بیوی کو بہن کہدینا ایک ظالم کے شر سے بچنے کے لئے اور ننگ و ناموس محفوظ رکھنے کے لئے کچھہ جھوٹھہ بھی نہ تھا کیونکہ وہ ان کی چچا زادی بہن بھی تھی۔ اور انی سقیم کہدینا بھی ایک بے رغبتی کے لئے خصوصاً برے کاموں میں شریک ہونے کے موقع پر ایک محاورہ ہے بولتے ہیں دل بیمار ہے یعنی مجھے رغبت نہیں۔ اسیطرح آفتاب کو ہذا ربی ہذا اکبر کہدینا ان جاہلوں نیز اخترپرستوں پر ایک تازیانہ تھا جیسا کوئی کسی ذلیل اور حقیر شخص کو جس کو لوگ خواہ مخواہ اپنا بادشاہ کہتے ہوں یہ کہدے کہ یہ میرا بادشاہ یہ بڑا شخص ہے یعنی بادشاہ نہیں کیونکہ ولقد اتینا ابراہیم رشدہ من قبل کے بموجب وہ ابتدا ہی سے خدا پرست تھے طلوع و غروب کرنے والی اشیاء کا وجود ظلی ان کی نظر میں بہت ہی بے حقیقت تھا

ر ۱ اسلئے کبیرہم کہا انکے بڑے یعنی سب سے بالا تر لے گیا۔ کبیر ہتن نہ فرمایا کہ بڑے بُت نے ایسا کیا ہی ۱۲ منہ

کما قال انی لا احب الآفلین کہ میں غروب کرنے والی چیزونکو اچھا نہیں سمجھتا۔ حضرت موسے علیہ السلام کا بقصد قتل ایک قبطی کو نہیں مکا مارنا جبکہ وہ ظالم ناحق ایک مظلوم اسرائیلی کو بر سر بازار مارپیٹ کر رہا تھا اور اس سرکش نے زبانی ارشاد کی کچھ بھی پروانہ کی تھی کوئی بری بات نہ تھی اِن کی حمیت قومی اور انصاف کا یہی مقتضے تھا اِس سے اسکا مرجانا ایک ناگہانی بات تھی۔ مگر اسپر بھی وہ اسکو اپنے دلمیں اولالعزمی کے بڑا ہی سمجھتے اور استغفار کرتے رہے ؛

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت جو اوریا کی بیوی بت سبع کا معاملہ کسی مورخ نے دوسرا رنگ دیکر لکھا ہے اور اسیطرح حضرت سلیمان کی نسبت بت پرستی کا الزام لگایا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو گوسالہ پرست کہا ہے اور حضرت لوط علیہ السلام پر شراب پیکر اپنی دونوں بیٹیوں سے مباشرت کرنیکا الزام لگایا ہے یہ سب اہل کتاب کے علماء کی تحریف ہے جسکو نہ عقل تسلیم کر سکتی ہے نہ قرآن کیونکر قرآن اِن کی بابت شہادت دے رہا ہے وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ کہ وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہتر اشخاص تھے عصمت کیلیے یہی الفاظ کافی ہیں۔

اِن باتوں کا جواب اہل کتاب پر ہے اور اسکا بھی کہ وہ پھر اِن سے بھی کمتر معاملات پر جو بے احتیاط راویوں اور غلط فہم مفسروں سے لیکر اسمیں نئے نئے رنگ دیکر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کرتے ہیں ؛

قرآن میں حضرت داؤد کی بہت مدح آئی ہے سورہ صٓ میں ایک واقعہ انکی عدالت اور انصاف کے دکھانے کے لیئے مذکور ہے کہ دو چروا ہے بلا اجازت دیوار پھاندکر اِن کے خلوت خانے میں اپنا فیصلہ چکوانے کے لئے اِن کے مخصوص وقت میں آگھسے جس سے انکو گھبراہٹ ہوئی اور ہونی بھی چاہئے تھی کس لئے کہ اِن دنوں میں فلسطانی اور دیگر بادشاہوں سے جو ان کے آس پاس تھے لڑائی جاری تھی

ایسے مواقع میں بذوات لبقصد قتل گھروں میں گھس آیا کرتے ہیں۔ اس پر ان کے الفاظ ناملائم کہ ڈرنا نہیں۔ انصاف کرو۔ ظلم نکرنا۔ ایسے کلمات تھے جن سے بادشاہان ذوالاحترام کو غصہ آجانا ایک معمولی بات ہے اسپر بھی حضرت داؤد نے ان کے جھگڑے کا جو ایک دنبی کی بابت تھا انصاف سے فیصلہ کردیا۔ انکو نکلوانہ دیا نہ سزا گستاخی کا حکم دیا ان کی طبیعت انصاف پسند کا امتحان تھا جسپر وہ اس رمز کو سمجھ کر خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے اور اپنر عنایت وفضل الٰہی کا انعام نازل ہوا۔

بے احتیاط راویوں نے اس واقعہ کو ایک معما بنادیا اور پھر اس کے لئے کیا کیا افسانہ گھڑے جن کا کچھ بھی ثبوت نہیں خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر مخالفوں نے دوقسم کے حملے کئے ہیں (۱) شہوت پرستی اور بے تعداد عورتیں رکھنے کا اور زید کی بیوی سے دلمیں عشق رکھنے کا الزام (۲) مخالفوں کو بیرحمی سے قتل کرانے اور ان کے مال واسباب لوٹ لینے اور بال بچوں کو لونڈی غلام بنا لینے کا۔ پھر ندیدا عیسائی مصنفوں نے اسپر کیا کیا رنگ آمیزیاں کی ہیں اور اسلام کی توہین کے لئے کیسی کیسی کتابیں اور رسالہ مختلف زبانوں میں تصنیف کئے ہیں۔ اور حضرت نے جو کچھ دنیا کے روبرو مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کی بابت پاکبازی کی شہادت دی ہے جسپر یہود کو اب تک غیض وغضب ہے کیا ہی حق ادا کیا ہے کیوں نہو انصاف پسند طبائع ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور تہذیب وشائستگی بھی اسیکا نام ہے۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے۔ کہ تمام مورخین متفق ہیں کہ آنحضرت صلعم نے پچاس برس کی عمر تک صرف ایک ہی بیوی خدیجہ رضؓ پر کفایت کی جو آپ سے بیس برس بڑی تھیں جہاں آپکا وطن بھی تھا اور قریش آپ کو بخوشی خاطر نوجوان حسین لڑکیاں دینے کو بھی موجود تھے اور رغبت بھی دلایا کرتے تھے اور انسانی عمر کا یہی زمانہ عورتوں کیطرف رغبت کا بھی ہوتا ہے۔ پھر عقل باور نہیں کرتی کہ ایک ایسا شخص جسکو تمام جاہل قوم اور

پھر عقل بھی باور نہیں کرتی کہ ایک ایسا شخص جسکو تمام جاہل قوم اور ملک کی ہدایت کا داعیہ بھی ہو اور ایسا داعیہ کہ جسکی بدولت وہ اور ان کے یار و اعوان ہر قسم کی ملامتوں اور ایذاؤں کا نشانہ بنائے جائیں وطن اور گھر بار چھوڑنا پڑے اور تمام ملک دشمنی پر کمربستہ ہو جائے وہ پردیس میں جاکر جہاں ایک چھوٹی سی بستی (مدینہ) کے لوگ ان کے محض اسی خداپرستی کی سبب اعوان و انصار ہو جائیں اور انہیں میں سے چند سردار درپردہ باعث تخریب بھی ہوں اور رات دن عیب جوئی کے درپے ہوں (منافق) اور اس بستی کے آس پاس ایسی سخت اور حاسد یہود کی قومیں بھی رہتی ہوں (بنی قریظہ و بنی نضیر وغیرہ) جو تمام عرب کو اس خداپرست اور مظلوم گروہ کے نیست و نابود کر دینے کی ترغیب دلاتی ہوں اور اسی وجہ سے آئے دن قوموں کی یورشیں اور ہر روز مار دھاڑ کا بازار ان کے لئے گرم ہو۔ فقر و فاقہ حد سے بڑھا ہوا ہو جوانی بھی ڈھل گئی ہو وہ شخص ایسے موقع پر ایسی حالت میں شہوت رانی کر کے اپنے دامن پر دھبہ لگائے؟ خارج از حیطۂ عقل ہے۔ بھلا کوئی تھوڑی سی سمجھ کا آدمی جو واقعات سے واقف ہو ذرا بھی باور کر سکتا ہے کہ مدینہ کے وہ غیور انصار جن کو رشتۂ اعتقاد ہی وابستہ کئے ہوئے تھا اور قبائل عرب کے مہاجرین جملہ تکالیف ایک ایسے شخص کی خاطر اٹھائیں اور اپنی جانوں اور مالوں کو معرض ہلاکت میں ایک ایسے آدمی کے لئے ڈال دیں جو پیرانہ سالی میں بھی شہوت پرست ہو وہ لوگوں کی بہو بیٹیوں سے مخفی یا ظاہر عشقبازی کرتا ہو۔ جو بقول مخالفین پُرفن و عیار بھی ہو۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ یہ کہنا کہ وہ بیوقوف لوگ تھے خود قائل کی بیوقوفی ہے ان کی لیاقتیں ان کے فتوحات ملکی سے ظاہر ہیں اور ان فتوحات پر ان کی اوس پاک اور درویشانہ زندگی میں جو ان کے پیغمبر کے حیات میں تھی فرق نہ آنا ان کی بے استغنائی اور ان کے دلوں میں پیغمبر کے زندہ اصول جاگزیں ہونے کی دلیل ہے اس تمہید کے بعد ان رنگ آمیزیوں اور بے احتیاط راویوں کی روایات سے قطع نظر کر کے جو ہر مذہب میں ہوتی ہیں اصل واقعات پر نظر غائر ڈالی جائے تو ان بیہودہ

الزامات میں سے ایک بھی اوس پاکباز اور معصوم کے دامن پر نظر نہ آئیگا۔

سب سے پہلا الزام زید کی بیوی زینب کے نکاح سے پیغمبر علیہ السلام پر قائم کیا کرتے ہیں۔ قرآن اور کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں ہے اور نہ کسی معتبر مورخ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام زید کے گھر میں گئے تو ان کی بیوی کو برہنہ نہاتے دیکھ کر انپر عاشق ہو گئے زینب بھی آپ پر کو تاڑ گئیں اسلئے وہ اپنے خاوند زید سے اور بھی زیادہ بدخلقیاں کرنے لگیں اوہر زید اِس لگاوٹ کو سمجھ گئے اور جان گئے کہ یہ بیل نہ منڈھے چڑہی ہے نہ چڑہے گی۔ اِس لئے طلاق کا ارادہ کر لیا پیغمبر علیہ السلام نے ظاہرداری کے لحاظ سے اپنا تقدس جتلانے کے لئے موںہہ سے تو منع فرمایا مگر دل میں یہی آرزو تھی۔ چنانچہ پیغمبر کی اِس آپ پر کو قرآن میں خدا نے ظاہر کر دیا ہے وتخفی[1] فی نفسك ما الله مبدیه وتخشی الناس والله احق ان تخشاہ۔ اور جب زید نے طلاق دیدی تو بے صبری ہوئی کر بغیر نکاح کے اسکو اپنے خلوت خانہ میں لیگئے اور فرمادیا کہ میرا نکاح عرش پر جبرئیل نے باندہ دیا ہے ''

حاشاہ ثم حاشاہ ہرگز یہ واقعہ اسطرح سے پیش نہیں آیا نہ قرآن کی آیت مذکورہ بالا کا یہ مطلب ہے یہ صرف مخالفوں کی رنگ آمیزی ہے

واقعہ یہ تہا کہ زینب حضور اقدس کی پہوپی زادی بہن اعیان قریش میں سے تہیں

---

[1] اور اپنے دلمیں آپ وہ خیال چھپا رہے تہے کہ جسکو اللہ ظاہر کرنے والا تہا ۱۲۔ اسمیں نہ عشق و محبت کا ذکر ہے نہ عشق و محبت ظاہر کیا گیا ہے ظاہر تو قرآن میں اِس مقام پر یہ کیا گیا ہے کہ موںہہ بولا بیٹا درحقیقت بیٹا نہیں ہو جاتا زینب کو زید طلاق دے چکا ہم آپکو نکاح کا حکم دیتے ہیں ۱۲ منہ

ف اول تو زینب آپکے کنبہ کی تہیں نکاح زید سے پہلے سو بار بھی انکو دیکھا ہوگا پھر اپنے لئے نکاح کی درخواست نہ کرتے جسپر وہ لوگ بہت جلد اپنا فخر سمجھ کر اپنے ہادی قوم کے شریف سے بیاہ دیتے۔ دوئم اسلام کا حکم ہی نہیں کہ وراننہ بے اطلاع اپنے مستورات میں بھی چلے جاویں بلکہ سلام وغیرہ الفاظ سے اطلاع کرنیکا حکم ہے پھر آپ بغیر اطلاع زید کے گھر میں کیونکر جا سکتے تہے اور اطلاع کرنے پر ممکن نہ تہا کہ زینب جیسی عابدہ زاہدہ خدا پرست پردہ ستر نہ کرتیں اور ویسی ہی ننگی بیٹھی نہایا کرتیں جیساکہ عیسائیوں اور

زید آپ کا مونہہ بولا بیٹا تہا جسپر آپ کی پدرانہ شفقت تہی اپنی سفارش اور ذمہ داری سے اپنے ہی خاندان میں آپ اِن کی شادی کے متکفل ہوئے ور غلام سے سردار قریش کی بیٹی کا پیوند لگی رسم کے خلاف تہا۔ یہ اتفاقی بات ہے کہ میاں بیوی میں اَن بن ہونے لگی۔ بیوی تند مزاج تہیں۔ زید کا بجز آپکے اور کون تہا جس سے بیوی کی بدمزاجی کی شکایت کرتے آپ اوس لحاظ سے کہ یہ نکاح میرے کہنے اور میری ذمہ داری سے ہوا ہے زید کو صبر و برداشت کی نصیحت فرماتے رہے آخر تنگ آکر زید نے طلاق کا قصد ہی کر لیا اور اپنے آقا سے صاف صاف کہدیا۔ اِس موقع پر آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر کار اس ذمہ داری اور یگانگت کے سبب زینب کے ورثہ مجہی کو اوس کے ساتہہ نکاح کرنے پر مجبور کرینگے۔ مگر زید متبنے کہلاتا ہے اور متبنے کی مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کرنا عرب کی رسم جاہلیت میں معیوب سمجہا جاتا ہے۔ اس خیال کو آپ دلمیں چہپا رہے تہے اور استہزا سے ڈر رہے تہے۔ مگر ایسے رسوم کا توڑنا کوئی آسان کام نہیں خدا نے اپنے پیغمبر ہی کو اس کے لئے مجبور کیا اور نکاح کا حکم دیا۔ آسمان پر نکاح کرنے سے یہ مراد ہے۔ اور فرمادیا کہ لوگوں کے طعن و تشنیع کی کچہہ پروا نکرو اسلئے مجبوری زینب سے نکاح کرنا پڑا۔ جو لوگ خانہ داری کی ایسی پیچیدگیوں میں پڑکر نکاح پر مجبور کئے جاتے ہیں وہ اِس بات کو خوب سمجہہ سکتے ہیں مخالف جو چاہے بدگمانی کیا کرے۔ یہ تہا وہ واقعہ جسکو دوسرے قالب میں ڈہالکر مخالفوں نے دکہایا ہے

دوسرا اعتراض یہ تہا کہ اپنے لئے چار کی حد کیوں نہ قائم کی۔ اسکا جواب تمہید کی دفعہ سے واضح ہے۔ حضور اقدس کے لئے متعلمات کو بسلسلہ نکاح جمع کرنے میں مصلحت تہی اِن کی عیالت و کفالت کے لحاظ سے بہی اور جلوت و خلوت میں مستفید

بقیہ صفحہ ۱۷۸ اور ہنود میں دستور ہے سوئم جب پیغمبر علیہ السلام کے دلمیں یہ خیانت تہی تو ہمیشہ کے لئے اپنے لئے قرآن میں ایسی بات داخل کر کے بدنامی کیوں لیتے۔ جس احمق بدذات نے اپنے معاملات پر قیاس کر کے اوس مقدس پر ایسا بہتان باندہا ہے اسکو عقل بہی نہ تہی ۱۲ منہ

ہونے کے سبب سے بھی اس لئے تعداد معین نہ کی گئی اس کی تشریح اور مقامات پر بھی آئے گی انشاء اللہ۔ **دوسری بات کا جواب** ۔ بھی تمہید سے ظاہر ہے۔ ایسے بدذات جو خواہ مخواہ ایک خداپرست مظلوم گروہ کے رات دن درپے قتل ہوں اور لوگوں کو بھی ابھارتے ہوں اور کئی بار عہد کر کے بدعہدی بھی کر چکے ہوں اور قریب تھا کہ جنگ احزاب میں ان بدذاتوں کی شرارت سے سب کے سب خداپرست قتل کئے جاتے۔ ان کے گھربار لوٹے جاتے بال بچے لونڈی غلام بنائے جاتے اور قریب ستر کے شہید بھی ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے پھر ایسے قاتلوں سفاکوں سانپوں کے بچوں کو جو ابنیار خصوصاً[1] حضرت مسیح پر ظلم و ستم کر کے اترا گئے تھے قتل نہ کرتے تو کیا ان کے سر پر پھول دہرتے ان کی خبر تو خود مسیح علیہ السلام لے لیتے چنانچہ حواریوں کو تلواریں خریدنے کا حکم بھی دے چکے تھے۔ مگر ابھی آسمانی سلطنت کا زمانہ نہیں آیا تھا حواریوں کے بودے پن سے مجبور ہو گئے۔ یہاں آپ کے ساتھ عرب بالخصوص قریش و انصار تھے جن کی شجاعت سے شیر غراں پیچ و تاب کرتا تھا سب کو مزا چکھا دیا +

ایسے رحمدل معترض تو آجکل یورپ کے ہر فرمانروا پر سنگدلی اور بیرحمی کا الزام لگاتے ہونگے۔ جبکہ وہ سیکڑوں قاتلوں کو پھانسی پر لٹکتے اور سینکڑوں بدمعاشوں کی پیٹھ پر تازیانہ پڑتے دیکھتے ہوں گے سینکڑوں کو گولیوں اور توپ کے گرابوں سے اوڑتے دیکھتے ہونگے سینکڑوں کے گھربار جائداد لوٹتے اور ضبط ہوتے ملاحظہ کرتے ہوں گے اور ان کے باقیماندوں کو اسیر اور زیر حراست پاتے ہوں گے پھر ایسے رحمدلوں کا کیا کہنا ہے۔ انہیں کے بزرگوں نے تو مسیح علیہ السلام کو ظالموں کے پھندے میں پھنسا دیکھ کر کان تک نہ ہلائے +

ہندوؤں کے ہادی سری کرشن جی نے کورچھتر کے میدان میں لاکھوں چھتریوں کو ایک دنیاوی معاملہ پر تہ تیغ کرادیا پھر شنکراچارج جیسے دہرماتما رحمدلوں نے جو جینیوں[2] کا[illegible]

[1] خود مسیح نے ان کی نسبت یہ لفظ فرمایا تھا۔ [2] ذبح حیوانات جان مارنا ۱۲ منہ

باپ سمجھتے ہیں ہزارہا بیگناہ بودھوں کو کس بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ اپنا ہی دھرم چمکانے کے لئے رحمدل مشنری جو مسیح کے اس قول کے بڑے عامل ہیں کہ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اسکی طرف دوسرا بھی کر دے۔ حرب صلیب کے زمانہ میں محض غیر مذہب ہونیکے سبب ہزاروں مسلمانوں عورتوں بچوں بوڑھوں بیماروں کو کس بیرحمی سے تہ تیغ کیا جبکہ ان بیت المقدس فتح کیا تھا اوس روز ان بیماروں بوڑھوں عورتوں بچوں کی تعداد۔ جو الاماں الاماں پکارتے اور رو رو کر رحم دلا رہے تھے قریب ستر ہزار کے تھی جنمیں یہودی بھی تھے۔ پھر اسپین میں جب فرڈی ننڈ نے قبضہ کیا تو دیندار عیسائی مشنریوں کے فتوے سے بے تعداد مسلمانوں کو جنمیں عورتیں اور بچے اور بوڑھے اور بیمار بھی تھے کس بیرحمی سے قتل کیا ہے اور جو سراسیمہ ہو کر پہاڑوں جنگلوں میں بھاگ گئے تھے اور ان کا تعاقب جاری تھا وہ برف اور وہ بھوک پیاس سے مرے ہیں انکا کوئی شمار نہیں صرف اسکی جان بخشی ہوتی تھی جو دین عیسوی قبول کرتا تھا۔ اور اب جہاں کہیں فتنۂ و فساد برپا ہو کر ہزاروں خون ہوتے ہیں اس کا تخم انہیں دیندار مشنریوں کے مقدس ہاتھوں کا بویا ہوا ہوتا ہے۔ اور تبلیغ مذہب کی آڑ میں جہاں کہیں ان کے مبارک قدم جاتے ہیں وہاں یہی فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ اسیطرح حضرت موسےٰ اور یوشع اور بعد کے انبیاء کے وہ خونخوار قتال و جدال جنمیں عورت مرد جوان بوڑھا گائے بیل تک تہ تیغ کیا گیا۔ بائبل میں مذکور ہیں ملاحظہ ہو سفر خروج باب ۳۲ سفر عدد باب ۲۱۔ سفر استثناء باب ۳۳۔ کتاب یسوع باب ۸۔ انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۳۶ میں ہے کہ جسکے پاس نہیں وہ اپنے کپڑے بیچکر تلوار لے۔ پھر اس کتاب کے باب ۲۲ میں ہے کہ حواریوں میں سے ایک نے سردار کاہن کے نوکر پر تلوار چلائی اور اسکا داہنا کان کاٹ ڈالا۔ مگر حواریوں کی ہمت دیکھکر مسیح نے فرمایا کہ اتنے ہی پر رہنے دو۔ انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۵۱)

قرآن میں جو آپ کو توبہ و استغفار کا حکم دیا اور معافی کا مژدہ سنایا گیا۔ اس لئے کہ

کہ نبی قوم کا وکیل ہوتا ہے قوم کے گناہوں سے استغفار کرنا مراد ہے اور نبی کو ان کی بخشش کا مژدہ دیا گیا ہے اگر گناہ ہو سے یہی معمولی گناہ مراد لی جائے۔ ورنہ اس سے مراد وہ خطرات بشریہ ہیں جن سے بشر مجبور ہے تو ان کے قلوب صافیہ پر ان سے بھی وہی کدورت محسوس ہوتی ہے جو دوسروں کو گناہوں سے محسوس ہوتی ہے۔ اور اسیلئے لیغفرلک ما تقدم من ذنبک وما تاخر ارشاد ہوا ہے۔ اور نیز مقامات تقرب میں ذرا ذرا التفات غیر اللہ بھی ایسے اولوالعزم اشخاص کے لئے گناہ سمجھے جاتے ہیں مشہور ہے حسنات الابرار سیات المقربین دلیل الباب پر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گناہ ہونے یہ معمولی گناہ مراد نہیں بلکہ وہی خطرات و التفاتات الی غیر اللہ دلیل خود آنحضرت صلعم ہی کا قول ہے قال رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ، رواہ مسلم۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے دل پر (غین) ایک پردہ سا طاری ہو جاتا ہے تو میں دن بھر میں سو بار خدا سے استغفار کرتا ہوں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جس کی صحت میں کچھ بھی کلام نہیں ہے پس جس شخص پر قرآن نازل ہوا تو اسینے اپنے گناہ کی کیفیت بیان فرمائی تو اب اور کیکا حق نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اس کے معنی بیان کرے۔ اور الزام لگانے کے لئے اپنے معانی اون الفاظ میں پہنا دے۔

وہ غین کیا تھا؟ علماء نے بخصوص اس حدیث کے شراح نے اس کے متعدد معانی بتائے ہیں۔ جنمیں سے اقوی یہ ہیں جسکی نسبت صاحب لمعات بھی لکھتے ہیں ان ذلک کان بسبب امتہ وما اطلع علیہ من احوالہم بعدہ فکان یستغفر لہم کہ یہ غبار امت کے گناہوں کا تھا جبکہ آپ اوسپر مطلع ہوتے تھے (تو اس آئینہ صافی پر اوسکا عکس پڑتا تھا) پس ان کے لئے استغفار فرماتے تھے۔

ہر مقامات عالیہ طے کرنے والے کو جب تک کہ وہ اس مقام تک نہ پہونچا تھا اس مقام کے

لحاظ سے ضلالت ہوتی ہے اور یہ بدیہی بات ہے۔ اسیطرح آنحضرت صلعم کا حال تھا جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں فرماتا ہے ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان کہ اس سے پہلے آپ نہ کتاب جانتے تھے نہ حالات ایمان پہچانتے تھے ہمنے بذریعہ وحی والہام تمکو مطلع کیا ہے۔ اور یہ ایک واقعی بات ہے۔ پھر اس لفظ سے بت پرستی و بدکاری کی گمراہی مراد لینا خود معترض کی گمراہی ہے۔

اس قسم کے گناہوں سے کوئی بشر بھی پاک نہیں نہ ہوسکتا ہے۔ اسبات کا خود حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی اقرار ہے چنانچہ انجیل متی کے انیسویں باب ۱۶ درس میں ہے دیکھو ایک نے اوس سے (یعنی مسیح سے) کہا کہ اے نیک استاد میں کونسا نیک عمل کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں اس نے اسسے کہا کہ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا پر اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہے تو حکموں پر عمل کر لوگ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پاس یردن ندی میں گناہوں کا اقرار کر کے بپتسمہ پانے جاتے تھے اسی رسم کے موافق خود مسیح علیہ السلام نے بپتسمہ پایا جیسا کہ انجیل متی کے اول باب میں ہے۔ اس کے بموجب مسیح نے بھی گناہونکا اقرار کیا ہوگا +

کتاب ایوب کے چودھویں باب میں ہے۔ درس ۴۔ کون ہے جو ناپاک سے (انسانی نطفہ) پاک نکالے۔ پھر پندرھویں باب کے ۱۴ درس میں ہے۔ انسان کون ہے کہ پاک ہوسکے اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا کیا ہے کہ صادق ٹھہرے +

جب یہ ہے تو پھر جملہ خدا پرست اور راستباز گو وہ نبی یا رسول ہی کیوں نہوں کس لئے اپنے خدا کے حضور میں توبہ و استغفار عجز و نیاز نہ کریں۔ اوس قدوس کے سامنے انسان کا حدوث و امکان ہی اس کی تقصیر کی شہادت ہے۔ اسکو بدکاروں کی بدکاریاں اور

سلہ افسوس پولوس عمل کرنے سے روکتا ہے صرف مسیح پر ایمان لانے ہی کو موجب نجات اور عمل کو موجب لعنت قرار دیتا ہے ۱۲ منہ

مشرکوں کی بت پرستیاں قرار دینا ایک تیرہ باطن کا کام ہے۔ جسکو مقام عبودیت میں کچھ بھی بہرہ نہیں ؎ بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش + عذر بدرگاہ خدا آورد +

جملہ انبیاء کی عصمت

پر یہ آیت دلیل ہے اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۚ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ سورہ ص رکوع ۴

یعنے ہمنے انکو (انبیاء علیہم السلام کو) ایک خاص بات کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ دار آخرت کیطرف متوجہ ہونے اور اس کے یاد رکھنے کے سبب اور وہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک بندے ہیں۔ جس کے قوی بہیمیہ قوی ملکیہ کے مطیع نہو جائیں کہ بہیمت عمل اور علم میں اپنی تاریکی کا پردہ نہ ڈال سکے اوسوقت تک انسان برگزیدہ اور نیک نہیں ہو سکتا۔ یہی عند اللہ برگزیدگی عصمت ہے۔ جب عموماً انبیاء علیہم السلام کا یہ حال ہے تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو سب میں محکم اس آیت کے برگزیدہ ہیں بدرجہ اولی المعصوم ہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کہ رسولوں میں ایک کو دوسرے پر ہمنے فضیلت دی ہے یہ مضمون تو بجبارہ النص ثابت ہے مگر علماء ربانی نے تصریح کی ہے کہ بعض کے لفظ سے آنحضرت صلعم کیطرف استعارہ ہے۔ اور آپ کے لئے بالخصوص اور یہی آیات ہیں۔ قوت نظریہ کی عصمت کے لئے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى اسکی تصریح ہو چکی ہے۔ نیک عمل اور ثبات فی الدین کے لئے یہ آیت ہے وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ۝ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸ کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدمی عطا نکرتے تو آپ اے نبی ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔ یہی ثابت قدمی عصمت ہے۔ اور اسیکو سلطان نصیر سے تعبیر کیا جاتا ہے جسکی نسبت آپ کو دعا مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ کہ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ دعا سے مقصود ہے کہ یہ زائل نہو جائے اور دن بدن اسمیں ترقی ہوتی رہے وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ

خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ قسم ہے روشنی اور رات کی جبکہ وہ چھا جائے (اس میں قوت ملکیت وقوت بہیمیہ کیطرف اشارہ ہے) اے محمد تمکو نہ تمہارے رب نے چھوڑ دیا ہے نہ آپسے وہ ناراض ہوا ہے (ہمہ وقت ظل عنایت اور تاج رضامندی آپکے سر پر ہے۔ اور ہر دم اور ہر ساعت جو پیچھے آنے والی ہے وہ آپکے ترقی درجات میں پہلے سے بہتر ہے سایۂ عنایت وحفاظت الٰہی کو عصمت بھی کہا جاتا ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَہْرَکَ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ○

اس سورہ میں صاف ہے کہ خدا نے اپنے پیغمبر علیہ السلام پر تین عنایت کی ہیں۔ (۱) آپ کی شرح صدر کیگئی۔ یعنے سینہ مبارک کھولدیا گیا جملہ علوم ومعارف واسرار ملکوت السماوات والارض عالم محسوس اور عالم غیر محسوس کے حقائق آپ پر منکشف کر دیئے گئے کسلئے کہ بغیر ایسی حالت کے شرح الصدر کا اطلاق بے معنی ہے اور نیز احادیث صحیحہ میں اسکی تصریح بھی ہے۔ اور یہ ملکیت کا پورا غلبہ ہے جو نبوت کیلئے کے لئے لازم ہے (۲) نفسانی خواہشیں شہوت بیجا غضب بیجا۔ طمع بیجا۔ یہ تین ایسے گراں پتھر ہیں کہ ملکیت کی کمر توڑ ڈالتے ہیں۔ جملہ معاصی کا یہی تین قوتیں فرداً فرداً یا مجموعہ مرکب ہوکر اصل الاصول ہیں۔ اور جب یہ غالب آجاتے ہیں تو نورِ ملکیت مدہم پڑ جاتا ہے بلکہ ظلمات کے پردے پڑ جاتے ہیں جسکے سبب انسان معارف وحقائق سے محروم ہو جاتا ہے۔ خدا نے یہ بوجھ گراں رسول پاک سے دور کر دیا۔ اور شرح صدر کے بعد یہ دور ہونا ہی تھا۔ یہی وہ موجب عصمت فی العلم والعمل ہے کوئی شہوانی ونفسانی طاقت اس کے بعد غلبہ نہیں کرسکتی نہ حقائق الاشیاء کے ادراک میں کوئی ظلمانی پردہ مانع آتا ہے۔ (۳) آپ کا ذکر خیر بلند کیا اور شرح صدر۔ اور وضع وزر کے بعد ویسا ہونا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ انسان کی رفعت کو یہی چیزیں مانع ہوتی ہیں +

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

سورہ جمعہ رکوع ۲- اِس سورہ میں خدا تعالےٰ اپنی عنایت کا اظہار فرماتا ہے۔ کہ ہم نے ان پڑھوں میں یعنی تمام عالم میں کسلئے کہ جہل کی تاریکی سے اسوقت تمام عالم امی ہو رہا تہا انہیں میں کا ایک انسان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رسول بنا کر بہیجا تاکہ وہ جو امی ہو رہے ہیں خود نہیں پڑہ سکتے (۱) انکو ہماری آیات پڑھکر سنائے (۲) قوی بہیمہ کی گندگی سے ناپاک اور آلودہ ہو رہے ہیں علاوہ کفر و شرک کے صدہا اخلاقی اور علمی نجاستوں میں آلودہ ہیں اونکو ان سے پاک کرے۔ یہ (حکیم روحانی انکو امراض روحانی سے بچائے اور جب تک خود قوی بہیمہ سے پاک اور آسمیں اِس پاکیزگی کا ملکہ نہو گا جسکو عصمت کہتے ہیں دوسروں کو پاک کر نہیں سکتا) اور جب انہیں پاکیزگی اور زندگی کی تازہ روح پہونک جائے تو انکو (۳) کتاب سکھائے جسکو وہ خود بہی پڑہ سکیں اور تمام کتاب پر مطلع ہو جائیں اور جب انہیں یہ قابلیت پیدا ہو جاے (۱) تو انکو حکمت سکہائیں حکمت حقائق اشیار کو ان کی اصلی حالت پر جان لینا ہے۔ اور یہہ انسان کی تکمیل کا انتہائی درجہ ہے +

خلاصہ یہ کہ عصمت ایک ملکہ راسخہ ہے جسکے سبب نبی بدکاری نکر سکے نہ کسی ادراک میں غلطی کہا سکے۔ اِس ملکہ کا ثبوت آیات مذکورہ بالا سے بخوبی ہوتا ہے۔ گو دوسرے الفاظ اور عنوان سے سہی اور عقلاء کے نزدیک ثبوت مدعی مقصود ہوتا ہے کہنیں الفاظ سے کیونہو کسلئے کہ لفظوں کے بدلنے سے اشیار کی حقائق نہیں بدل جاتے۔ کسی شے سے منع کر دینا شرامرتب کر دینا ہی اسکا حرام کر دینا ہے۔ گو لفظ حرام کا اطلاق نہ کیا جائے۔ مشنری مغالطہ دینے کے لئے خاص عصمت کا لفظ قرآن سے طلب کیا کرتے ہیں وہ ہٹ دہرمی کیا کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ پہر جب اینر لفظی مطابقہ تثلیث

وکفارہ کا کیا جاتا ہے کہ ان لفظوں سے ثابت کرو تو بغلیں جھانکتے ہیں ۔

(۴) تمام انبیاء علیہم السلام جملہ علوم و معارف میں متفق ہیں کسی ایک نبی کی بات کو دوسرا نبی غلط نہیں کر سکتا۔ قیامت عالم برزخ۔ خدا کی ذات و صفات جنت و دوزخ افعال کے موجب ثواب و عذاب کی بابت جسنے جو کچھہ فرمایا ہے سب حق فرمایا ہے اسمیں سر مو تفاوت نہیں ہاں اجمال و تفصیل و طرز بیان کا ضرور فرق ہوتا ہے اور نیز کسینے کم کسینے زیادہ بیان فرمایا ہے۔ اسیطرح عملیات اور اصول حسنات میں بھی فرق نہیں ہوتا۔ خدا کی بندگی اس کی توحید۔ مکارم اخلاق۔ مخلوق کے ساتھہ نیکوئی کرنے میں سب متفق ہیں۔ ان احکام میں کوئی پچھلا نبی اول نبی کے احکام کا ناسخ نہیں۔ البتہ حسنات اور عبادات اور اسیطرح ممنوعات کے قوالب میں بلحاظ اقوام اور زمانہ ایک اولوالعزم اور مستقل رسول مصالح دیگر کے لئے اسمیں ضرور ترمیم و تنسیخ کر دیتا ہے اور ایسا کرنا عقلاً جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے اسپر اعتراض کرنا اور خداتعالی کیطرف عواقب الامور کا جہل ثابت کرنا ایسا ہی حمق اور نادانی ہے کہ جیسا کوئی کسی حاذق حکیم پر اعتراض کرنے میں نادان ہے جو ایک نسخہ مرض اور مریض کیحالت کے مناسب آج تجویز کرے اور یہ بھی جانتا ہو کہ کل مرض بدل جانے پر میں اس نسخہ میں یہ تبدل و تغیر کرونگا۔ اسلام نے جو شرائع سابقہ کا نسخ کیا ہے یا خود اپنے احکام میں وقتاً فوقتاً قدرے ترمیم کی ہے تو وہ اسی مصلحت و حکمت پر مبنی ہے اور اسی قسم کا نسخ ہے اس قسم کے نسخ کا کوئی اہل کتاب بھی انکار نہیں کر سکتا۔ خود بائبل سے احکام میں وقتاً فوقتاً اس قسم کی ترمیم و تنسیخ ثابت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں زمین پر چلنے والے سب جانور حلال تھے اور حضرت موسیٰ کے عہد تک دو بہنوں سے ایک ساتھ شادی کرنا بھی درست تھا۔ ملاحظہ ہو توریت کی کتاب پیدائش [۵۱] ۔ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر میں ایک وقت دو بہنیں لیا۔ و راحیل موجود تھیں۔ مگر سب جانوروں میں سے

[۵۱] سفر پیدائش باب ۲۹ - ۱۲ منہ

حضرت موسےٰ کے عہد میں خنزیر اور دو بہنوں کے ساتھ ایک وقت میں نکاح کرنا حرام ہوگیا - ملاحظہ ہو توریت کی کتاب احبار[۱]۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں تعظیم سبت وغیرہ موسےٰ علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام موکدہ منسوخ ہوگئے - بلکہ بقول سنٹ پال اگلا عہدنامہ جو کمزور اور بودا تھا سب اٹھ گیا[۲] - اس کی یہ توجیہ کرنا کہ رسم شریعت میں نسخ ہوتا ہے ہمارے منافی نہیں ہم بھی اسکے قریب کہتے ہیں بات ایک ہی ہے ۔

الحاصل تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی دین ہے اور ہر پچھلا نبی اول کی تائید کرتا آیا ہے جو حضرت آدم اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام کا دین تھا وہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تھا - کوئی جدید دین نہ تھا - ہاں انبیاء سابقین کے پیرو بمرور زمانہ کبھی اپنے رسم ورواج وعادات اور خیالات کی ان کے پاک دین پر قلعی چڑھا لیا کرتے ہیں اور رہتے ہوتے اسکی صورت بدل جاتی ہے - اسیطرح روایات کے سلسلہ میں بھی بہت کچھ تفریط و افراط ہو جاتا ہے - اور کبھی ان انبیاء کی کتابوں میں بھی الحاق وتحریف کر ڈالتے ہیں اس لئے خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے ان جملہ گرد وغبار کو جو اس پاک مذہب پر چڑھا رکھا تھا صاف کرکے اصلی دین کو لے لیا - اور کسی کی مخالفت کی کچھ بھی پروا نہ کی - اگر اسلام اور اسکے اصول سعادت سے پہلے انبیائی مذاہب میں کوئی مخالفت ثابت کرتا ہے تو یقین کرلینا چاہیئے کہ یہ اصل دین میں مخالفت نہیں بلکہ ان کے برائے نام حامیان کے زوائد سے مخالف تھے

---

[۱] سفر احبار باب ۱۸ و باب ۲۰ ۱۲ منہ [۲] نامہ غلاطیہ کا ۵ باب ۱۲ منہ ف مثلاً نماز جملہ شرائع انبیاء میں تھی اخیر نبی کے عہد میں اسکے لئے اول جامہ وجسم ومکان کی پاکیزگی شرط قرار دیگئی پھر اسمیں بجائے صرف قیام ورکوع کے قیام ورکوع وسجود بھی داخل ہوا - اور جسم اور روح دونوں سے عبادت کرنا قرار پایا - اسمیں دعا و تسبیح وتہلیل واستغفار بھی شامل ہوا - اسیطرح وضو وغسل کے جو احکام شریعت اسلام میں ہیں وہ اس مطلق پاکی کی افراد وقوالب ہیں ۱۲ منہ

اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ سورہ انعام
انبیاء گزشتہ وہ لوگ ہیں کہ جنکو خدا نے ہدایت دی تھی اور اے نبی آپ بھی انہیں کی ہدایت پر چلیو
وما انزل الیک وما انزل من قبلک
کہ مومن وہ لوگ ہیں جو اے نبی اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو کچھ آپ سے پہلے انبیاء پر نازل کیا گیا
انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ -
قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انا اولی الناس بعیسے ابن مریم فی الاولی والاخرۃ الانبیاء اخوۃ من علات امھاتھم شتی ودینھم واحد ولیس بیننا نبی متفق علیہ ۱۲ منہ

جنکو انہوں نے پشت در پشت متوارث چلے آنے سے اصل مذہب و دین سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ حصہ اصل دین و مذہب نہیں بلکہ ان کے مشائخ و علماء کے از خود تراشیدہ خیالات ہیں جنکو جزء مذہب قرار دے دیا گیا ہے +

(۵) انبیاء علیہم السلام گرچہ سب برگزیدہ ہیں سب پر ایمان لانا فرض و واجب ہے۔ اور سب کی تعظیم و محبت ایمان ہے مگر پھر انمیں بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ فضیلت خداداد ہے۔ لیکن سر اوسکا یہ ہے کہ جوہر روحانی سب افراد کا یکساں نہیں جسمیں جسقدر قدرت نے کمال عطا کیا ہے وہی اس کی فضیلت کا باعث ہے +

دنیا میں اس فضیلت خاص کی تحقیق دو ہی طور سے ہو سکتی ہے ایک یہ کہ نبی کے کمالات نبوت اور انکا ظہور اس کی دلیل ہو۔ دوئم یہ کہ کتاب الٰہی میں یا خود پیغمبر کے کلام میں اسکی خبر ہو۔ اسلئے اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ انبیاء میں باہم تفاضل ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ مگر کس کو کس پر کسقدر فضیلت ہے اسکی تشریح قرآن مجید میں نہیں احادیث صحیحہ سے اہل اسلام کا اجماع ہے کہ خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء و مرسلین سے بلند مرتبت ہیں اور حضرت کے کمالات نبوت اس کے لئے دلائل ہیں جنکا کوئی منصف انکار بھی نہیں کر سکتا۔ گذشتہ انبیاء میں حضرت موسے اور حضرت عیسے علیہما السلام دو بڑے اولوالعزم رسول گزرے ہیں۔ اول الذکر نے بنی اسرائیل کو صدہا معجزات دکھائے فرعونیوں کی اوس سخت قید سے آزادی دلائی جو دنیا کا جہنم تھا قلزم پار ہو کر من و سلوے کھانیکو اتارا اور کیا کیا وقتاً فوقتاً احسان ہوتے رہے مگر قلزم سے پار اترتے ہی مشرکوں کو بت پرستی کرتے دیکھکر ان کے موںہ میں پانی بھر آیا اور موسے سے کہدیا کہ اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ کہ جسطرح ان لوگوں کے لئے خدا ہیں ہمارے لئے بھی کوئی خدا بنا دیجئے اسپر موسے نے سخت سرزنش کی۔ مگر پھر بھی جب وہ کوہ طور پر

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۸ سے
فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سب لوگوں سے میں عیسے بن مریم کا زیادہ قریب ہوں انبیاء سب بھائی ہیں جنکا ایک باپ ہے یعنے اصول مذہب ایک ہیں اور مائیں یعنی جزئیات شرائع متعدد ہیں سب کا ایک دین ہے میرے اور عیسے کے بیچ میں کوئی نبی نہیں (متفق علیہ) جس نبی کا قرآن یا احادیث میں ذکر آیا ہے اسکا منکر کافر ہے ۱۲ منہ

چالیس رات مناجات کے لئے تشریف لے گئے تو زیور اتار ڈھالکر بچھڑا بنا لیا اور اسکو پوجنے لگے۔ کیونکہ اہل مصر بیل کو بھی پوجا کرتے تھے۔ یہ تو ان کی معرفت اور خدا شناسی تھی اب اولوالعزمی سنئے۔ جب عمالیق سے بنی اسرائیل کو لڑنے کا اتفاق ہوا تو ہر چند موسےٰ نے انکو لڑائی پر ابھارا۔ مگر انپر عمالیق کے قدوقامت سے وہ بزدلی سوار ہوئی کہ موسےٰ سے صاف کہدیا۔ فاذھب و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون کہ اے موسےٰ جاؤتم اور تمہارا خدا ان سے لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر ایکبار نہیں بار بار اِس قسم کی نافرمانیاں کرتے رہے حتیٰ کہ خود موسیٰ تنگ آ گئے اور خدا سے عرض کیا کہ ایسی بدنصیب اور نالائق قوم کا مجھے کیوں ہادی بنایا ؟۔

حضرت عیسےٰ نے لوگوں کو صدہا معجزات دکھائے بہت سے اپنر ایمان بھی لائے حالانکہ وہ کوئی جدید تعلیم اور بعثت بھی لیکر نہیں آئے تھے کہ جسکا قبول کرنا شاق ہو صرف موسوی مذہب میں صوفیانہ اخلاص وسوز وگداز پیدا کرنے آئے تھے اسپر بھی جب دشمنوں نے حضرت مسیح کو گرفتار کیا ہے تو سب بھاگ گئے شمعون اعظم الحوارین نے کہ جسکو آسمانی خزانوں کی کنجیاں بھی دیگئی تھیں انکی شناسائی سے بھی بلفظ لعنت انکار کر دیا +

مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ رنگ عرب کے خونخوار اور جاہلوں پر چڑھایا وہ انکے مرتے دم تک بھی دور نہوا۔ حالانکہ جو کچھ آپ تعلیم فرماتے تھے وہ انکی سابق آزادا ور شہوت پرست زندگانی کے بھی سراسر خلاف تھا۔ ایسے ایسے تہلکوں میں اپنی جانوں کو ڈالکر اپنے ہادی کو فتح و نصرت دلاکر لائے۔ اور پھر آپکے بعد بھی اِن کی وہی صاف اور سادہ زندگی اور درویشانہ حیات رہی۔ اِس تفاوت پر تفاضل کو غور فرمایا جائے +

(۶) حضرات انبیاء کچھ بنی اسرائیل اور عرب ہی پر منحصر نہیں بلکہ اوس رحیم وکریم نے اپنے بندوں کو اِس فیض سے محروم نہیں رکھا ہر جگہ پیغمبر یا ان کے نائب بھیجے ہند۔ چین۔ ایران۔ وغیرہ بلاد میں ایسے بزرگ مبعوث ہوئے ہیں۔ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ

اِلَّاخَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ کہ ایسی کوئی بھی قوم نہیں کہ جسمیں خدا کا نذیر (نبی) نہ آیا ہو۔ اور ہر ایک قوم کے لئے ہنمنے ایک نہ ایک ہادی بھیجا ہے۔ سب رسولوں اور ان کی الہامی کتابوں کو برحق ماننا اسلام کا فرض ہے۔ لیکن جن رسولوں کا قرآن میں ذکر نہیں آیا نہ اِن کی کتابوں کا تو انکو حوالہ بخدا کرنا چاہیئے۔ اور ہندو چین وغیرہا بلاد کے مشاہیر کی نسبت اِن کے پیروں کی تراشیدہ روایات پر اعتبار کر کے برا بھلا نہ کہنا چاہیئے ممکن ہے کہ رسول یا ان کے نائب ہوں بمرور زمانہ لوگوں نے اِن کے مذہب و دین میں تراشیدہ خیالات کا اضافہ کر کے اِن کی اصلی صورت بگاڑ دی ہو یہی حال اِن کتابوں کا ہے کہ جو انکیطرف منسوب کیجاتی ہیں۔ اِن میں جو کچھ مضامین توحید خدا پرستی مکارم اخلاق کے ایسے پائے جاتے ہوں جو اخیر ہادی کے ارشاد کے موافق ہیں تو باور کر لینا چاہیئے کہ یہ اسی الہامی قصر شکستہ کے ریزے ہیں جو تو ہمات کی خاک میں دبے ہوئے برآمد ہوتے ہیں۔

لیکن ہنود کی چار کتابوں یعنی۔ رگوید۔ یجروید۔ سام وید۔ اتربن وید۔ اور چھہ شاستروں اور دیگر کتابوں کو جو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں ہرگز الہامی نہیں نہ انبیاء پر نازل شدہ ہیں۔ کسلئے کہ اِن میں بہت سے غلط اور خلاف واقعہ مضامین پائے جاتے ہیں جو توحید اور اصول انبیاء کے سراسر مخالف ہیں۔ اور کچھ عمدہ مطالب بھی ہیں جنکی نسبت گمان ہوتا ہے کہ یہ الہامی مضامیں اِن کتابوں میں داخل کئے گئے ہیں۔ اِس سے وہ مجموعہ الہامی نہیں ہوسکتا۔

اسیطرح چاروں انجیل۔ اور توریت و زبور و دیگر صحف انبیاء جنکے مجموعہ کو اہل کتاب بائبل کہتے ہیں اِن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان انبیاء پر نازل نہیں ہوئیں ہیں کہ جن کی طرف منسوب کیجاتی ہیں۔ بلکہ بعد میں لوگوں نے اِن انبیاء کے حالات و اقوال و احکام جمع کرلئے ہیں اِن میں بیشتر الہامی مطالب ہیں اور کہیں غلط بھی ہیں جو لوگوں کی تحریف و تبدیل ہے۔ اِس مسئلہ کی تحقیق ہم تیسرے باب میں

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ سورہ آل عمران رکوع ۹۔ اے نبی ان سے کہدو کہ ہم تو اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتار اگیا اور جو کچھ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور انکی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسے اور عیسے اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا سب پر ایمان لائے ان میں سے کسی ایک میں بھی ہم فرق نہیں کرتے اور ہم اسیکے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں ۱۲ منہ

مفصلاً ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالے +

(۷) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا سورۂ شوریٰ رکوع ۵۔ کسی آدمی کی مجال نہیں کہ خدا اس سے دوبدو ہوکر کلام کرے۔ مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو اس کے پاس بھیج دیتا ہے۔ اور وہ خدا کے حکم سے جو اسکو منظور ہوتا ہے پیغام پہونچاتا ہے۔ کیونکہ خدا عالی شان اور حکمت والا ہے۔ اور ایسے ہی ہم نے اسیطرح سے آپ کے پاس بھی اپنے حکم سے روح کو بھیجا +

واضح ہو کہ

بندہ کا جب نور ملکیت غالب آجائے اور اسکو نور بصیرت سے عالم غیر محسوس کے اشیاء دکھائی دینے لگیں اور اس کی نظر موجودات کو احاطہ کرتے ہوئے اپنے خالق تک پہونچے تو اسکی کئی صورتیں ہیں اول یہ کہ خداء عزوجل کو عیاناً بغیر حجاب کبریائی کے دیکھے اور اس حالت میں اوس سے دوبدو باتیں کرے تو یہ ناممکن ہے کس لیئے کہ ہنوز بندہ قالب بشری میں ہے۔ مرنے کے بعد۔ یا دار آخرت میں ممکن ہے اسبات کا اس آیت کے اول جملہ میں ذکر ہے ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ اور اسی لیئے جب حضرت موسےٰ نے کوہ طور پر اسبات کی درخواست کی تو ارشاد ہوا لن ترانی کہ تو مجھے عیاناً دیکھ نہیں سکتا اور اسکی تائید میں یہ آیت ہے لاتدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار وہو اللطیف الخبیر کہ اسکو کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ ابصار کو دیکھتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے ان آیات کو عالم آخرت پر محمول کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں غلط فہمی ہے **دوئم** یہ کہ حجاب کبریائی اور پردہ نورانی میں سے خدا کو دیکھے اور اس سے کلام کرے پھر عام ہے کہ یہ حالت اینہ بیداری میں پیش آئے یا خواب میں حضرات انبیاء علیہم السلام خدا سے

الہام اور وحی کی حقیقت اور اقسام

اسطور پر کلام کرتے تھے اور یہ ان کے الہام اور وحی کی ایک قسم ہے سوئم یہ کہ وہ خدا کا کلام سنتے تھے اس بات کو الا وحیا میں فرمایا ہے اور دوسری قسم کو او من وراء حجاب میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ بھی الہام انبیاء کے اقسام ہیں۔ چہارم یہ کہ خدا نبی کے پاس فرشتہ یعنے جبرئیل امین کو بھیجدے اب عام ہے کہ جبرئیل اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیں۔ یا کسی اور قالب میں ظہور کریں اور وہ خدا کا کلام نبی کو پہونچادیں۔ یہ بھی الہام کی ایک قسم ہے چنانچہ بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے جسمیں ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیت وحی پوچھی تو آپنے فرمایا احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنہ ما قال احیاناً یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول۔ قالت عائشہؓ ولقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقاً۔ (بخاری جلد اول صفحہ اول) آپنے دو صورتیں بیان فرمائیں اول یہ کہ زنجیر کی آواز جیسے آتی ہے اور وہ مجھپر سخت تر ہوتی ہے اور اس حالت کے بعد جو کچھ فرمایا جاتا ہے وہ مجھے خوب یاد رہتا ہے یہ وہی صورت ہے کہ ملکیت میں ایک تغیر عظیم[۱] پیدا ہوتا تھا۔ اور بہمیت فرو ہوجاتی تھی اور ایسی حالت میں کہ جب متضاد کیفیات کا ورود ہوتا ہے تو حواس ظاہر اور قوی بہیمیہ و اثار جسمانیہ میں تعطل و اضمحلال پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ اور بھنبھناہٹ سی کانوں میں سنائی دینے لگتی ہے جیسا کہ بخار کی آمد میں بعض اوقات ایسی آوازیں کان میں آیا کرتی ہیں۔ یہ فرشتوں کے پروں کی آواز نہ تھی نہ وہاں سے کوئی گھنٹی بجائی جاتی تھی۔ جیسا عوام کا خیال ہے اور اسمیں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ایسی حالت جو مردنی سے

[۱] یہ اسلئے کہ قوی جسمانیہ اپنی مداخلت نہ کرنے پائیں اور جب تک انسانی حواس میں اضمحلال و ربودگی پیدا نہیں ہوتی عالم غیب کا کوئی راز اسپر منکشف نہیں ہوتا مراقبہ میں بھی یہی ہوتا ہے اور عمل مسمریزم میں بھی اسی لئے معمول کے حواس کو معطل کیا جاتا ہے اور اسی لئے حالت منامی میں کہ حواس ظاہرہ معطل ہوجاتے ہیں انکشاف حقائق غیب ہوتا ہے اور انسان کی روح جو اصل مدرک ہے جبتک حواس کیطرف متوجہ ہے اس عالم غیب سے غافل ہے ۱۲ منہ

مشابہ ہوتی ہے اور جسمیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سخت سردی میں بہی وحی کے بعد آپکے روئے مبارک سے پسینا ٹپکتا دکہائی دیتا تہا۔ انسان پر سخت ہوتی ہے۔ بعض دشمنوں نے اِس بات کو اسپر محمول کیا ہے کہ آپ کو مرگی کے مرض کا دورہ ہوتا تہا اور ایسے دورات میں خیالات متنوعہ پیش آتے ہیں یہی نبی عربی کی وحی تہی۔ ے چشم بداندیش کہ برکندہ باد۔ عیب نماید ہنرش در نظر + پہر ملکیت کے غلبہ میں حجاب جسمانی اٹھ جاتے تہے آپ اپنے خدا سے حجاب نورانی میں ہمکلام ہوتے تہے۔ یا کبہی اسکا کلام بلا توسط سنتے تہے۔ یہ قسم دوئم وسوئم کیطرف اشارہ ہے۔ اور کبہی فرشتہ متشکل ہوکر کلام خدا پہونچا جاتا تہا یہ قسم چہارم کیطرف اشارہ ہے۔ قرآن مجید اکثر انہیں صورتوں میں الہام ہوا ہے آنحضرت صلعم کبہی اپنے خدا کو تجلیات میں بہی دیکہتے اور اس سے کلام کرتے تہے مگر ایسی حالت میں قرآن الہام نہیں ہوا ہے۔ اور شب معراج میں جبکہ جسم اطہر پر روحانیت غلبہ کرگئی تہی اور آپ اسی جسم سے آسمانوں سے بہی اوپر تک تشریف لے گئے اور خدا سے ہم کلام ہوئے تہے اس حالت میں صرف سورہ بقرہ کا خاتمہ الہام ہوا لخفا +

سوال

یہ سب کچہ سہی مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ حجاب کے پیچہے سے جو خدا سے باتیں کیں اور اسکا کلام سنائی دیا۔ آیا وہ درحقیقت خدا تہا اور اسیکا کلام تہا یا کسی اور کا۔ اور فرشتہ جو پیغام پہونچاتا تہا کیا معلوم کہ وہ جبرئیل تہا یا کوئی شیطان ان کے نام سے آتا تہا۔ اور پہر جبرئیل وہ قرآن کہاں سے لیکر آتے تہے کیا خدا انکو پڑہا دیتا تہا یا کہیں سے لکہا ہوا دیکہکر

ف بعض علماء فرماتے ہیں کہ جبرئیل لوح محفوظ سے دیکہکر لاتے تہے وہاں تمام قرآن مجید لکہا ہوا تہا یہ کلام اسبات پر محمول نہ کیا جائے کہ لوح محفوظ کوئی لکڑی کی تختی ہے اور اسپر انہیں نقوش اور اقلام میں کلام الہی لکہا رہتا ہے

لاتے تھے اور پھر یہ کیونکر جبرئیل کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔؟

(جواب)

یہ ایک بیہودہ شبہ ہے کہ جسکا منشاء ادراک روحانی سے جہل ہے۔ اب اس عالم حسی میں بادشاہ کے فرامین اور ان کے ایلچیوں کے اعتبار پر بھی یہی شبہات پیدا ہو سکتے ہیں کہ کیا تحقیق ہے کہ جسکے دربار میں ہم حاضر ہیں اور جو پس پردہ بادشاہ کلام کر رہا ہے آیا وہ اصلی بادشاہ ہے یا کوئی مصنوعی بادشاہ اور مصنوعی دربار ہے اور اگر پس پردہ بادشاہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا معلوم کہ یہ اسیکا کلام ہے یا کسی اور کا۔ بادشاہ کا گورنر کیا معلوم کہ اصلی ہے یا جعلی پھر شاہی فرامین اور ان کے ایلچی کیا معلوم کہ اصلی ہیں یا جعلی ہ لیکن بایں ہمہ قرائن ان سب شبہات کو دور کر دیتے ہیں۔ اس لئے ایسے شبہات کرنے والے کو پاگل سمجھا جاتا ہے۔ پھر عالم ملکوت میں کہ جہاں کا ادراک اس ادراک حسی سے بدرجہا قوی ہے۔ ایسے احتمالات کی کیا گنجائش ہے؟

جبرئیل جو کچھ کلام لاتے تھے خدا تعالٰے کے پاس سے لاتے تھے۔ بلکہ الفاظ بھی اسی طرف سے ہوتے تھے۔ اب یہ کہنا کہ وہ کہیں سے لکھا ہوا دیکھکر لاتے تھے یا خدا پڑھاتا تھا بیکار کلام ہے۔ ملائکہ بالخصوص سر دفتر ملائکہ جبرئیل اور خدا میں جو کچھ کیفیت کلام اور باہمی مواجہ کی ہے اسکو ہماری عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ اور وہ مواجہ اور تلقین ہماری حسی تلقین اور مواجہ سے بالکل غیر ہے ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے +

الہام کے لغت میں معنی ہیں دلمیں ڈالنا القا کرنا اور وحی کے معنے ہیں اشارہ کلام آہستہ

بقیہ ۔ کسلئے کہ لوح محفوظ اس کے علم کیطرف اشارہ ہے اس کے تعین کو لوح سے استعارہ کیا جاتا ہے بات وہی ہوئی کہ جبرئیل علم الٰہی سے حاصل کر کے لاتے تھے پھر اوس دفتر علمی پر اطلاع کی جو کچھ کیفیت ہو معلوم نہیں ۱۲ منہ

الہام و وحی کی تحقیق انیق

دلمیں ڈالدنیا ان لغوی معنے کے لحاظ سے دونوں لفظ قریب المعنی ہیں اور ممکنات میں سے کوئی مخلوق بھی خدا کے اس فیض سے محروم نہیں۔ جمادات سے لیکر نباتات حیوانات تک۔ مگر علے قدر المراتب درجات متفاوت ہیں انہیں معنی لغوی کے لحاظ سے قرآن میں آیا ہے اوحی ربک الی النحل کہ تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کو وحی کی۔ یعنے ان کے دلمیں ڈالا۔ ونفس وما سواہا فالہمہا فجورہا وتقوٰہا کہ قسم ہے ہر جان اور اس کے بنانے والے کی پھر اسنے اسکی بدی اور نیکی الہام کی یعنے دلمیں القا کی۔ اس خالق کا تار برقی اسکی ہر ہر مخلوق کے دلمیں لگا ہوا ہے[۱] سب سے ربط آشنائی ہے سمجھے ۔ دلمیں ہر ایک کے رسائی ہے بچھے ۔ انہیں لغوی معنے کے لحاظ سے شاید بعض اشخاص اپنی کتابوں اور خیالات کو الہامی اور وحی کہدیا کرتے ہیں۔ مگر یہ الہام اور یہ وحی ایسی ہی ہے کہ جیسا ایک معمولی شخص کے دلمیں معمولی خطرات کا وقوع ہوتا ہے ۔

لیکن اصطلاح شرع میں وحی خدا کا وہ پیغام و القا ہے جو نبی کیطرف ہو۔ عام ہے کہ بتوسط جبرئیل ہو یا بغیر توسط ہو جسکی صورتیں اوپر بیان ہوئیں۔ قرآن۔ انجیل۔ توراۃ۔ زبور و دیگر صحف انبیاء اس قسم کی وحی تھی۔ مگر قرآن میں اور ان کتابوں میں اسقدر فرق ہے کہ قرآن کا مضمون اور الفاظ دونوں وحی کے ذریعہ سے ہیں برخلاف دیگر کتب سماویہ کے کہ ان کے مطالب وحی شدہ اور الفاظ غالباً ان انبیاء علیہم السلام کیطرف سے تھے۔

شرع محمدی میں اس قسم کے وحی کو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور قسم اول کو وحی متلو احادیث وحی غیر متلو ہیں بالخصوص احادیث قدسیہ۔ انبیاء کی وحی میں کوئی آمیزش وہم اور غلطی ہونے نہیں پاتی۔ اس کو قطعی اور یقینی سمجھا جاتا ہے ۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے پیرو جنہیں ملکیت کا غلبہ[۱] ہوتا ہے وہ بھی اس سے محروم نہیں رہتے۔ مگر اصطلاح میں ان کے انکشاف و القا کو وحی نہیں کہتے بلکہ الہام

[۱] صدیقین و شہداء و صالحین سبکو علے حسب المراتب اولیاء اللہ بھی کہتے ہیں ۱۲ منہ

الہام وحی لغوی ۔ وحی غیر متلو ۔ وحی متلو ۔ الہام

ہر چند اسمیں کم غلطی واقع ہوتی ہے۔ مگر تاہم وہ قطعی نہیں ہوتا کس لئے کہ آمیزش وہم کا احتمال باقی رہتا ہے نہ ایسے الہامات وحی انبیاء کا مقابلہ کرسکتے ہیں نہ انپر شرائع و احکام قومی و ملی کی بنیاد قائم کیجاتی ہے۔ بالفرض کسی ولی کا کشف و الہام قرآنی مضمون کے مخالف ہو تو یہ الہام ولی قابل رد اور غیر معتبر سمجھا جائیگا خواہ وہ ولی کیسے ہی مرتبہ کا ہو۔

ف اگرچہ نبی اور رسول کے ایک ہی معنے ہیں اور اسی لئے کبھی ایک لفظ دوسرے کے مقام پر استعمال کیا جاتا ہے مگر اصطلاح میں رسول خاص اوس نبی کو کہتے ہیں۔ جو صاحب کتاب و شریعت جدید ہو جیسا کہ ابراہیم۔ موسےٰ۔ عیسےٰ۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم و علیہم اجمعین رسول خاص مطلق۔ نبی عام مطلق۔ ہر رسول نبی ہے۔ مگر ہر نبی رسول نہیں۔ جیسا کہ حضرت موسےٰ کے اتباع انبیاء رہتے +

ف ہر نبی و رسول کو وحی اسکی مادری زبان میں ہوتی ہے تاکہ اس ملک کے رہنے والے بغیر وسیلہ ترجمان خدا کے ارشاد سے واقف ہوں اور ہر ایک زبان وال علے قدر الفہم اوسسے مستفید ہو گو اس کے حقائق و اسرار خواص کا حصہ خاص ہوں۔ پھر وہ کلام بذریعہ ترجمہ ممکن ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی پہونچے۔ اور کلام میں زیادہ تر مخاطب اسی ملک کے لوگ ہوتے ہیں انہیں کے محاورے اور مذاق پر کلام ہوتا ہے۔ انہیں کے اخلاق و مراسم میں اصلاح کرکے دوسری قوموں کے اخلاق و مراسم کی اصلاح کیجاتی ہے مگر وہ کلام اور اوسکے احکام اس ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے خدا چونکہ تمام بنی آدم کا خدا ہے اسلئے اس کے احکام میں بھی جملہ اقوام کی مراعات ملحوظ ہوتی ہے واللہ الہادی +

واضح ہو کہ جسقدر مذہبی کتابیں بنام نہاد انبیاء سابقین پائی جاتی ہیں جیسا کہ انجیل توریت زبور وغیرہ یا وہ کتابیں کہ جن کے معتقد انکو الہامی اور آسمانی سمجھتے ہیں جیسا کہ وید۔ وساتیر۔ زندوستہا۔ وغیرہ جب انپر نظر ڈالی جاتی ہے تو ان سے یہ ہرگز معلوم

نہیں ہوتا کہ اس مصنف کی معرفت خدا اپنی طرف سے فرما رہا ہے۔ بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ
اس کتاب کا مصنف خود کہہ رہا ہے حام ہے کہ وہ خدا کی عبادت اور اس کے احکام
اور اس کے صفات بیان کر رہا ہے یا گزشتہ واقعات جنمیں خود اوس بزرگ کا بھی
حال ہے کہ جسکی طرف وہ کتاب منسوب کیجاتی ہے۔ یا وہ دیوتاؤں اور ارواح غیر مرئیہ
اور عناصر کی ستایش کر رہا ہے۔ اور نیز اس مصنف کا کہیں یہ بھی دعویٰ نہیں پایا جاتا کہ وہ
وحی اور الہام کے ذریعہ سے کہہ رہا ہے۔ برخلاف قرآن مجید کے کہ اس کے دیکھنے
سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رب العلمین اپنی جبروت اور شان کے ساتھ اپنی آیات
قدرت اور احکام یا عبرت دلانے کے لیئے گزشتہ واقعات نہ بطرز مورخانہ بلکہ بطور
واعظانہ اور آنے والی زندگی کے حالات اور انسان کی سعادت وشقاوت بیان فرما
رہا ہے۔ اور اپنی توحید وعبادت صدق وعفاف ومکارم اخلاق کا کس رعب وداب
کے ساتھ حکم دے رہا ہے۔ اور انسان کی ابتدار اور اس کی انتہار کا نقشہ دکھا رہا ہے
اور اسپر اپنے انعام واکرام جتلا کر اسکو محبت کیطرف بھی کھینچ رہا ہے۔ اور اپنا جلال
وجبروت بتا کر دنیاوی واخروی عقوبات سے بھی ڈرا رہا ہے اور اسکو ایک دوسرے
جہان کی نعمار باقیہ کی رغبت بھی دلا رہا ہے۔ اور خدا پرست جماعت قائم کر کے انکے
انتظام ملکی وسیاسی بھی سکھا رہا ہے اور انکو بت پرستوں کے مقابلہ میں جرأت
وہمت بھی دلا رہا ہے۔

پھر تشبیہ اور استعارہ اور عبارت میں اپنی شان کبریائی کو بھی ملحوظ رکھے ہوئے ہے
جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ رب العلمین کا کلام ہے جیسا کہ جا بجا وہ خود
بھی جتلاتا جا رہا ہے کہ یہ محمد پر ہمنے نازل کیا ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے نہیں
بنا لیا ہے اگر تم انکا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی ویسے ہی بشر ہو بھلا ہماری ایک سورہ کے
دسویں حصہ کے برابر تو بنا کر لاؤ اور اسپر جس سے چاہو مدد لے لو۔

خیر جو کتابیں توریت و اناجیل و زبور و صحف انبیاء کے نام سے نامزد ہیں ان کے معتقدوں کو تو اتنا انتساب ہی کافی ہے۔ اور وہ مسلمانوں کو دھوکا بھی دیا کرتے ہیں کہ یہ وہی توریت و انجیل و زبور ہے جسکا قرآن میں ذکر ہے۔ حالانکہ یہ وہ نہیں بلکہ اون کے نام سے موسوم ہیں ہاں انہیں ان کے مطالب بھی بیشتر پائے جاتے ہیں۔ مگر دیگر مذاہب کے لوگ تو اسقدر بھی نہیں کہہ سکتے۔

اب ہندوؤں میں ایک فرقہ آریہ پیدا ہوا ہے اور وہ زمانہ حال کی روشنی سے مستفید ہو کر بت پرستی سے متنفر ہو چلا ہے۔ البتہ اسنے اور سب بیہودہ کتابوں کو چھوڑ کر صرف چار ویدوں کی بابت دعویٰ کر دیا ہے کہ یہ چار رشیوں۔ اگنی۔ وایو۔ ادت۔ انگرا پر الہام ہوئے ہیں۔

ان کے مطالب تو صرف دیوتا پرستی اور لغویات پر مشتمل ہیں مگر برخلاف تمام پہلے پنڈتوں اور شارحوں کے ان کے مطالب کی اس فرقہ کے بانی نے تاویلات کی ہیں کہ جن سے بالکل مطالب کو پلٹ دیا۔ لیکن قدمار ہنود ان کی بابت مختلف رائیں رکھتے تھے۔ ایک گروہ عظیم برہماجی کی تصنیف بتلاتا ہے۔ بعض دیاس جی کی بعض محققین کہتے ہیں کہ ان کا ایک مصنف نہیں بلکہ وہ مختلف اشعار ہیں ان کے مصنفوں اور ان کے اوزان کے ابتک نام انکے سروں پر لکھے ہوئے موجود ہیں ان اشعار کا زمانہ ہنود کی صحراگردی کا زمانہ معلوم ہوتا ہے جبکہ ان میں شائستگی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ان کے مضامین اور ان کے الفاظ کی بندش اسبات کو صاف صاف بتا رہی ہے۔ ان اشعار کو تخمیناً اڑھائی ہزار برس ہوئے دیاس اور اسکے شاگردوں نے جمع کر دیا ہے کسی ویدمیں نہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے نہ اسکا مصنف رشی یہ کہتا ہے کہ میں ایشور (خدا) سے الہام پاکر کہہ رہا ہوں بلکہ وہ بیچارے تو الہام کے مضمون اور لفظ سے بھی واقف نہ تھے مگر آریہ کی اولوالعزمی کب خاموش بیٹھنے دیتی تھی کیونکہ جب انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ موجودہ صنائع و فنون جو یورپ میں مروج ہیں وہ سب اہل یورپ نے ویدوں سے ہی نکالے ہیں۔

حالانکہ ویدوں میں ایک چیز بھی نہیں نہ کوئی ویدی پنڈت آجتک ان سے ماہر ہوا ہے انہوں نے یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ یہ الہامی ہیں چار رشیوں پر ابتدا ء زمانہ میں الہام ہوئے تھے اور لطف یہ کہ ان رشیوں کی نبوت تو کیا انکا کچھ بھی حال بیان نہیں کر سکتے کہ وہ صادق تھے یا کاذب اور کہاں تھے کب مرے اور یہ وید انپر دفعۃً الہام ہوئے یا تدریجاً اور انپر کس صورت میں الہام ہوا تھا اور پھر وہ الہام شدہ کلام لکھا جاتا تھا حفظ کیا جاتا تھا اور ان چاروں رشیونکے بعد وہ کلام کسطور سے محفوظ کیا گیا اور نیز وہ کلام اوسوقت کی زبان مروج میں تھا یا کسی اجنبی زبان میں اور اس کے قواعد مدون ہو چکے تھے یا نہیں؟ ان ضروری سوالونکے جواب میں یہی کہتے بن آتی ہے کہ وہ تاریخ سے باہر تھے مگر یہ بات کس طور سے تاریخ میں آگئی کہ یہ انہیں رشیونپر الہام ہوئے تھے اور ابتدا ء زمانہ میں الہام ہوئے تھے حالانکہ ان ویدوں میں اسبات کا نام بھی نہیں کہ ان کے مصنف یہ رشی ہیں اور پھر مہابھاش کے مصنف کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ انگرا فلاں رشی کا اور وہ فلاں کا شاگرد تھا کیا یہ تاریخی واقعات نہیں؟ مگر الہام کی جو تعریف کی ہے تو اسمیں ایسے ایچ پیچ اور مہمل قیود ہیں جنکا ثبوت وہ خود بھی نہیں دے سکتے جن سے انکا مقصد یہ ہے کہ یہ تعریف بجز ویدوں کے اور کسی کتاب بالخصوص قرآن پر صادق نہ آئے۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ بجز ویدوں کے یہ الہام بیکار اور مہمل اور کسی کتاب خصوصاً قرآن پر صادق نہ آئے۔ قرآن۔ ایسے الہامی ہونے سے پاک ہے۔

وہ تعریف یہ ہے

بحذف الفاظ مکررہ

الیشور کا جبکہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری نہوا ہو نیک و بد کی امتیاز کے لئے انسانوں کے دلمیں یعنی انکے جو تعلیم و علوم سے بالکل بے بہرہ ہوں ابتدا ء آفرینش میں علم کا تخم ڈالنا اور الہامی مضمون میں ایک خدا کی پرستش اور صحیح علوم ہوتے ہیں جنمیں قصہ کہانی اور تکرار

اور اپنے کلام کا آپ رد کرنا ہو (جیسا کہ بذریعہ نسخ قرآن میں ہے) اور وہ رگوید۔ یجروید۔ شام وید
اتروید۔ چار کتابیں ہیں جو ابتدا ء آفرینش میں چار رشیوں اگنی۔ وایو۔ ادت۔ انگرا پر
الہام ہوئے"۔

یہ تعریف نہ جامع ہے نہ مانع۔ اور اس کے قیود بھی مہمل ہیں۔ جامع یوں نہیں کہ
اس قسم کا الہام وہ الہام حقیقی نہیں ہوسکتا کہ جسکی بندوں کو احتیاج ہے جہاں عالم غیر محسوس کے
ادراک کے لئے عقول وہم اور اغلاط سے معصوم نہ ہوسکیں وہ الہام خاص حضرات انبیاء
علیہم السلام کا حصہ ہے جنکی ملکیت بہیمیت پر غالب ہے۔

سو یہ تعریف وہاں صادق نہیں آتی ابتدا ء آفرینش ہی میں سہی اور جاہل اور سادہ لوحوں
ہی کے دلمیں سہی نیک و بد کی امتیاز پیدا کردینا۔ الہام حقیقی نہیں یہ بات تو خدا ہر انسان کے
دلمیں اس کی ابتداء آفرینش دلمیں ڈالدیا کرتا ہے کہ وہ مضار و منافع دنیاویہ میں امتیاز
بغیر تعلیم و تعلم کے کرنے لگتا ہے اور جب تک اسکی فطرت سادہ ہوتی ہے اسپر کوئی نیا
رنگ نہیں چڑھا ہوتا وہ اپنے ایک ہی خالق کیطرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں
آیا ہے کل مولد یولد علے الفطرۃ فابواہ یہودانہ ویمجسانہ اس علم میں نہ قصہ و کہانی ہوتی
ہے نہ تکرار ہوتا ہے نہ اپنے کلام کا رد کرنا ہوتا ہے۔

اگر چاروں ویدوں کا یہی لڑکونکا سا الہام ہے جسکی تمثیل سورج کے ساتھ دیجاتی
ہے تو ویدوں ہی کو مبارک رہے۔

اور مانع بھی نہیں کس لئے کہ یہ تعریف سب بنی آدم کے الہام یعنے ابتدائی خیالات
پر صادق آتی ہے حالانکہ آریہ اسکو الہام نہیں کہتے۔

ابتداء آفرینش کی قید بھی مہمل ہے کیونکہ بعد میں بھی جب کوئی شخص جاہل ہو جیسا
لڑکا جسپر سنسکار کا اثر بھی نہو تعلیم و تعلم کا بھی اسکو حصہ نہ ملا ہو تو وہ بھی ان کی تعریف کے
بموجب اس الہام کا مستحق ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہی ہے تو ان کو ثابت کرنا ہوگا کہ چاروں وید

ایک زمانہ ایک آن میں الہام ہوئے تھے حالانکہ سام وید بجز بعض عبارات کے کل یجروید سے نقل ہے جسکا زمانہ یجروید کی تصنیف سے یقیناً مابعد ہے۔ پھر ابتدا آفرینش کی قید لغو ہوگئی اور نیز ان رشیوں میں سینکڑوں ہزاروں برس کا تقدم و تاخر بھی ہے۔ کیونکہ آریہ کی مسلم کتاب مہابہاشں میں ہے کہ اندر نے برہسپتی سے اور اس نے انگرا سے اور اسنے منوجی سے اور اس نے براٹ سے اور اس نے برہما سے اور اس نے اگنی اوت رشیوں سے علم حاصل کیا۔ اب دیکھو اگنی مصنف یجروید اور انگرا میں کسقدر تقدم و تاخر ہے اسکی تصنیف ابتدا آفرینش میں کسطرح ہوسکتی ہے ؟۔

اس کے بعد جو قیدیں لگائی ہیں کہ اسمیں ایک خدا کی عبادت ہو تکرار نہو۔ اپنے کلام کا رد نہو۔ قصہ کہانیاں نہوں۔ ان پر ہم بھی صاد کرتے ہیں۔ قرآن میں بجز خدا وحدہٗ لاشریک کے اور کی پرستش کی سخت ممانعت ہے اس بات کو ہر موافق و مخالف مانتا ہے۔ مگر ویدوں میں تو تینتیس کروڑ دیوتا کی مدح و ستایش و عبادت نذر و نیاز مذکور ہے آریہ سے پہلے جسقدر وید کی شرحیں اور ترجمہ ہوئے ہیں انکو ملاحظہ فرمایئے اور پروفیسر ولین۔ اور لینگ لوئی اور میکس مولر۔ بنفی۔ بولن وغیرہ شارحین وید سے پوچھ دیکھئے جنکو کبھی اپنے موافق پاکر آریہ محقق کا خطاب دیا کرتے ہیں۔ اور ہندوؤں میں سے مہیدہر۔ سائنا اچاریہ۔ راون۔ اوٹ۔ وغیرہ شارحین وید سے دریافت فرمایئے۔ تمام علما ماہرین وید کے مقابلہ میں صرف پنڈت دیانند ستی کا قول اگر سند ہوگا تو ان کے مریدوں کے ہی نزدیک ہوگا جنہوں نے انکو مہارشی کا خطاب دیا ہے۔

(تکرار نہو) قرآن میں معیوب تکرار نہیں بلکہ تاکید کے لئے ایک مضمون کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ دوسرے عنوان سے بیان فرمایا ہے جس سے تکرار ہی معلوم نہیں ہوتا اور یہ قرآن کی ایک اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔ برخلاف سام وید کے باستثنائے بعض کل کا کل رگوید ہے پھر اس سے زیادہ اور کیا تکرار اور مضمون مکرر ہوگا۔ اور اتھربن وید کی نسبت تو پنڈتوں نے

فیصلہ ہی کردیا ہے کہ یہ بعد کی تصنیف اور انہیں کا انتخاب ہے +

اپنے کلام کا دا و رتبدیل نہو	یہ بھی قرآن کی نسبت صادق آتا ہے اول سے آخر تک اتنی بڑی کتاب میں ایک جگہ بھی اختلاف نہیں اور نسخ کی حقیقت ہم

بیان کر آئے ہیں اسکو تبدیل ورد کرنا سمجھنا کمال جہالت ہے۔ برخلاف مضامین وید کے کہ ان کے اختلافات کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ صرف آفرینش عالم میں ہی کسقدر باہم متعارض اقوال ہیں +

قصہ کہانیاں نہوں	قرآن میں نہ کوئی قصہ ہے نہ کہانی ہے البتہ چند واقعات بطور عبرت و نصیحت بیان کئے گئے ہیں۔ اسکو کوئی عاقل داستان گوئی

نہیں کہتا۔ برخلاف ویدوں کے کہ انمیں تمام خانگی جھگڑے۔ اوکھلی۔ موسل۔ توا۔ تغاری۔ پروہت ججمان راجہ اس کے ہاتھی گھوڑے لشکر۔ ہل بیل۔ اور فحش واقعات مذکور ہیں۔ شارحین بالا سے دریافت کر لیجئے +

اسکے بعد آریہ تو بتائیں کہ باوجود ہمہ بیانی کے صرف معارف و اعمال کی بابت ویدوں نے کیا ہدایت فرمائی ہے براہ مہربانی لفظی ترجمہ کے ساتھ دو چار ہی اشلوک لکھ کر بتا دیں کہ انسانکو کیا عقائد رکھنے چاہیں اور کون سے عمل کرنے چاہیں جن سے اس کی نجات ہو۔ اسکے سوا صفات باری کے متعلق جو کچھ تجزی و جسمانیت پیدا کرنے والے جملے ہیں انہیں کی توجیہ کر دیں۔ جب بجز ہوں۔ آگ پر گھی جلانے کے اور کوئی بھی مفید بات ویدوں میں نہیں تو پھر یہ انسان کے لئے کیا کام آسکتے ہیں +

اور جبکہ قدیم ہنود جنکو **سناتن دہرم** کہا جاتا ہے بالاتفاق اسبات کے قائل ہیں کہ ایکبار سنگاسر دیت (دیو) تمام ویدوں کو چرا کر لے گیا اور سمندر میں غوطہ لگا گیا تھا تو برہما جی نے بھگوان سے فریاد کی بھگوان نے مچھلی کی صورت اختیار کر کے سمندر میں غوطہ لگایا۔ آخر بڑی کھڑ بڑ کے بعد سنگاسر کے پیٹ میں سے وہ وید نکالکر لایا تو

تبلائیں کہ ان بھیگے ہوئے کاغذوں کے بھنڈوں میں سے کسقدر مضامین مٹ گئے اور کسقدر باقی رہے تھے اور پھر ویدوں کی ترمیم کس نے کی اور کب کی اور اسطرح بہت سے حوادث گزرے ہیں جنمیں ویدوں میں تغیر و تبدل ہوجانا قرین قیاس تھا خصوصاً بودہ مست کے غلبہ کے وقت اب آریہ کوئی ایسی دلیل بھی تو قائم کردیں کہ جس سے اطمینان ہوجائے کہ یہ وہی وید ہیں جو ان کے مصنفوں نے بنائے تھے ان میں کچھ بھی تبدل و تغیر نہیں ہوا کسلئے کہ ویدوں کی حفاظت صرف لکھے ہوئے کاغذوں درختوں کے پتوں سے کیجاتی تھی۔ جن کے مٹھے اور گٹھڑیاں بندھی رہا کرتی تھیں۔ حافظ تو ان کا ابتک کوئی ہوا ہی نہیں اور پھر یہ بھی بتائیں کہ ویدوں کی روشنی جبکہ تمام ہندوستان پر بھی نہ پڑی بلکہ ابتدا سے بہت فریق ہندوؤں کے اسکے سخت منکر اور مخالف رہے جیساکہ چارواک۔ جینی۔ وام مارگی بودہ مت۔ گوشائیوں۔ براگیوں۔ جوگیوں کے سدہا فرقے اور کبیر داس۔ گرونانک برہمو سماج (ستیارتھ پرکاش ص ۵۳۲ و ۳۸۰) اور پھر ان کے معانی سے بھی بجز چند اشخاص کے کہ جنکے نام جملوں کے سروں پر مندرج ہیں اور کوئی واقف نہوا۔ اور پھر خاص معنے اب بجز آریہ پنڈت کے اور کیسکو معلوم نہوئی نہ اور دنیا بھر میں کوئی اس روشنی سے مستفید ہوا تو پھر یہ سورج ہزاروں پردوں میں غروب ہوا کس کام آسکتا تھا اس اندھیر پر ایشور دیا وان کا الہام کا دروازہ بند کردینا اور قبل از وقت ایک کی جگہ چار وید مکرر نازل فرمادینا کس مصلحت پر مبنی تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا +

یہ تو جو کچھ تھا سو تھا مگر بھولے بھالے پنڈت ویدوں کے ثبوت پر بالخصوص مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی کتابوں ویشیشک درشن۔ نیائے درشن مصنفہ مہرشی گوتم۔ سانکھ شاستر مصنفہ مہرشی کپل ویدانت شاستر مصنفہ مہرشی دیاس جی پیش نہ کریں کس لئے کہ یہ دلیل نقلی ہے اور دلیل نقلی مسلمات خصم سے ہونی چاہیئے اور یہ مسلمانوں کی تو کیا خود ان آریہ کے بھی ایسے کچھ مسلم نہیں۔ کیونکہ سناتن دہرم کے ہندو جب انہیں کتابوں کو

آریہ کے مقابلہ میں پیش کیا کرتے ہیں تو آریہ صاف انکار کر جاتے اور کہدیتے ہیں کہ یہ الہامی اور ایسے نہیں کہ خواہ مخواہ انکو تسلیم کیا جائے۔ مقابل کے نزدیک گوتم۔ کپل دیاس ایسے ہی ہیں کہ جیسا مخاطب پنڈت۔ یا ان کی جماعت کے اور پنڈے۔ ایسے اقوال پیش کرنا علم مناظرہ کے خلاف اور قابل مضحکہ ہے ہاں دلائل عقلیہ لائیں یا مسلمانوں کے مسلمات سے ثبوت دیں۔

کیا قرآن کے ثبوت میں ہدایہ۔ شرح وقایہ۔ درمختار وغیرہ کتابیں مخالف کے روبرو پیش کرنا حماقت نہ شمار ہوگا؟ ضرور۔ دوئم خود ان کتابوں میں صرف لفظ وید ہے جسکے معنی علم ودانش کے ہیں۔ رگوید۔ یجروید۔ شام وید اتھروید۔ کا نام تک نہیں۔ یہ تو تنکوں کے سہارے سے دریا پار اترنا ہے ؛

کسی شے کی اصل شاسپر قلعی کرنے اور ہیر پھیر کر تاویلات کرنے سے بدل کر کوئی دوسری عمدہ چیز بنجاتی ہے نہ کسی عمدہ شے کے جوہر اوسپر عیب لگانے اور بے سمجھی سے اعتراضات کرنے سے مٹ جاتے ہیں۔ مگر انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ اپنے قدیم رسم ورواج اور آبائی خیالات کو جو پشت در پشت متوارث ہونے کے سبب طبیعت میں موسوخ ہو جاتے ہیں بہت کم انکی اصلیت دریافت کرنے کی طرف متوجہ ہونے دیتی ہے اور تحقیقات کے بعد ان کی لطالت ثابت ہو جانے کے بعد بھی حق کو مشکل سے قبول کرنے دیتی ہے۔ بلکہ پاسداری اور ضد پر آمادہ کر کے انہیں قیانوسی اور سڑے بسے خیالات کی تاویل وتوجیہ اور انہیں جھوٹے فضائل پیدا کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اسلئے دنیا میں سیکڑوں مذاہب اور صدہا ادیان باطلہ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ باوجود تعارض ومخالفت کے سب حق نہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ مگر ہر ایک انہیں پر شادماں اور انہیں کو ذریعۂ نجات سمجھے بیٹھا ہے کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے مگر مردانہ طبائع جنپر نور حق متجلی ہوتی ہے جلد ان حجاب کو چیر پھاڑ کر نور میں آجاتی ہیں ؛

(۲) بابِ دُوُم

فصل اوّل

دنیا گمراہی کے دریاؤں میں تہ و بالا
ہو رہی تھی کہ وہ ناخدا آیا جس کی۔
خبر مدت سے انبیاء دیتے آئے تھے

دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ[1] جس سے میں خوش[2] ہوں مینے اپنی روح اسپر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائیگا۔ وہ نہ چلائیگا نہ اپنی صدا بلند کریگا نہ بازاروں میں غل مچائیگا۔ نہ وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو توڑیگا نہ دھکتی بتی کو بجھاوے گا۔ (کسی پر زیادتی نہ کریگا نہ نور حق کی لو کو جو باقی رہگئی ہو گی گل کریگا) وہ عدالت کو جاری کرائیگا جو دائم رہے۔ اِس کا زوال نہو گا۔ اور نہ وہ مسلا جائیگا جب تک کہ زمین پر راستی قائم نکرے اور بحری ممالک اسکی شریعت کی راہ تکیں۔ خداوند خدا جسنے آسمانوں کو بنایا اور تانا جسنے زمین کو اور اسکی چیزوں کو بنایا اور اسپر چلنے والے حیوانوں کو سانس بخشا اور اسپر چلنے والوں کو جان دی یوں فرماتا ہے میں خداوند نے صداقت کے لئے تجھے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور تجھے لوگوں کی روشنی اور عہد باندھنے والا بناؤں گا۔ کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور انکو جو اندھیرے میں بیٹھے ہوئے ہیں نور کیطرف لائے۔ یہوّداہ میں ہوں

[1] ترجمہ محمدؐ ۱۲ منہ [2] مصطفےٰ کا ترجمہ ۱۲ منہ

یہ میرا نام ہے میں اپنی شوکت دوسرے کو نہ دونگا اور جو ستائش میرے لئے سزاوار ہے وہ میں بنائی ہوئی مورتوں کے لئے نہ ہونے دونگا۔ دیکھو سابق کی پیشین گوئیاں تو پوری ہوئیں اور اب میں نئی پیشین گوئیاں کرتا ہوں اوس سے پہلے کہ وہ پوری ہوں خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ اے جو تم سمندر پر سے گزرتے ہو۔ اور تم جو اسمیں بستے ہو اے بحری ممالک اور ان کے باشندو تم زمین پر سرتاسر اسکی ستائش کرو بیابان (عرب) اور اسکی بستیاں قیدار[۱] کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کرینگے (تکبیر و تہلیل سے) سلع[۲] کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے اور بحری ممالک میں اسکی ثناخوانی کرینگے خداوند ایک بہادر کی مانند نکلیگا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو جوش میں لائیگا وہ جنگ کے لئے بلائیگا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا الخ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر دونگا اور ان کے سبزہ زاروں کو برباد کر ڈالوں گا (یہ شام کے فتوحات کیطرف اشارہ ہے جو خلافت اول و دوم میں واقع ہوئیں) میں انکو (عرب کو) ان رستوں سے لے چلونگا جسکو انہوں نے دیکھا نہیں میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور ناہموار زمین کو میدان کر دوں گا میں ان سے یہ سلوک کرونگا اور انہیں ترک نکرونگا۔ (کتاب الیسع نبی کا بیالیسواں باب) یہ پیشین گوئی حضرت مسیح سے سات سو برس آگے کی گئی تہی ✠

اُٹھہ روشن ہو۔ (اے زمین) کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجہپر طلوع

---

[۱] قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے آنحضرت صلعم کے اجداد میں سے ہیں۔ ۱۲ منہ

[۲] سلع حجاز کا پہاڑ ہے یعنے عرب کی زمین ممالک میں اسکی ثناخوانی اشاعت توحید و اسلام کے لئے بڑے زور و شوکت سے پہیلیں گیں۔ اور ان کی معرفت خداوند اپنا جلال ظاہر کرے گا دشمنوں اسرائیل کی نابکار قوموں کو سزا دیں گے ۱۲ منہ

پارہ دوم

کیا دیکھو زمین پر تاریکی اور قوموں پر ظلمت چھاگئی۔ لیکن خداوند تجھپر طلوع کریگا اور اسکا جلال تجھپر نمودار ہوگا۔ قومیں تیری روشنی میں آئیں گی اور بادشاہ تیری تجلی میں چلیں گے (اب یہاں سے زمین مدینہ کی طرف خطاب ہے) اپنی نگاہ اٹھاکر چاروں طرف دیکھہ وہ (عرب) سب کے سب اکٹھے ہونگے وہ سب تیرے پاس آئیں گے تیرے بیٹے دور سے آئینگے تیری بیٹیاں گودمیں اٹھائی جائیں گی (انکا احترام ہوگا) تب تو دیکھی گی۔ اور روشن ہوگی ہاں تیرا دل اچھلے گا۔ اور کشادہ ہوگا۔ کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی اونٹ کثرت سے تجھے چھا لینگے مدیان اور عیفہ کے جوان اونٹ اور سبا کے سب اونٹ تیرے پاس آویں گے وے سونا اور چاندی لادیں گے اور خداوند کی تعریف سنادیں گے۔ قیدار کی ساری بھیڑیں (یعنی وحشی لوگ) تیرے پاس جمع ہونگی نبیط[1] کے مینڈھے (موٹے فربہ آدمی) تیری خدمت میں حاضر ہونگے۔ کتاب الیسع نبی کا ساٹھواں باب)۔

میں نے ان کی طرف توجہ کی جنہوں نے مجھہ سے نہ مانگا مجھسے اونہوں نے پایا جنہوں نے مجھے ڈہونڈا (عرب کی بت پرست اور جاہل قومیں)

میں نے ایک گروہ کو جو میرے نام کی نہیں کہلاتی تنی کہا مجھے دیکھہ[1] دیکھہ (کتاب الیسع نبی کا ۶۵ باب) حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ لیکن وہ جو میرے بعد[2] آتا ہے مجھہ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اوٹھانے کے بھی قابل نہیں وہ تمہیں روح قدس اور آگ سے بپتسمہ (غوطہ) دیگا اسکا چھاج اس کے ہاتھہ میں ہوگا وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کھتے میں جمع کریگا۔ پر بھوسی کو اوس آگ میں جلائے گا جو کبھی نہیں بجھتی (انجیل متی کا تیسرا باب)+

فارقلیط (marginal note: ۱۱) · (marginal note: ۱۲)

[1] نبیط عرب شرقی و شمالی کے قبائل۔ یہ سب باتیں مدینہ میں خلافت اول میں پوری ہوئیں سبا یعنی یمن کے قبائل اور بنی قیدار کے قبائل اور نبیط کے قبائل اونٹنیوں پر سوار ہوکر بقصد جہاد شام مدینہ میں

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت مسیح علیہ السلام تک سب انبیاء آفتاب کے طلوع ہونے کی بشارت دیتے آئے ہیں۔ آخر جب دنیا ظلمت سے بھر گئی تو یہ آفتاب جہاں تاب ربیع الاول کے مہینہ میں فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا۔ یعنے حضرت خاتم المرسلین محمد صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں خاندان قریش میں آمنہ خاتون رضہ کے شکم سے پیدا ہوئے ✤

آپ کے پیدا ہونے کے دنوں میں عجائب وغرائب آیات قدرت ظہور پذیر ہونے شروع ہو گئے تھے جو ایک عظیم الشان وقوعہ کے پیش خیمہ تھے۔ شیاطین آپس میں مل ملکر روتے اور سروں پر خاک اوڑاتے پھرنے لگے آسمانی خبریں جنوں پر بند ہو گئیں اسکی جو کے تلاش میں سرگرداں و حیراں پھرتے تھے کہ یہ کیا انقلاب ہوا جاتا ہے بتوں میں سے نوحہ اور الوداع کی آوازیں لوگوں کو سنائی دینے لگیں۔ اہل نظر سماوات پر آثار عجیبہ وغریبہ معاینہ کرتے تھے۔ اہل کتاب کے علماء زمانہ اس آنے والے کے ظہور کا بہت انتظار کر رہے تھے۔ اہل نجوم وغیرہ جو آثار و علامات سے حوادث عجیبہ استدلال کیا کرتے ہیں بالاتفاق قائل تھے کہ دنیا کا نقشہ دگرگوں ہوا چاہتا ہے۔ اور جب حضور اقدس کا تولد ہوا تو حضرت کی والدہ ؓ جدہ اور پاس کی عورتوں نے عجیب وغریب

بقیہ نوٹ ص؟ اس کثرت سے جمع ہوئے کہ مدینہ کی سرزمین کو ڈھانک لیا تھا۔ یہ وہ نیڈ ہے اور بیڑیں یعنے الیٰ اور جنگلی قومیں خداوند کے مذبح پر قربان ہی ہوئیں خدا کے لئے شہید ہوئے اور فتوحات کے بعد سونا چاندی بھی اس کثرت سے مدینہ میں لائے کہ ڈھیر لگ گئے اور سب خداوند کی ستایش تکبیر و تہلیل کے نعرہ بلند کرتے ہوئے گئے تھے اور نعرے بلند کرتے ہوئے آئے۔ ایسع کی یہ بشارت بنی اسرائیل پر کسیطرح سے بھی صادق نہیں آتی ۱۲ منہ

سلہ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اوس قوم سرکش کو سزا دلاؤں گا جو غیر اللہ کی پرستش کرتی ہے جو سور کا گوشت کھاتی ہے ۱۲ منہ

سلہ عیسائی کہتے ہیں اس سے مراد روح القدس ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ وہ آنے والا تو روح القدس سے بیٹیمہ و یگانہ کہ خود روح القدس ہوگا۔ دوئم روح القدس کا ظہور سطرح سے نہیں ہوا کہ شریروں کو بجہاج میں پٹک کر جدا کیا۔ اور انکو سزا دی ہو ۱۲ منہ محمد ابوالحسن

آیات قدرت کا معاینہ کیا۔ پیدائش کے قریب روحانیات حضرات انبیاء علیہم السلام اور اوران کی بیویوں کو عیاناً دیکھا اور جو کچھ اس آنے والے کی بابت انہوں نے فرمایا اسکو کانوں سے سنا۔ بوقت تولد ایک ایسا نور متجلی ہوا۔ کہ حضرت کی والدہ ماجدہ اور پاس کی عورتوں کو مشارق و مغارب دکھائی دئیے۔ مجوسیوں کے آتش کدہ کی وہ آگ جو ہزاروں برسوں سے مسلسل روشن تھی خود بخود بجھ گئی۔ ایوان کسریٰ کے کنگورے گر پڑے۔ جسمیں اشارہ تھا کہ سب بلند آپکے قدموں پر گرائے جائیں گے۔ جنگل کے وحوش وطیور ایک دوسرے کو مبارکبادی دیتے تھے +

الغرض عالم ناسوت سے لیکر عالم ملکوت تک ایک عجیب فرحت وسرور جلوہ گر تھا۔ عرش سے فرش تک دہوم تھی پھر طفولیت سے لیکر عہد شباب تک اور شباب سے آخر حیات تک جو کچھ معجزات و آیات بینات لوگوں نے دیکھے اگر ان سب کو قلمبند کیا جائے تو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں بھی نہ سما سکے۔

(۴) عرب میں قیدار کا خاندان پھر اُن میں مضر کا اور انہیں قریش کا اوران میں بنی ہاشم کا بہت بلند خاندان شمار ہوتا تھا۔ شجاعت۔ عفت۔ ثروت۔ سخاوت۔ ذکاوت میں بھی بنی ہاشم ضرب المثل تھے عرب اس سلسلۂ نسب کو نہایت شریف سلسلہ سمجھتے تھے۔ اور در اصل شریف

ف حبشہ کا نجاشی بادشاہ عیسائی مذہب اور روم کا ہرکلیوس اور مصر کا مقوقس زناجیل کی بشارات اور مشائخ کی زبانی اور تحریری روایات سے اوس عظیم الشان نبی کے مبعوث ہونے کے منتظر تھے اور کسیوجہ سے معلوم کر گئے تھے کہ عنقریب ظہور ہونیوالا ہے اسلئے نجاشی تو کہلم کہلا ایمان لے آیا اور ان دونوں نے کسی دنیاوی مصلحت سے مذہب اسلام تو اختیار نہ کیا مگر آپکی بزرگی عظمت کا اقرار کرتے رہے سطیح کاہن نے بڑے زور سے اعلان کردیا تھا کہ عرب بالخصوص حجاز میں ایک ایسا نام آور پیدا ہونیوالا ہے جو سلاطین موجودہ پر غالب آجائیگا اور اس کے لوگ مشرق ومغرب کو اپنی حکومت میں لے آئیں گے اور تہذیب و اخلاق میں دنیا کا نقشہ پلٹ جائیگا۔ ابوالحسن

آپکا سلسلۂ نسب یہ ہے

محمد صلے اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ - بن عبد المطلب بن ہاشم - بن عبد مناف بن قصی - بن کلاب - بن مرہ بن لوی - بن غالب - بن فہر - بن مالک بن نضر - بن کنانہ - بن خزیمہ - بن مدرکہ - بن الیاس - بن مضر بن نزار - بن معد بن عدنان یہاں تک کے ناموں میں کسی نسابہ اور مورخ کو اختلاف نہیں - اس کے بعد کے سلسلہ میں تو کلام نہیں البتہ ناموں میں قدرے اختلاف ہے جسلئے انحضرت صلعم نے اسیقدر پر بمقتضائے احتیاط سکوت فرمایا +

ورنہ عرب کے ماہرین انساب جو گھوڑوں کے نسب سے بھی ایسے واقف ہوتے ہیں کہ اور بلاد میں انسان اپنے خاندانوں سے بھی ایسے واقف نہیں ہوتے - یقیناً جانتے ہیں کہ عدنان چھ پشت کے واسطے سے قیدار کا پوتا ہے اور یہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ اسقدر قریب نسب ایسے ماہران نسب کے نزدیک مجہول نہیں ہوسکتا +

عدنان کا نسب نامہ یہ ہے کہ وہ آد کے اور وہ آدد کے اور وہ الہمیسع کے اور وہ سلامان کے اور وہ بنت کے اور وہ حمل کے بیٹے تھے اور حمل قیدار کا فرزند اکبر اور قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فرزند اکبر اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر تھے - ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ توریت میں مذکور ہے +

کعبہ کی بنیاد اور اسکی تولیت

حضرت ابراہیم مامور کئے گئے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مسجد کو جو طوفان نوح میں منہدم ہوگئی تھی از سر نو تعمیر کریں چنانچہ وہ خود بھی تشریف لائے اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو بھی تعمیر میں شریک کیا جو اسی نیت سے مع ان کی والدہ ہاجرہ کے اسی جگہ روانہ کئے گئے تھے - خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اسکے متولی حضرت اسمٰعیل ہوئے اور خدا پرستی کی ترویج کے لئے حضرت ابراہیم کی اولاد جا بجا منتشر کیگئی تھی - اسمٰعیل کی بود و باش اسی ملک عرب میں رہی اُن کے بعد یہ تولیت انکے خاندان میں متوارث چلی آتی تھی - اور سب موحد اپنے آبائی

سلسلۂ نسب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

اصل بنائے خانہ کعبہ

مذہب ابراہیمی کے پابند تھے حج بھی انہیں کی طرز عبادت کی یادگار ہیں ایک سالانہ عبادت تھی۔ مگر آنحضرت صلعم سے تخمیناً تین برس پہلے عُمر بن لُحی نے قبائل عرب سے سیکھ کر بت پرستی کو رواج دیا اور ہوتے ہوتے اسکا خود اس خاندان قریش میں بھی جو اسمٰعیل کی اولاد اور کعبہ کے متولی تھے چرچا پھیل گیا اور خاص خانہ کعبہ میں آنحضرت کے عہد میں کئی سو بت قریش نے کھڑے کر رکھے تھے حج کے ارکان کو بھی بدل ڈالا تھا۔ یہ تولیت قریش میں رہی اور پھر قریش میں خاص بنی ہاشم کے قبضہ میں آئی اور حضرت کے جد امجد عبد المطلب بالاتفاق سردار تسلیم کئے گئے +

حضرت ابراہیم نے خدا پرستی کی غرض سے اپنے فرزند اکبر کو اس خشک اور ریگستانی اور پہاڑی ملک میں آباد کیا تھا جسپر انہوں نے خدا سے دو دعائیں بھی مانگی تھیں اور دونوں قبول ہوئیں اول یہ کہ میری نسل کا محافظ رہنا ان کی روزی کا سامان مہیا کرتے رہنا لوگوں کے طبائع ان کی طرف مائل رہا کریں۔ دوئم یہ کہ میری ذریت میں سے ایک ایسا شخص پیدا کرنا کہ میرے طریقہ توحید کو قائم کرے۔ قریش کے قبائل گرمی میں شام کیطرف سردی میں یمن کیطرف تجارت کو جاتے تھے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے مہمان نوازی سے پیش آتے تھے۔ ادھر ادھر کی اشیاء اثمار اور بقولات ہمیشہ مکہ کیطرف کھنچی چلی آتی رہی ہیں اسیلئے مکہ دار الامن بھی رہا ہو جس جبار نے اسپر بالقصد کیا وہ ہلاک کیا گیا۔ اسلئے مکہ کو بکہ یعنی گردن شکن بھی کہتے ہیں دوسری دعا کا اثر حضور سرور کائنات علیہ التحیہ والصلوٰة کا تولد ہے۔ کہ جسنے مکہ کو ابد الآباد تک روشن کردیا۔ اور اسکی روشنی نے دنیا کو منور کردیا۔ اب اسپر بھی یہ کہنا کہ قریش کہ اسمٰعیل و ابراہیم کی اولاد نہ تھے۔ ٹھیک دوپہر میں آفتاب کا انکار کرنا ہے۔ جو فرنگی مورخوں کی شان سے بعید ہے۔

مختصر وقائع عمری

حضرت کے دادا عبد المطلب کے دس فرزند اور کئی ایک لڑکیاں تھیں۔

وقائع عمری آنحضرت صلعم

عباس حمزہ - ابوطالب - ابولہب - حارث - عبداللہ وغیرہ - عبداللہ سب میں حسین اور
با اقبال اور با اخلاق وعفیف فرزند اپنے باپ کا فخر تھے - ان کی نانہال مدینہ منورہ میں تھی
ان کی شادی کی درخواست بڑے بڑے اعیان عرب کیا کرتے تھے مگر یہ سعادت قریش
کے ایک بڑے سردار وہب کو نصیب ہوئی - ان کی دختر عفیفہ آمنہ سے عبداللہ کی
شادی ہوئی - ہنوز یہ آفتاب حمل ہی میں تھا کہ عبداللہ کا مدینہ میں عین شباب میں انتقال
ہوگیا اس صدمہ نے مکہ اور مدینہ میں حشر برپا کردیا اور عبدالمطلب کی تو غم سے کمر ہی ٹوٹ
گئی - اس کے چند مہینوں بعد حضرت کا تولد ہوا - اس خوشی کا بھی کہ بالخصوص بنی ہاشم میں
کوئی اندازہ نہ تھا - ابولہب چچا نے اوس لونڈی کو کہ جسنے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خبر
دی تھی اس شادمانی میں فی الفور آزاد کردیا - دادا نے جب وہ چاند سی صورت کہ جسکو
چاند اور سورج بھی جھک جھک کر سلام کرتے تھے دیکھی تو فرحت کے مارے قریب تھا
کہ غش آجائے تمام شہر مکہ میں مبارک وسلامت کا چرچا تھا - کئی برس سے ایک ایسا سخت
قحط پڑا ہوا تھا کہ لوگوں کو ہڈیوں اور مردار کھانے کی نوبت آگئی تھی - اس ولادت باسعادت
سے دفع ہوگیا - سرداران قریش کے بچوں کو اطراف مکہ کی عورتیں کسی انعام واجرت
کی امید پر دودہ پلانے اپنے گھر لیجایا کرتی تھیں جب دودہ بڑہ جاتا تھا تو لے آتے
اور حسب مقدور انعام پاتی تھیں - حضور اقدس کو حلیمہ سعدیہ نے لیا گویا دارین کی دولت
وسعادت کو گود میں اٹھا لیا اس کے گھر پر وہ وہ آثار فلاح وثروت ظاہر ہوئے جو اسکے
خیال سے بھی باہر تھے - ابھی حضور اقدس کی عمر گرامی کے سات برس بھی پورے
نہونے پائے تھے کہ والدہ ماجدہ نے بھی دنیا سے کوچ کیا - گھر کی غریبی میں والدین کا
اوٹھ جانا یہ ایسی شکستگی تھی کہ جسپر بیکسی بھی زار زار روتی تھی - اب دنیا میں بجز عبدالمطلب
کے اور کون اس یتیم کا چارہ گر تھا - وہ بھی حضرت کو دیکھکر اپنے ناسور دلی کا درماں
کیا کرتے تھے - جب سن شریف آٹھ برس کا ہوا تو عبدالمطلب بھی چل بسے - اور

مرتے وقت اِس گنج گرانمایہ کو ابو طالب کے سپرد کر گئے جو عبداللہ کے عینی بھائی تھے
اودھر تو حضور اقدس کی ذاتی خوبیاں اور دوسرے یہ کہ اِن کے مرے بھائی کی نشانی ابو طالب
کو جان سے زیادہ عزیز تھی +

قریش مکہ تجارت پر بسر اوقات کیا کرتے تھے ابو طالب ایکبار جو مال و اسباب لیکر
قافلہ قریش کے ساتھ شام کو چلے تو حضرت کو بھی ساتھ لیتے گئے اور حضرت کا سن شریف
نو برس کا تھا - اطراف شام میں جب یہ قافلہ بمقام بصریٰ پہونچا تو ایک جگہ جسکے قریب
بحیرا راہب کا صومعہ تھا قافلہ نے قیام کیا - راہب کے دلمیں تو اوس عظیم الشان ظاہر
ہونے والے نبی کی تلاش کا داعیہ موجزن ہی تھا اور اسکو کسیوجہ سے معلوم ہو چکا
تھا کہ یہ آفتاب فاران کی چوٹیوں پر طلوع کریگا وہ اِسی تلاش میں قافلہ کو دیکھنے آیا
حضور اقدس کو دیکھتے ہی فوراً پہچان لیا کہ یہی وہ ہیں - اِس لئے تمام قافلہ کی دعوت
کی جب سب لوگ کھانے بیٹھے تو آنحضرت صلعم کو نہ پایا کیونکہ آپ اوسوقت اونٹوں کو
پانی پلانے لے گئے تھے ششدر ہو کر پوچھا کہ سب موجود ہیں کوئی باقی تو نہیں رہا
لوگوں نے کہا صرف ایک لڑکا موجود نہیں وہ بھی آجائیگا بحیرا نے کہا وہی تو اصلی مہمان
ہے - آنحضرت تشریف لائے درختوں کے سایہ کی سب جگہ گھر گئی تھی سایہ دار کوئی
جگہ باقی نہ تھی آپ دھوپ ہی میں بیٹھ گئے - مگر ساتھ ہی درختوں نے بھی اپنے سایہ کا
رخ پھیر دیا اور آپ پر سایہ کر دیا - بحیرا اور حاضرین حیرت میں رہ گئے یہ کوئی اول بات
نہ تھی اس سے پہلے قریش مکہ اور بہت اِس سے بڑھ بڑھ کر معجزات (ارہاصات)
دیکھ چکے تھے - بحیرا نے ابو طالب کو مخفی طور سے کہا کہ خبردار اس لڑکے کو شام میں
نہ لیجانا یہ وہی نبی ہے جسکی خبر اہل کتاب میں مشہور ہے یہود سے اندیشہ ہے کہ وہ
پہچان کر قصد ہلاکت نہ کریں - اِس لئے ابو طالب نے بعض آدمیوں کے ساتھ
آنحضرت کو مکہ میں واپس بھیجدیا +

جب سن شریف قریب پچیس ۲۵ کے پہونچا - ایکبار خود سفر تجارت کا قصد کیا خدیجہ جو قریش میں ایک شریف اور پاک باز اور مالدار بیوہ تہیں تجارت کے لئے اپنا مال دیدیا کرتی تہیں - آنحضرت کو بہی اسی پاکباز رحمدل نے کچھہ سرمایہ دیا اور ایک غلام بہی ہمراہ کر دیا - آپ شام تک نہ پہونچے اس کے اطراف ہی میں بیچ کہوچ کر بڑے نفع کے ساتہ واپس چلے آئے - خدیجہ کا راس المال اور نفع نہایت دیانت سے دیدیا - خدیجہ کو آپ کا حسن معاملہ بہت پسند آیا اور پہلے سے بہی اوصاف جمیلہ کا مکہ میں چرچا تہا جیلئے اہل مکہ نے آپ کو امین کا لقب دیا تہا ادہر خدیجہ کے غلام نے وہ عجائب قدرت جو رستہ میں دیکہے تہے بیان کئے اور اتفاقاً خود خدیجہ نے بہی اپنے بالاخانہ سے جبکہ آپ واپس آرہے تہے آپ پر ابر کو سایہ کئے ہوئے دیکہا جو آپ کی سواری کے ساتہ ساتہ چلتا تہا - ان خوبیوں نے ادہر شرافت نسب نے خدیجہ کو آپ کے ساتہ شادی کرنے کی رغبت دلائی - طرفین سے باقاعدہ پیغام وسلام ہو کر نکاح کی ٹہری - ابو طالب نے مجمع اعیان قریش میں ایک خطبہ کے بعد جسمیں آنحضرت کے مناقب اور سچے اوصاف مذکور تہے نکاح قائم کیا +

یہ وہ اول شادی ہے جسمیں حضور اقدس کی عمر قریب ۲۵ سال کے اور خدیجہ بنت خویلد کی عمر قریب ۴۰ سال کی تہی - ان محترم بیوی سے چار صاحبزادے قاسم - اجس سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہوئی) عبد اللہ - طیب - طاہر - متولد ہوئے - بعض مورخین کہتے ہیں کہ دو صاحبزادے پیدا ہوئے - قاسم - اور عبد اللہ - طیب - طاہر عبد اللہ ہی کے القاب ہیں - مگر یہ سب صغیر سنی میں راہی خلد ہوئے - اور چار صاحبزادیاں بہی پیدا ہوئیں - رقیہ - زینب - ام کلثوم - سب میں چہوٹی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا ان چاروں میں سے صرف حضرت فاطمہ کی نسل باقی ہے - اور خدا نے اس میں بڑی برکت عطا فرمائی ہے - انکی شادی مدینہ میں آکر حضرت علی مرتضے سے ہوئی تہی

حضرت امام حسن۔ امام حسین انہیں کے فرزند ارجمند ہیں +

نبی ماں کے پیٹ ہی میں نبی ہوتا ہے۔ النبی نبی ولو کان فی بطن امہ گو آپ پر کوئی شریعت جدید اور احکام نازل نہ ہوئے تھے مگر اصول حسنات و امور تقرب۔ و توحید و عبادت و مکارم اخلاق و عفت و عصمت کے قدرتی لباس سے مزین تھے بچپن ہی میں آپ کے معارف جلیلہ و مکارم اخلاق اسدرجہ پر تھے جو بڑے بڑے کملا، کو بہت سی ریاضات کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتے۔ یہ لوگ دنیا کے مکاتیب میں تعلیم نہیں پاتے یہ تو خدا ہی کے مدرسے پاس پاکر آیا کرتے ہیں۔ جملہ علوم و معارف جو کتابوں میں جمع کئے جاتے اور مدارس و مکاتیب میں پڑھائے جاتے ہیں وہ سب انہیں کے اُن چشموں کا پانی ہوتا ہے جو قدرت نے اِن کے سینوں میں موجزن کر رکھا تھا +

آپ خدا کی عبادت اور اس کے مراقبہ میں شب و روز مشغول رہتے تھے ملت ابراہیمیہ کے احکام آپ کے سامنے تھے جنپر افراط و تفریط کا گرد و غبار لوگوں نے چڑھا رکھا تھا۔ جب خلوت کیطرف رغبت ہوئی تو جبل حراء کے ایک غار میں رہنے لگے۔ کئی کئی دن کا کھانا پانی خدیجہ وہیں آپکو پہونچا دیا کرتی تھیں۔ اب ملکیت ترقی کرتے کرتے اسدرجہ تک پہونچی کہ احجار و اشجار کا کلام بھی سننے لگے۔ اور عالم غیر محسوس کے مخلوق کو عیاناً دیکھنے لگے۔ عمر شریف چالیس برس کو پہونچی تھی کہ ایک روز اسی غار حرا میں جبرئیل امین آپ کو دکھائی دیئے اور آداب وضو و غسل تعلیم فرمائے اور مالم یعلم تک سورۂ اقراء نازل ہوئی اور کچھہ وقفہ کے بعد لگے تار قرآن نازل ہونا شروع ہو گیا +

جب تک بت پرستی کی مذمت نہ بیان کی تھی تمام قریش آپ پر فدا تھے جبدن سے بت پرستی اور ان کے رسوم قبیحہ کی برائی بیان کرنی شروع کی اور توحید خالص و صفات باری کا بیان شروع ہوا تو دشمن ہو گئے۔ لڑکوں میں سب سے اول حضرت علی ابن طالب

اور جوانوں میں ابوبکر صدیق اور عورتوں میں خدیجہ ایمان لائیں اور رفتہ رفتہ ایمانداروں کی ایک نئی اور پرجوش برادری قائم ہونی شروع ہوگئی قریش کو اور بھی ناگوار معلوم ہوا اور اب زبانی گالی گلوج سے گزر کر دست درازی بھی شروع کردی مگر حضرت کے پر اثر بیان اور قرآنی کشش کو ان کی یہ زیادتی کچھ بھی روک نہ سکی بلکہ دن بدن اس دریا میں تموج بڑھتا گیا۔ مجامع میں کہیں خود بدولت اور کبھی ابوبکر قرآن پڑھ رہے ہیں لوگ کھڑے سُن رہے ہیں ایک تو قرآن کی وہ شیریں عبارت اور سیر دل کو ہلا دینے والے وہ روحانی مضامین تیروں کی طرح دل میں گھستے ہیں۔ کسیکے آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ کوئی ہائے ہائے کر رہا ہے کوئی ششدر کھڑا ہے کوئی اپنی جہالت پر اڑا ہے الغرض مکہ میں ایک تلاطم پیدا ہوگیا آج فلاں گھر میں سے بیوی ایمان لے آئی میاں اسکو مار دھاڑ کر رہا ہے۔ کل کوئی میاں ایمان لے آیا بیوی لڑ رہی ہے۔ اس سے اور بھی اعیان قریش کو جوش پیدا ہوگیا۔ پھر تو ہر قسم کے ظلم وستم کا دروازہ کھولدیا۔ کسیکو دھوپ میں لٹا کر کوڑے مار رہے ہیں۔ کسیکو مارتے مارتے زخمی اور لہولہان کردیا ہی کسیکو زنجیروں میں جکڑ کر گھر میں مقید کر رکھا ہے۔ آنحضرت اور آپ کے جانباز یاروں کو بھی ہر طرح کی ایذائیں پہونچائی جاتی ہیں۔ آخر سب نے اتفاق کرکے دار الندوہ میں ایک کاغذ لکھا اور بنی ہاشم اور ابی طالب کو بھی اس جرم میں کہ وہ مظلوم پیغمبر کا ساتھ کیوں دیتے ہیں برادری سے خارج کردیا اور آنحضرت کا بھی گھر سے باہر نکلنا بند کردیا۔ ایسی حالت میں ایمانداروں نے اجازت چاہی کہ مکہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں چنانچہ بارہ مرد اور چار عورتیں جنمیں حضرت عثمان بن عفان اور ان کی بیوی رقیہ حضرت کی صاحبزادی بھی تھیں مکہ چھوڑ کر حبش میں شاہ نجاشی کے پاس چلے گئے۔ یہ پہلی ہجرت ہے انکو وہاں یہ خبر پہونچی کہ سب قریش ایمان لے آئے اسلئے وہ مکہ میں واپس آگئے یہاں قریش نے ان کو خوب مارا پیٹا۔ اس کے بعد اڑتیس ۳۸ مرد اور اٹھارہ عورتیں جنمیں

حضرت کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب بھی تھے۔ حبشہ چلے گئے یہ دوسری ہجرت تھی۔ نجاشی کی حکومت میں انکو امن ملا ✢

قریش کو یہ سخت ناگوار معلوم ہوا اسلئے چند ایلچی نجاشی کے پاس بھیجے۔ جن میں عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیر مخزومی بھی تھے۔ انہوں نے آکر کہا کہ یہ جماعت بے دین ہوگئی ہے۔ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتی ہے حضرت عیسٰی اور مریم کو بھی گالیاں دیا کرتی ہے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو طلب کیا اور جعفر کو مخاطب کرکے جواب مانگا۔ جعفر نے سب ماجرا سنا دیا نجاشی نے کہا اچھا اوس کتاب میں سے جو تمہارے پیغمبر پر نازل ہو رہی ہے کچھ مجھے بھی سناؤ جعفر نے قرآن کی آیات پڑھنی شروع کیں ادہر نجاشی اور اس کے اعیان و دولت کے دلمیں اثر ہوا انکھوں سے آنسو رواں تھے۔ قرآن اور حضرت کے ثناخواں تھے آخر ایمان لے آئے۔ مسلمانوں کی نہایت عزت کی اور ان کے لئے اسباب آسائش بہم پہونچانے کا حکم دیا اور قریش کے ایلچیوں کو بڑی ذلت کے ساتھ نکلوادیا۔ اِس سے اور بھی قریش کا غیظ و غضب جوش میں آیا۔ اور محاصرہ بہت سخت کر دیا۔ اور تین برس تک یہ محاصرہ رہا نبوت کے نویں سال یہ محاصرہ دور ہوا۔ اسی عرصہ میں حضرت عمر اور حضرت کے چچا حمزہ بھی ایمان لے آئے۔ اس سے اِس جماعت کی قوت و شوکت بڑھ گئی۔ کیونکہ یہ کلہ بکلہ جواب دینے کو بھی تیار ہو جاتے تھے ✢

نبوت کے دسویں سال ابی طالب کا ستاسی برس کی عمر میں انتقال ہوگیا اِن کے لحاظ سے مسلمانوں کو بہت کچھ امن تھا۔ اِس لئے قریش کی یورش پھر شروع ہوگئی یہ غم تو تھا ہی اِس کے چند مہینوں بعد حضرت خدیجہ ام المومنین کا بھی چونسٹھ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ اِس سے اور بھی ملال ہوا۔ اس لئے اِس سال کا نام عام الحزن ہے انہیں دنوں میں آپ زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر طائف کیطرف بقصد تلقین و ہدایت

تشریف لے گئے۔ وہاں کے سنگدلوں نے بہت برا برتاؤ اپنے عزیز مہمان کے
ساتھ کیا واپسی میں ایک شخص جسکا نام عداس اور مذہب عیسائی رکھتا تھا آپ سے
اصول ایمان دریافت کرکے ایمان لایا۔ آگے چلکر جبکہ آپ صبح کی نماز بمقام نخلہ پڑھ رہے
تھے مقام نصیبین کے چند جن جو آسمانی خبروں کے بند ہونیکا راز دریافت کرنے کو
نکلے تھے قرآن سنکر ایمان لائے اور نیز وہ راز بھی کھل گیا کہ اس وحی کے سبب
یہ رخنہ بند کئے گئے ہیں وہاں سے جاکر انہوں نے اپنی قوم کو مطلع کیا اور اپنا ایمان
لانا ظاہر کردیا۔ وہاں سے آکر آپ مطعم بن عدی کے گھر پر رونق افروز رہے۔
مگر اسلام کا جوش اور مخالفوں کی زیادتی روز افزوں تھی۔ صحابہ کا وہ راتوں قرآن پڑھنا
نمازوں میں اپنے خدا کے حضور میں گریہ وزاری کرنا دنیا کی تکلیف اور اسکی راحت
کو بے ثبات جاننا خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں مصروف رہنا ایک ایسا نشہ تھا
کہ جسکو زمانہ کی کوئی بھی شئی نہ اوتار سکتی تھی۔ حضرت کے معتقدوں میں ایک تازہ
زندگی کی روح پھونک گئی تھی جو جملہ مصائب دنیا کی برداشت کرنیکا باعث تھی اور
وہ تمام ملکات فاضلہ انسانیہ کا سرچشمہ ہوگئی تھی۔ اس مستی و سرور کے آگے ان کو کوئی
مصیبت مصیبت معلوم نہ ہوتی تھی +

نبوت کے بارہویں سال آپ کو معراج ہوئی۔ جسم پر روحانیت غالب آکر
جسم بھی روح کیطرح لطیف ہوگیا۔ اور طرفۃ العین میں بیت المقدس تک پہونچتے
ہوئے آسمانوں پر تشریف لے گئے اسرار ملکوت آنکھوں سے دیکھے۔ حضرات انبیاء سے
ملے خدا سے شرف ہمکلامی حاصل ہوا۔ عالم ملکوت کے ہزاروں اسرار سے واقف
ہوئے اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ آنحضرت صلعم لوگوں کے مجامع میں بھی قرآن سنانے
تشریف لیجاتے ہیں حجاج کے قوافل سے بھی ملکر انکو دین حق کی ترغیب دیتے ہیں
ادہر قریش بھی رستوں پر آدمی بٹھادیتے تھے وہ لوگوں کو حضرت سے بدظن کرتے

کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے اتفاقاً مدینہ کا قافلہ بھی آیا ہوا تھا۔ آنحضرت کو انمیں سے چند آدمی ملے اور ایمان لائے اور مدینہ جاکر انہوں نے لوگوں کو اسلام کی رغبت دلائی اور آنحضرت صلعم کے اوصاف بیان کئے بہت لوگ اسلام لائے اور ہر گھر میں آپ کا چرچا ہوگیا۔ سال آئندہ چند اور شخص آئے اور سب نے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں آپ سے بیعت کی اس لئے ان کو صحابہ العقبہ کہتے ہیں ان کو حضرت نے اپنی طرف سے نقیب بناکر مدینہ میں بھیجا تبو مدینہ میں اِس سرے سے اُس سرے تک اسلام کی روشنی چمک اوٹھی۔ اور اہل مدینہ کو آنحضرت اور اس مقدس گروہ سے ایک دلی محبت اور برادرانہ جوش پیدا ہوگیا۔ ان لوگوں نے ایک مسجد بھی بنائی جسکو **مسجد بنی زُریق** کہتے ہیں وہاں اہل مدینہ جمع ہوتے اور قرآن سنتے تھے۔ اگلے سال بہت سے لوگ اور چند عورتیں بھی زیارت کے لئے آئے۔ اور سب نے بیعت کی +

خدا کی مددغیبی کو دیکھئے کہ ایمانداروں کے لئے ایک مستحکم دار الامن پیدا کر دیا۔

اب یکے بعد دیگرے ایماندار مدینہ میں جانے لگے جو جاتا تھا اسکو وہ سر پر بٹھاتے اور سینہ سے لگاتے تھے سب سے پہلے مدینہ **مُصعب بن عمیر** تشریف لے گئے۔ بعض کہتے ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی تھے۔ قریش مکہ کو یہ اور بھی شاق گزرا اور سب نے بالاتفاق مشورہ کرلیا کہ جو کچھ ہو رات کو گھر میں گھس کر پیغمبر کو قتل کر ڈالو تاکہ یہ سلسلہ ہی منقطع ہوجائے مگر قیامت تک قائم رہنے والے سلسلہ کو کون منقطع کرسکتا تھا؟۔

اِس عرصہ میں جیسا کہ لوگوں کو عموماً ہجرت کرنے کی اجازت دیدی گئی تھی خود حضرت سرور کائنات علیہ السلام نے بھی ہجرت کا ارادہ کرلیا تھا۔ آپ کے جان نثار خادم ابو بکر صدیق بھی شریک سفر ہونے پر تیار ہوگئے۔ خدا نے اوس رات سے

کہ جبیں کفار قریش شبخون مارنے کا قصد رکھتے تھے آپکو مطلع فرمادیا۔ آپ شباشب مع ابوبکر صدیق نکل کھڑے ہوئے۔ ابوبکر کا غلام عامر بن فہیرہ بھی خدمت میں ساتھ تھا۔ عبداللہ بن ارلفظ کو اسلئے ساتھ لیا کہ وہ مدینہ کا سیدھا رستہ بتائے۔ مناسب سمجھا گیا کہ راہ راست مدینہ کے رستہ پر نہ جانا چاہیئے کیونکہ کفار تعاقب کریں گے اس لئے مکہ سے نکلکر جبل ثور کے ایک غار میں جا ٹھہرے۔ کفار جو گھر میں داخل ہوئے تو بجائے آپ کے آپکے بستر پر حضرت علی کو سوتے پایا آپکے درپے ہوئے آثار وعلامات سے غار ثور تک پہونچے وہاں جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ غار کے موُنہہ پر مکڑی نے جالا پور رکھا ہے اور کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں اوپر سے نیچے نگاہ ڈالتے تھے آنحضرت اور ابوبکر انکو دیکھتے تھے اور ابوبکر دلمیں ہراس کرتے تھے حضرت فرماتے تھے لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہ کچھ خوف نکرو اللہ ہمارے ساتھ ہے کفار واپس پھر گئے۔ پھر موقع پر غار سے باہر نکلے اور مدینہ کیطرف چلے۔ پیچھے سے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص جسکا نام سراقہ تھا تعاقب میں گھوڑا دوڑاے ہوئے چلا آرہا ہے آپنے دیکھتے ہی زمین کیطرف اشارہ کیا تو گھوڑا اسکا پیٹ تک زمین میں دھس گیا سراقہ نے پکار کر امان مانگی اور عرض کیا کہ مجھے نجات دیجئے میں عہد کرتا ہوں کہ قریش کو خبر نہ دونگا آپنے دوسرا اشارہ کیا تو گھوڑا اوپر نکل آیا سراقہ ایمان لایا اور واپس چلا گیا اور قریش جو پیچھے آرہے تھے اِن سے کہا میں دور تک دیکھ آیا اور لوگوں سے بھی پوچھا (محمد صلعم) اِس رستہ سے نہیں گئے ہیں سب واپس پھر گئے۔ رستہ میں جب دوپہر اور پیاس کی شدت ہوئی تو آپ ایک عورت کے پاس پہونچے جس کی جھونپڑی کے پاس ایک بکری کی پیٹھ نبد ہی ہوئی تھی اسنک نہ گابھن ہوئی تھی نہ بیاہی تھی۔ ابوبکر نے اوس سے دودھ طلب کیا عورت نے کہا یہ بکری قابل دودھ کے نہیں ہے اور کوئی بکری موجود نہیں ابوبکر سے آپنے فرمایا کہ بسم اللہ کہہ کر کے اسکا دودھ دوہلو

ابوبکر نے دودہ دوہا۔ ایک پیالہ میں لیکر جہاگل سے اوسمیں سرد پانی ملایا حضرت نے اور ابوبکر نے اور ان کے ہمراہیوں نے شکم سیر ہو کر پیا اور پہر بہی بچ رہا جس میں سے اوس عورت نے بہی شکم سیر ہو کر پیا۔ الغرض منزل بمنزل آپ مدینہ منورہ کیطرف چلے۔ مدینہ میں تشریف آوری کی خبر پہونچ چکی تہی۔ بہت سے مرد وزن ہر روز انتظار میں پہاڑوں کے ٹیلوں پر چڑھکر دیکہا کرتے تہے۔ آخر ایک روز یہ مراد برآئی دور سے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ناقہ پر دو سوار ہیں جو آگے بیٹہا ہے آفتاب کیطرح چمک رہا ہے اور ایک آدمی آگے چلا آرہا ہے اور ایک رکاب تہامے ہوئے دوڑا چلا آرہا ہے کسینے پکار کر کہا (لقد جاء محمد) کہ یہ حضور تشریف لارہے ہیں۔ پہر تو کیا تہا لوگ دوڑ پڑے ناقہ کے اردگرد پروانہ کیطرح قربان ہورہے اور اشعار فخر وسرور پڑہ رہے تہے۔ انصار کا جانباز۔ باڑہی گاڈ تلواریں میان میں لٹکائے کندہوں پر کمان رکہے ہوئے کس جوش ومسرت سے اردگرد اشعار پڑہتے اور نعرے بلند کرتے چلتے تہے۔ جن کے بعض اشعار کا یہ ترجمہ ہے

وہ آئیں گہر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ٭ کبہی ہم اونکو کبہی اپنے گہر کو دیکھتے ہیں
امروز شاہ شاہاں مہماں شدہ است مارا ٭ بے برگ وبے نوائی ساماں شدہ است مارا

کسیوجہ خاص سے سواری کا رخ قبا کیطرف پلٹا۔ یہ مدینہ سے تخمیناً شرق وجنوب کیطرف دو اڑھائی میل کے قریب ایک چہوٹی سی بستی ہے آپ یہاں بیس روز قیام پذیر رہے۔ اِس عرصہ میں ایک مسجد کی بہی بنیاد ڈالی۔ مدینہ کے سرداروں کا تقاضا اور انکا وہ دلی جوش اور ولولہ کب وہاں رہنے دیتا تہا آخر مدینہ کیطرف سواری چلی ہر ایک یہی چاہتا تہا کہ میرے گہر پر فروکش ہوں آپنے اسکا یوں فیصلہ کردیا تہا کہ جسجگہ ناقہ بیٹہہ جائے گی وہیں ٹہروں گا۔ جب ناقہ ابوایوب انصاری کے گہر کے قریب پہونچی تو یہ ولمیں کہہ رہے تہے ع محبت آج ترے ہم اثر کو دیکھتے ہیں

جذبۂ دل ناقہ آگے نہ جانے پائے جب بہت ہی قریب آپہونچی قریب تہاکہ ابوایوب غش کہاکر گر پڑیں کہ ہائے ہمارے سعادت پاس سے نکل گیا مگر سچا جذبہ کب جانے دیتا تہا ناقہ وہیں بیٹھہ گئی۔ حضرت انہیں کے گہر میں فروکش ہوئے اللہ اللہ مدینہ کے مرد و زن لوٹے ہے اور بچہ کا ولولہ شوق ابوایوب کے گہر پہ اوس جمال جہاں آرا سے مشرف ہونیوالوں کا وہ مجمع تہاکہ ہوا کو بہی مشکل سے گذر تہا۔ چند روز آپ وہاں مہمان رہے آخر سکونت کے لئے خام مکانات بنائے گئے اور مسجد نبوی کی بنیاد بہی قائم کی گئی۔

انہو مہاجرین یکے بعد دیگرآنے شروع ہوگئے۔ اور حضرت کے عیال واطفال بہی آئے۔ خدیجہ کے انتقال کے بعد آپنے ایک سن رسیدہ ایماندار بیوی سے نکاح کرلیا تہاکہ لڑکیوں کی کفالت اور ضروریات کا سرانجام دیں۔ اس بیوی کا نام سودہ ہے۔ مگر ہجرت سے چند ماہ پہلے عائشہ بنت ابی بکر صدیق سے بہی نکاح کرلیا تہا جو اسوقت صغیر السن نہیں۔ یہ سب لوگ آگئے۔ یہ واقعہ تشریف آوری نبوت کے تیرہویں سال کا ہے اسوقت عمر شریف ترپین برس کی تہی عیسوی حساب سے جون کا مہینا ۶۲۲ء عیسوی تہا۔

اہل اسلام کے سنین کی ابتدا اسی ہجرت کے پہلے سال سے ہے جسطرح وقتاً فوقتاً مکہ میں تیرہ برس تک قرآن الہام ہوتا رہا اور نازل شدہ کو آپ مرتب ومحفوظ رکہتے رہے اسیطرح مدینہ میں دس برس تک نازل ہوتارہا اور اس کہ میں جو کچہہ نازل ہوا اسکو مکی۔ اور مدینہ میں جو نازل ہوا اسکو مدنی کہتے ہیں۔ مدینہ میں آکر سب سے پہلی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ مدینہ کے دو قبیلوں بنی اوس و بنی خزرج میں باوجود ہم جدی ہونے کے کئی سو برس سے ایسا سخت تنازع چلا آرہا تہاکہ جسمیں بارہا سخت خونخوار لڑائیاں ہوئیں۔ طرفین سے بہت سے مارے گئے۔ اور مدینہ کے

اطراف میں جو یہود کے دو گروہ رہتے تھے ایک کا نام **بنی قریظہ** دوسرے کا **بنی نضیر** تھا انیں سے ایک بنی اوس کا دوسرا بنی خزرج کا حلیف ہو رہا تھا۔ اور ہر گروہ اپنے حلیف کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا کرتا تھا یہ تنازع رفع ہو گیا اور دونوں گروہ شیر و شکر ہو گئے۔ اِن سب کا لقب اسلام میں انصار قرار پایا اِن کی بزرگی اور شرف مسلمانوں میں مسلم ہے۔ حضرت کی تشریف آوری سے پہلے انصار نے اپنے میں سے ایک شخص **عبداللہ بن ابی بن سلول** کو سردار بنانا چاہا تھا قریب تھا کہ اسکی سر پر تاج سرداری رکھا جائے۔ مگر اب حضرت کی تشریف لانے کی بعد جسطرح آفتاب کے سامنے ذرہ کی کیا قدر رہتی ہے اسطرح اسکی بھی قدر نہ رہی۔ اسپر یہ بات شاق گزری اور تھا خود کا طالب جاہ و نام کا بندہ اس لئے دل میں آنحضرت صلعم اور آنے والے لوگوں کا جن کا لقب مہاجرین ہے دشمن ہو گیا اور ایسی مذاق کے لوگ اس کے در پردہ ساتھ بھی ہو گئے۔ اس گروہ کا نام اسلام میں **منافق** ہے۔ یہ منافقین یہود کے ان ہم قماش قبیلوں سے بھی ساز و باز رکھتے تھے جنکے دلمیں حضرت کی عداوت کا شعلہ بھڑک اٹھتا تھا۔ منافق ظاہر میں تو قوم کے رعب و داب سے مسلمان تھے مگر در پردہ منکر اور سخت مخالف۔ یہ منافق اور وہ یہودی باہم ملکر رات دن تخریب اسلام کی تدابیر سوچا کرتے۔ اور عرب کے قبائل بالخصوص قریش مکہ کو بھڑکاتے رہتے تھے۔ اِن سے خط و کتابت پیام و سلام بھی جاری تھا۔ اسلام کے مسائل پر نکتہ چینی آنحضرت پر بہتان لگاتے مسلمانوں کے دل دکھاتے انصار و مہاجرین میں بگاڑ کرا دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے جسکا حسب موقعہ قرآن میں متعدد سورتوں میں ذکر ہے جیسا کہ ہجرت سے پیشتر قریش مکہ کے اقوال و افعال اسلام کے خلاف میں تھے اور بعد ہجرت کے بھی جو کچھ انہوں نے حرکات کئے ان کا بھی کہیں صراحتہً کہیں اشارۃً ذکر ہے۔ اِس لئے مفسرین کو اِن آیات کی تفسیر میں ان واقعات کا

ذکر کرنا پڑتا ہے تاکہ مطالب واضح ہوجائیں مگر اسمیں بھی بے احتیاط مورخوں نے بہت کچھ رطب ویابس ملا دیا ہے +

مخالفین تو اس آسمانی چراغ کو بجھانا ہی چاہتے تھے مگر وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ خدا کو تو اوس روشنی کو دنیا میں پھیلانا ہی تھا گو کافروں کو برا معلوم ہوا کرے اسلئے اب مسلمان جان بازوں کی بھی ایک جماعت سر فروشی کے لئے موجود ہوگئی اور جہاد کی اجازت ہی نہیں ملی بلکہ حکم ہوگیا۔ ہجرت کے دوسرے سال رمضان کے مہینے میں آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ قریش مکہ کا قافلہ جسکا سردار ابوسفیان ہے مال تجارت لئے ہوئے شام سے مکہ جا رہا ہے۔ آنحضرت اس روا روی میں مسلمانوں کی ایک جماعت لیکر اس کے گرفتار کرنے کو نکلے۔ اس جماعت میں تھوڑے سے مہاجرین اور باقی انصار تھے مجموعی تعداد تین سو تیرہ کے قریب تھی اکثر بے سروسامان تھے ہتیار بھی سب کے پاس نہ تھے صرف ہمت وحمایت الٰہی کا حربہ سب کے پاس تھا۔ قافلہ خبر پاکر دوسرے رستہ سے نکل گیا۔ مگر قافلہ کی اطلاع دینے پر مکہ کے قریش بڑے غیض وغضب میں بھرے ہوئے بڑے ساز وسامان کے ساتھ مدافعت ومقابلہ کے لئے آئے۔ آنحضرت نے مقام بدر پر ڈیرا کیا قریش کا لشکر بھی مقابلہ میں آپڑا۔ لڑائی سے پہلے آنحضرت نے خبر دی تھی کہ کل فلاں جگہ فلاں سردار قریش کی لاش پڑی ہوگی۔ اور فلاں جگہ فلاں پڑا ہوگا۔ طرفین میں آپس کے قریبی رشتہ دار بھی تھے ادھر باپ تو اودھر بیٹا اسطرح ایک بھائی تو دوسری طرف دوسرا بھائی اور چچا ادھر تو بھتیجا اودھر تھا۔ جنگ شروع ہوئی۔ قریش کیطرف **ابوجہل** ان کا سردار اور حضرت کے چچا عباس اور خالد بن ولید وغیرہ مشہور جنگ آور تھے۔ آخر قریش کو سخت شکست ہوئی قریب ستر کے مارے گئے ابوجہل وغیرہ اعیان قریش کی وہیں لاشیں پڑی ملیں جہاں کا آپنے نشان دیا تھا اور قریب ستر کے قید کئے گئے جن میں عباس بھی تھے۔ باقی سراسیمہ ہوکر بھاگ گئے

جنگ سے ذرا دیر پہلے قریش نے طعن کی راہ سے یہ بھی کہا تہا یہ مدینہ کے کاشتکار قریش کی تلواروں کی کیا تاب لاسکیں گے ابھی محمدؐ کو ہمارے ہاتھوں میں گرفتار چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اِس کے جواب میں سعد سردار انصار نے جو للکار کر جواب دیا ہے وہ ان کی حمیت و ایمان اور پیغمبر علیہ السلام کے اثر کی دلیل ہے۔ سعد نے کہا کہ ہم بنی اسرائیل نہیں کہ اپنے پیغمبر سے یوں کہیں کہ جا تو اور تیرا خدا لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر پیغمبر ہمکو سمندر میں گر جانے کا بھی حکم دیں تو اسیوقت تیار ہیں اور اب بنی قحطان کی آبدار تلواروں کا حال معلوم ہوئے جاتا ہے۔

اس لڑائی میں آسمان سے فرشتوں کا مدد کے لئے آنا اور غیر محسوس اشخاص کے مارنے سے کفار کا مقتول ہو کر گرنا بھی لوگوں نے محسوس کیا تہا۔ اِس کے بعد چھوٹے بڑے اور بھی معرکے ہوئے ہر جگہ اسلام غالب رہا۔ ایکبار قریش مکہ نے مدینہ پر چڑہائی کی اور **احد** پہاڑ کے قریب لڑائی ہوئی۔ بعض ناتجربہ کار مسلمانوں کے سبب اِس جنگ میں مسلمانوں کو سخت زخم پہونچا۔ حضرت کے چچا حمزہ بھی شہید ہوئے آخر جو مسلمان سنبھل کر لڑے تو جنگ کی صورت بدل گئی جس سے قریش کو واپس جانا پڑا۔ اِس لڑائی سے کفار کو جرأت ہو گئی تہی۔ اسلئے ہجرت کے پانچویں سال یہود کی تحریک پر ابوسفیان نہ صرف قریش مکہ بلکہ اکثر قبائل عرب کو جنکی تعداد پچیس ہزار کے قریب تہی مدینہ پر دفعۃً چڑھا لایا۔ اِس لئے اِس جنگ کو غزوہ **احزاب** کہتے ہیں۔ اور تحفظ کے لئے مدینہ کے گرد خندق بھی کہودی گئی تہی اِس لئے اسیکو غزوہ **خندق** بھی کہا جاتا ہے۔

اس لشکر کے آنے سے مدینہ کے منافق جو جو دل کے غبار نکالتے اور اہل مدینہ کو ملامت کر کے نامرد بناتے تہے اکثر کیطرف سورہ احزاب میں اشارہ ہے۔ اِس محاصرہ میں مسلمانوں پر فقر و فاقہ کی تکلیف تو بیحد گزری مگر مدینہ پر حملہ کرنے کی انکو جرأت نہ ہوئی۔ اسلئے دہشت میں آکر ہفتوں کے محاصرہ کے بعد سب بے نیل مرام بھاگ گئے اس جنگ میں

یہود بنی قریظہ نے باوجود حلف و عہد کے اسلامیوں کے ساتھ بدسلوکی اور قلع قمع کر دینے میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا تھا۔ اس لئے اس جنگ کے بعد وہ بھی اپنے کیفر کردار کو پہونچائے گئے۔ اس سے پہلے یہود بنی نضیر ایک نقض عہد کی سزا میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے +

اس کے بعد جبکہ عرب کے قبائل میں اسلام پھیل گیا تھا آنحضرت نے حج کا قصد کیا مگر قریش نے بمقام حدیبیہ مکہ میں جانے سے روک دیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے ہرچند عذر کیا کہ میں لڑنے نہیں آیا ہوں نہ مکہ میں خونریزی کرنا پسند کرتا ہوں مجھے ارکان حج کی اجازت دو۔ مگر وہ نہ مانے آخر طرفین میں معاہدہ ہوا اور اسمیں یہ بھی شرط تھی کہ نہ تم ہمپر اور ہمارے حلیف قبائل پر چڑھائی کرو نہ ہم تمپر اور تمہارے حلیف قبائل پر چڑھائی کرینگے۔ مگر قریش نے ایک موقعہ پر اس عہد کو توڑ ڈالا۔ آنحضرت کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر چڑھائی کی۔ خزاعہ آپ سے دادخواہاں ہوئے۔ اس لیے ہجرت سے آٹھویں سال آنحضرت نے مکہ پر لشکر کشی کا حکم دیا اور بہت سے قبائل آپ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ آج قریش مکہ کا سارا زور ٹوٹ گیا آپ مکہ میں داخل ہوئے اور امن عام دیا گیا۔ مکہ کو بتوں سے پاک وصاف کر دیا اور اب تمام قریش اسلام لے آئے۔ اسکو **فتح مکہ** کہتے ہیں جسکی بشارت آپ کو قرآن میں دی گئی تھی۔ وہ پوری ہوئی۔ اس سے مراجعت کے وقت بنی المصطلق واہل حنین وغیرہ قبائل سے معرکہ پیش آیا۔ ان قبائل کو اپنی بہادری پر بڑا گھمنڈ تھا اگرچہ ایک موقعہ پر ان نئے مسلمانوں کی بھیڑ ان کے تیروں کی تاب نہ لاکر بھاگ اٹھے مگر آنحضرت اور انصار و مہاجرین کے استقلال سے فتح ہوئی۔ ان کے لوگ بہت سے گرفتار کر کے غلام بنائے گئے۔ مگر آخر ان کی عاجزی و فرماں پذیری سے آزاد کر دیئے گئے۔ اب عرب میں عموماً اسلام پھیل گیا۔ مگر ہرکلیوس کے ماتحت بعض شاہاں شام کی چڑھائی اور آمادگی کی خبر پاکر آنحضرت صلعم ایک بڑے لشکر کے ساتھ جسکی

تعداد ساٹھ ستر ہزار کے قریب خیال کیجاتی ہے۔ عین گرمی میں جبکہ قحط تھا تبوک تک پہونچے۔ فریق مخالف کی ہمت ٹوٹ گئی ہدایا و تحائف دیکر جان بچانے کے سوا اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی ۔

آنحضرت نے شاہ ایران۔ و شاہ روم و دیگر سلاطین کے نام نامے اور ایلچی روانہ کئے۔ کہ مذہب حق کو قبول کرو اسمیں تمہارے لئے دنیا و دین کی سلامتی ہے۔ اور خیبر جو مدینہ کے قریب یہود کا قلعہ تھا وہ بھی اور فدک وغیرہ اور مواضع بھی اسلام کے قبضہ میں آ گئے ۔

اس اثنا میں بعض نفس پرستوں کو بھی نبوت کا داعیہ ہوا۔ چنانچہ یمامہ میں مسلیمہ کذاب اور یمن میں اسود عنسی وغیرہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ لیکن جب تک اصلی جوہر نہوں بناوٹی ملمع اور لاف زنی سے کیا کام چل سکتا ہے ہر چند صدہا جہاں انکے دام تزویر میں بھی آ گئے اور ہر زمانہ میں خوش اعتقاد جہلا ایسے فریبوں کے دام میں آ جایا کرتے ہیں۔ ایسے جھوٹے نبیوں کی حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی خبر دی تھی۔ آخر کار سب نیست و نابود ہو گئے اور نہایت رسوائی اور ذلت کے ساتھ اس جہان سے دفعہ ہوئے ۔

اب تمام عرب میں خوب اسلام شائع ہو گیا بموجب بشارت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دین الٰہی کا پر بہار باغ دیکھ لیا۔ آپ جبکہ اپنا کام پورا کر چکے تو حیات جاودانی و ملک باقی اور اپنے خدا کی بارگاہ قدس جانے کا آپ پر اشتیاق غالب آیا جسکا اشارہ اس جملہ میں ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ صاف صاف لفظوں میں الوداع اور رخصت و وصیت کرنے لگے۔ چنانچہ اس مراد سے ہجرت کے دسویں سال آپنے حج کا ارادہ کیا اور اعلان عام کر دیا اور لوگ بھی جان گئے کہ یہ آخری دیدار اس جمال جہاں آرا کا ہے۔ بیشمار مخلوق حج میں جمع ہوئی۔ اور آپنے خطبہ میں جملہ مقاصد کو واضح فرما دیا۔ اور رخصت ہوئے اور کہدیا کہ میں تمکو خدا کے سپرد

کئے جاتا ہوں۔ لوگوں پر اس جانکاہ فراق سے ایک عجیب حالت طاری تھی ہر طرف آہ و نالہ اور اشک باری تھی۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ میں تشریف لائے۔ صرف محرم کے ایک مہینے تک تندرست رہے۔ صفر میں اوس مرض کا جو ایک یہودیہ کے زہر کھلا دینے سے غلبہ کیا کرتا تھا آغاز ہوا۔ بخار لاحق ہوا۔ بیچ میں کچھ افاقہ بھی ہو گیا مگر آپ تو دار آخرت کا قصد فرما چکے تھے اسی طرف کی لو لگی ہوئی تھی آخر ربیع الاول میں پیر شدت ہوئی اور سن گیارہ ہجری میں پیر کے روز بارہویں تاریخ نہایت ہوش و حواس سے اپنے خدائے قدوس کو یاد کرتے ہوئے جاں بحق ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس صدمہ جانکاہ سے صحابہ انصار و مہاجرین پر جو جال دیکھ کر جیتے تھے وہ حالت طاری ہوئی کہ جسکا بیان نہیں ہو سکتا۔ آنکھوں میں عالم تاریک ہو گیا۔

مگر صحابہ نے آپ کا جانشین ابوبکرؓ کو قرار دیکر تجہیز و تکفین کی اور اس گنج گرانمایہ کو سپرد خاک کیا اور روح اقدس حظیرۃ القدس میں پہونچی۔

علیہ صلوٰۃ اللہ و سلامہ۔

حضرت کے اخلاق و شمائل

آپ سراسر اخلاق مجسم تھے۔ نرم دل رحیم و کریم۔ نہایت سخی بامروت بڑے بہادر و شجاع ایکبار انہیں دنوں میں جبکہ مدینہ مخالفوں کی چڑھائی کا آماجگاہ بنا ہوا تھا رات کو پہاڑوں کیطرف سے ایک ہیبتناک آواز آئی جس سے لوگوں کے دل دہل گئے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر بنفس نفیس سب سے پہلے موقع پر پہونچے وہاں کچھ بھی نہ پایا۔ واپس آرہے تھے کہ ان جاں نثاروں کو بھی معلوم ہوا کہ آپ سبقت کر گئے ہیں تو مہاجرین و انصار عرب کے شیر دل بھی مسلح ہو کر نکلے آپ نے فرمایا کچھ بھی نہیں واپس چلے چلو۔ سب واپس چلے آئے۔ ہر معرکہ میں سب سے اول آپ ہوتے تھے۔ عرب کے بڑے بڑے شہسوار بہادر آپ کی شجاعت کو مانے ہوئے تھے۔ وعدہ کے بڑے سچے جس سے جب کبھی وعدہ کر لیا پورا ہی کر دیا۔ فتوحات کے بعد بھی اس سخاوت و دریا دلی کے سبب

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ البتہ اے لوگو تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ان پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے تمہاری خیر خواہی کا انکو بہت ہی بڑا خیال رہتا ہے ۱۲ منہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ اللہ کے فضل سے آپ اسکے لئے نہایت نرم دل ہیں اگر سخت مزاج سخت دل ہوتے تو آپ کے پاس سے لوگ چلدیتے۔ آل عمران رکوع ۱۷۔ ۱۲ منہ

گھر میں فاقہ پر فاقہ ہی رہتا تھا۔ دنوں چند کھجوروں اور پانی پر بسر اوقات فرماتے تھے کبھی رات کا ذخیرہ صبح کے لئے جمع کر کے نہیں رکھا جس سائل نے سوال کیا جو کچھ موجود ہوا دے دیا۔ آپ کا کرم بھی ضرب المثل تھا۔ نہیں کا کلمہ تو گویا آپ کے لئے متروک الاستعمال تھا +

نہایت درجہ کے حلیم و بردبار تھے اقتدار دنیاوی کے بعد بھی نااہل سخت سے سخت کلمات استعمال کرتے تو آپ جواب نہیں دیتے تھے اور دیتے تو نہایت نرم الفاظ میں کہ جس سے مخالف شرمندہ ہو جاتا تھا۔ کبھی اپنے معاملات میں کسی سے انتقام نہیں لیا نہ کسی پر کبھی خفا ہوئے نہ کسکو مارا نہ کسی سے سخت کلامی کی۔ انس آپکے خادم کہتے ہیں کہ میں دس برس تک خدمت میں رہا ہوں کبھی مجھے کسی مخالف کام پر یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور نہ کبھی غفلت و سستی پر یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں نہ کیا۔ کبھی کسی سے کینہ نہ رکھا اور نہ اسکی وہاں گنجائش تھی۔ جب کسی سخت سے سخت ملزم نے معافی مانگی۔ فی الفور معاف فرما دیا۔ رقیق القلب بھی حد درجہ کے تھے درد دل کی بات پر اسیوقت آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ نہایت شرم و حیا مزاج میں تھی کبھی کوئی ایسا کلمہ جو خلاف تہذیب ہو زبان سے فرمانا تو کجا سن بھی نہیں سکتے تھے لوگوں کے سامنے بدن کا کوئی حصہ کھولنا بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔ نیچی نگاہ زبان پر سکوت چہرہ پر آثار تفکر نمایاں رہتے تھے۔ بزرگوں کی توقیر چھوٹوں پر رحم و شفقت آپ کا شیوہ تھا۔ کبھی جانور کو بھی سواری وغیرہ میں اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے تھے اپنے خادموں سے بھی معاشرت میں مساوات کا معاملہ برتتے تھے۔ نہایت درجہ کے متواضع و فروتن تھے۔ نہ صرف اپنے ہی عیال و اطفال کے ساتھ رحم و خوش خلقی سے پیش آتے تھے بلکہ ہر ایک سے یہی معاملہ تھا۔ جس سے بات کرتے تھے نہایت خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے کرتے تھے جس سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ مجھی سے زیادہ تر التفات ہے +

ایماندار وں پر بڑے شفیق نہایت مہربان ہیں وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ سورۂ نون رکوع ۱۔ بیشک تم بڑے اعلیٰ درجہ کے اخلاق حمیدہ پر ہو ۱۲ منہ

بازاروں میں جا کر اپنا سودا آپ اٹھا لاتے تھے اور جو کوئی لینا چاہتا تھا تو فرماتے کہ میں بھی اس کے اٹھانے سے عاجز نہیں ہوں۔ گھر میں خود جھاڑو دے لینا پھٹے کپڑے کو آپ پیوند لگا لینا کچھ بھی معیوب نہ سمجھتے تھے۔ تن پروری اور عمدہ کھانے پینے اسباب راحت و تجمل سے بالکل بے اعتنائی تھی۔ کبھی کسی ناپسند کھانے کی نسبت اظہار کراہت نہ کرتے تھے۔ لباس اور وضع میں بالکل سادگی تھی چمڑے کا تکیہ جسمیں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے زیر سر مبارک رہتا اور بوریئے پر استراحت فرماتے تھے اور جو کسی نے اسکی بابت کچھ اظہار تاسف بھی کیا تو یہی فرماتے تھے کہ میں دنیا کی آسائش اور اس کے لذات کے لئے نہیں آیا ہوں۔ مسافر ہوں تھوڑی دیر کے لئے کسی سایہ دار درخت کے تلے آرام کر لینا بھی کافی ہے۔ اور یہ اکثر فرماتے تھے کہ دنیا اوسکا گھر ہے جسکا وہاں گھر نہیں اور اس سے وہی دل لگاتا ہے جو وہاں کی نعمتوں سے محروم ہے دنیا اور اس کے سب تجملات کی آپ کی چشم حق بیں میں کچھ بھی قدر نہ تھی۔ بیماروں کی ان کے گھر جا کر عیادت کرتے تھے جنازوں کے ساتھ جاتے تھے۔ مہمان نوازی تو آپ کا حصہ تھا۔ مدینہ میں جو مہمان آتا تھا وہ آپ ہی کا مہمان ہوتا تھا۔ جو مفلس مر جاتے تھے قرضہ اپنے ذمہ لے لیا کرتے تھے اور ان کے عیال و اطفال کی پرورش فرماتے تھے بیوؤں یتیموں مصیبت زدوں کے چارہ ساز تھے۔ آپ کی مجالس غیبت بدگوئی فحش تفاخر سے خالی تھیں نہ انمیں کذب و لغویات ہوتے تھے۔ بلکہ معارف و ذکر الٰہی سے مملو ہوتی تھیں۔ نماز پنجگانہ با جماعت کے سوا، رات اور دن میں بہت سے نوافل ادا کرتے تھے۔ آدھی رات کے بعد ہمیشہ صبح تک نماز و ذکر و تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے اور وہ گریہ و زاری و آہ و درد مناجات میں ہوتا تھا۔ کہ دیکھنے والے کی بھی حالت پر تغیر ہو جاتا تھا۔ اور آپ کے سب یاروں کا قریب قریب یہی حال تھا۔ رمضان کے روزوں کے سوا اور بہت سے روزے رکھا کرتے تھے اور جو کبھی کوئی عمدہ کھانا آیا

سر و پانی یا کوئی کپڑا الجھاتا تھا تو وہ پھر اپنے خالق و مالک کا بہت کچھ شکریہ کرتے اور اس انبساط الٰہی سے بہت ہی حظ اوٹھاتے تھے۔ جو کوئی آپ کو دیکھتا تھا تو اوس پر ہیبت و رعب طاری ہوجاتا تھا۔ مگر جب وہ ملکر باتیں کرتا تھا تو آپ کے اخلاق و محبت کا گرویدہ ہوجاتا تھا +

ہر شان اور ہر ایک حادثہ میں آپ کو خدا ہی کا ید قدرت دکھائی دیتا تھا وہ اپنی ہر کامیابی اور ناکامی رنج و راحت کو اسکی تقدیر ازلی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ جملہ مخلوق آپ کے لئے اسکے دیدار اور جلوہ کا آئینہ مصفا تھی۔ کوئی لمحہ اور کوئی آن ذات حق کے مراقبہ سے خالی نہ تھی زبان سے بھی اوقات مختلفہ میں سوتے جاگتے چلتے پھرتے اوٹھتے بیٹھتے میں بہت کچھ خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے تھے اِن سب خوبیوں پر بھی اپنے آپ کو خدا کے حضور میں ایک گناہ گار بندہ سے زیادہ نہ سمجھتے تھے اِس لیے بہت کچھ عاجزی اور استغفار کیا کرتے تھے۔ ہر معاملہ میں اپنے خدا ہی سے دعا مانگتے اور اِسی کی مدد کا بھروسہ رکھتے تھے اور اسکی بے نیازی اور جلال سے بھی بہت ڈرتے رہتے تھے +

آپ کا معمولی کلام بھی مختصر اور صاف الفاظ میں بغیر اینچ پیچ کے ہوتا تھا۔ آپ مساجد اور دیگر مواقع پر وعظ و پند بھی فرماتے تھے۔ ہر ایک قریب و بعید عالم و جاہل مستفید ہوتا تھا اور بہت صاف الفاظ میں نہایت متانت سے ارشاد فرماتے تھے اگر کوئی آپ کے الفاظ کو گنا چاہے تو گن بھی سکتا تھا۔ تھوڑے سے لفظوں میں بہت سے معنی ہوتے تھے۔ خدا کے آثار جبروت بیان کرنے میں آپ کی آواز بلند ہوجاتی تھی اور چہرہ مبارک پر آثار ہیبت و جلال بھی نمودار ہوجاتے تھے۔ جس سے سامعین لرز جاتے اور ان کے دلوں پر بڑا اثر پیدا ہوتا تھا۔ لفظوں کے ساتھ ساتھ روحانی اثر بھی دوڑتا ہوا مخاطبین کے دلوں میں جاگزیں ہوتا تھا۔ اِس لئے جو نقش آپنے بٹھایا وہ ایسا دیرپا ہوگیا کہ پھر اسکو کوئی شیطانی و نفسانی تغیر نہ مٹا سکا۔ عرب کے

سنگ خارا پر جو کچھ آپنے گلکاری کی اور وہ ایسی مستحکم ہو گی کہ جسکا نظیر نہیں آپ کا ایک
ایسا اعجاز ہے جسکا نہ فلسفہ قدیم انکار کر سکتا ہے نہ فلسفۂ جدید۔ اکثر مواقع پر آپکے
معجزات بھی صادر ہوتے تھے۔ یہ اون خوبیوں کا شمہ ہے جو خدا نے حضرت میں
ودیعت رکھی تھیں جن کی تفصیل کتب حدیث میں ہے۔ قرآن میں اکثر ان واقعات
کی طرف اشارہ ہے +

آپ کا حُلیہ مُبارک ؎ صدہزاراں قالب اندر صورتِ حسن وجمال + ریختند تا ازتو
مطبوع ترکم ریختند +۔ رنگت سرخ وسفید قد میانہ سے کسیقدر اونچا
لیکن مجمع میں سب سے بلند وبالا معلوم ہوتا تھا۔ چہرۂ مبارک نہایت خوبصورت مدور
مگر قدرے کتابی تھا۔ آنکھیں نرگسین۔ ابرو باریک وخمدار دونوں میں نورانی فاصلہ
ناک باریک وبلند حسن کے قالب میں ڈہلی ہوئی۔ ہونٹ باریک وسرخ۔ کشادہ پیشانی
دُر دندان کی لڑیاں دُر عدن کو شرماتی تھیں گردن بلند وسطبر۔ پیچھے سے ایسی دکھلائی دیتی
تہی کہ جیسے صاف چمکتی ہوئی چاندی۔ سر پر گھنگروالے بال جو کنگھی کرنے کے بعد بل کہاکر
بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ڈاڑھی بہری ہوئی جو گرد نہایت خوبصورت رنگت کی
چمک اور سفیدی بالوں کی تیز سیاہی عجب دلکش تہی۔ بازو اور رانیں بہری ہوئیں۔ دست
ونازک ہاتوں کی ہتیلیاں پر گوشت اور ریشم سے زیادہ نرم۔ سینہ سے ناف تک نہایت
باریک بالوں کی سیلی اوس گورے بدن پر کیا ہی حسن افزا تہی۔ نہ آپ موٹے تھے نہ پتلے
دبلے خشک تہے۔ بلکہ متوسط۔ چلنے میں قدم زمین پر اس تیزی اور زور سے پڑتا تھا
کہ جیسا اوپر سے نیچے اترنے میں پڑتا ہے۔ پاؤں نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے
چکنے اور سرخ وسفید تلوے گلاب کیطرح بہار افزا تہے۔ آپ نہایت طاقتور شہسوار
باہیبت ووقار تہے چہرے پر شاہنشاہی اور اقبال کا نور چمکتا دکھائی دیتا تھا۔ آپکو
سیکڑوں ہزاروں میں بیٹھے ہوئے اجنبی شخص بھی پہچان لیتا تھا کہ آپ ہی سید المرسلین ہیں۔

حلیہ آنحضرت

پسینہ سے نہایت عمدہ خوشبو آتی تھی۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ چودھویں رات کا چاند بھی
جلوہ گر تھا اور حضرت بھی ایک حلقۂ اصحاب میں بیٹھے ہوئے تھے میں کبھی چاند اور
کبھی چہرہ منور کو دیکھتا تھا چاند سے بدرجہا بڑھکر چہرہ میں چمک اور خوبصورتی نمایاں
تھی۔ کلام نہایت فصیح اور مختصر اور پست آواز سے ہوتا تھا چیخ کر بولنے سے نفرت تھی
آپ کی مجلس میں لوگ ایک دوسرے سے بات بھی کرتے تھے تو پاس والے کو سنائی
نہ دیتی تھی۔ آنکھوں میں قدرتی سرمہ لگا ہوا تھا۔ الغرض محبوبیت آپ پر سے نثار اور
حسن صدقے ہوتا تھا۔ کسیکو ایکبار دیکھنے کے بعد قرار نہ آتا تھا۔ جب تک کہ بار بار نہ دیکھنے
اور جسقدر دیر تک دیکھتے جائے دل ہی نہ بھرتا تھا۔ چلنے بیٹھنے۔ لیٹنے۔ کھانے۔ پینے
کلام سکوت میں نیچی نگاہ کرنے میں گوشۂ چشم سے دیکھنے میں ایک عجب قدرتی
دلربائی تھی +

سفید لباس زیادہ پسند فرماتے تھے نیچے ازار۔ اوپر عربی کرتا۔ سر پر عمامہ پاؤں میں
چپل۔ (ایک قسم کی جوتی) ہاتھ میں عصا۔ اوپر ایک چادر لا کھہ لاکھہ خوبصورتی نمایاں کرتی
تھی۔ آپنے پاجامہ بھی پہنا ہے قبا بھی زیب تن فرمائی ہے جُبہ بھی پہنا ہے۔ یمن کی
مخطط لونگیوں کو بھی پسند فرماتے تھے۔ ہر وقت بہت پاک و صاف رہتے تھے۔
سر اور ڈاڑھی میں کنگھی بھی کرتے اور تیل بھی ڈالتے تھے +

احکام الٰہی کی سرتابی پر جو آپ کو غصہ آتا تھا تو دونوں ابروؤں میں ایک رگ تھی
وہ نمودار ہونے لگتی تھی۔ مگر غصہ میں اور کوئی حرکت جیسا کہ عوام سے سرزد ہوتی ہیں
ہرگز نہوتی تھی۔ صرف چہرہ مبارک سے آثار غضب نمودار ہوتے تھے۔ اسیطرح
ہنسنے میں بھی صرف تبسم فرماتے تھے آواز سے کبھی قہقہہ نہ لگاتے تھے۔ اور خوشی
ورنج کے آثار بھی چہرہ سے نمایاں ہو جاتے تھے۔ کوئی کیسا ہی بلیغ و فصیح کیوں نہو
آپ کی تصویر اپنے بیان میں کھینچ نہیں سکتا۔ نمبر ۱۲ ٹھیک ۶۳ برس کی عمر میں دنیا کو چھوڑا

اسوقت تک چہرہ کی تازگی بدن کی قوت میں کچھ بھی فرق نہیں آیا۔ تھا۔ صرف چند بال سفید ہو گئے تھے ؛

جہاد کا مسئلہ

آپ کی ذات پاک پر جو کچھ مخالفوں نے تعصبُ عناد سے حملہ کئے ہیں اُنکی بنیاد یا ان معاملات پر ہے کہ جو بمصلحت ملت وملک آپ سے وقوع میں آئے ہیں یا ان روایات ضعیفہ پر جنکے راوی ابتدائًا تو وہی مدینہ کے منافق ہیں یا وہ حریف بنی نضیر و خیبر ہائے یہود ہیں۔ بعد میں بعض سیدھے سادے مسلمانوں نے انہیں کے سلسلہ کو روایت کردیا ہے۔ آپ کے جن معاملات پر نکتہ چینی کی ہے وہ بڑے دو ہی معاملہ ہیں اول جنگ و جہاد کا مسئلہ جو دشمنوں سے پیش آیا۔ دوسرا تعدد ازدواج کا مسئلہ۔ انہیں کو رنگ آمیزیاں کرکے بُری صورت میں دکھایا ہے۔ ان دونوں مسئلوں کا ہم مختصرًا جواب دیچکے ہیں۔ مگر کچھ اسمقام پر بھی تشریح کرنا چاہتے ہیں ؛

جہاد کا مسئلہ مذہب کے لحاظ سے تو کوئی محل اعتراض ہی نہیں کیونکہ انبیاء بنی اسرائیل یہاں تک کہ حضرت مسیح جیسے درویش طبیعت نے بھی حتے المقدور کچھ نہ کچھ اس میں حصہ لیا ہے۔ جیساکہ پہلے بیان ہوا۔ اور ہر مذہب کے پیشواؤں نے تلوار سے کام لیا ہے جسکے نظائر پہلے بیان ہو چکے۔

البتہ عقلاءِ زمانہ کے لئے جو فلسفہ حال کی ترازو میں جملہ واقعات گزشتہ کو تولا کرتے ہیں۔ اسقدر عرض کر دینا کافی ہے۔ کہ کوئی قوم اور کوئی مذہب باقی نہیں رہ سکتا تاوقتیکہ وہ اپنی عزت و ناموس اور اپنے عقائد و خیالات کی اسلحہ سے حفاظت نکرے۔ اور نہ زمانہ گزشتہ میں بغیر اس حفاظت کے کوئی قوم اپنے مذہب اپنی شان کو محفوظ رکھہ سکی ہے۔ حکومت اور اس کے ساتھ فاتح کے خیالات و عادات انکا رسم و رواج حتے کہ طریق تمدن فریق مغلوب کے دلوں میں بہت جلد سرایت کیا کرتا ہے۔ اسی معنی میں کسی حکیم کا مقولہ ہے۔ الناس علی دین ملوکھم خصوصًا وہ مذہب جو تمام بنی آدم میں

ایک نئی اخوت و مساوات قائم کرنے کا ارادہ رکھے اور خیالات فاسدہ و توہمات باطلہ
کو مٹانا چاہیئے جو قوموں میں نسل در نسل متوارث ہونے کے سبب بمنزلہ جزو بدن ہو گئے
ہوں اور ان کے طبائع میں جز ہو چکے ہوں۔ اب مدبران ملکی و قومی بتلائیں کہ بجز سیاست
کے اور کون سا نسخہ ہے جو اس مرض کو دور کر سکے؟ - رہا وعظ و پند تعلیم و تلقین وہ
بیشک موثر ہے اور اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں مگر بنی آدم کے
طبائع یکساں نہیں ایسے ناپاک طبائع جن کی روحانیت کے جوہر مٹ گئے ہوں وہ
اس سے کبھی بھی اثر پذیر نہیں ہوتے کاش وہ خاموش ہی ہیں بلکہ وہ تو مقابلہ میں
اس مہذب گروہ کا استیصال ہی کرنا بنی نوع کے لئے بہتر ہی خیال کرتے ہیں بالخصوص
جبکہ انہیں صاحب ملک و سیاست مالک لشکر و اسباب حرب بھی ہوں۔ انپر اگر کوئی اثر
کرنے والی چیز ہے تو صاحب سیاست کا فرمان و فرمان ہی ہے۔ آج جس رسم قبیحہ
کو صدہا واعظ خوش بیان سپیکر بڑی جان توڑ کر کوششوں سے بھی مٹا نہیں سکتے۔ کل
ایک فرمان شاہی سے اس سرے سے اوس سرے تک تمام ملک اور قوم سے مٹ
سکتی ہے جسکے صدہا نظائر نہ ایشیا، و افریقہ جیسے جاہل ملکوں میں پائے جاتے
ہیں بلکہ یورپ و امریکہ جیسے تعلیم یافتہ ملکوں میں بھی ابتک موجود ہیں۔ ایسی صورت میں
کیا خدا کی رحمت کا یہ مقتضٰے نہیں تھا کہ اخیر نبی کی نبوت کو شاہانہ شان میں ظاہر کرنے
ضرور تھا۔ پھر ایسا نبی کہ جسکے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے دنیا میں اگر ایک آسمانی سلطنت
نہ قائم کر جائے (کہ جسمیں جملہ بنی آدم کے حقوق مساوی ہوں اور ایک ادنی سے ادنے
قوم اعلی قوم کے مراتب علیہ حاصل کر سکے سب کے لئے ترقی کی راہیں برابر کھلی رہیں نہ
اس میں گورے کو کالے پر فوقیت ہو نہ برہمن چھتری کو شودر ویش پر ترجیح ہو) تو کیا کرے
پھر ایسی صورت میں حرب و ضرب ضرور ہے اور حرب و ضرب میں شجاعت دلانا ہمت
بندھانا۔ صبر و برداشت پر دنیا و آخرت میں اجر قائم کرنا ایک لازمی بات ہے اس قسم کی

تعدد ازواج

آیات کو رحم دلی۔ اخوت انسانی کے مقابلہ میں پیش کرنا ایک ایسی بات ہے کہ جیسا کوئی احمق شفیق ڈاکٹر کے آلات شگاف و قطع برید دکھا کر مریض کو اوس سے نفرت دلائے یہ ہے وہ اسلامی جہاد اور یہ ہیں وہ آیات قتال جنکو مخالف پیش کیا کرتا ہے۔

تعداد ازواج کا مسئلہ بھی کسیطرح آپ کی سیرت میں کوئی دہبہ نہیں لگا سکتا (۱) اس لئے کہ پہلے انبیاء بنی اسرائیل کے پاس بھی متعدد بیویاں تہیں۔ حضرت ابراہیم اسحاق۔ یعقوب۔ موسے بھی۔ متعدد بیویاں رکھتے تھے اور حضرت داؤد وسلیمان کے پاس تو سیکڑوں تہیں۔ یہ وہ داؤد ہیں کہ جنکی کتاب کو الہامی جانکر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور جن کی طرف تفاخر و تقدس کی راہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کا نسبنامہ پہونچایا جاتا ہے۔ اِس بات کا ثبوت توریت اور دیگر کتب عہد قدیم سے بخوبی ہے جسکا کوئی یہودی اور عیسائی انکار نہیں کرسکتا۔ پہر عیسائیوں کا کیا منصب ہے جو آنحضرت صلعم پر چند بیویاں کر لینے سے الزام لگائیں۔ ہنود سری کرشن کنہیا کو اوتار کہتے ہیں۔ اِن کی بھی کئی بیویاں تہیں اور گوپیوں کا تو کچہ شمار ہی نہ تہا کہ جن کی ساتہ عیش و عشرت کرتے ناچتے بجاتے نہاتے ہیں اِن کے کپڑے اٹھا کر درخت پر چڑہ جاتے تھے اور کپڑے واپس دینے کے لئے یہ شرط ہوتی تھی کہ اندام نہانی پر ہاتہ بھی نہ رکھیں بلکہ ہاتہ جوڑ کر سامنے آئیں۔

(۲) عیسائیوں کے سوا (وہ بھی حضرت مسیح کے بہت بعد سے) ہر قوم اور ہر ملک میں آج سے نہیں بلکہ ہزاروں برسوں سے متعدد بیویاں اور لونڈیاں رکھنے کا عام رواج تہا اور اس فعل کو برا نہیں سمجھا جاتا تہا نہ ایسے اشخاص قابل ملام خیال کئے جاتے تھے۔ البتہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وجوہ متعددہ سے شادی کرنے کا اتفاق نہیں ہوا اور وہ دنیا میں رہے بھی بہت کم اگر ساٹہ ستر برس اور رہتے تو جانے کے بیویاں کرتے۔ اور ان کے بعد حواری اشاعت مذہب

ملاحظہ ہو توریت کتاب پیدائش باب ۲۵ کتاب اول سموئیل باب ۲۱ کتاب دوم سموئیل باب ۳ و باب ۱۱- و باب ۱۵- کتاب تاریخ اول باب ۳- و باب ۱۱- ۱۲ منہ

کے لئے سفروں میں رہے اور اسپر طرح طرح کے مصائب بھی پڑتے رہے اسپر بھی پولوس نے خاص ایسے لوگوں کے لئے صرف ایک بیوی کرنی کی اجازت دی تھی۔ نہ انہوں نے نہ خود حضرت مسیح نے عموماً سب کو ایک بیوی سے زیادہ بیویاں رکھنے کی کبھی بھی ممانعت نہیں کی۔ مگر عیسائی راہبوں میں مجرد رہنا اور عورتوں کا بھی شوہر نکرنا سنت مسیحی قرار پاگئی اور عوام پر اس تجرد کا یہ اثر ہوا کہ ان کے نزدیک ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا معیوب ٹھہر گیا۔ یہ کوئی مذہبی بات نہیں صرف رواجی بات ہے ✦

مگر اس تجرد کی بدولت جو کچھ ان مقدس خانقاہوں میں زناکاری کا بازار گرم ہوا اور جسقدر حرامی بچہ مارے جانے لگے اوس کی نظیر جرجیس کے تالاب صاف کرانے کا واقعہ ہے۔ کہ صرف اوس ایک تالاب میں سے جوان مقدسوں کی خانقاہ میں تھا قریب سات سو بچوں کی کھوپریاں برآمد ہوئیں تھیں۔ اور عوام میں زناکاری اور بیوی پر تہمت لگا کر طلاق دے دینا اور دوسری بیوی کر لینا۔ یا پہلی کو زہر دلوا کر مارڈالنا۔ اور دوسری بیوی کر لینا عام دستور ہوگیا۔ اور پھر بے پردگی اور شراب نے تو اسمیں اسقدر جلا دی کہ اب اس تعلیم و ترقی کے زمانہ میں بھی جسقدر ممالک عیسویہ بالخصوص یورپ امریکہ میں ایسے بدخصائل کا رواج ہے اوسکا دسواں حصہ بھی اور ممالک میں نہیں پایا جاتا۔ یہاں تک کہ غیر محصنہ عورتوں نے زنا کرنا کوئی عیب ہی نہیں رہا۔

(۳) جب تعداد ازواج شرعاً و عرفاً کوئی بھی عیب نہیں تو مصالح ذیل سے مدینہ میں آکر ترپن برس کی عمر کے بعد جبکہ نفسانی خواہشوں کا عموماً ہیجان نہیں ہوتا آپ کے کئے چند بیویاں کر لینا عقل و نقل کے نزدیک کیونکر عیب ٹھہر سکتا ہے! ہاں پادریانہ مذاق میں عیب ٹھہرے تو تعجب نہیں۔ مگر دنیا پر فرض ہی نہیں کہ وہ پادریانہ مذاق کی پیروی کریں۔

(مصلحتیں یہ ہیں)

(اول) مہاجرات بیویں جو اپنے قبائل کے نام آوروں کی رشتہ دار بھی تھیں۔ اکثر انکا

تکفل بھی حضرت ہی پر تھا - اور اسلام نے زنا کاری کا نشان تک بھی باقی نہ چھوڑا تھا اِن کو آزاد و کیونکر رہنے دیا جاتا لامحالہ انکا نکاح ابنا ازادون سے کرادیا جاتا تھا اور بعض کی خوشنودی اور دینا و آخرت کا افتخار حاصل کرنے کا عزم بھی بات کا مقتضی ہوتا تھا کہ وہ خود حضرت کی زوجیت کا شرف حاصل کریں - اس لئے ان کی خاطرداری کے سبب اِن سے نکاح کر لیتے تھے (۳) قبائل عرب میں اِس رشتہ کا بڑا پاس تھا اور کسی خاندان میں شادی کر لینے سے اوس خاندان کی حمایت و یگانگت میں شریک سمجھا جاتا تھا اور اب بھی جہاں قبائل اور پاس انساب ہے یہ بات ملحوظ ہے - چنانچہ ضیاء الملتہ والدین مرحوم شاہ کابل اپنے فرزندوں کے متعدد نکاح متعدد خاندانوں میں کرا دینے کا سبب اپنی کتاب میں یہی فرماتے ہیں اور یہ قرین قیاس بھی ہے - اِس لئے آنحضرت متعدد خاندانوں اور قبائل کی بیویوں کے سبب قبائل عرب میں اتحاد و محبت پیدا کرنا اشاعت تہذیب و اسلام کے لئے نہایت مفید خیال فرماتے تھے اور در اصل مفید بھی ثابت ہوا (۴) مردوں میں سے تو ایسے بہت لوگ تھے جنہوں نے خدمات دینیہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا بجز اس کے اِن کا اور کوئی شغل نہ تھا (اصحاب الصفہ) یہ لوگ قدرے محنت و مزدوری سے بھی اپنی قوت بسری کا انتظام کر سکتے تھے اور مرد ہونے کے سبب اِن کے لئے پردے کے مکان اور اس کے ضروری سامان کی بھی حاجت نہ تھی مگر عورتوں میں سے ایسا گروہ کوئی بھی نہ تھا اور ہونا ضرور چاہیئے تھا کس لئے کہ دین محمدی میں عورتوں کے متعلق حیض و نفاس غسل و جنابت کے بہت ایسے مسائل بھی ہیں کہ جنکو اجنبی مرد اجنبی عورت سے صاف لفظوں میں تشریح کرنا خلاف تہذیب و شرم خیال کرتا ہے اور نیز عورتوں کی معاشرت اور اِن سے حسن سلوک ان کے کج طبائع پر برداشت کا مسئلہ بھی ایسا مسئلہ تھا کہ جبکو تا وقتیکہ ہادی قوم عملاً نہ دکھائے اثر پذیر نہیں ہو سکتا - نیز آنحضرت صلعم کی خلوت و جلوت کی عبادت اور خانہ داری کے

آداب وسنن بھی بجز بیویوں کے اور کوئی نہیں جان سکتا تھا اسلئے آپ نے اناث کا بھی ایک گروہ قائم کیا اور ان کی فکر معاش بھی اپنے ذمہ لیکر ان کو اس فکر سے آزاد فرمایا اور دائرہ نکاح میں داخل کر دینے سے انکو ہر وقت کی خلوت وجلوت میں شریک ہونے اور ہر قسم کے مسائل پوچھنے کا مجاز کر دیا۔ اگر منکوحہ نہ ہوتیں تو یہ مداخلت واختلاط نہ ہوتا اور جو ہوتا تو دشمنوں کی تہمت سے امان نہ ہوتی۔ اور ان کا اس خدمت کے لئے اپنی جانوں کو وقف کر دینا بہ لفظ کے ساتھ تعبیر کر دینا تھا اور ضمناً یہ معاہدہ تھا کہ ہم تمام عمر اسی خدمت میں بسر کریں گی بعد میں نکاح کر کے بال بچوں کے بکھیڑوں میں نہ پڑیں گی اب اسپر آپ کا ان سے التفات فرمانا حسن معاشرت سے پیش آنا ان کی اس جان فروشی کا معاوضہ تھا۔ اسکو مخالف جس بُرے پہلو پر چاہے محمول کرے یہ اس کے اندرونی اخلاق اور صفائی پر موقوف ہے +

ایسی صورت میں ان متعلقات کی تعداد قائم کرنا بھی اصلی مقصد کے خلاف تھا اور آپ کے بعد ان کو نکاح کرنے کی ممانعت ہونا بھی خود انہیں کے عہد کی ذمہ داری تھی۔ گو وہ جملہ صفات حمیدہ سے متصف تھیں مگر پھر بھی بشر تھیں عورتیں تھیں ان سے قدرے باہمی رقابت کا ظہور ہونا یا آپ سے بیویوں کی طرح کسی بات پر اصرار کرنا اور آپ کا ان کی دل شکنی نکرنا ایک معمولی بات ہے جو ایک نیک سے نیک شخص کو اپنے عیال و اطفال میں روزمرہ پیش آتی ہے ایسے خانگی معاملات کو بُرے قالب میں ڈھالنا اور اسکو رنگ دیکر نفرت انگیز پیرایہ میں بیان کرنا ایک سخت کمینہ پن اور اپنے خبث باطنی کا اظہار کرنا ہے +

(تعدد ازواج پر عقلی فیصلہ)

یہ بات پیش نظر رہے کہ اسلام نے ایک سے زیادہ بیویاں کرنیکا نہ حکم دیا ہے نہ اسکی طرف

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اور عدالت جو شرط تعدد ہے اسکی نسبت یہ ارشاد ہے وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔ کہ عدل وانصاف تم سے نہ ہو سکے گا گو تم کتنی ہی حرص کرو پھر یہ ہو کہ ایک طرف بالکل جھک پڑو۔ اور دوسری کو ادھر میں لٹکتی چھوڑ دو۔ کہ نہ وہ شوہر دار رہے نہ آزاد وعاشروهن بالمعروف عورتوں سے نیک معاشرت سے پیش آیا کرو۔ ۱۲ منہ

رغبت دلائی ہے بلکہ صاف لفظوں میں کہدیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ایک ہی پر بس کرو اور ضرورت کے وقت بشرطیکہ دونوں میں حقوق کی مساوات اور عدل و انصاف کر سکو دوسرے کی اجازت ہے مگر عدل و انصاف بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایک ہی پر قناعت کرو اور اگر ایک کے حقوق بھی ادا نہ کر سکو تو صبر کرو۔

اب بحث ہے تو اس بات میں ہے کہ

بوقت ضرورت ایک سے زیادہ بیوی بنانا

عقلاً ہے یا نہیں؟

وہ عقل جو رسم و رواج کی ظلمت میں دبی ہوئی ہے کہتی ہے کہ ہرگز جائز نہیں کسلئے کہ مرد و عورت دونوں برابر ہیں جو ایک کے لئے حقوق حاصل ہیں وہ دوسرے کے لئے بھی ہیں گر ایک عورت کے لئے ایک وقت میں دو شوہر بنانے بوقت ضرورت جائز ہوں تو مرد کے لئے بھی ہو سکتے ہیں ورنہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ بلکہ دو بیویوں سے انتظام معاش اور مرد کی راحت میں بڑے خلل پڑتے ہیں جنکا انکار ہو نہیں سکتا۔

عقل سلیم جو دور تک آزادانہ ہر پہلو پر غور کر سکتی ہے بوقت ضرورت اجازت ہی نہیں دیتی بلکہ بہتر کہتی ہے بچند دلائل۔ **اول**۔ مساوات کا مسئلہ خلاف عقل اور خلاف فطرت انسانیہ ہے۔ کس لئے کہ جب دونوں کی بناوٹ میں قدرت نے ایک ایسا فرق بین پیدا کر دیا ہے کہ جسکا کوئی صاحب نظر انکار ہی نہیں کر سکتا تو عادات و اخلاق غیرت و حمیت میں کیونکر مساوات ہو سکتی ہے۔؟ مرد فطرۃً زور آور بڑے بڑے سخت کاموں کا سرانجام دینے والا کما کر عورت کو کھلانے والا قومی و ملی حقوق کا اپنی جان کو مہالک میں ڈالکر محافظت کرنے والا بنایا گیا ہے۔ وہ تدابیر کلیہ کا سوچنے والا بڑی غیرت و ہمت والا ہے۔ اسکی بناوٹ بتا رہی ہے کہ یہ حاکم وہ محکوم ہے۔ جب مساوات نہیں تو جس مساوات کے مسئلہ پر تعدد کو ناجائز قرار دیا گیا ہے وہ بھی

باطل ہے +

البتہ اسقدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حقوق انسانیت میں عورت مرد کے ہم پلہ ہے اسکو بہائم کیطرح مال سمجھ کر اور اسپر تعدی کرنا گائے بکریوں کی طرح ایک لکڑی سے ہانکنا جیساکہ جاہل اور وحشی اقوام کا دستور ہے عقلاً ممنوع ہے جیساکہ اسلام نے بھی ممنوع بتایا ہے بلکہ اس کے لئے بھی حقوق اور عزت و احترام عطا کیا ہے پس جسطرح کہ وہ افراط عقلاً ممنوع ہے اسیطرح یہ تفریط بھی ممنوع ہے کہ بالکل مساوی بنا دیا جاوے یہ بھی مسلم ہے کہ انتظام اکثر ایک ہی بیوی کے ساتھ وابستہ ہے مگر جن ضرورتوں پر لحاظ کرکے تعدد کی اجازت دیگئی ہے یہ ان کے منافی نہیں بلکہ یہ ذراسی خرابی بمقابلہ اون خرابیوں کے کہ جنکی وجہ سے تعدد جائز ہے کچھ بھی نہیں (۲) اگر مرد و عورت کی تعداد مساوی بھی تسلیم کرلیجائے تو وہ کمی جو مردوں کی تعداد کو قدرتاً اور عادتاً لاحق ہوتی رہتی ہے بہت سی عورتیں زائد ثابت کردیگی پھر عدم جواز تعدد کی صورت میں ان کے لئے مرد میسر نہ ہئیں اور جب مخالف نے مساوات مان رکھی ہے تو اب وہ کیا کریں گی؟ کیا زنا کرائیں گے یا کیا؟ مثلاً لاکھوں مرد لشکروں میں بھرتی ہوتے ہیں اور ایسے مقامات پر رہتے ہیں کہ جہاں ہر سپاہی کے لئے عورت ہمراہ رکھنا مشکل ہے اور پھر لاکھوں لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں۔ پھر ہزاروں جہازوں پر دریائی سفر میں معاش پیدا کرتے ہیں۔ ہزاروں کانوں میں دب کر مر جاتے ہیں۔ ہزاروں خشکی میں معاش کی تلاش میں پھرتے ہیں اور مصائب میں مر بھی جاتے ہیں وغیر ذلک۔

اگر تعدد کا جواز نہو تو اسقدر عورتیں مردوں سے محروم رہتی ہیں اور وہ بدکاری بھی کرتی ہیں اور اولاد کی پرورش حقوق سے محروم رہتی ہیں (۳) ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت ایسے امراض کے سبب جو توالد و تناسل کو مانع ہیں اولاد جننے کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو فطرتاً بقار نسل کیطرف رغبت ہوتی ہے ایسی صورت میں کیا مرد اس عورت کو

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم۔ سورۃ نساء

کہ عورتوں کے بھی ایسے ہی حقوق ہیں جیساکہ مردوں کے حقوق انپر ہیں۔ اور مردوں کو فضیلت ہے۔ مرد عورتوں کی سرپرست ہیں اسلئے کہ خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اسلئے بھی کہ مرد عورتوں کیلئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ۱۲ منہ

زنا کا الزام لگا کر طلاق دیدے اور دوسری عورت کرے جیسا کہ یورپ میں رات دن ہوتا رہتا ہے یا اس کے حقوق کو بھی محفوظ رکھ کر دوسری کرے عورت کے لئے ان دونوں باتوں میں سے کونسی بہتر ہے؟۔

یا ایک عورت بسبب توالد و تناسل و امراض وغیرہ کے مرد کی قضاء حاجت کو کافی نہیں رہتی اور خانہ داری کے انتظام بھی اوس سے عمدہ سرانجام نہیں پا سکتے پھر مرد کیا کرے؟ ٹھاٹیروں سیرگاہوں میں سے آشنا پیدا کر لائے اور اپنی دولت کو اڑائے یا اسکو طلاق دیکر ایسے وقت میں گھر سے نکالدے اور بے مروتی اور سخت دلی کر کے اسکی جگہ دوسری لے آئے یا اس کے بھی حقوق محفوظ رکھے اور دوسری کرلے؟ بتلائیے کہ ان تینوں صورتوں میں سے کون بہتر ہے عقل یقیناً اخیر صورت بہتر بتائے گی۔ اور یہی وہ تعدد ازواج ہے۔

(۴) جن ملکوں اور قوموں کو ازدیاد قوم کی ضرورت ہو تو وہ کیا کریں؟ جو لوگ حقوق کی مساوات کے قائل ہیں وہ اگر ایک عورت کیلئے دو مرد بلکہ دس بیس مرد تجویز کردیں گے تو بھی وہی نتیجہ برآمد ہوگا جو ایک مرد سے برآمد ہوسکتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ اگر ایک مرد کو چند عورتیں دیجائیں گی تو ہر ایک بچہ دے سکتی ہے۔ اسیطرح عورت پچاس برس کی عمر میں اکثر توالد کے قابل نہیں رہتی۔ برخلاف مرد کے کہ وہ آخر عمر تک بچہ جنا سکتا ہے پھر ایک عورت پر انحصار کر کے اسقدر مدت تک مرد کو توالد و ازدیاد نسل سے کیوں روکا جائے؟۔

مگر اسلام نے

اس تعدد کو بھی اور قوموں کیطرح غیر محدود نہیں چھوڑا۔ بلکہ بہت محدود کر دیا۔ زیادہ سے زیادہ چار تک کی اجازت دی ہے اسمیں یہ بھی حکمت ملحوظ ہے کہ بقاعدہ فزک حمل کے بعد صرف تین مہینے تک مرد عورت سے متمتع ہوسکتا ہے بعد میں حمل کو ضرر ہے اور عورت کی

صحت کو بھی نقصان پہونچتا ہے۔ اسیطرح بچہ جننے کے بعد تین مہینے تک عورت سے ہم بستری بچہ کے لئے مضر ہے۔ اِس قاعدہ پہ اگر ایک عورت سے ہم بستری کی اور وہ اول ہی بار بار آور ہوگئی تو تین مہینے تک اِس سے متمتع ہوتا رہے پھر اگر یہ بھی حاملہ ہو جائے تو اِس سے بھی تین مہینے تک متمتع ہوتا رہے۔ پھر اِس کے بعد تیسری سے تین مہینے تک متمتع ہوتا رہے۔ پھر اسیطرح چوتھی سے تین مہینے تک متمتع ہوتا رہے۔ اِس کے بعد اول بیوی پر بچہ جننے کے بعد تین مہینے گذر چکے گے پھر بدستور یکے بعد دیگرے متمتع ہو سکتا ہے +

فصل ۲

دشمنوں کے الزامات

اور اِن کے جواب

صدر اسلام اور اسکی کئی صدیوں تک بلکہ جب تک کہ حرب صلیب کا آغاز ہوا تھا اُسوقت تک عیسائیوں کو اسلام اور مسلمانوں سے اسدرجہ کی عداوت اور دلی غیض و غضب نہ تھا نہ اسوقت کے مصنف حیا و شرم سے پاک و بترا تھے جھوٹھ بولنا اور کسی پر جھوٹے الزام لگا کر مشہور کرنا بھی سخت معیوب جانتے تھے۔ مگر بعد میں تو کوئی حد نہ رہی۔ عیسائی پیشوایان مذہب کو اسلام کی قدرتی ترقی دیکھ کر خوف پیدا ہوا کہ کہیں یہ ہماری بھیڑیں ہمارے قبضہ سے نہ نکل جائیں جو عقل و شعور سے بے بہرہ ہیں اور ہم انکو سبز باغ دکھا کر جدھر لیجاتے ہیں چلنے کو تیار ہیں۔ یہاں تک کہ اِن کے گناہوں کی معافی انکو قیمت لیکر چٹھی بھی دے دیتے ہیں اور فرشتوں کو بھی لکھدیا کرتے ہیں کہ اسکو بہشت دینا اور اِس سے یہہ سلوک کرنا۔ اور عیسائی فرمانرواؤں پر بھی ایسی ایسی دھمکیاں دیکر خوب حکومت کیا کرتی ہیں۔ اِن کی خوبصورت لڑکیاں بھی ہماری خدمت میں حاضر ہیں اور اسکو وہ اپنا بڑا

دینی کام سمجھتی ہیں اور کس قدر ممالک یورپ میں اب تک بھی اس کے آثار باقی ہیں اب تک سیکڑوں
جوان جوان عورتیں خنکوں کہتے ہیں ان ملنگوں کی خدمت میں حاضر رہتی ہیں کیوں نہیں
یہ خدا پرست تارک الدنیا شادیاں بھی تو اسی لئے نہیں کرتے۔ پس انکو لازم ہوا کہ اسلام
کی نہایت بدنما تصویر دکھا کر انکو نفرت دلائیں چنانچہ انہوں نے ایسا کرنا شروع کیا کہ بانی
اسلام ایک فریبی تھا سوائے مار دھاڑ کے اس کے پاس نہ کوئی معجزہ تھا نہ کوئی خوبی تھی عرب
کے جاہلوں کو جنت دوزخ کی ترغیب و ترہیب دلا کر اپنا گرویدہ کر لیا تھا جب ایسے وحشیوں کی
ایک جماعت اِن کے پاس موجود ہو گئی تو لوٹ مار شروع کر دی لوگوں کی بہو بیٹیاں چھین کر
اِن کو لونڈیاں بنانا اور اِن سے کامرانی کرنا ایک لذت کا کام تھا اس سے اور بھی اوس
جماعت کی ترقی ہو گئی۔ شہوت پرستی تو ان کے خمیر میں تھی۔ لوٹ مار کے وہ ابتدا ہی
سے عادی تھے۔ نبیوں کے سنے سنائے قصے اور اِن کے احکام اور کچھ پارسیوں
کے کچھ عرب کے دستورات و قصص جمع کر کے ایک کتاب بنا دی جسکا نام قرآن رکھا۔
اور ایک ایسی معجون مرکب شریعت بھی بنائی۔ چونکہ فصیح و بلیغ وہ عرب کے جاہل جنکو اپنیائی
نوشتوں سے کچھ بھی مذاق نہ تھا اوس پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اس کے بے مثل ہونیکا
دعوے کر دیا۔ اِن کے ڈر کے مارے کیکو کیا مجال تھی کہ مثل بنا کر لاتا اور اِن کو شرمندہ
کرتا۔ اِن کے پاس تو بجائے تسکین کر دینے کے تلوار ہی کا نسخہ تھا جو کوئی خلاف میں
بولا گردن اوڑا دی۔ اسلام کی بڑی عبادت کیا ہے عرب کے جاہلانہ میلے میں شریک
ہونا جسکو حج کہتے ہیں اور وہاں جا کر خواہ مخواہ جانوروں کی گردنیں مارنا اور پہاڑوں
ٹیلوں پر قلندرانہ صورت بنا کر غل مچاتے پھرنا۔ جسکو تہذیب و شائستگی بھی دیکھ کر شرماتی
ہے۔ اور اسلامی معاشرت کیا ہے بہت سی عورتیں گھیر لینا اور گھر میں ایک تلوار
رکھنا جس غیر مذہب بالخصوص عیسائی کو پانا اس کی گردن اوڑا دینا جس پر وہ ثواب اور
شہادت کا درجہ حاصل کیا کرتے ہیں +

آخر قریب تو قریب ہی ہے اِن کے مرتے ہی وہ ساری قلعی کہل گئی آپسمیں سر پہٹول ہونے لگی خود انہیں کے یاروں نے محمد کی بیٹی اور ان کے داماد اور اِن کے نواسوں کے ساتہ کیا کیا بُرے سلوک کئے اور انہیں مسلمانوں نے قرآن کے اعجاز اور غیر مثل ہونے کی بہی قلعی کہولدی کہ اوسکو محرف قرار دیکر اور سورتیں بلکہ دس دس پارے ان سے بہی عمدہ بناکر دکہا دیئے اور جیسا کہ محمد صاحب کی عادت تہی انہوں نے بہی اسیطرح اون یاروں میں محمد کے کنبے کی بیحد تعریف کر دی۔ اور خود محمد صاحب کو بجز اپنی اولاد کے بچوانے کے اور کوئی فکر ہی نہ تہی فاطمہ ایسی اور علے ایسے حسن حسین ایسے جو ان سے محبت رکہیگا بہشت میں جائیگا۔ اور جو نفرت کریگا۔ جہنمی ہوگا۔ اور تمام اہل اغراض اپنی اولاد اور خاندان کے ایسے ہی حقوق قائم کیا کرتے ہیں ہندوستان کے پنڈتوں سے برہمن کی تعریف پوچہہ دیکہئے اور جو جو اس کے لئے خصوصیتیں اور جو جو اس کے لئے احترام قائم کئے ہیں ان کو بہی سنئے اسیلئے سید کہا کرتے ہیں کہ ہمارے لئے شریعت کوئی چیز نہیں سید جہنم میں جا ہی نہیں سکتا جیسا کہ یہودیوں کو دعوے تہا کہ ہم نسل ابراہیم ہیں ہمپر آگ حرام ہے محمد صاحب کی صاحبزادی کو چند بیگہ زمین اور چند پیڑوں پر (جو ابوبکر نے تمام ورثہ کے مقابلہ میں صرف انہیں کو نہیں دیدیئے تہے گو اِن کے باپ کی درویشی قائم رکہنے کے لئے ابوبکر نے انکو وقف قرار دیکر آمدنی دینے سے انکار نہیں کیا تہا) ابوبکر سے وہ کینہ ہوا کہ تمام عمر بات تک نہ کی یہ اِن کے ترک دنیا کا ایک نمونہ ہے علی تمام عمر ابوبکر اور عمر کے ساتہ باوجودیکہ دلمیں عداوت تہی ڈر کر چاپلوسی کرتے رہے اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہ کرسکے بلکہ اِس خوشامد میں عمر سے اپنی بیٹی بہی بیاہ دی اوسپر علی کی شجاعت کی دہوم ہے اور نصف مسلمانوں سے زیادہ انکو اور اِن کے بیٹوں کو پوجتے ہیں یا علی مدد یا حسن یا حسین کے ہر وقت نعرے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

جب اسلام اور ملکوں میں پہونچا تو مسلمانوں کی آنکہیں کہلیں۔ اِن کے عقلاء نے

عیسائیوں یہودیوں کی درویشی کو کچھ تغیر دیکر اختیار کرلیا۔ پہر جب ہندوستان میں
آئے تو جوگیوں گوسائیوں کے طرز کو بہی اختیار کیا اون کی عبادت کا گانا بجانا اچہلنا
کودنا۔ مجنونانہ حرکات کرنا مونہہ سے کفر بکنا۔ کرامت۔ وولایت۔ بنالیا۔ اگر ان میں
حقیقی توحید کا کچہہ بہی رنگ ہوتا تو وہ اپنے پیروں اور ان کی قبروں اور پیغمبر کی
اولاد کو نہ پوجتے اور اگر روایت میں صداقت ہوتی تو ان کے مولوی عالم صدہا حدیثیں
نہ گہڑ لیتے۔ جس بات کو ان کا دل چاہتا تہا اس کے لئے ایک روایت بنا لیتے ہتے
مسلمانوں میں سے روایت کش بہت سے گزرے ہیں کہ جن کی دوکان میں ہر قسم
کا مال مصالح ہر وقت تیار رہتا تہا۔ یہ ہے اسلام اور یہ ہے انکا پیغمبر اور یہ ہے انکا
قرآن اور یہ ہیں پیغمبر کے آل واصحاب اور یہ ہیں ان کے اولیاء اللہ اور درویش صاحب
کرامات اور یہ ہے ان کا تصوف اور یہ ہیں ان کے علماء محدثین۔ اور یہ بہی مسلمانوں
میں مشہور ہے کہ علی کی خلافت پیغمبر اور خدا کو تو منظور تہی مگر عمر وابوبکر کے ڈر سے
قرآن میں کوئی ایسی آیت نازل نہ کرسکے جسمیں علی اور ان کے خاندان کی خلافت
صراحت ہوتی اسلئے بیچارے شیعہ کھینچ تان کر مہمل تاویلات کیا کرتے ہیں اور
جب تاویلات بن نہیں آتیں تو تہک کر یہ کہہ اُٹہتے ہیں۔ کہ ایسی آیات قرآن میں
تہیں مگر ان لوگوں نے نکال ڈالیں۔ پہر بعض یہ بہی کہتے ہیں کہ خم غدیر پر پیغمبر نے
علی کے سر پر ایک لاکہہ سے زیادہ صحابہ کے روبرو خلافت کی دستار باندہ
دی تہی۔ مگر قوم نے پیغمبر کے بعد اسکو اُتار پہینکا جس سے معلوم ہوا کہ اون کو
علی کا خلیفہ بنانا بہت شاق تہا۔ کیونکہ پیغمبر کے حکم سے بت پرستی کا چہوڑ دینا
گوارا کیا مگر ان کا یہ حکم گوارا نہ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی کی ذات میں
کچھہ ایسی ہی برائیاں تہیں کہ جس سے عموماً وخصوصاً قوم کو سخت نفرت تہی۔ اور اب
مسلمانوں میں علی پرستی حسن وحسین پرستی۔ قبر پرستی۔ تعزیہ پرستی۔ اولیاء پرستی۔

پیر پرستی برابر جاری ہے اور پھر مذہب کے تقدس و توحید کا دعوے ہے۔

ہم ہندوستان کے مسلمانوں اور بت پرستوں میں کچھ بھی فرق نہیں پاتے۔ جسطرح ہندوؤں میں برہمن کے پاؤں پر سجدہ کیا جاتا ہے اسیطرح پیروں اور ان کی اولاد کو گو وہ کیسے ہی کیوں نہوں مسلمان سجدہ کرتے ہیں ان کے احکام کو قرآن اور پیغمبر کے اقوال سے زیادہ مانتے ہیں اور پیر لوگ صاف صاف کہا کرتے ہیں کہ کیا ہے قرآن اور کیا ہے شریعت اور کیا ہے جنت اور کیا ہے دوزخ سب ڈھکوسلو ہیں قرآن کو جلادو کعبہ کو توڑ دو شراب وکباب اور چنگ ورباب ہی میں خدا ملتا ہے اور ہر چیز خدا ہے کتا گدھا بھی وہی ہے۔ اور پیرزادے اپنے بزرگوں کے بہت سے اوصافی نام قرار دیکر انہیں کے پڑھنے کا حکم بھی دیتے ہیں اور اپنے باپ دادا کی اسلئے کہ ان کی بھی تعظیم کیجائے اسقدر تعریفیں اور ان کی کرامات کے افسانے بیان کرتے ہیں کہ عاقل سنکر ششدر رہجاتا ہے۔ جسمیں یہ بھی بیان ہوتا ہے کہ فلاں پیر خدا سے لڑ بیٹھا اور کہدیا کہ ابھی تیرے عرش وکرسی کو توڑ ڈالتا ہوں۔ ورنہ جو میں چاہتا ہوں وہی کر بیچارا خدا ڈر گیا اور اسکو وہی کرنا پڑا۔ بارہا انہوں نے جبرئیل فرشتہ کو پیٹ دیا ہے۔ ایک بار ملک الموت زنبیل میں روحیں لیکر جارہا تھا انکو جا پکڑا اور آپسمیں وہ دہول دہپا ہوا کہ وہ زنبیل ہاتھ سے چھوٹ گئی اور فرشتہ خدا کے پاس فریادی گیا خدا نے آخر یہی فرمایا کہ میرا اوسپر کچھ بھی زور نہیں چلتا اگر وہ مجھے بھی پیٹ ڈالے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ اور دنیا و دین کے جملہ کام انہیں سے وابستہ کر رکھے ہیں اسی لئے ان کی نذریں نیازیں کیا کرتے ہیں کہ اس سے خوش ہوکر وہ پیر اور اسکی قبر اولاد فراغدستی تندرستی۔ دشمنوں پر فتح و ظفر دفع قحط و بلا کرینگے اور زائرین جب قبر پر جاتے ہیں تو مجاور ان کی گردن پکڑ کر سجدہ کراتا اور بآواز بلند کہتا ہے کہ یا فلاں اس کے جملہ مقاصد دینی و دنیاوی

عطا فرمائے۔ گویا خدا کے جملہ کاروبار انہیں کے سپرد ہو گئے ہیں اور بیوقوف یہ نہیں سمجھتے کہ جب یہ پیر نہ تھے تب کیا دنیا کے کاروبار نہ چلتے تھے اور جو ان کو نہیں مانتے کیا ان کے کاروبار نہیں چلتے۔ پھر کس دلیل سے سمجھا جائے کہ فلاں مراد فلاں نے یکر اس قبر یا اس پیر نے دی ہے۔ بت پرستوں اور ان کے اعتقاد میں کیا فرق ہے اسکو کوئی پڑھا لکھا مسلمان اگر وسیلہ کہتا ہے تو پڑھے لکھے ہندو بھی اپنے دیوتاؤں کو وسیلہ کہا کرتے ہیں پھر عجب کہ یہ تو موحد بہشت کے وارث وہ بت پرست مشرک جہنم کے کندے کا فروا جب القتل اس قسم کے اقوال مولوی قرآن اور حدیث سے بھی مدلل کیا کرتے ہیں۔ اور پھر ایسے مولوی مسلمانوں میں خوش اعتقاد اور بڑے بزرگ سمجھے جاتے ہیں۔ اگر یہی اسلام ہے اور قرآن حدیث کی یہی تعلیم ہے اور یقیناً یہی ہے تو حقیقت اسلام معلوم ہو گئی +

جواب

اعتراض کے دو حصے ہیں پہلا حصہ آنحضرت صلعم اور آپ کی سیرت اور قرآن کی تعلیم کی بابت ہے۔ دوسرا مسلمانوں کے چال چلن اور ان کے تعامل کی بابت ہے۔ اس اول حصہ میں مخالف نے کوئی بھی ثبوت پیش نہیں کیا صرف ایک بدگمانی ہے۔ ایسی بدگمانی منکران مذہب سب انبیاء کیطرف کر سکتے ہیں یہ در اصل دہریوں کا اعتراض ہے۔ حضرت موسےٰ ابراہیم۔ عیسےٰ علیہم السلام کوئی بھی اِس بدگمانی سے بچ نہیں سکتا۔ سب نے جنت و دوزخ کیطرف ترغیب و ترہیب دلائی ہے سب کے پاس ان کے معتقدین کا مجمع تھا۔ معاذ اللہ یہودی تو حضرت مسیح کی ایسی بری تصویر کھینچتے ہیں کہ جس کے ذکر کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا وہ بدنصیب بدگمان کہتے ہیں کہ مسیح کا توالد بطریق جائز نہ تھا ایسے بچے فطرۃً چالاک ہوتے ہیں۔ مصر سے کچھ شعبدے سیکھ آئے تھے دماغ میں نبوت کی ہوس پختہ ہو گئی بلکہ اپنے توالد شرمناک کو اسپر محمول کر لیا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں نہ

معجزات سے تھے نہ کچھ وعظ و پند میں اثر تھا چند دہو یوں ماہی گیروں کو شعبدے دکھا کر معتقد بنالایا - اور لاف زنی کرنے لگے کہ مجھ سے جقدر پہلے انبیا آئے تھے چور و قزاق تھے موسے کی تمام شریعت کو جو ابدی تھی ملیامیٹ کردیا آخر ان حرکات پر گرفتار کئے گئے جرم قائم ہونے کے بعد دار پر کھینچے گئے ان کی تعلیم کا کچھ اثر باقی نہ رہا - حواری بھاگ گئے بلکہ شناسائی کا بھی بلفظ لعنت انکار کردیا - جب سولی دینے لے چلے لوگوں نے کہا کوئی معجزہ دکھائیے کیا دکھا سکتے تھے صاف انکار کردیا - تڑپ تڑپ کر جان دی ساری خدائی باطل ہوگئی - آسمانی سلطنت سے وہ بھی لوگوں کو دمکاتے اور خدا کے پاس راحت پانے کی ترغیب دلایا کرتے تھے -

ان کے بعد یاروں نے ان کی تاریخیں لکھ کر انکا نام انجیل رکھا - ان میں وہ وہ شیخیاں ماریں کہ جو نہ دیدتھیں نہ شنید انمیں پولوس یہودی جو آٹھا اسنے تو لوگوں کو مائل کرنے کے لئے صاف کہدیا کہ نہ کوئی چیز حلال ہے نہ حرام سب کچھ کھاؤ پیو - سب کچھ کرو دل کھولکر بدکاری کرو - صرف مسیح پر ایمان رکھو - اس مذہب میں جو جملہ قیود و پابندیوں سے آزاد تھا اور استنبا کا اطمینان بھی دلایا جاتا ہے کہ سب کے گناہ مسیح اٹھا لے گئے قسطنطین اعظم بھی جو بڑا ظالم و سفاک تھا - داخل ہوگیا - اس نے بزور شمشیر لوگوں کو اس مذہب میں داخل کیا - پولوس نے وہ دام شیطانی پھیلایا کہ جس سے شیطان بھی شرماتا ہے ان کی روایات ان کے عقائد ان کے اعمال مذاہب کی رسوائی کے لئے کافی ہیں جھوٹھ بولنے پر تو پولوس کا فتوی ہی ہے - مکر فریب اس مذہب کا شیوہ ہے اس لئے ابتدا میں سیکڑوں نے جعلی انجیلیں بنانی شروع کیں سب کو مسیح کیطرف منسوب کردیا کرتے تھے انتہی قولہم پھر نصرانی فرقوں کی خرافات کو بیان کیا جائے تو سننے والے کو ان کی عقلوں پر بے ساختہ ہنسی آجائے - ہزاروں ہندوں کیطرح پردن ندی میں غوطہ لگانے اس نیت سے جاتے ہیں کہ گناہ معاف ہوجاینگے پھر جسطرح وہ گنگا جل تبرک کے طور

لاتے ہیں یہ بھی لیجاتے ہیں بجائے خدا کے مسیح ہی کے نام سے دعا مانگتے ہیں انہیں کو پکارتے ہیں۔ نہ معلوم تربینی کا مسئلہ انہوں نے ہنود سے کس طرح سے اوڑا لیا۔ ہندو کہتے برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ تین ملکر ایک خدا بنتا ہے۔ عیسائی بھی باپ بیٹے روح القدس کو ملا کر ایک خدا کہتے ہیں اور اس کا نام تثلیث ہے۔ جسپر انہوں نے نجات کا مدار سمجھ رکھا ہے ❊

ان کے راہب پادری جھوٹھ بولنے اور فتنہ اٹھانے اور بیرحمی سکھانے میں استاد زمانہ ہوتے ہیں۔ جھوٹی تاریخیں لکھتے ان کو شرم نہیں آتی جغرافیہ میں جھوٹھ بولنے سے انکو عار نہیں دوسرے کے بڑے سے بڑے واقعہ کو خفیف بنا کر اور اپنی ذرا سی بات کو پہاڑ بنا کر لکھنا اس قوم کا رویہ ہے جس نیک آدمی سے انکو عداوت ہو جائے اس کے اوپر الزامات لگانا اور اس کے واقعات کو برے رنگ میں رنگین کر کے لکھنا اور عبارت میں طعن و تشنیع اور چبھتے ہوئے فقرے لکھتے جانا اور اسکی عمدہ خوبی کو بھی تمسخر میں اڑاتے جانا باستثنائے بعض جملہ عیسویاں حال و ماضی کا دستور ہے اور اسکو فصاحت سمجھتے اور اسپر ناز کرتے ہیں۔ مگر اس آزادی پر بھی یہ مذہب یورپ میں خواندہ لوگوں کے نزدیک ایسا پھر و پوچ ٹہر گیا ہے کہ اب اسکی بدولت ان کو مذہب کے نام سے ہی نفرت ہوتی چلی ہے۔ پر لطف یہ ہے کہ دینی لقب چھپا کر اپنا اعتبار رجمانے کے لئے اپنے نام کے ساتھ حکیم فیلسوف ڈاکٹر کا خطاب لگا کر آنحضرت صلعم پر بہتان باندھنا ایک لازمی بات ہے ❊

رہے یہ دیندار مشنری جو ما لکفتہ بہ جسکارت کو مرتکب ہو کر جہاں جاتے ہیں فتنہ اٹھاتے ہیں۔ اگر انکو مشن سے بلیڈ نہ ملے تو دیکھئے خود ہی کسقدر دین عیسوی کی خاک اوڑاتے ہیں۔ لوگوں سے یتیموں کی پرورش اور بیماروں کے علاج کے بہانہ سے خیرات لاتے ہیں۔ اور اسکو ان کے مذہب برباد کرنے میں اور باقی اپنے عیش و آرام میں

اوڑاتے ہیں۔ رہا یہ الزام کہ قرآن میں چند قصص سنے سنائے جمع کردئے لغو الزام ہے کیا تراشیدہ واقعات لکھتے۔ مگر ہمیں بھی قرآن نے اعجاز و کہا یا ہے کیونکہ خود اہل کتاب کے ملہم جب ایک شخص کے واقعات لکھنے بیٹھے ہیں تو کسقدر کمی زیادتی کرتے ہیں۔ اور انمیں باہم کسقدر اختلاف[1] ہوتا ہے برخلاف قرآن کے کہ اس میں سر مو بھی تفاوت نہیں نہ انداز قصہ گوئی ہے +

یہ الزام کہ ادیان مختلفہ سے لیکر محمد (علیہ السلام) نے شریعت بنائی ہے حماقت کا الزام ہے کسلئے کہ جب ادیان سابقہ بھی من اللہ تسلیم کئے گئے ہیں تو اب کیا ضرور تہا کہ خواہ مخواہ آپ ان کے برخلاف ایک انوکہی بات کہتے۔ خود اسلام کا دعوی ہے کہ وہ ادیان و ملل سابقہ کے تحریف و تبدیل دور کرکے سب میں سے اصل فطرت کو جمع کرنے آیا ہے۔ اسکی حقانیت کی یہی ایک دلیل کیا کم ہے کہ اسکی شریعت کا مادہ شرائع انبیاء سابقین سے ملتا جلتا ہے +

یہ کہنا کہ ان کے خوف کے مارے کوئی مثل قرآن بناکر نہ لایا نہایت جاہلانہ کلام ہے۔ یہ دعوے تو قرآن کا اسوقت سے ہے جبکہ مکہ میں قریش کا غلبہ تہا اور ایمانداروں پر مار دہاڑ تہی۔ اور اس کے بعد بہت سے قبائل عرب نے مسلمانوں سے صف آرائیاں کیں کیا اسوقت انکو کوئی خوف تہا کہ وہ قرآن کا مثل بناکر بہیجدیتے ورنہ اپنی قوم میں تو مشہور کردیتے اور اس کے بعد شام میں عرب متنصرہ موجود تہے اور ابتک ہیں ان کو کسکا ڈر تہا کہ وہ اس دعوے کی تکذیب کے لئے ایک دوسری کتاب فصیح عربی میں بناکر مشہور کردیتے اور اب کون مارتا ہے اب سہی +

[1] اناجیل اربعہ کا باہم حضرت مسیح کے حالات میں مقابلہ کرکے ملاحظہ فرمائیے۔ اور پہر کتاب التواریخ اول و دوئم اور کتاب صموئیل اول و دوئم سے ملائیے صرف مسیح کے نسبنامہ میں کتنی غلطیاں معلوم ہونگی۔ اور باہم کسقدر اختلاف نظر آئیگا ۱۲ منہ

یہ کہنا کہ خود مسلمانوں نے سورتیں بنا کر اس دعوے کو باطل کر دیا شیعہ میں دس بارہ مشہور ہیں اور قرآن کو انہوں نے محرف بتا دیا کہ اسمیں سے فضائل اہل بیت کی آیات نکال ڈالیں۔ حاشا ثم حاشا محققین شیعہ میں[1] سے یہ کسیکا بھی عقیدہ نہیں نہ وہ ان دس باروں کے قائل ہیں شیخ صدوق وغیرہ نے اسکی تشریح کر دی ہے البتہ ایران فتح ہو جانے کے بعد بعض مجوسیوں نے یہ چال[2] کی کہ ظاہر میں تو اپنے آپ کو مسلمان اور حضرت علی کا محب مشہور کیا اور خلافت کے ایک معمولی اختلاف کو جو انتخاب کے وقت ہوا کرتا ہے حضرت عمر سے عداوت قلبی نکالنے کے لئے علی کی محبت وطرف داری کے پیرایہ میں ایسی ایسی روایات بھی گھڑلیں کہ جن سے نہ صرف عمر وابو بکر پر دھبہ لگے۔ بلکہ خود حضرت علی اور فاطمہ اور پیغمبر علیہ السلام اور خدائے قادر اور قرآن پر بھی عیب لگے جیسا کہ معترض نے بیان کیا اور ان کے چند حمقا مقلد اسبات کے قائل ہو گئے اور جاہلوں میں ایسی روایات مشہور کر دیں۔ اور جبکہ علی کی خلافت میں طلحہ وزبیر وبیوی عائشہ سے ایک بات میں اختلاف ہو کر انہیں شریروں کی شرارت سے جنگ کی نوبت آگئی گو بعد میں تصفیہ ہو گیا تو ان کو ایسی روایات مشہور کرنے کا عمدہ موقع مل گیا۔ اور حضرت علی کے طرفداروں کو انکی طرف کان دھرنے کا بھی موقع ہاتھ آگیا۔ پھر امیر معاویہ کے مقابلہ سے تو اور بھی گنجائش ہو گئی پھر بدنصیب یزید کے ظلم سے جو اس کے ہاتھ سے اہل بیت پر ہوا محبان اہل بیت کے لئے یہ روایات نہایت قابل اعتبار ٹھہر گئیں۔ اور بے احتیاط علماء نے جوش محبت اہل بیت میں ان کو اپنی کتابوں میں بھی درج کر لیا تاکہ ہو

[1] شیعہ کے تین بڑے فرقے ہیں۔ زیدیہ۔ اسماعیلیہ اثنا عشریہ تینوں کے محقق اس کے منکر ہیں ۱۲ منہ

[2] چنانچہ دساتیر کے نامہ زردشت میں اسبات کی خبر دی گئی ہے کہ مجوسی لوگ مسلمانوں میں ملکر ان کے دین ومذہب میں خلل ڈالیں گے۔ بعض یمن کے یہودی بھی بلباس اسلام و محبت علی اس خلل اندازی میں مشہور ہیں منجملہ ان کے ایک شخص عبداللہ بن سبا تھا۔ جسکو خود حضرت علی نے کئی بار ایسے ایسے اقوال پر نکلوا دیا تھا ۱۲ منہ

کچھ تعجب نہیں اور بعد والوں کے لئے وہ حجت ہوگئی ہوں تو کچھ بھی بعید نہیں۔ اہل بیت
میں ایک ذاتی خوبی تھی اور اس کے سبب وہ قابل مدح و محبت بھی تھے اور اسلام میں انکے
بڑے بڑے مساعی جمیلہ بھی تھے اور پیغمبر علیہ السلام کے بہت سے علوم انہیں کے ذریعہ
سے پچھلوں کو پہونچے اگر اسلئے انسے محبت رکھنا یا ان کی تعظیم کرنے کا آپنے حکم دیا تو
کیا محل عیب ہے؟ مگر بنی امیہ کے جور و ستم کے زمانہ میں اہل بیت کے طرفدار
پیدا کرنے کی غرض سے بہت سے محبان اہل بیت نے اہل بیت کے مناقب۔ اور بیجا انکے
فضائل کی روایات بھی تصنیف کیں ہوں تو بعید از قیاس نہیں۔ مگر اس سے یہ خیال کر لینا
کہ پیغمبر نے ان کی پرستش کا بندوبست کر دیا تھا۔ محض غلط اور جاہلانہ خیال ہے۔ پیغمبر
علیہ السلام نے احکام شریعت میں کسیکی کوئی بھی جانب داری نہیں فرمائی پیغمبر علیہ السلام
کی یہ دو حدیثیں اس امر کے لئے کافی دلیل ہیں۔ جب آپنے قوم کو آخرت کے معاملہ
سے تنبہ کیا۔ تو یہ بھی فرمایا کہ اے فاطمہ محمد کی بیٹی انساب کے غرور میں نہ رہنا کہ میں
محمد کی بیٹی ہوں۔ میں خدا کے عذاب کو دور نکر سکوں گا۔ اپنے عمل میں آپ کوشش کر
ہاں دنیاوی معاملات میں جو باپ بیٹی سے کر سکتا ہے میں بھی کر سکتا ہوں۔ پھر جب
فاطمہ کے لئے یہ ارشاد ہے تو کسی سید یا شیخ کی کیا مجال ہے کہ وہ یہود یوں کیطرح دعوے
کرے۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک عورت قریشیہ نے مدینہ میں چوری کرلی تھی قریش
کو اس کا ہاتھ کاٹنا ناگوار معلوم ہوا۔ اسامہ بن زید کو جن سے حضرت کو بڑی محبت تھی
سفارش کے لئے بھیجا اسامہ نے لب کشائی کی ہی تھی کہ آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا
اگلی قومیں اسی لئے ہلاک و برباد ہوئیں کہ احکام الٰہی غریبوں پر تو جاری کرتے تھے اور شریفوں
پر نکرتے تھے۔ مجھے اپنے خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتیں تو میں انکے
بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔

انہیں مجوسیوں نے یہ بھی گھڑ لیا کہ عمر نے فاطمہ کے لات ماری جس سے انکا حمل ساقط

ہوگیا اور علی کے ساتھ برے سلوک کئے اول تو عمر کی مجال کیا تھی اِن کے پاس کونسا لشکر تھا اور ان کا قبیلہ ہی کیا تھا جو وہ ایسا کر سکتے تھے بمقابلہ علی و فاطمہ کے کہ جن کے باپ پر انصار و مہاجر ایمان لائے تھے اِن کو عمر کے ساتھ کیا تعلق تھا جو وہ ایسا دیکھہ سکتے تھے خاص بنی ہاشم کیا کم تھے جو وہ اپنی عزیٰ عیرت کو خیرباد کہہ کر ایسا معاملہ دیکھتے ۔ جن ملکوں میں قبائل ہیں وہاں قبائل کی حمیت و حمایت مشہور ہے ۔ اور بمقابلہ عمر کے بنی اُمیہ بھی بنی ہاشم کے ساتھ ہو جاتے کیونکہ اِن کے بہت قریب کے ہم جدی تھے ۔ غریب مجوسی نے اپنے ملک پر قیاس کر کے ایسی روایات گھڑ دیں کہ جنکو واقعات جھٹلا رہے ہیں ۔ ابوبکر ۔ عمر کی خلافت شاہانہ انداز میں تو تھی ہی نہیں کہ ہاتھی گھوڑے جلو میں چلتے ہوں بڑے بڑے محل حسین عورتوں سے بھرے ہوئے اِن کے لئے تیار ہوں باورچیخانی میں ہزاروں قسم کے کھانے پکتے ہوں ۔ محض جمہوری خلافت تھی ۔ خلیفہ کو نبی بوٹی تھا شور بالتا تھا شاید تخمیناً تیس روپیہ ماہوار خرچ کے لئے ملتے تھے اِس کے سوا ایک پیسہ بھی وہ اپنے مصارف ذاتی اور خانگی میں نہیں لاسکتے تھے ۔ ان کی بات بات پر ہر مسلمان کو اعتراض کرنیکا مجاز تھا ۔ خود حضرت علی دونوں خلافتوں میں سکرٹری تھے ۔ پھر وہ کیا حق اور کیا دنیا کی دولت تھی ۔ جسکا انہوں نے غصب کر لیا تھا ؟ بلکہ قوم کی خدمت اور بڑی ذمہ داری تھی ۔ جسلئے انہوں نے اپنی اولاد کے لئے اِس عہدہ کو پسند نہ کیا قوم کی رائے پر چھوڑ دیا ۔ پھر اگر پیغمبر علیہ السلام اِس عہدہ کو کیکے واسطے مخصوص کر جاتے تو وہ قوم کہ جس نے اِن کی حیات میں بھی جان نثاری کی اور بعد میں بھی وہی سرگرمی وہی دینی نشہ الفیں تھا ۔ اپنے ہادی کا اتنا سا حکم بھی نہ مانتے بعید از قیاس ہے : اور خاص علی کے لئے جنکو خود اوسی قوم نے آخر کار خلافت کے لئے منتخب کیا اور ان کے محامد و مناقب بھی قوم میں مشہور تھے +

رہا فدک وغیرہ زمین کا حصہ ترکہ ۔ حضرت فاطمہ میراث کی خواہاں ہوئی ہوں گی

مگر جب یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرت پیغمبر اپنے بعد کوئی مال نہیں چھوڑ گئے نہ یہ ان کی شان تھی اور جب مال ہی نہیں تو میراث کس چیز میں جاری ہو سکتی ہے۔ ہاں جو زمین آپنے وقف کر دی تھی اور اقارب کا نفقہ جسطرح اپنی حیات میں دیتے تھے وہ بدستور ملیگا۔ اسلئے فاطمہؓ ساکت ہوئیں اور پھر اس بارہ میں کلام نہ کیا۔ اب اس بات کو مجوسیوں نے کن کن رنگ آمیزیوں سے مشہور کیا ہے۔ سادہ لوحوں کو اسپر اعتبار ہو گیا۔ اہل بیت کا دشمن سمجھ کر حضرت ابوبکر و عمر کو گالیاں دینا جزو ایمان سمجھ لیا۔ یہ کہنا کہ علی کے دلمیں کچھ اور تھا ظاہر داری میں خلفاء کے ساتھ برتنا و دوسرا تھا۔ یہ اوس شیر خدا پر حملہ کرتا ہے۔ جبکہ ان کے فرزند ارجمند امام حسین کا معرکہ کربلا باطل کر رہا ہے۔ یزید کی طرف سے تخمیناً ۲۵ ہزار لشکر محیط تھا اور صرف وہ یہ چاہتے تھے کہ یزید کو آپ خلیفہ مان لیں۔ مگر آپنے وہ تقیہ اختیار نہ کیا باوجودیکہ بہت ہی کم لوگ آپکے ہمراہ تھے اور اور پھر کس جوانمردی سے مقابلہ کر کے ثابت کر دیا۔ کہ بنی ہاشم کسی سے جھکی نہیں کھاتے۔ مجوسی نسلوں نے اس معاملہ کو بھی اپنے معاملات اور اپنی منسوخات کے گریہ و زاری پر محمول کر کے مرثیہ تصنیف کئے تاکہ خواہ مخواہ لوگوں کو رونا آئے۔ اور ان کی محفل کا رنگ جمے۔

یہ کہنا کہ آنحضرت کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا تلوار کے زور سے لوگوں کو مطیع کر لیا نہایت بیوقوفی ہے۔ کیونکہ ہجرت سے پہلے مکہ میں اور انصار کے ایمان لانے میں کونسی تلوار تھی۔ پھر ہزاروں معتبر خدا ترس تو آپکے معجزات و آیات کے مشاہدہ کرنے والے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی چیز کا اقرار کریں۔ اور اپنے ایمان لانے کا بھی وہی سبب بتائیں اور ایک شخص سیکڑوں برسوں کے بعد محض اپنی بدگمانی اور حسد و بغض سے یا ان منافقوں اور دشمنوں کی بے اصل روایت سے انکار کرے۔ بھلا کوئی بھی عاقل خدا ترس با انصاف اس کے انکار کو مانے گا؟

اور یہ کہنا کہ اسلام کی بڑی عبادت وحشیانہ میلے میں شرکت کرنا اور وحشیانہ وضع بنا کر غل مچانا اور جانوروں کو ذبح کرنا ہے اوس سے بھی زیادہ حماقت ہے کاش وہ متعصب معترض اعتراض کرنے سے پہلے قرآن کے اصول حسنات پر واقف ہوجاتا اور ان روحانی برکات سے اور حج کی اصل حقیقت سے خبردار ہوجاتا تو ایسا مہمل اعتراض کرکے ذلیل نہ بنتا۔ نہ ماہرین قرآن اسپر مضحکہ کرتے ✝

یہ کہنا کہ آپ مجمع مکروفریب تھے آپکے انتقال کرتے ہی وہ جھوٹی قلعی کھل گئی ان کے مرید معتقد آپس میں لڑنے لگے۔ اور ان کا وہ اثر بہت جلد زائل ہوگیا۔ دنیا کی آنکھوں میں خاک ڈالنا ہے کیونکہ تمام مورخین باوجود تعصب و عناد کے اسبات پر متفق ہیں کہ جو کچھ نبی عربی نے توحید و خدا پرستی کا دلوں پر رنگ چڑھایا تھا وہ ایسا پختہ رنگ تھا کہ آپ کے بعد بھی جبکہ وہ دنیا کی سرسبز سلطنتوں کے مالک و متصرف ہوگئے اور قیصر و کسرے کے تاج سر سے اتار ڈالے اور ان کی ہیبت کا دنیا کے آباد حصہ پر وہ اثر طاری ہوا کہ بڑے بڑے جبار عرب کی آبدار تلواروں کا تصور کرکے کانپ اٹھتے تھے اسوقت بھی انمیں وہی درویشانہ صاف خصائل اور پاک اور پرہیزگارانہ زندگی اور اخلاق و راستبازی کا وہی رنگ تھا جو ان کے ہادی نے اپنر چڑھایا تھا۔ انہیں وہی شب خیزی وہی پرہیزگاری وہی عفت، وہی صبر وہی خدا پرستی، وہی فروتنی حلم و تواضع مہمانوازی وہی شجاعت وہی دینی جوش وہی دنیا سے نفرت آخرت سے رغبت باقی تھی۔

اعتراض کے دوسرے حصہ کا جواب مسلمانوں کی معاشرت عورتوں سے اختلاط اور لوگوں کی گردنیں مارنا بتانا بالکل دروغگوئی ہے جسکی تکذیب مشاہدہ اور یورپ کے فلاسفر کر سکتے ہیں۔ بلکہ عیسوی معاشرت، شہوت پرستی شراب خواری مکروفریب ہے کہ جو بعض جہال مسلمانوں میں جہل اور بت پرستوں یہودیوں عیسائیوں مجوسیوں کے اختلاط سے بری حالت پیدا ہوگئی ہے۔ جبکہ قرآن و احادیث میں اس کا رد ہے علماء اسلام

قولاً و تحریراً اسکو رد کرتے چلے آرہے ہیں تو وہ اسلام کے لئے باعث عیب نہیں ہو سکتی بلکہ یہ انہیں کا عیب شمار ہوگا جو اسمیں مبتلا ہیں خواہ وہ مولوی ہوں خواہ پیر ہوں یا انکی اولاد ہوں یا سید ہوں یا شیخ ہوں +

اب ہم اپنی تائید میں فرنگستان کے بعض مصنفوں کے اقوال نقل کرتے ہیں

گاڈفری ہیگنس

اپنی اپالوجی آف اسلام میں لکھتے ہیں کہ گبن صاحب لکھتے ہیں چاروں خلفاء کے اطوار یکساں اور ضرب المثل ہتے۔ ان کی سرگرمی دلدہی۔ اخلاص کے ساتھ تھی۔ ثروت و اختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی زندگی کو اخلاقی و مذہبی فرائض کے ادا میں صرف کیا۔ جبکہ حضرت محمد پر ہر طرف سے مصائب کے تیر برس رہے تھے اور آپ اپنے وطن چھوڑنے پر مجبور کئے گئے اسوقت بھی یہی لوگ آپ کے ساتھ شریک ہو گئے اور ہر قسم کی ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ ان کے اسوقت تبدیل مذہب کر کے اسلام اختیار کر لینے سے انکی صداقت اور راستبازی ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کی سرسبز سلطنتوں کو قبضہ میں لانے سے ان کی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں کوئی گمان کر سکتا ہے کہ ایسے قابل اشخاص نے ایذائیں سہیں اپنا پہلا مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا اور اسمیں پرہیز گاری کے ساتھ قائم رہے اور اپنے ملک سے جلا وطنی اختیار کی یہ سب ایک ایسے شخص کے لئے تھا کہ جسمیں ہر قسم کی برائیاں ہوں اور وہ پرفن و عیاد بھی ہو اور اس کی تعلیم ان کی ابتدائی زندگی اور ان کی آزادانہ معاشرت کے بھی خلاف ہو۔ اسپر ہرگز یقین نہیں ہو سکتا اور خارج از حیطۂ امکان ہے۔ عیسائی اسکو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد کی تعلیم نے ان کے مریدوں کے دلمیں ایسا نشا پیدا کیا جسکو عیسے کے ابتدائی پیروؤں میں بھی تلاش کرنا بیکار رہے۔ ان کا مذہب اس تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیلا کہ جس کا نظیر

نہیں ملتا چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی سرسبز اور عالیشان سلطنتوں پر غالب آگیا۔ عیسے کو جب سولی دینے لے چلے تو ان کے مرید بھاگ گئے ان کا دینی نشا جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چلدیئے۔ اگر وہ انکی حفاظت نہ کر سکتے تھے تو ان کی تشفی کے لئے تو موجود رہتے اور استقلال سے اپنے اور ان کے دشمنوں کو دھمکاتے۔ برخلاف اس کے محمد صاحب کے معتقد اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈالدیں اور آپ کو دشمنوں پر غالب کر دیا ❋

گبن[1] صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ محمدؐ کا مذہب شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے انسانوں بتوں ستاروں سیاروں کی پرستش کو معقول دلیل سے رد کیا اسنے اپنی سرگرمی سے کائنات کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کیا کہ جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ وہ کسی شکل میں محدود ہے نہ کسی مکان میں موجود نہ اسکا کوئی ثانی ہے جس اسکو تشبیہ دیسکیں۔ پیغمبر نے الہیات کے بڑے بڑے حقائق کو ظاہر کیا اور اس کے پیرو نے مستحکم ہو کر انکو قبول کیا۔ اور قرآن کے مفسروں نے بڑے دلائل عقلیہ سے ان کی تفسیر و تشریح کی۔ جو ایک بڑا حکیم خدا کی ذات و صفات کی نسبت اعتقاد رکھتا ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ محمد کے عقائد ہمارے ادراک اور قوی موجودہ سے ہی بہت بڑھکر ہیں۔ جن اصل الاصول کی بنیاد عقل اور وحی پر ہے وہ محمد ہی کی شہادت سے استحکام پذیر ہوئے۔ ان کے معتقد مراکش سے لیکر **ہندوستان** تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں۔ اور بتوں کو حقیر ٹھہرا کر ہمیشہ کے لئے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا ❋

ڈاکٹر اسپرنگر کہتے ہیں محمد کو نکلتے ہوئے آفتاب برستے پانی۔ اور اگتی گھاس میں خدا ہی کا ید قدرت دکھائی دیتا تھا۔ اور غرش رعد اور آواز آب و طیور کے نغمے میں

[1] انگلستان کا مشہور و معروف فاضل مورخ تھا جو اٹھارویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا ۱۷۳۷ء

حمد الہی کی آواز سنائی دیتی تھی اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کے خرابات میں خدا ہی کے آثار قدرت و جبروت دکھائی دیتے تھے ۔

راڈویل دیباچہ قرآن میں اقرار کرتا ہے کہ محمدؐ کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ اپنے ملک کو جہالت اور وثنیت پرستی سے چھڑائیں اور ان کی انتہار درجہ کی خواہش جو انپر مستولی تھی سب سے بڑے امر حق یعنے توحید الہی کی اشاعت تھی۔ گو انہوں نے بعض مصالح سے اپنے آپ کو خدا کا رسول امین[1] تصور کر لیا تاہم محمدؐ کی سیرت اوس قوت و حیات کا کہ جسکو خدا اور قیامت پر اعتقاد کامل ہوتا ہے ۔ ایک عجیب نمونہ تھی۔ جسمیں سے بہت کچھ نیک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسمیں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کی ذات کریم اور سیرت کے صداقت سے انکو اون لوگوں میں تصور کرنا چاہیئے کہ جنکو ایمان و اخلاق اور ابنائے جنس کی تمام حیات پر کامل اختیار اور پورا اقتدار حاصل ہوتا ہے جو حقیقت میں بجز کسی اولوالعزم کے اور کسیکو حاصل نہیں ہوتا ۔

لارڈ ولیم میور باوجود متعصب عیسائی ہونے کے آخر الامر اپنی کتاب سیرت محمدیہ میں اسقدر اقرار کرنے پر مجبور ہی ہوئے۔ ایک زمانہ نامعلوم

[1] یہ جملہ ان کا وہی پادریانہ تعصب ہے جو مجبوراً ان کے قلم سے سرزد ہو گیا ورنہ جس کی ذات میں اتنے صفات حمیدہ ہوں جو بجز انبیاء اولوالعزم اور کسی میں نہیں ہوتے اور جن کی خبریں بائبل میں صاف صاف ہیں اس کے رسول امین ہونے میں کیا شک ہے اور عجب تر یہ ہے کہ حضرت مسیح نے کہیں نہیں کہا کہ میرے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ بلکہ آنے کا اشارہ کیا ہے اور ان کے بعد عیسائی ان لوگوں کو بھی رسول مانتے ہیں جنمیں بمقابلہ نبی کریم کے کچھ بھی صفات جمیلہ نہ تھے جیسا کہ پولس بہرز معلوم باوجود تصدیق مسیح و انجیل کے اور ان کی والدہ کی پاکدامنی پہ شہادت دینے کے حضرت محمد صلعم کے رسول امین ماننے سے کون امر مانع ہے ۱۲ منہ

مکہ اور جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بےحس ہوگئی تھی۔ گو ایک ضعیف اور ناپیدار اثر یہودیت و نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر نمودار ہوا تھا۔ جیسا کہ ایک دریاچہ غیر رواں کے سطح کا ادہر اُدہر لہرانا مگر تہ میں بےحس و بےحرکت رہنا۔ تمام عرب توہمات اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے۔ یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوہ کو بیاہ لیتا تھا انکے غرور و افلاس سے انمیں رسم دخترکشی بھی جاری تھی جیسا کہ ہندوؤں میں ہے۔ انکا مذہب حد درجہ کی بت پرستی تہا۔ اور ان کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علے الاطلاق پر نہ تہا بلکہ ارواح غیر مرئیہ کے توہم باطل جیسی ہیئت کا انکا ایمان تہا۔ قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اسکی انہیں خبر بھی نہ تھی ہجرت سے تیرہ برس پیشتر (یعنی اظہار نبوت سے پہلے) تو مکہ اس طرح سے ایسے ذلیل حالت میں بیجان پڑا ہوا تہا مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا کہ سیکڑوں آدمیوں نے بتوں کی پرستش چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کرلی۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے وہ اسی قادر مطلق سے بکثرت و شدت دعا مانگتے تہے۔ اسکی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے تہے اور حسنات و خیرات و پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تہے۔ اب انہیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال رہنے لگا۔ اور وہ یہی سمجھنے لگے کہ وہی رازق ہمارے ادنی حوائج کا بھی خبر گیراں ہے ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقہ زندگانی میں اور اپنے خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیرات میں وہ اسکے ید قدرت کو دیکھتے تہے اور اسکے علاوہ۔ وہ لوگ اوس روحانی حالت کو جسمیں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تہے خدا کے فضل خاص اور رحمت باختصاص کی علامت سمجھتے تہے۔ اور اپنے کا فراہل شہر کے کفر کو خدا کا مقدر خذلان جانتے تہے اور محمد کو وہ اپنی تازہ حیات بخشنے والا سمجھتے تہے الخ اس تھوڑے

عرصہ میں مکہ اس عجب تاثیر کے سبب دو حصوں میں منقسم ہوگیا۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا الخ ایک سو مرد و عورت اپنے عزیز ایمان سے انکار نہ کرکے اپنا گھر بار چھوڑ حبش کو ہجرت کر گئے پھر اس سے زیادہ آدمی اور خود نبی بھی اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو چھوڑ کر مدینہ میں ہجرت کر کے چلے آئے یہاں بھی اوس عجیب تاثیر نے ان لوگوں کے لئے ایک ایسی برادری تیار کردی جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو تیار ہوگئے۔ مدینہ کے باشندوں کے گرچہ مدت سے یہود کی حقانی باتیں کانوں میں پڑی ہوئی تھیں مگر وہ بھی اسوقت تک خواب خرگوش سے بیدار نہ ہوئے جبتک کہ نبی عربی کی پرتاثیر۔ اور روح کو کپکپا دینے والی باتیں ان کے کانوں میں نہ پڑیں تھیں اب وہ بھی ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے۔

ایک مقام پر اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ ہم بلاتامل اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کیواسطے اکثر توہمات باطلہ کو کالعدم کردیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہوگئی اور خدا کی واحدانیت اور غیر محدود کمالات اور قدرت کاملہ کا مسئلہ حضرت محمد کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا جیساکہ خاص حضرت محمد صاحب کے دل میں تھا۔

مذہب اسلام کی پہلی بات جو خاص اسلام کے معنے میں ہے یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل کرنا چاہیئے۔ بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں برادرانہ محبت رکھیں یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئیں نشہ کی چیزوں کی سخت ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اسبات پر فخر کرسکتا ہے کہ اسمیں پرہیزگاری کا ایک ایسا حصہ موجود ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ انتہی۔

ان مصنفوں کے سوا بہت سے فرنچ اور جرمنی فاضلوں نے ان سے بھی زیادہ زیادہ شہادت ادا کی ہے اور بڑی تفصیل سے اپنے بیان کو مدلل کیا ہے۔ اور

خلفاء کے حالات میں تو اسقدر مخلوق شاہد ہے کہ جن کا حدو شمار نہیں اور یہ مسئلہ مسلمات عالم سے ہوگیا ہے کہ خلفاء دنیا کی سرسبز سلطنتوں پر بہت جلد قابض ہو جانے کے بعد بھی جسکا نظیر دنیا میں موجود نہیں اوسی درویشانہ حالت میں زندگانی اور زندگی میں فرائض مذہبی و اخلاقی اوسی سرگرمی سے ادا کیا کرتے تھے۔ خلیفہ کے لئے نہ کوئی مخصوص قصر تھا نہ بیٹھنے کے لئے کوئی شاہانہ ایوان تھا۔ خلفاء کے گھر معمولی لوگوں کے گھروں سے بھی پست حالت میں تھے کچے مکان کھجور کی لکڑیوں سے پٹے ہوئے زیادہ بارش میں ٹپکتے تھے اور گر جانے کا احتمال رہتا تھا اور بہت ہی مختصر اور بقدر ضرورت تھے نہ خلفاً لباس میں معمولی لوگوں سے ممتاز تھے بلکہ ان سے بہت ہی فروتر حالت میں رہتے تھے۔

حضرت عمر کے کرتے پر متعدد پیوند لگے رہتے تھے۔ نہ ان کے دروازوں پر شاہانہ پہرا لگا رہتا تھا نہ ان کی سواری دہوم دہام سے نکلتی۔ بلکہ وہ معمولی لوگوں کی طرح تن تنہا جہاں چاہتے چلے جایا کرتے تھے اور اپنے خرید و فروخت کے سب کام آپ کر لینے میں کوئی شرم نہیں کرتے تھے۔ ان کے پاس ہر ایک دادخواہ کو رسائی تھی۔ خلافت کے کاموں میں مصروف رہنے کے سبب قوم نے ان کی بہت ہی تھوڑی سی تنخواہ مقرر کر دی تھی جسکا تخمینہ تیس بتیس روپیہ ماہوار کے قریب ہے۔ اسمیں وہ اور ان کے متعلقین گزراوقات کیا کرتے تھے۔

اسپر انکی شب خیزی عبادت ترک دنیا راتدن دار باقی میں جانے کے لئے توشہ جمع کرنا۔ ان کی فضیلت کی نمایاں دلیل ہے۔ اخلاق اور اسپر تواضع و فروتنی حلم وعفو میں وہ انسان کامل شمار ہوتے تھے۔ ایک ادنی شخص کو بھی ان کے طریق عمل پر اعتراض کرنے کا اختیار تھا اور اسکو بھی وہ اوسی التفات سے سنتے تھے جو قوم کے معزز افراد کی سنتے تھے۔ اپنی ذاتی خواہش سے ایک ادنی شخص کو وہ ایک طمانچہ مارنے یا ایک دن کی قید کر دینے کے بھی مجاز نہ تھے ان کے عدل و انصاف کے واقعات

اگر تحریر کئے جائیں، تو ضخیم دفتروں میں نہ سمائیں۔ حضرت عمر نے جب کسی مصلحت قومی سے خالد بن ولید کو عہدہ سپہ سالاری سے معزول کرکے اِن کی جگہ ابو عبیدہ بن الجراح کو قائم کیا اور خطبہ میں قوم کے سامنے اِس حکم کا اعلان کیا تو ایک نوجوان لڑکے نے جو خالد کی قوم کا تھا اوس بھری مجلس میں بآواز بلند ایسا سخت کلمہ پکار کر کہدیا کہ جس کے سننے کی ایک معمولی آدمی کو بھی تاب نہیں۔ کہدیا کہ اے عمر تیرے دل سے ابھی تک ایام جاہلیت کی وہ عداوت نہیں نکلی جو تجھے خالد سے تھی۔ اسپر قوم کے اعیان کو ملال پیدا ہوا مگر انکا ملال دور کر دینے کے لئے خود عمر نے ہی فرما دیا۔ کہ لڑکا ہے کچھ اسرار سلطنت کیا جانے +

ایک بار حضرت عمر مدینہ میں جا رہے تھے اندھیری رات تھی کیسکے پاؤں پر نادانستگی سے پاؤں پڑ گیا۔ اِس نے کہا کیا تو اندھا ہے حضرت عمر نے فرمایا معاف کیجئے ظلمت شب نے اندھا کر دیا اسپر وہ حضرت عمر کو پہچان کر معذرت کرنے لگا حضرت عمر نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں تو برسر حق ہے۔ قصور میرا ہی تھا +

بیت المقدس کا جب اسلامی لشکر نے محاصرہ کر لیا تو اودہر سے یہ شرط ٹھری کہ تمہارا خلیفہ آئے اور ہم اسکو دیکھیں اور خود اوس سے عہد کریں تو شہر تمہارے سپرد کر دینگے۔ مدینہ میں اِس امر میں اہل شوریٰ کا اختلاف ہوا مگر حضرت علی نے یہی فرمایا کہ امیر المومنین کا وہاں جانا ضرور ہے۔ اب عمر شام چلے اور قوم نے کیا سامان سفر مہیا کر دیا۔ کچھ ستو اور ایک اونٹ کہ جسکی پشت پر ستو اور ایک کاٹھ کا طباق لٹکا ہوا تھا اور ایک غلام۔ آدھی دور عمر سوار ہوتے تو غلام مہار تھام کر چلتا اور غلام سوار ہوتا تو عمر مہار تھام کر آگے آگے چلتے۔ اور مقام پر پہونچکر باری باری کام کرتے۔ رستہ میں عمال کے ظلم و جفا دور کرتے گئے وہاں پہونچے تو لشکر اسلام نے اِن کے خیر مقدم میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اہل شہر نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ امیر المومنین

تشریف لے آئے ہیں۔ اب امیرالمومنین قوم کی طرف سے مجبور کئے گئے کہ عمدہ لباس پہنکر عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر عیسائیوں سے گفتگو کرنے چلیں۔ دو چار قدم چلے تھے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور کہا میرا وہی پیوند لگا ہوا لباس لاؤ کیں لئے کہ اِس لباس اور اِس شان سے میرے دل میں کبر پیدا ہوا تھا اور میں نے پیغمبر علیہ السلام سے سنا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی سبب سے کبر ہوگا وہ جنت کی بو بھی نہ سونگھے گا۔

حضرت علی کے اِس سے بھی زیادہ حالات حیرت بخش ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اپنی خلافت میں آپنے ایک یہودی سے زرہ خریدی تھی اور اس کے دام بھی اسیوقت دیدیئے تھے مگر یہودی نے امتحان کرنے کے لئے حضرت علی پر دعوے دائر کر دیا۔ قاضی شریح تھے انہوں نے اوسی عام قاعدہ سے اپنے بادشاہ کو بھی حاضری عدالت کا حکم دیا حضرت علی تشریف لائے انکو یہودی کے دعوے سے مطلع کیا گیا آپنے فرمایا میں قیمت ادا کر چکا ہوں۔ قاضی نے فرمایا اب بار ثبوت آپ پر ہے شہادت پیش کیجئے۔ ورنہ آپ پر ڈگری ہے حضرت علی نے شہادت میں اپنے فرزند امام حسن اور غلام قنبر کو پیش کیا یہودی نے جرح کی کہ بیٹے کی باپ کے حق میں اور غلام کی آقا کے حق میں شہادت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے قاضی نے جرح کو تسلیم کر کے حضرت علی پر ڈگری دیدی۔ حضرت علی نے یہودی کو بار دگر روپیہ دیدئے یہودی نے روپیہ لیکر اقرار کیا کہ میں جھوٹا تھا صرف اسلامی عدالت اور اِس کے قاضی اور بادشاہ کے انصاف کا امتحان مقصود تھا۔ بعد میں وہ اِسی بات پر مسلمان بھی ہو گیا +

جب یہ مسلم الکل ہے کہ خلفاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روبرو اور بعد ویسے ہی باخدا تھے۔ اور ان کی سلطنت شخصی جابرانہ نہ تھی نہ اِن کے پاس اوس قوم کے سوا کہ جو آنحضرت صلعم پر ایمان لائی۔ اور آپ کے بعد بھی آپ پر جان نثار تھی۔ اور کوئی سپاہ تھی نہ اِن کے پاس مال و اسباب و جاہ و حشم تھے۔ تو اِن کی نسبت ایسی روایات کا تسلیم کر لینا کہ وہ آپ کے بعد اسلام سے پھر گئے تھے دین اسلام پر قائم نہ رہے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام سے انکو محبت باقی نہ رہی تھی۔ نہ وہ قرآن کے پابند

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
البتہ اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا کہ جو ایک درخت کے تلے اے محمد تم سے بیعت کر رہے تھے۔
وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔ اور ان مسلمانوں پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم کر دیا اور وہ اسکے مستحق اور اہل بھی تھے (لازم کبھی جدا نہیں ہوتا۔
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ
اور جو محمد کے ساتھ والے ہیں کافروں پر سخت آپس میں بڑے رحمدل ہیں تم ان کو رکوع سجدہ کرتے ہی دیکھو گے

رہے تھے۔ بالکل حماقت اور خلاف بداہت ہے جسکا نہ کوئی اسلامی قائل ہو سکتا ہے نہ غیر اسلامی
پھر اس کے بعد اگر بالفرض انہیں کسی معاملہ میں اختلاف رائے پیدا ہوا ہو اور اس سے
یا کسی دنیاوی معاملہ سے کوئی برادرانہ گلہ یا ملال بھی پیدا ہوا ہو۔ جو شان بشریت ہے تو
اسکو ان کی باہمی عداوت اور کینہ پر محمول کر لینا اور اسپر یہ قیاس پیدا کر لینا کہ معاذ اللہ حضرت
سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سے انکو عداوت قلبی تھی اور ان کی ساتھ وہ جابرانہ وظالمانہ برتاوے
سے پیش آئے تھے۔ یا حضرت علی مرتضے سے انکو عداوت تھی اپر ظلم و ستم کئے تھے یا خود
حضرت علی کو انتخاب خلافت کے سبب ان سے دلی کینہ تھا یا قوم کو حضرت پیغمبر علیہ السلام کی اولاد
پاک سے بغض و کینہ تھا اور وہ انکی اہانت و ذلت کے درپے تھے محض بیہودہ خیال
اور حمقاء و سفہاء کی تقلید ہے جو واقعات اور قرآن کے بھی سراسر خلاف ہے۔

ہاں بنی امیہ بالخصوص یزید نے محض امارت و خلافت کے سبب حضرت علی اور ان کی
اولاد سے مخالفانہ بلکہ ظالمانہ برتاؤ کیا جس سے بجز ان کی فوج اور ان کے ماتحت لوگوں
کے جملہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام انسے بیزار تھی اور انکو مورد ملام سمجھتے رہے
اہل مکہ و اہل مدینہ سب بنی امیہ سے ناراض تھے۔ یہ انکی وہ قدیم عداوت خاندانی تھی۔ جو
ابتداء میں اثر نبوت سے دب گئی تھی۔ اور بعد میں ان کے عروج دنیاوی کے سبب ظہور پذیر
ہو ئی۔ اسکے وہی ذمہ دار ہیں نہ جملہ امت محمدیہ۔

مگر عیسائیوں سے بسا تعجب ہے کہ وہ اسلام اور حضرت نبی کریم سے بغض و عداوت
رکھیں کیونکہ عیسائی تعصبات اور ان کے متاخرین پیشواؤں کے غلو چھوڑ کر عیسائی مذہب
اور اسلام میں جسقدر اتحاد و یگانگت ہے اتنا اور کسی مذہب میں نہیں یہاں تک کہ بعض عیسائی
فاضلوں نے اقرار کر لیا ہے کہ اسلام مذہب عیسوی کی ایک شاخ ہے جسنے زوائد کی قطع
برید کر دی ہے۔ اور جبکہ حضرت محمد حضرت مسیح کی شہادت دے رہے ہیں اور قرآن ان کی
اور انکی والدہ کی تطہیر بیان کر رہا ہے تو ہم عیسوی لوگوں کو کوئی حق نہیں کہ ان کی مذمت

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۵ انکی نشانیاں انکی چہروں سے معلوم ہوتی ہیں سجدوں کے اثر سے صحابہ مہاجرین و انصار کے قرآن میں انکی مساعی جمیلہ کے سبب بہت محامد ہیں پھر ان آیات اور واقعات پر مجوسی اور یہودی روایات سے انکو فاسق و فاجر سمجھنا مسلمان کی شان نہیں بلکہ عاقل کی بھی شان نہیں ۱۲ منہ

کریں اور اپنے الزام لگائیں جو ہماری روسیاہی کا باعث ہے کم سے کم انکو مسیحی مذہب کا مجدد کیوں نہ خیال کریں اور کیا سبب ہے کہ ہم حضرت محمد صاحب کو عیسوی مذہب کے ان پیشواؤں کے برابر بھی نہ جانیں کہ جنہوں نے مذہب عیسوی کے مروج مسائل و عقائد میں تحقیقات کر کے ایک حد تک درست کرنے کا قصد کیا ہے۔ ان مشنریوں کی تقلید سے باسی کڑھی کو بھی ابال آگیا بت پرست قوم کو بھی جو جملہ اقوام میں ذلیل ہے۔ حضرت رسول کریم پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی اور کن کن کمینہ الفاظ میں انکی ذات مقدسہ پر حملے کئے ہیں۔ افسوس +

فصل ۳

(نزول قرآن اور اس کی ترتیب و جمع)

قرآن مجید ایکبار نازل نہیں ہوا ہے بلکہ تھوڑا تھوڑا تیئس ۲۳ برس میں۔ دس برس ظہور نبوت کے بعد سے مکہ میں اور تیرہ ۱۳ برس مدینہ میں وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا۔ جو مکہ میں نازل ہوا ان آیات اور سورتوں کو مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوا ان کو مدنی کہتے ہیں۔ مکی حصہ میں اعتقادیات زیادہ ہیں۔ خدا کی توحید بت پرستی اور اوہام کی اطاعت کی مذمت۔ ذات و صفات کا ثبوت دلائل آفاق و انفس سے۔ مرنے کے بعد نیک و بد کام کی جزاء و سزا وغیرہ۔ مدنی حصہ میں احکام زیادہ تر ہیں۔ جو کچھ نازل ہوتا تھا وہ اسکی اس ترتیب اصلی سے جو عالم غیب میں مقرر ہو چکی تھی جمع کرا دیا جاتا تھا۔ آپ خود بھی حافظ تھے اور دیگر حفاظ کی بھی ایک جماعت تھی۔ وہ بھی اس نازل شدہ کو اس کے موقع پر ضم کر کے تلاوت کیا کرتے تھے۔ اور کاتبان وحی جو خاص اس کام پر متعین تھے۔ ان سے بھی آپ فرما دیتے تھے کہ ان آیات کو فلاں سورۃ کے فلاں موقع میں لکھو چنانچہ وہ لکھ لیا کرتے تھے آپ کی آخر حیات تک زید بن ثابت انصاری۔ عبد اللہ بن مسعود۔ خلفاء اربعہ۔ معاذ بن جبل ابی بن کعب۔ سعد بن ابی وقاص عبد اللہ بن ارقم ثابت بن قیس اور اکثر اصحاب صفہ وغیرہ۔ ایسے حافظ تھے کہ اول سے آخر تک تمام قرآن ان کو

یاد تہا۔ اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں اب بہی مسلمانوں کے ہر شہر اور گاؤں میں بیشمار حافظ ہیں عورتیں بچے جوان بوڑہے اندہے آنکھوں والے۔

جب حفظ کی اس زمانہ میں ان لوگوں کے لئے بہی جو قرآن سمجھتے بہی نہیں۔ صرف اسکی شیرینی زبان سے مزہ لیتے ہیں یہ کثرت ہے تو عرب کہ جنکے حافظے بہت قوی تہے صدہا اشعار جاہلیت نوک زبان تہے سیکڑوں خاندانوں کے نسب نامہ اور ان کے سلاسل انکی زبان پر ہتے بلکہ گہوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے بہی یاد رکہتے تہے اور پہر قرآن کی وہ حلاوت جس کا مزا اس کے روح کو جنبش دینے والے مضامین کے خیال سے انکو نشہ پیدا کرتا تہا اسپر رات دن اسکی تلاوت موجب ثواب سمجھی جاتی تہی اور نمازوں میں پڑھا جاتا تہا۔ اس سے جسقدر حافظ ہوتے تہوڑے تہے۔

اس کے سوا قرآن لکہا ہوا بہی تہا آپ ہی کے عہد میں تمام وکمال لکہا جا چکا تہا۔ مگر اسکے تمام اجزا کو ایک جلد میں مجتمع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی تہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے تہوڑے دنوں بعد مسیلمہ کذاب یمامہ کے جہوٹے نبی کی قوم اور مسلمانوں میں ایک سخت معرکہ آرائی ہوئی وہ بہی جان توڑ کر لڑے مگر ان کو ہزیمت ہوئی اور بہت سے لوگ اور خود وہ مدعی نبوت بہی مارے گئے اور آیندہ کے لئے اس لڑائی نے صفائی کردی۔ مگر مسلمانوں کے بہی اس میں بڑے بڑے کام کے آدمی شہید ہوئے۔ خصوصاً بہت حفاظ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے آنیوالی ضرورت کا احساس کر کے یہ بات پیش کی کہ اسیطرح اور دو چار لڑائیوں میں حفاظ شہید ہوتے گئے تو قرآن کی محافظت کا اعلیٰ ذریعہ[1] جاتا رہے گا۔ بہادا پہر اہل کتاب کی کتابوں کی طرح اس میں کمی زیادتی کو رستہ ملجائے

[1] مجہے ایک حکایت یاد آئی جو اس موقعہ پر دلچسپی سے خالی نہیں۔ ایک معتبر شخص فرماتے ہیں کہ ابتداء عملداری میں پادری کثرت سے قرآن خریدا کرتے تہے میرٹھ شہر میں اسکا بڑا محکمہ تہا وہاں کے پادری صاحب پاس میں اکثر آیا جایا کرتا تہا وہ مجہ سے سلوک بہی کرتے تہے اور قرآن بہی خریدا کرتے تہے۔ ایکبار میں نے اس کثرت سے خریداری کا سبب

اسلئے اسکو لکھوا کر ایک جلد میں جمع بھی کرایا جائے یہ تجویز منظور ہوئی اور اس کام کے زید بن ثابت انصاری جو حضرت کی حیات میں بھی کاتب وحی تھے مہتمم قرار پائے۔ انہوں نے پہلے اجزا سے اور نیز حفاظ سے باحتیاط مقابلہ کرا کے ایک نسخہ لکھوایا۔ اور وہ نسخہ ابوبکر کے پاس رہا۔ ان کے بعد جب عمرؓ کا دور خلافت آیا تو وہ نسخہ ان کے سپرد ہوا۔

حضرت عمر کے عہد میں اسلام دور دراز ملکوں میں بھی جا پہونچا تھا عراق مصر شام ایران وغیرہ بلاد کے لوگ بھی بکثرت مسلمان ہوگئے تھے ہر جگہ حفاظ پہونچ نہ سکتے تھے بھولے بھٹکے میں اختلافات پیدا ہونیکا اندیشہ ہونے لگا۔ اس لئے حذیفہ بن الیمان نے اوس نسخے سے چند نسخے نقل کرا کر اطراف و جوانب میں پہنچنے کی درخواست کی۔ یہ عثمان کی خلافت کا واقعہ ہے عثمان نے پھر زید بن ثابت کو اس سے نقل کرانے پر مامور فرمایا۔ زید بن ثابت نے پھر ویسا ہی اہتمام کیا پھر وہ اجزا جمع کئے اور حفاظ کو بھی شریک کیا اور وہ نسخہ بھی سامنے رکھا اور مسجد کے دروازہ پر دو شخص بھی بٹھا دیئے کہ آتے جاتے نمازیوں سے کہیں کہ جس کے پاس جسقدر قرآن ہو دو گواہوں کی شہادت سے پیش کرے (ایک کتابت دوسرا حفظ) اور اپنے ساتھ اہتمام میں عبداللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام کو بھی شامل کیا کسلئے کہ قرآن زبان قریش میں نازل ہوا ہے اور یہ قریشی زبان کے محاورات کے خوب ماہر تھے۔ اس لئے قریش ہی کے محاورے کے مطابق الفاظ لکھے جاتے تھے اس احتیاط سے چھ یا سات نسخے نقل کرا کے عراق مصر شام وغیرہ

بقیہ ص ۲۶۹ - پوچھا۔ بڑی دیر میں اور اس شرط پر کہ کسیکو مطلع نکروں یہ فرمایا کہ ہمارا مقصود تجارت نہیں بلکہ ان قلمی نسخوں کو تلف کرنا ہے اسوقت مطابع ہند میں تیس میں آخر کمی ہوجائے گی تب ولایت سے ہم چھاپ کر قرآن بھیجیں گے۔ اسمیں مشن کا روپیہ بھی حاصل ہوجائیگا اور ایک اور مطلب مشن کا حاصل ہوگا۔ یعنے اختلاف قرآن میں پیدا کردیں گے میں نے کہا یہ بیہودہ خیال ہے ہر گاؤں میں ایسے حافظ ہیں کہ اول سے آخر تک قرآن لکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے دو ایک حافظ پیش کئے تب وہ بات ملتوی ہوئی ۱۲ منہ

بلاد میں بھجوا دیئے گئے۔ اور اصل نسخہ پھر حفصہ ام المومنین حضرت عمرؓ کی بیٹی کے گھر بھیجدیا گیا۔ اس اصل نسخہ کا نام اُمّ ہے چونکہ عثمانؓ کے عہد میں پھر از سرنو اہتمام کیا گیا تھا اس لئے ان کو **جامع القرآن** کا خطاب قوم نے دیا۔

پھر ان نسخوں سے صدہا ہزارہا نسخے بلادِ اسلامیہ میں پھیل گئے۔ حفظ اور کتابت کے دونوں محافظ او سوقت سے ابتک برابر چلے آتے ہیں۔ جس لئے قرآن جیسا نازل ہوا تھا اور جو کچھ اور جسطرح حضرت کی حیات میں موجود تھا ویسا ہی بلا کم و کاست ابتک موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اس بات کو مخالف و موافق سب مانتے ہیں۔ مسلمانوں کے تمام فرقے متفق ہیں +

(اعتراضات)

جب مسلمانوں اور عیسائیوں میں متعدد مناظرے ہوئے اور اس بات کو عیسائیوں نے مان لیا کہ یہ چاروں انجیلیں حضرت مسیح علیہ السلام کی تصنیف اور نہ الہام شدہ تو کیا انکے زمانہ میں بھی تصنیف نہ ہوئیں تھیں۔ ہاں انمیں حضرت مسیح کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اگر ان کی نقل میں غلطی نہیں تو وہ الہامی اور منزل من اللہ ہو سکتے ہیں۔ پھر ان چاروں انجیلوں میں بحث ہوئی کہ اگر ان کے مصنفوں کو بھی رسول اور صاحب معجزہ اور الہامی تسلیم کیا جائے تو کیا پھر ان میں بھی کمی زیادتی ہوئی ہے یا نہیں؟ عیسائیوں کی معتبر تصانیف اور معتبر مفسر اور مورخوں سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ انمیں بھی صدہا بلکہ ہزارہا جگہ سہو کاتب موجود ہے جسکا اقرار تفاسیر **ہارن وہنری اسکاٹ** میں ہے خود پادری فانڈر نے اختتام مباحثہ دینی اکبرآباد میں اقرار کیا ہے **گریسباخ** وغیرہ محققین نے صاف لفظوں میں تسلیم کر لیا ہے۔ تب مشنریوں نے قرآن مجید پر پلٹ کر یہ اعتراضات کئے ہیں :-

(۱) تفسیر اتقان وغیرہ میں ہے کہ زید بن ثابت انصاری کہتے ہیں کہ اس جمع کرنے میں

مجھے یہ آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم الایہ کہیں نہیں ملی مگر ابی خزیمہ انصاری کے پاس ایک۔ روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے پلنگ کے تلے پڑی ہوئی تھی اسکو بکری کھاگئی۔ اسیطرح ممکن ہے کہ اور آیات بھی رہ گئی ہوں۔

(۲) اسیطرح مسلمانوں کی حدیث صحاح ستہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی آیات منسوخ التلاوۃ ہوگئیں سورہ بقرہ کا اوائل بھی اوڑگیا۔ اس بات کو پادری اماسٹر رامچندر نے ایک کتاب میں جمع کرکے دکھایا ہے اور اس کا نام **تحریف القرآن** رکھا ہے جس سے قرآن کی کمی بھی ثابت ہوئی اور یہ بھی کہ قرآن اور تصانیف کیطرح ایک مسودہ تھا سقم عبارت یا مضمون دیکھ کر جس قدر چاہا پیغمبر نے کم کردیا۔

(۳) مسلمانوں کا فرقہ شیعہ آجتک دوہائی دے رہا ہے کہ عثمان نے بسبب عداوت کے قرآن میں سے بہت سی سورتیں اور آیات کہ جنمیں حضرت علی کی خلافت اور ان کے فضائل اور اہل بیت کے فضائل تھے۔ نکلوا ڈالیں اور انکا نام ونشان مٹانے کی نیت سے عبداللہ ابن مسعود وغیرہ کے مصاحف بھی جلوا ڈالے۔ سورہ علی۔ سورہ فاطمہ۔ سورہ حسنین پہلے قرآن میں تھیں +

(جواب)

یہ تین اعتراض ہیں پھر انہیں کی تفصیل میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی گئیں ہیں۔ بغور دیکھئے تو ہمارے بیان سابق سے ان اعتراضات کا ورود ہی نہیں ہوسکتا۔ مگر تفصیلی جواب بھی عرض کرنا ضروری ہے (۱) **اعتراض** کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن بہت سے لوگوں کی زبانی یاد تھا اور اجزا میں حضرت کے وقت لکھا بھی گیا تھا۔ اور پھر ایک نسخہ بھی تیار ہوچکا تھا تو اس دفعہ ایک آیت کیا اگر دس آیت بھی انکو کسی جزء میں نہ ملتیں اور ایک پورا قرآن بھی حضرت عائشہ کی بکری کھاجاتی تو کیا اصل قرآن میں سے کوئی حرف بھی کم ہوسکتا تھا

ہرگز نہیں۔ اور زید بن ثابت کا تلاش کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آیت ان کو معلوم نہ تھی جسطرح کہ اور حفاظ کو مگر ابی خزیمہ کے مصحف میں سے بھی بنظر احتیاط مقابلہ کر کے لینا مقصود تھا۔ (۲) اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت جن میں آیات کا منسوخ التلاوہ ہونا مذکور ہے خبر احاد ہیں جنکی صحت اور ثبوت یقینی نہیں اور قرآن حرف حرف تمام مسلمانوں کے نزدیک قطعی الثبوت ہے پھر جب تک انکا قرآن ہونا یقینی طور سے ثابت نہ کر دیا جاوے تو اوسمیں سے منسوخ التلاوہ بنا کر خارج کرنا محض بیقاعدہ بات ہے اور منسوخ التلاوہ کو قرآن کہنا اور بھی بے ثبوت بات ہے۔

قرآن جمہور مسلمانوں کے نزدیک وہی ہے جو منقول الینا بنقل متواتر۔ جو بنقل متواتر ہمارے تک منقول ہوا اور اسپر دونوں دفتوں اور مصحف مذکور میں بھی ہو ورنہ خیریت۔ اسی بنا پر اگر کوئی اوس منسوخ التلاوہ کو قرآن نہ کہے تو کسیکے نزدیک بھی کافر اور خارج از اسلام نہیں ہوتا برخلاف قرآن کے کہ اس کے ایک یا آدھی آیت کا منکر بھی کافر ہے۔ پھر اسپر مسودہ اور ترمیم کی تفریع ایک دل خوش کن بات ہے جو معترض نے پیدا کرلی ہے۔ اس تمام بحث اور تحریف القرآن کا تفصیلی جواب ہمنے بھی اپنے ایک رسالہ میں دیا ہے جسکا نام تحریف القرآن ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ سب کچھ جو ہونا تھا حضرت کے سامنے ہی ہو لیا۔ تھا۔ تحریف تبدیل تو جب متصور ہوتی کہ یہ باتیں آپکے بعد قرآن میں واقع ہوئیں۔

بات یہ تھی کہ رسول کریم نے قرآن کی آیات میں بوقت تلاوت کچھ تفسیر کے طور پر ارشاد فرمایا تھا لوگوں نے متبرک سمجھکر اسکو بھی انہیں آیات کے ساتھ لکھا لیا تھا۔ پھر جب عرضہ اخیرہ میں جبرئیل نے آنحضرت کو تمام قرآن سنایا اور حضرت سے سنا اور اسمیں وہ تفسیر نہ آئی اور کیوں آتی۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ بھی قرآن تھا مگر اس کی تلاوۃ منسوخ ہوگئی ہے جسقدر راویوں کی اس معاملہ میں روایات ہیں وہ اسی خیال پر مبنی ہیں۔ اور اس لئے نہ صرف خلیفہ وقت نے بلکہ سب لوگوں نے اور عبداللہ بن مسعود کے مصاحف تلف کر دئے کہ بعد میں کوئی ان کو آیات قرانیہ

نہ سمجھنے لگے۔ اور سخت تاکید کردیگئی کہ قرآن کے ساتھ اور کوئی چیز نہ لکھی جائے یہاں تک کہ کہ الحمد للہ کے بعد آمین لکھنے سے بھی روکدیا۔ اور یہ جو رکوع اور نصف اور معانقہ اور وقف لازم وغیرہ حواشی پر لوگ لکھا دیا کرتے ہیں اسکو بھی بعض متاخرین نے اس لئے جائز کہا ہے کہ اب وہ احتمال نہیں ہو سکتا۔

(۳) اعتراض کا جواب یہ ہے کہ محققین شیعہ اس خیال سے تبری کر رہے ہیں۔ وہ دونوں ہاتھوں کو سر پر رکھ کر حاشا ثم حاشا فرما رہے ہیں شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بابویہ اپنے رسالہ عقائدیہ میں فرماتے ہیں "جو قرآن کہ اللہ نے حضرت کو دیا تھا وہی ہے کہ جو لوگوں کے پاس موجود ہے نہ اسمیں کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ" تفسیر مجمع البیان میں سید مرتضٰے کہ جو شیعہ کے مسلم علماء میں سے ہیں یوں لکھتے ہیں۔ کہ جو قرآن عہد پیغمبر میں تھا اب بھی وہی ہے بلا تفاوت۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ یہ بات جو شیعہ کیطرف منسوب کیجاتی ہے کہ وہ قرآن میں تبدل و تغیر کے قائل ہیں محض غلط ہے محققین شیعہ میں سے اسکا کوئی بھی قائل نہیں اور جو کوئی ہو بھی تو اسکا اعتبار کیا ہے ملا صادق شرح کلینی میں لکھتے ہیں یہ قرآن اسیطرح امام مہدی تک سالم رہے گا۔ محمد بن حسن عاملی نے بڑے دلائل سے اس بات کا رد کیا ہے۔

اصل بات

یہ تھی کہ اول ہی صدی میں مسلمانوں میں خلافت و امامت کا جھگڑا اٹھا۔ جمہور کے نزدیک خلفاء ثلٰثہ کی خلافت بجا اور درست تھی ایک گروہ جو شیعہ علی کہلاتے تھے اسپر معترض ہوئے جمہور نے کہدیا۔ کہ خلافت مسلمانوں کی انتظامی خدمت ہے بلحاظ لیاقت و کاردانی جسکا انہوں نے انتخاب کر لیا وہی خلیفہ اور امام ہے شیعہ کے ایک گروہ نے جو زیدیہ ہے بلکہ دوسرے گروہ اسمٰعیلیہ کے قدماء نے بھی جمہور کا زیادہ خلاف نہیں کیا۔ ہاں یہ کہدیا کہ بجائے ابوبکر کے

علی خلیفہ کئے جاتے تو بہتر تہا مگر فاضل کے روبرو مفضول کی خلافت و امامت بہی جائز ہے
تیسرے گروہ اثنا عشریہ نے کہا. جائز ہی نہیں کس لئے کہ خلافت و امامت نبوت کیطرح سے
ایک خدائی عہدہ ہے جو کسی کے انتخاب یا عدم انتخاب کا محتاج نہیں امامت نبوت کے ماتحت
بڑا درجہ ہے ۔امام بہی معصوم ہوتا ہے ۔ ملہم بہی ہوتا ہے جسطرح نبیؑ زمانہ پر ایمان لائے بغیر
بہی نجات ممکن نہیں اور اپنے عہد کے امام برحق علی تہے پہر ان کے بیٹے حسن پہر حسین پہر
زین العابدین پہر باقر پہر جعفر پہر موسےٰ کاظم پہر ان کے بیٹے یہاں تک کہ بارہویں امام حضرت
محمد مہدی پر امامت ختم ہوگئی ۔ اور وہ غار سر من رای (سامرہ) میں مخفی ہیں قیامت کے
قریب برآمد ہوں گے ؂

پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں اسیطرح امام

جمہور نے ان سے مطالبہ کیا اور یہ کہا کہ آخر آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے جو خبر دیتی
ہے کہ دین کو آنحضرت صلعم تکمیل کو پہونچا کر دنیا سے تشریف لے گئے اور قرآن تفصیل
کل شی ہے پہر اتنا بڑا مسئلہ کہ جسپر نجات موقوف ضرور ہے کہ قرآن میں ہو گا اسکا نشان
اور صاف لفظوں میں دکہاؤ ۔ جب نہ دکہا سکے تو اور کچہ بن نہ آیا تو بعض نے یہی کہدیا باعث
عقب گزاری سمجہا کہ جن آیات و سورتوں میں یہ مسئلہ تہا انکو خلفا نے قرآن سے نکلوا دیا
مگر در اصل نہ ان کا یہ عقیدہ تہا نہ اس سے عقب گزاری ہو سکتی تہی اول تو یہ اس آیت
کے خلاف ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کہ قرآن ہمنے نازل کیا ۔ اور ہمیں
اس کے محافظ ہیں کوئی کیونکر قرآن سے نکال سکتا ہے؟ دوئم جب خلافت و امامت
پر جہگڑے ہوئے تو حضرت علی اور بنی ہاشم نے ایک دن بہی اسی معاملہ میں جہگڑا نہ کیا
ان کے سامنے ان کی ایمان کی کتاب میں تحریف کی جائے اور وہ کچہ بہی نہ بولیں خلفا
کی ذاتی نہ کوئی فوج تہی نہ کوئی زور تہا ۔ فوج یا زور تو سب قوم ہی تہی پہر جنہوں نے دین
کے لئے جان و مال دریغ نہ کیا ۔ گہر بار چہوڑ دیئے بڑے بڑے معارک میں جان بکف
ہوگئے آج وہ خلفا کی ایسی خیانت دیکہکر چپ رہجاتے ۔ سب علی کیطرف ہوکر انکو

معزول کر دیتے۔ خیر یہ بھی نہ سہی خود حضرت علی و حضرت فاطمہ اور حسنین اور بنی ہاشم ہی اس قرآن کو محفوظ رکھتے۔ مگر ان کے پاس بھی تھا تو یہی قرآن تھا۔ اس بات کو نہ عقل تسلیم کر سکتی ہے نہ نقل +

اس جواب پر دانایان و علمار شیعہ سنبھل گئے اور صاف صاف کہدیا کہ ہرگز ہمارا عقیدہ نہیں کہ قرآن میں کمی زیادتی ہوئی ہے ہاں جہلار کا یہ عقیدہ ہو تو وہ کس شمار اور کس قطار میں ہیں انکا اعتبار ہی کیا ہے؛ شیعہ نے مسئلہ مذکورہ کے لئے اپنے احادیث اور تاویلات تیار کر لئے جو مدتوں تک لڑنے کا میگزین ہے۔ جمہور کے علمار آج تک اسی بعض کے بیہودہ قول کو بیچارے شیعہ پر الزاماً تھوپے جاتے ہیں۔ پھر یہ بحث مخالف کو کیا فائدہ دیسکتی ہے؟ کچھ بھی نہیں اس سے استدلال محض سادہ لوحی ہے۔

فصل (۴)

اختلاف قرأت

ایک حدیث کہ جسکی صحت اور ثبوت میں علمار کا اتفاق ہے یہ آیا ہے اَنَّ القرآنَ اُنزِلَ علیٰ سبعۃِ اَحرفٍ کلہا شافٍ کافٍ کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔ ہر ایک شافی کافی ہے۔ حرف کے معنی میں علمار کے متعدد اقوال ہیں مگر اس سے سات مشہور قاریوں کی قرأت مراد لینا بڑی غلطی ہے جیساکہ جلال الدین سیوطی مقدمہ تفسیر یعنے اتقان میں فرماتے ہیں وقد ظن کثیر من العوام ان المراد بہا القرات السبعۃ وہو جہل قبیح کسلیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اسوقت ساتوں قاری پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ علمار ماہرین فن نے تمام واقعات پر غور کر کے اس کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ عرب کے سات مشہور قبائل کے محاورات مراد ہیں۔ اور یہ بہت ہی

قرین قیاس ہے کس لئے کہ کسی ملک میں گو ایک ہی زبان مستعمل ہو مگر تاہم بلحاظ قبائل اور صوبجات اِن کے محاورات میں فرق ہوتا ہے۔ دہلی لکھنؤ کے محاورات میں فرق ہے چہ جائیکہ دکن مدراس۔ بنگال۔ پنجاب ممالک مغربی وشمالی کے محاورات اور یہ تفاوت ہر زبان میں کم وبیش ہوتا ہے۔ ایک بات کو جو دوسرے محاورہ کی پابندی سے ادا کرتا ہی تو تکلف سے خالی نہیں ہوتا۔ جب اسلام مدینہ میں آکر مختلف قبائل عرب میں پھیلا اور سب ہی کی دینی کتاب قرآن مجید ٹھہری جسکا پڑھنا ضروری ہوا۔ خصوصاً پنجگانہ نماز میں اب لوگ انہیں جملوں کو بے اختیار اپنے محاوروں میں بھی ادا کر جاتے تھے جسپر روک ٹوک ہونی معمولی بات ہے اور وہ بھی خلاف ما انزل اللہ سمجھکر دلمیں متاثر ہوتے ہونگے۔ آخر یہ مسئلہ بھی بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا تھا جسپر آنحضرت صلعم نے عذر دشواری بیان کرکے جبرئیل سے اجازت مانگی وہاں سے سہولت امت کے لئے اجازت دی گئی اُسپر آپنے یہ ارشاد فرمایا۔ مثلاً گنا ہگار کو بعض محاورات عرب میں فاجر بھی کہتے ہیں اور قریش کے فصیح محاورہ میں اثیم تو ان لوگوں کو ان طعام الاثیم کیجگہ قرآن میں ان طعام الفاجر پڑھنے کی اجازت ہوگئی تھی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر لکھنے میں اور حفاظ کو بترتیب یاد دلانے میں قریش ہی کا محاورہ ملحوظ رکھا گیا تھا۔ یہ ابتدائی حالت تھی پھر تو تمام قبائل قریش ہی کے شیریں محاورہ پر پڑھنے کے عادی ہوگئے کتاب میں ابتداءً ایسا ہوتا ہے اور ہوتے ہوتے پھر لوگ مصنف کی اصلی زبان کا تتبع کرنے لگتے ہیں +

جمع قرآن

قریشی محاورہ میں لکھکر تمام ملکوں میں بھیجا گیا تو لوگ اسی کے پابند ہوگئے۔ مگر اسوقت کے خط میں اعراب نہ تھے اور نہ جملوں پر ٹھہرنے کے نشان دیئے گئے تھے۔ اور بعض حروف اعراب ہی کے تابع ہوکر لکھے جاتے تھے جیساکہ لفظ ملک اس قسم کے تھوڑے تھوڑے

اختلافات جن سے اصلی معنی میں کچھ تفاوت قابل التفات پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ باقی رہ گیا تھا اور اسکی طرف صحابہ کے عہد میں چنداں توجہ اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ اہل زبان تھے لفظ کے ذرا سے اشارہ سے بھی اسکو ٹھیک ٹھیک ہی ادا کرتے تھے۔

مگر اخیر زمانۂ صحابہ ہی میں اس کام کے التزام کے لئے لوگ متوجہ ہو گئے ہر ایک مشہور مقام میں ایسے ماہر پہونچ گئے کہ جو اصلی طور پر پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے اور اسی طریق پر قرآن تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مگر اسپر بھی قدرے وہ اختلاف جو لب و لہجہ سے متعلق ہے اور جسکی زبان کی وسعت متحمل ہے باقی رہگیا اور یہ فصیح و بلیغ کلام میں بہت ہوتا ہے۔ ایک جملہ کو دوسرے سے ملا دو تو اور معنی پیدا ہو جاتے ہیں اور منقطع کردو تو اور معنی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی صرف الفاظ کی ادائے گی میں اختلاف ہوتا ہے جیسا کہ والضحٰی کو والضحے اور کم کو کمو پڑھنا اس قسم کا اختلاف قرأت سبعہ متواترہ کہلاتا ہے جو خود پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہے آنحضرت نے بلحاظ وسعت کلام ایسے مختلف طریق سے پڑھا ہے تاکہ سب معانی کا احاطہ ہو جائے۔

صحابہ میں بڑے **سات قاری** یہ تھے۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ ابی ابن کعبؓ۔ زیدؓ بن ثابت۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ ابودرداؓ۔ ابوموسیٰؓ اشعری۔ کذا قال الذہبی فی طبقات القراء پھر انہیں کے شاگرد مشہور شہروں میں پھیلے اور ہر ایک شاگرد اپنے استاد ہی کی روش پر پڑھنے پڑھانے لگا چنانچہ مدینہ میں سعید بن المسیب اور عروہ بن زبیر و سالم بن عبداللہ بن عمر اور عمر بن عبدالعزیز اور سلیمان اور عطار اور معاذ بن حارث اور عبدالرحمٰن بن ہرمز اور محمد بن شہاب زہری اور مسلم بن جندب اور زید بن اسلم اپنے عہد کے قرار اور حامل حدیث تھے +

مکہ میں عبید عطار بن ابی رباح طاؤس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ ابن ابی ملیکہ۔ مشاہیر قرار میں سے تھے کوفہ میں علقمہ۔ اسود۔ مسروق۔ عبیدہ۔ عمر بن شرجیل۔ حارث بن قیس۔ ربیع عمر بن میمون ابو عبدالرحمٰن سلمی زر بن حبیش۔ عبید بن فضیلہ۔ سعید بن جبیر۔ نخعی۔ شعبی بڑے قاری تھے بصرہ میں ابوالعالیہ ابورجار نصر بن عاصم۔ یحیی بن یعمر۔ حسن بصری۔ ابن سیرین قتادہ

اِس فن کے بڑے ماہر تھے۔ شام میں مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی۔ حضرت عثمان کے شاگرد اور ان کے سوا اور بھی قاری تھے۔

پھر انہیں مقامات میں بالخصوص اسی فن کے یہ امام زیادہ مشہور تھے مدینہ میں ابو جعفر پھر ابن نصاح پھر نافع اور مکہ میں عبداللہ بن کثیر حمید بن قیس، محمد بن محیص کوفہ میں یحییٰ بن وثاب عاصم بن ابی النجود۔ سلیمان اعمش پھر حمزہ پھر کسائی۔ بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق عیسےٰ بن عمرو۔ ابو عمرو بن العلاء عاصم پھر یعقوب حضرمی شام میں عبداللہ بن عامر عطیہ بن قیس کلابی۔ اسمٰعیل پھر یحییٰ بن حارث ذماری پھر شریح بن یزید حضرمی امام القراء تھے۔
انہیں مذکور اشخاص میں سے یہ سات شخص وہ ہیں کہ جن کی طرف سات قرآت منسوب ہوتی ہیں اور یہی اِس فن کے امام مسلم ہیں۔

(۱) **نافع مدنی**۔ انہوں نے ستر تابعین سے یہ علم حاصل کیا تھا۔ یہ وہ نافع نہیں ہیں جو عبداللہ بن عمر کے شاگرد اور امام مالک کے استاد تھے۔

(۲) **ابن کثیر** یہ مکہ میں امام قرآت اور عبداللہ بن سائب صحابی کے شاگرد تھے۔

(۳) کوفہ میں عاصم بھی تابعین کے شاگرد تھے۔

(۴) حمزہ یہ عاصم کے شاگرد رشید تھے۔

(۵) کسائی جو حمزہ کے شاگرد رشید تھے۔

(۶) بصرہ میں ابو عمر علماء تابعین کے شاگرد رشید تھے۔

(۷) عبداللہ بن عامر شام میں یہ ابو درداء اور عثمان صحابیوں کے شاگردوں کے شاگرد رشید تھے۔

پھر ان ساتوں قاریوں کے دو دو راوی ہیں جنکا باہم اخفاء و اظہار مد و قصر تفخیم و اشمام و امالہ وغیرہ اِن امور میں اختلاف ہے جو آواز سے متعلق ہیں۔ یعنے ان حضرات نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ولہجہ اور آواز کو بھی جدا جدا لیکر حروف سے

تعلق رکھتی تھی محفوظ کر لیا تھا۔

نافع کے شاگرد قالون اور ورش راوی ہیں۔ اور ابن کثیر کی قرأت کے ناقل قنبل اور بزی اور ابو عمرو کے دوری اور سوسی اور ابن عامر کے ہشام اور ذکوان اور عاصم کے ابوبکر بن عیاش اور حفص (حفص کی قرأت خراسان ترکستان ہندوستان میں مروج ہے) اور حمزہ کے خلف اور خلاد اور کسائی کے دوری اور ابو الحارث ناقل ہیں بواسطہ۔

یہ ایک بڑا وسیع علم مدون ہو گیا جسکو فن تجوید کہتے ہیں یہ استاد سے سنے بغیر نہیں آسکتا جیسا کہ موسیقی اس فن میں علماء نے بڑی بڑی مفید کتابیں تصنیف کی ہیں سب سے اول ابو عبید قاسم بن سلام نے پھر احمد بن جبیر کوفی نے پھر اسماعیل مالکی نے۔ پھر ابو جعفر ابن جریر طبری نے پھر ابو بکر محمد داجونی نے پھر ابو بکر بن مجاہد نے ان کے بعد بہت لوگوں نے تصانیف کیں۔ جزری اور شاطبی کی کتاب بھی اس فن میں عمدہ ہے اور آجکل بھی درس قرأت میں داخل ہیں۔ صرف خوش آوازی اور کسی لحن کا نام قرأت نہیں جس سے عوام دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں مصر میں فن قرأت خوب ہے۔

اس کے بعد ایک دوسری بات اور قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جسطرح ان قراء نے لب و لہجہ وغیرہ امور کو جو صوت سے متعلق ہیں احاطہ کیا اور اسکی حفاظت کے لئے ایک بڑا وسیع علم ایجاد کر دیا۔ اسیطرح کتابت کی حفاظت کے لئے بھی اوسی زمانہ میں علماء کا ایک گروہ اٹھا اور انہوں نے تمام قرآن پر اعراب لگا دئے اور اوقاف مقرر کر دئے اور وقفوں کے ضروری اور جائز و غیر جائز مواقع بھی بنا دیئے اور ان پر نشان قائم کر دئے۔ اور کھینچ کر پڑھنے کی جگہ پر مدات لگا دیئے الغرض جو کچھ ان بزرگوں کے سینہ میں اور زبان پر تھا اسکو یہ کتابت میں لے آئے اور اس کے لئے علم رسم الخط وغیرہ ایجاد کر دیا۔

اس فن میں بھی علماء نے نہایت عمدہ اور مفید کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔

یہاں تک کہ قرآن مجید کی سورتیں اور آیات اور حروف[1] اور اعراب اور نقطے اور مدات سب کو شمار کرلیا ہے۔ کل قرآن کی سورتیں ایک سو چودہ اور آیات جمہور کے نزدیک چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں اہل کوفہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چھتیس۔ اہل مدینہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چودہ ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آیت پورے جملہ کو کہتے ہیں پھر بعض نے دو جملوں کو ایک جملہ سمجھ کر اسکو ایک آیت شمار کیا ہے۔

معوذتین[2] جمہور کے نزدیک قرآن کا جزو ہیں مگر بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نہ تو ان کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے نہ انکو مصحف سے خارج سمجھتے تھے صرف یہ کہتے تھے کہ یہ دعا ہیں شر سے پناہ مانگنے کے لئے نازل ہوئی ہیں۔ اس بات سے کسی نے یہ سمجھ لیا کہ وہ قرآن کا جزو انکو نہ سمجھتے تھے یہ اس کے فہم کی غلطی ہے پھر اس سے یہ بات پیدا کرنا کہ قرآن کی دو سورتوں میں مسلمانوں کا اختلاف ہے بعض جزو قرآن نہیں جانتے اور بھی غلط فہمی ہے۔ حاشا ثم حاشا کہ عبداللہ بن مسعود انکو جزو قرآن نہ جانتے ہوں۔ اور جبکہ یہ دونوں سورتیں ان کے بھی مصحف میں نہیں تو وہ پھر ایسا کیونکر جان سکتے تھے؟۔

حاشیہ صفحہ ۲۷۹۔ [1] جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں افردہ بالتصنیف خلائق من المتقدمین والمتاخرین منہم ابو عمرو الدانی ومنہم ابو العباس المراکشی صنف کتابا سماہ عنوان الدلیل فی مرسوم خط التنزیل۔ کہ اس فن میں متقدمین و متاخرین میں سے ایک مخلوق نے تصنیف کی ہے۔ ان میں سے ابو عمرو دانی بھی ہیں اور ابو العباس مراکشی نے بھی اس فن میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جسکا نام عنوان الدلیل فی مرسوم خط التنزیل ہے ۱۲ منہ

[1] عبداللہ بن مسعود نے تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حرف شمار کئے ہیں۔ اور یہاں بھی اختلاف کا یہی سبب ہے کہ کسینے حروف مشدد کو دو اور کسینے ایک شمار کیا ہے ۱۲ منہ

[2] معوذتین قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہے ۱۲ منہ

ف (۱) متاخرین نے بعض آیات پر لفظ کوفی بعض پر شامی لکھدیا ہے جس سے یہ مراد کہ علماء کوفہ یا شام کے نزدیک یہ پوری آیت ہے۔ نہ یہ کہ یہ کوفہ یا شام میں نازل ہوئی تھی۔

(۲) علماء نے سہولت حفظ کے لئے قرآن کو تیس حصوں پر بحساب مہینے کے دنوں کے منقسم کر کے ہر ایک کو جز یا پارہ کہتے ہیں اور سر الجزء الاول یا الجزء الثانی بھی لکھدیا ہے پھر ہر پارہ کو چار حصوں پر تقسیم کیا ہے اپر ربع نصف ثلث لکھدیتے ہیں۔ اور ہر حصہ کو رکوعات میں منقسم کیا ہے اور اسکا اشارہ (ع) مقرر کیا ہے۔

پھر رکوع کی آیات پر یہ چند نشان لگا دیئے ہیں جن کی تفصیل اور مراد یہ ہے۔

ھ	خمسہ کیطرف اشارہ ہے جس سے یہ مراد کہ کوفیوں اور بصریوں کے نزدیک یا خاص کوفیوں کے نزدیک پانچ آیت ہیں +
ع	عشرہ کا ابتدائی حرف ہے جیسا کہ ھ خمسہ کا اخیر تھا جس سے دس آیتوں کی طرف اشارہ ہے +
عب	سے اسطرف اشارہ ہے کہ بصریوں کے نزدیک دس آیت تمام ہوچکیں ع سے عشرہ اور ب سے بصری مراد ہیں +
خب	سے یہ مراد کہ یہاں تک بصریوں کے نزدیک پانچ آیت ہوچکیں۔ خ سے خمسہ اور ب سے بصری مراد ہیں +
تب	سے یہ مراد کہ بصریوں کے نزدیک پوری آیت ہے ت سے آیت کیطرف اور ب سے بصریوں کی طرف اشارہ ہے +
لب	سے اسطرف اشارہ ہے کہ اہل بصرہ کے نزدیک آیت پوری نہیں لام سے لیس اور ب سے اہل بصرہ کیطرف اشارہ ہے +

(۳) زبان عرب میں جہاں جملہ تمام ہوجائے۔ وہاں ٹھہر جانے کو وقف کہتے ہیں۔ اور کم و بیش ہر زبان میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر جملہ پر وقف نہ کیا جائے اور

اسکو اگلے جملہ سے ملا دیا جائے تو بسا اوقات بالعض اوقات معنی میں فرق آجاتا ہے۔ مثلاً اس آیت میں فلا یحزنک قولھم۔ ان العزۃ للہ جمیعاً۔ اگر قولھم پر وقف نہ کیا جائے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ اے پیغمبر ان کی اس بات سے کہ سب عزت اللہ کے لئے ہے ایک رنج نکریں۔ اس بات سے جو توحید خالص ہے پیغمبر علیہ السلام کیوں رنج کرنے لگے تھے اور جب وقف کر دیا جائے تو یہ معنی ہوئے کہ اے پیغمبر ان کی بات سے رنج نکر (بات تکذیب رسالت یا انکار حشر نشی) کس لئے کہ سب عزت اللہ ہی کو ہے۔ اور مقصود بھی یہی ہے۔ اسیطرح اس آیت میں وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا۔ پر وقف کر دیا جائے اور لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ کو الگ کر دیا جائے تو معنی بگڑ جاتے ہیں کس لئے کہ اس تقدیر پر یہ معنی ہونگے کہ زلیخا یوسف پر اور یوسف زلیخا پر قصد کر ہی چکے تھے حالانکہ ہم بہا لولا کی جزا مقدم ہے یہ مطلب ہے کہ اگر یوسف خدا کی برہان نہ دیکھ پاتے تو زلیخا پر ارادہ کر چکے تھے مگر برہان الہی دیکھ چکے تھے اسلئے ارادہ بھی نہ کیا۔ نافع کے نزدیک معنی ہی کے لحاظ سے وقف کرنا ہوتا ہے مگر ابن کثیر اور حمزہ کہتے ہیں کہ بجز چند مواضع کے جہاں دم ٹوٹتا ہو وہاں بھی وقف کر دینا مضائقہ نہیں عاصم اور کسائی کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں جہاں آیت تمام ہو وہیں وقف کرنا چاہیئے اور اسیکو وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم انتہاء آیات پر وقف کیا کرتے تھے۔

امام ابن انباری کے نزدیک وقف کی تین ہی قسم ہیں۔ وقف تام۔ وقف حسن۔ وقف قبیح وقف تام وہاں ہے کہ جہاں جملہ بالکل پورا ہو جائے اور حسن وہاں ہوتا ہے کہ جملہ پورا نہیں ہوا موصوف کو پڑھکر سانس لینے کے لئے وقف کر دیا جیسا کہ الحمد للہ پر مگر جب آگے پڑھے تو اسکو رب العالمین صفت سے شروع نکرنا چاہیئے بلکہ پھر موصوف کو اعادہ کرے للہ رب العالمین کہے۔ اور قبیح وہ ہے کہ مضاف پر وقف کرے مضاف الیہ کو چھوڑ دے جیسا کہ بسم اللہ میں صرف بسم پر وقف کرے۔

ایک پر وقف کرو تو دوسری جگہ وقف نہ کرنا چاہیئے ⁂

یہ اور اس کے سوا اور بہت سے امور ہیں کہ جنکا جاننا قرآن پڑھنے والے کے لئے ضرور ہے یہ علم قرءت کی کتابوں میں مشرح ہیں اور قرآن کا ترجمہ اور تفسیر کرنے والا۔ اگر ان مسائل پر واقف نہ ہوگا تو یقیناً ٹھوکر کھا جائے گا۔ غیر مذاہب کے لوگوں نے جو اپنی زبانوں میں ترجمے کئے اور من گھڑت شرحیں لکھی ہیں وہ انہیں وجوہ سے پایہ اعتبار سے ساقط ہیں ⁂

فصل ۵

(آیات اور سورتوں کی ترتیب)

جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں۔ الاجماع والنصوص المترادفۃ علی ان ترتیب الآیات فی سورہا واقع بتوقیفہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ من غیر خلاف فی ہذا بین المسلمین کہ آیات کی ترتیب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی ہے اسمیں کسی مسلمان کا بھی اختلاف نہیں۔ پھر اس کے بعد اجماع اور وہ احادیث صحیحہ نقل کئے ہیں کہ جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیات کی ترتیب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے واقع ہوئی تھی۔ بخاری اور مسلم اور سنن اربع کی احادیث نقل کیں ہیں۔ جن سے بعض کا یہ بھی مضمون ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات نازل ہوتے تھے تو آپ اپنے کاتبان وحی سے فرمادیا کرتے تھے کہ ان آیات کو فلاں سورہ میں فلاں موقع پر لکھ لو اور یہ بھی ہے کہ بعض سورتیں پوری آنحضرتؐ نے نمازوں میں پڑہیں جیسا کہ سورہ بقرہ و آل عمران و نساء و اعراف و ق و طور و النجم و الجمعہ و اقتربت و ملک و حم سجدہ۔ و صف وغیرہا۔ اگر آیات مرتبہ نہ ہوتے تو یہ سورتیں کسطرح پڑھ سکتے تھے اور اگر یہ ترتیب توقیفی نہ ہوتی تو قرآن کے مطالب الٹ پلٹ ہوجاتے۔ کیونکہ ہر کلام میں آگے پیچھے جملوں کے

کر دینے سے تبدیل و تغیر پیدا ہو جاتے۔ جن زندیقوں نے ایسا کرنا چاہا تھا تو علماء اسلام نے قاطبۃً انپر اعتراض کیا ؛

ہاں یہ بات جائز ہے کہ کوئی شخص مضامین متعددہ میں سے جو قرآن میں ہیں ایک مضمون کی آیات کو ایک جگہہ جمع کر لے اور دوسرے مضمون کی آیات کو دوسری جگہ۔ مثلاً آیات توحید وصفات باری ایک جگہ اور آیات بدء الخلق ایک جگہ اور آیات حشر و نشر جنت و جہنم ایک جگہ آیات احکام ایک جگہ آیات اخلاقی ایک جگہ آیات ادعیہ و استغفار ایک جگہ۔ اور علماء نے ایسا بہت کیا بھی ہے اور مفید مفید کتابیں بھی لکھی ہیں جن کے بہت سے نام کشف الظنون میں مندرج ہیں امام غزالی نے بھی اسی قسم کی ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام جواہر القرآن ہے۔ اور یہ اسلئے جائز ہے کہ اس مجموعہ مرتب کو قرآن نہیں کہتے بلکہ ایک کتاب کہ جسمیں آیات قرآن جمع ہیں ؛

اب رہی سورتوں کی ترتیب جمہور کا اسکی نسبت بھی یہی اعتقاد ہے کہ یہ بھی توقیفی ہے جو ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قائم ہو گئی تھی۔ اور جس ترتیب سے آپنے قرآن لکھوایا اور حفاظ کو یاد کرایا تھا۔ یہ وہی ہے جو ابتک موجود ہے امام البغوی شرح السنہ میں فرماتے ہیں الصحابۃ رضی جمعوا بین الدفتین القران الذی انزلہ اللہ علی رسولہ من غیران زادوا ونقصوا منہ شیئاً فکتبوہ کما سمعوا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیران قدموا شیئاً او اخروا او وضعوا لہ ترتیباً لم یاخذوہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ صحابہ نے قرآن کو اسیطرح سے رکھا کہ جیسا خدا کے رسول پر نازل ہوا تھا بغیر اس کے کہ اسمیں کچھ بڑھایا یا گھٹایا ہو۔ پس جسطرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اسیطرح رکھا بغیر اسکے کہ اسمیں کچھہ تقدیم و تاخیر کی ہو یا اسکو کسی دوسرے ترتیب سے مرتب کیا ہو جسکو انہوں نے آنحضرت صلعم سے حاصل نکیا تھا۔ علامہ کرمانی برہان میں فرماتے ہیں ترتیب السور ہکذا ہو عند اللہ فی اللوح المحفوظ علے ہذا الترتیب وعلیہ کان یعرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جبرئیل کل سنتہ ما کان یجتمع عندہ منہ وعرض علیہ فی السنتہ التی توفی فیہا مرتین۔ کہ سورتوں کی یہ وہی ترتیب ہے جو اللہ کے نزدیک لوح محفوظ[1] میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب کے ساتھ جبرئیل کو سنایا کرتے تھے اور جس سال کہ آپ کا انتقال ہوا۔ دوبار سنایا۔ (اتقان) امام ابوبکر بن انباری فرماتے ہیں۔ انزل اللہ تعالے القران کلہ الی سماء الدنیا ثم فرقہ فی بضع وعشرین سنتہً فکانت السورۃ تنزل لامر یحدث والایۃ جوابا لمستخبر ویوقف جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی موضع الایۃ والسورۃ فالتساق السور کالتساق الایات والحروف کلہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمن قدم سورۃ اواخرہا فقد افسد نظم القرآن۔ (اتقان) کہ اللہ تعالےٰ نے تمام قرآن آسمان دنیا کیطرف ایکبار نازل کردیا تھا پھر اسکو دنیا میں حضرت پر تئیس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا۔ جب کوئی بات پیدا ہوتی تھی اس کے لئے اس میں سے اسیقدر کوئی سورۃ یا آیت نازل ہوجاتی تھی۔ اور جبرئیل آپ کو اسکا اصلی موقع تبلا دیا کرتے تھے بس سورتوں کا باہمی ایسا ہی اتصال ہے کہ جیسا آیات و حروف کا۔ اور سب آنحضرت صلعم کیطرف سے ہے پھر جو کوئی کسی سورۃ کو مقدم یا موخر کرتا ہے تو وہ نظم قرآن میں خلل ڈالتا ہے +

ہاں قرن اول میں بعض صحابہؓ نے بغرض تلاوت اپنے مصاحف میں سورتوں میں تقدیم و تاخیر کر رکھی تھی جس سے بعض علماء کو دہوکا ہوگیا۔ کہ سورتوں کی ترتیب آنحضرتؐ نے صحابہ کے اجتہاد پر چھوڑ دی تھی۔ واللہ الہادی۔

فصل ۶

(نزول قران کے وقت دنیا کی حالت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیوقت دنیا گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی اسبات کا

[1] لوح محفوظ کوئی لکڑی یا لوہے کا تختہ نہیں ہے کہ جسپر علم الٰہی کتوب ہو بلکہ وہ ایک مرتبہ تعین علمی

محققین مورخین کو بھی اقرار ہے۔ مگر ہم تفصیل سے آباد اور متمدن اقوام و بلاد کا حال بیان کرتے ہیں۔ ابتدا عرب ہی سے کرتے ہیں کیونکہ اوسی سرزمین سے یہ چشمہ رحمت جاری ہوا ہے +

عرب کی حالت

نہایت پستی اور ذلت میں تہی سلطنت و دولت کے لحاظ سے بھی یہ بہت ہی گرے ہوئے تہے۔ کیونکہ جنوبی و مشرقی بڑا حصہ یمن و نجد کا تو زیر حکومت شاہانِ ایران تہا انوشیروان اور یزدجرد وغیرہ یکے بعد دیگرا انپر حکمران تہے۔ شمالی و غربی حصہ شاہان روم اور ان کے باجگزاروں کا ماتحت تہا عراق پر کبھی ایرانی کبھی رومی حکمران رہتے تہے حجاز اور کچھہ ریگستانی حصہ آزاد تہے انپر بھی کوئی ایک بادشاہ حکمران نہ تہا قبائل خودسر رہتے تہے سردار قبیلہ جسکو شیخ کہتے ہیں ایسا ہوتا تہا کہ جیسا ہندوستان میں چودہری اسلئے یہ قبائل آپسمیں لڑا کٹا کرتے تہے۔ ایسی شخصی اطاعت اور ایسی خودسری اور باہمی ہروقت کی مار دہاڑ بدامنی میں کوئی قوم کیا ترقی اور شائستگی اور ہنرمندی اور علوم و فنون میں مہارت تجارت میں نام آوری پیدا کرسکتی ہے؟ کچھہ بھی نہیں اسلئے جہل غالب تہا معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تہے اور جہل کے ساتہ افلاس بھی سوار تہا اونٹ بکریوں سے گزارہ کرنے کے سوا اور کوئی زیادہ اسباب معاش نہ تہے۔

بقیہ صفحہ ۲۸۷ جسمیں جملہ معلومات باری تعالی ثبت ہیں آسمان دنیا پر تمام قرآن نازل کرنے سے یہ مراد نہیں کہ کاغذ و نہیں لکھہ کر مجلد کرکے بہیجدیا تہا بلکہ عالم غیب کا یہ ایک اسفل مرتبہ ہے جو عالم شہود سے بہت ہی قریب ہے اس عالم میں قرآن تمام و کمال جو طریقے اس کے وہاں ثبت ہوسکتے ہیں اس طریقے سے ثبت ہوچکا تہا حضرت کو متفرقۃً یا بواسطہ جبرئیل امین جو الہام ہوتا تہا وہ اسکا محتاج نہ تہا کہ اس دفتر میں سے دیکھہ کر الہام کیا جاتا تہا بلکہ مستقلاً الہام ہوتا تہا اور وہ اسیکے مطابق آکر پڑتا تہا جو آسمان دنیا میں تہا۔ یہ ایک سر ہے جسکی تشریح کا یہ مقام نہیں ۱۲ منہ

اول تو ملک میں شادابی اور آب پاشی کے ذرائع ہی قدرتاً کم تھے اور بیشتر حصہ زمین کا ریگستان غیر قابل کاشت تھا۔ اسپر بدامنی زراعت کیطرف کب راغب ہونے دیتی تھی اس معاشرت وحشیانہ نے اور بھی جہل کو ترقی دے رکھی تھی۔ اب جاہل وحشیوں کے جو کچھ خیالات اور عادات ہوتے ہیں وہ مخفی نہیں۔ عرب میں جب سے اسمٰعیل علیہ السلام اور انکی نسل آکر آباد ہوئی اسوقت سے ضرور ملت ابراہیمیہ کی روشنی چمکی تھی مگر جب اوس ملت سے رسوم وعادات کے گرد وغبار دور کرنے والا بعد میں آنحضرت صلعم تک کوئی بھی نہ اٹھا تو وہ بھی ٹمٹماتے ٹمٹماتے گل ہوگئی تھی۔ ابراہیمی عبادت توحج تھا اس کی بھی بگڑتے بگڑتے اور ہی صورت ہوگئی تھی۔ جسکو دیکھ کر خدا پرست کو گھن آتی تھی سمجھتے ہوتے خود حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد بھی اوسی رنگ میں رنگین ہوگئی جو تمام عرب پر چڑھا ہوا تھا وہ کیا تھا توہمات اور بتوں کی پرستش +

عرب کی بلحاظ مذہبی خیالات کے دو ہی قسم تجویز کرسکتے ہیں اول وہ چند لوگ جو ملت ابراہیم کے معتقد یا پابند تھے۔ دوم وہ جو پابند نہ تھے اول گروہ کو عرب محصلہ اور دوسرے کو عرب معطلہ کہا جاتا ہے۔ اس معطلہ کے پھر بہت سے اقسام تھے کیونکہ انسانی سعادت کا قصور دو ہی طرح سے ہوتا ہے یا قصور قوت نظریہ سے یا فتور قوت عملیہ سے۔ قوت نظریہ کے قصور سے عرب میں یہ یہ خیالات فاسدہ پیدا ہوگئے تھے (۱) یہ کہ بعض ایسے بھی تھے جو سرے سے نہ خدا کے قائل تھے نہ انبیاء کے نہ اعمال کی جزا و سزا کے نہ حشر ونشر کے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہی زندگی ہے جو کھالیا پی لیا۔ عیش و آرام کر لیا تو غنیمت ہے ورنہ مرکر مٹی ہوجاتا ہے۔ کہاں کا حساب کس کا عذاب و ثواب کیسا مرکر جینا یہ سب پہلوں کے تراشیدہ افسانے ہیں جو کچھ ہورہا ہے وہ دہر کر رہا ہے اس گروہ کا نام دہریہ ہے۔ قرآن نے ہر ہر باطل فریق کا اعتقاد اور اس کا رد بھی کیا ہے۔ منجملہ مضامین قرآن کے ایک یہ بھی بڑا مضمون قرآن میں ہے۔ جس کا ہم ہر ہر موقعہ پر

قرآن سے ذکر کرتے جائیں گے۔ اس گروہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ اسکا رد بھی فرماتا ہے وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ کہ انکو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں کہ دہر ہے کیا شے محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں۔ کیونکہ جسکو وہ دہر کہتے ہیں وہ میں ہی تو ہوں میرے سوائے کون عالم میں تصرف کرسکتا ہے؟۔ دوسری جگہ اور تشریح سے انکے خیال کے ابطال پر برہان قائم فرمائی ہے۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کہ کیا وہ آسمانی اور زمین کی بادشاہت کو نہیں دیکھتے یہ ان گنت ستارے خود بخود کیسے بنگئے اور خود بنے تو جسامت اور نور میں انکا تفاوت کیوں ہوگیا؟ اور بھی آیات اس مضمون میں وارد ہیں (۳) گروہ خدا کا قائل تھا مگر مرکر جینے کا اور حساب کتاب کا منکر تھا۔ اس کا ذکر ان آیات میں ہے قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ کہ کیا جب مرکر ہم مٹی ہوجائیں گے پھر زندہ ہوں گے؟ یہ رجوع کرنا تو بعید از عقل ہے وَقَالُوْا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۔ ان کا جواب بھی برہان قاطع سے بہت جگہ دیا گیا ہے از انجملہ یہ ہے قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَا

ف اسی مرکر جینے کی بابت کسی جاہلیت کے شاعر نے اپنے ان اشعار میں تعجب ظاہر کیا ہے۔ ؎

حیاۃ ثم موت ثم نشر + حدیث خرافۃ یا ام عمرو ۔ کہ مرنا اور پھر جی اٹھنا۔ اور پھر خدا کے سامنے جانا ایک لغو بات ہے۔

لے ام عمرو ہماری سمجھ میں تو نہیں آتی۔ ام عمرو جس سے خطاب ہے آپ کی معشوقہ ہیں۔ ہمارے اردو فارسی کے رند شاعروں نے بھی اپنے ان بزرگوں کی تقلید میں قیامت کے اور اعمال کی جزا و سزا کے بہشت و دوزخ کے انکار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا بہت بکواس کرتے ہیں اس گندہ شاعری کے لئے جیسا کہ فلک کو گالیاں دینا اپنی تعلی کرنا واعظوں پر تبرے کرنا معشوق کو رات بھر بار کو پاس بیٹھا دیکھ کر جلنا دل سے بے غیرتی وغیرہ میدان دہرا ہے اسی طرح یہ بھی ان کی جولان گاہ ہے ۱۲ منہ

اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ o کہ جسنے اول بار زندہ کیا تھا وہی اسکو دوسرے بار بھی زندہ کریگا اور وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے یہ گروہ بُت پرست تھا (۳) گروہ خدا کا اور مرکر جینے اور حساب دینے کا تو قائل تھا۔ مگر رسولوں کا منکر تھا کہتا تھا کہ خدا کو کیا ضرورت پڑی جو وہ دنیا میں رسول بھیجے اور بھیجے تو ہم جیسے آدمی ہی بھیجے جو کہاتے پیتے ہوں جیساکہ ان آیات میں ذکر ہے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا وَ قَالُوْا مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَہٗ نَذِیْرًا o اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْہِ کَنْزٌ اَوْ تَکُوْنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاْکُلُ مِنْھَا۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا o ان کے جواب بھی جا بجا قرآن میں دیئے گئے ہیں کہیں یہ کہ اگلے رسول بھی بشر تھے کہاتے پیتے تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام جنکو بالاتفاق عرب بزرگ مانتے تھے خصوص قریش مکہ کہ جنہوں نے ان کے نام کے بھی بت بناکر کعبہ میں رکھہ چھوڑے تھے۔ وہ بھی بشر ہی تھے کہاتے پیتے تھے زن وفرزند رکھتے تھے۔ کہیں یہ جواب دیا ہے کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ہم ان کے پاس فرشتوں ہی کو رسول بناکر بھیجتے۔ کیونکہ رسول اور اسکی قوم میں مجانست واتحاد زبان ایک ضروری بات ہے۔ کہیں یہ ہے کہ اگر فرشتے بھیجتے تو وہ بھی انسان ہی کی شکل میں متشکل ہوکر آتے ورنہ وہ لطیف مخلوق ان آنکھوں سے دکھائی نہ دیتی پھر انپر بھی شبہ کرنیوالے وہی شبہ کرتے کہ کیا دلیل ہے کہ ہم اسکو فرشتہ تسلیم کریں؟ کہیں یہ ہے کہ یہ ہماری رحمت ہے جسکو ہم اس رسالت کے لائق دیکھتے اسکو اس سے مخصوص فرماتے ہیں اسمیں کسیکو کیا کلام کرنے کا حق ہے۔ اور سلسلۂ رسالت بھی ہماری رحمت کا اثر ہے۔ یہ مضمون قرآن میں بہت جگہ ہے +

(۴) بت پرست گروہ۔ انہوں نے جن جن چیزوں کو یا جن اشخاص کو اپنے خیال میں

خدائی کاروبار میں شریک سمجھ رکھا تھا۔ ان کے نام سے پتھروں کی خیالی مورتیں بنا رکھی تھیں اور ان کے وہی نام رکھ چھوڑے تھے پھر جو کچھ عاجزی اور بت پرستی کے طریقے انکے خیال میں آتے تھے اپنے حصول مقاصد و دفع بلیات کے لئے اور کبھی خدا کی خوشنودی کے لئے وہ ان سے برتتے تھے۔ ان کے آگے سجدہ کرتے تھے ہاتھ جوڑ کر عرض حال کرتے تھے ان کے آگے جانور ذبح کرتے اور اس کے خون کو انپر لگاتے تھے۔ کہ گویا یہ ان بتوں نے کھا لیا ہے۔ ان کے آگے باجے بجاتے اور ناچتے کودتے تھے ان کے گرد طواف کرتے تھے انپر بعض اوقات اولاد کی قربانی بھی کرتے تھے۔ ان کے ناموں پر جانور چھوڑتے تھے جیسا کہ ہندوستان میں ہندو بتوں کے نام سانڈ چھوڑتے ہیں پھر ان کے جدا جدا نام مقرر کر رکھے تھے۔ بحیرہ۔ سائبہ۔ حام۔ وصیلہ۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرہم لا یعقلون ۰ (مائدہ) کہ یہ خدا نے مقرر نہیں کئے ہیں تم نے خود بنائے ہیں۔

اور اپنی کھیتی اور مواشی میں سے بھی کچھ حصہ بتوں کے نام مقرر کیا کرتے تھے۔ ان باتوں کا قرآن میں بہت ذکر اور رد ہے از انجملہ یہ آیت ہے وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۰ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ط ترجمہ مشرکوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں سے کچھ حصہ خدا کا بھی مقرر کر دیا ہے اور کہتے ہیں یہ تو اللہ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ پھر جو ان کے معبودوں کا حصہ بنایا گیا ہے وہ تو خدا کے پاس نہیں جاتا۔ اور جو اللہ کا حصہ مقرر کیا گیا ہے وہ ان کے

معبودوں کے پاس بھی پہونچ جاتا ہے کیا ہی برا فیصلہ کررہے ہیں۔ اور اسیطرح بہت سے مشرکین کو ان کے معبودوں نے انکی اولاد کی قربانی بھلی کر دکھائی تھی تاکہ ان کو برباد کریں اور ان کے دین کو خراب کریں +

پھر ہر قبیلہ اور قوم کے بت بھی جدا جدا تھے چنانچہ بنی کلب۔ ود کا بت اور قبیلہ ہذیل سواع کا اور قبیلہ مذحج یغوث کا اور قبیلہ ہمدان یعوق کا اور قوم حمیر نسر کا بت پوجتے تھے۔ اور مکہ میں بھی بہت سے بت تھے۔ اساف ونائلہ کا اور خاص حرم اور مسجد ابراہیمی میں جسکو کعبہ کہتے ہیں تین سو ساٹھ بت رکھہ چھوڑے تھے جنمیں سب سے بڑا ہبل تھا۔

مکہ میں اس بت پرستی کا مروج عمرو بن لحی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تخمیناً تین سو برس آگے گزرا ہے اور دنیا میں در اصل اوسکا قدیم مروج صابی فریق ہی ہے ایک اول گروہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں بھی تہا۔ یہ حاذیمون دہرمس یعنی حضرت شیث وادریس علیہما السلام کے قائل تھے۔ پھر یہ مذہب بلاد فارس اور ہند اور مصر اور یونان و روم میں بھی تہا۔ اور اسکے بعض شعبے عرب میں بھی موجود تھے کس لئے کہ عرب فرشتوں کو بھی پوجتے تھے۔ اور ان میں سے بعض کو خدا کی لاڈلی بیٹیاں بھی کہا کرتے تھے۔ اور جنوں کو بھی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ اور اس لئے وہ بھی ستاروں کو پوجا کرتے تھے اور ان کے خاص اقتران کی

ف یعنے وہ اللہ کے نام کی چیز کو بتوں پر چڑھا دیتے تھے اور بتوں کی نام کی چیز کی بڑی احتیاط کرتے تھے خدا کے راہ میں نہیں دیتے تھے بلکہ بتوں ہی پر چڑھاتے تھے ۱۲ منہ

ف خدا کی ہر ایک صفت کا ایک شے کو مظہر بنا کر اس کے نام کا بت بنا رکھا تھا۔ خدا کی اوس صفت سے کام لینا اسی بت کے ساتھ منوط کر رکھا تھا۔ مثلاً خدا کی محبت جسکو ود کہتے ہیں اسکا ایک بت خوبصورت عورت کی شکل کا بنا رکھا تھا ۱۲ منہ

نور کہتے تھے اور انہیں کو اس عالم کا متصرف و مدبر جانتے تھے بارش کا بھی اسکو سبب حقیقی تصور کیا کرتے تھے۔ اور ان چیزوں کی پرستش کو تقرب الٰہی کا ذریعہ جانتے تھے۔ مانعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفٰی اور جسطرح فرقہ صابیہ انبیاء کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ ہم میں اور رسولوں میں فرق ہی کیا ہے۔ وہ بھی انسان ہیں کھاتے پیتے حوائج بشریہ میں آلودہ ہیں ہم بھی ہیں پھر ان کی اطاعت کیوں کریں اسی اصول پر عرب کا بھی رسالت پر اعتراض تھا۔ ان سب باتوں کا قرآن میں ذکر اور کافی رد ایک جگہ نہیں بلکہ جابجا ہے ⁂

اسکے سوا عرب دیگر صد ہا توہمات میں گرفتار تھے کہیں یہ سمجھتے تھے کہ مُردے کی روح اسکی قبر پر بیٹھی رہا کرتی ہے اور اپنے قاتل سے انتقام کی طالب رہتی ہے۔ اسکو ہامہ کہتے تھے۔ اور فال اور ٹوٹکوں پر ان کا ایمان تھا۔ وہ اپنی ہر حاجت کا روا کرنا ایک غیر مرئی روح سے متعلق سمجھتے تھے۔ حاجات اور مصائب میں انہوں کو پکارتے تھے۔ وہ چڑیل بھوت کے آثار کے معتقد تھے۔

قوت عملیہ کا تصور ایسے ناقص اور غلط اعتقادات پر مبنی ہی ہونا لازمی بات ہے۔ اسلئے ان کے پاس عبادت اور ذکر الٰہی کا کوئی بھی حصہ نہ تھا۔ قوت شہوانیہ اور غضبیہ کے بندے تھے۔ بڑا بیٹا اپنے باپ کی جوروؤں کو بجز اپنی ماں کے تصرف میں لایا کرتا تھا

سلہ وجعلوا الملٰئکۃ الذین ہم عباد الرحمٰن اناثا ستکتب شہادتہم ویسئلون۔ الا انہم من افکہم لیقولون ولد اللہ۔ وانہم لکاذبون۔ وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا ولقد علمت الجنۃ انہم لمحضرون۔ انہوں نے فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں لڑکیاں بنادیا ان کی شہادت لکھی جاتی ہے اور ان سے پوچھا جائیگا۔ اور انہوں نے خدا میں اور جنوں میں رشتہ قائم کردیا ہے۔ حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ وہ پکڑ کر حاضر کئے جائیں گے۔ حدیث میں آیا ہے لاہامۃ۔ ولا عدوائی کہ ان کی روح نکلکر قبر پر بیٹھی رہتی ہے نہ چھوت لگ جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

زنا کاری ایک معمولی قضاء حاجت سمجھی جاتی تھی۔ ذرا بات پر غصہ آگیا تو تو خنجر اور تلوار ہی سے کام لیتے ہتے شراب پیتے تھے جوا کھیلتے تھے۔ کسی بیگناہ کا قتل ایک ادنی بات تھی۔ عار دامادی سے بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے۔ حلت و حرمت کی کوئی پابندی نہ تھی جہل و غرور اور ضد اور ہٹ انمیں خمیر ہوگئی تھی۔ لوٹ مار معمولی پیشہ ہو رہا تھا۔ الغرض عرب ظلمات میں غرق تھی۔ مگر چند لوگ کہ جنکو محصلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کچھ کچھ ملت ابراہیمیہ کے پابند تھے اور اوس قصر آسمانی کے اگر سیکڑوں من تو وہ خاک میں سے کچھ آثار باقی دکھائی دیتے تھے تو انہیں کے پاس دکھائی دیتے تھے۔ منجملہ ان کے زید بن عمرو بن نفیل تھے جو توحید کا وعظ کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگا کر بیان کیا کرتے تھے وہ حشر و نشر اور حساب کے بھی قائل تھے منجملہ ان کے قیس بن ساعدہ ایادی تھے یہ مرکر بار دیگر جینے کے بھی معتقد تھے۔ اس بارہ میں ان کے یہ اشعار ہیں ؎ یا باکی الموت والاموات فی جدث + علیہم من بقایا بزہم خرق + دعہم فان لہم یوما یصاح بہم۔ کما ینبہ من نوماتہ الصعق + منجملہ ان کے عامر عدوانی تھے یہ عرب کے حکماء و خطباء میں سے تھے ان کا ایک عمدہ کلام ہے جس کے یہ چند جملے ہیں کہ جو چیز آنے والی ہے وہ جانے والی بھی ہے کوئی ممکن خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر مرض ہی موت کی علت تامہ ہوتی تو دوا بھی حیات کی علت ہو جاتی منجملہ ان کے قیس بن عاصم تمیمی اور صفوان بن امیہ بن محرب کنانی اور عفیف بن معدیکرب کندی تھے

عرب کے سوار

اسوقت دنیا میں یہ پانچ مذہب زیادہ مروج تھے اور تمام آباد دنیا انہیں کے پابند تھے۔ اول مذہب مجوسی جو ایران اور خراسان و کابل و ترکستان تک پھیلا ہوا تھا بلکہ عرب کے بھی ایک حصہ میں تھا۔ اور ہندوستان میں بھی نئی صورت بدل کر گنگا جمنا کے شاداب قطعات میں مروج تھا۔ اور اکثر ہندو مذہب اسکے اصول پر مبنی تھا۔

دوئم۔ مذہب عیسوی یہ شام اور کچھ حصہ عرب اور عراق اور ایشیائے کوچک اور یورپ اور افریقہ میں دور تک پھیلا ہوا تھا۔ تیسرا مذہب بودھ وہ قدرے ہندوستان میں اور شرقی جزائر اور جاپان و چین اور منگولیا منچوریا تبت وغیرہ جہان میں پھیلا ہوا تھا۔ چوتھا مذہب یہودی جو عرب کے بعض حصوں اور شام وغیرہ بلاد میں تھا۔ پانچواں حکماء کا مذہب تھا عام ہے کہ وہ حکماء یونان یا حکماء مصر یا حکماء کلدانی یا حکما ایران و ہند ہوں۔ یہ بھی ایک قدیم مذہب ہے۔ بعض باتوں میں حضرات انبیاء علیہم السلام سے مطابق بھی پڑ جاتا تھا۔ اور کبھی ان مذاہب میں عمداً حضرات انبیاء علیہم السلام (اور الفاظ ان کا) کے ہدایات بھی شامل کرلیے جاتے تھے +

بیان ہے کہ بنی آدم میں سے ایسے بھی لوگ تھے جو بساہت کے قائل تھے کہ کوئی چیز بھی موجود نہیں عالم محسوس نہ عالم معقول جو کچھ ہے وہ ہمارا وہم اور خیال ہی ہے۔ اس گروہ کا نام سوفسطائی ہے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو کہتے تھے کہ جو چیزیں ہمیں حواس سے محسوس ہیں یعنے عالم محسوس وہ تو موجود ہیں باقی وہم و خیال ہے۔ انکے نزدیک نہ خدا ہے نہ مرنے کے بعد ارواح باقی رہتی ہے نہ انپر ان کے نیک و بد کاموں کا دوسرے جہان میں ثواب ہے نہ عقاب ہے نہ فرشتے ہیں نہ کوئی عالم روحانی ہے انبیاء نے لوگوں کی ترغیب و ترہیب کے لئے جنت و دوزخ بتایا ہے۔ ان لوگوں کو طبعی[1] کہتے ہیں پھر ان میں سے بعض نے قدرے ترقی کی اور وہ عالم روحانی کے بھی قائل ہوگئے مگر وہ بھی حضرات انبیاء اور ان کے شرائع و احکام کے قائل نہ تھے انبیاء علیہم السلام کی نسبت انکا اعتقاد تھا کہ وہ بھی علوم حکمیہ کے مالک ہیں واہب الصور سے ان کے قلوب پر بھی احکام حلت و حرمت مصالح عباد و تمدن بلاد کے لئے فائض ہوتے ہیں اور جو کچھ یہ عالم روحانی کے احوال جو انپر منکشف ہوتے ہیں بیان کرتے ہیں دراصل

[1] آج کل یہ گروہ یورپ میں ترقی پذیر ہے۔ اور ان میں بھی اکثر ترقی کر کے عالم روحانی کے قائل ہوتے جاتے ہیں

وہ ان کے علوم و ادراک عقلیہ ہیں جیسا کہ عرش و کرسی لوح و قلم انکو وہ صور خیالیہ کے ساتھ
تعبیر کرتے ہیں اور جو کچھ وہ معاد کے بارہ میں کہتے ہیں کہ جنت ہے اور دوزخ ہے اور
جنت میں حور و قصور انہار اور میوے ہیں اور جہنم میں آگ اور طوق و زنجیر ہے یہ سب ترغیب
و ترہیب ہے ورنہ عالم علوی میں جسمانی چیزیں کہاں ہیں ؟ پس جو کچھ انسان اپنے علوم و ادراک
میں ترقی کر لیتا ہے اور ریاضات سے حقائق الاشیاء اور مبدء و معاد کا واقف ہو جاتا
ہے اسکی استعداد کے موافق وہی اسکی سعادت ہے اور جسقدر جاہل رہتا ہے وہی اسکی
شقاوت ہے اس پر مرنے کے بعد جو کچھ اسکو فرحت ہوگی وہی اسکی جنت ہے اور جو کچھ
افسوس ہوگا وہی اسکا جہنم ہے۔ ان کو حکماء الٰہی کہتے ہیں۔ اور بعض حکماء ایسے بھی
تھے کہ جو عالم محسوس اور معقول دونوں کے قائل تھے۔ مگر حدود و احکام کے قائل نہ تھے
وہ فلاسفہ دہریہ کہلاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ہیں جو عالم محسوس اور معقول دونوں کے
قائل ہیں اور حدود و احکام بھی صحیح مانتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام اور انکی شریعت کے
قائل نہیں وہ صابی ہیں۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو محسوس اور عالم روحانی دونوں کے
قائل ہیں اور سلسلۂ انبیائی کو بھی برحق مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنی آدم میں سے کسیکا
بھی ادراک و انکشاف خواہ وہ لاکھ ریاضت کرے اس حد اور کمال کو نہیں پہونچ سکتا
کہ اس کے ادراک و انکشاف میں وہم و خیال کی آمیزش سے اطمینان ہو جائے کسلئے
کہ انسان اپنے ادراک میں حواس سے مدد لینے کا عادی ہے اور قوت جسمانی سے
تربیت یافتہ ہے اس جسمانی پانی سے بدؤ الشعور سے لیکر آخر تک پرورش یافتہ ہے
اور یہی سبب ہے کہ بڑے بڑے حکماء کی تحقیقات میں باہم بڑا اختلاف واقع ہوا ہے۔
اور اب تو جدید فلسفہ نے بہت سے پرانے خیالات کو رد کر دیا ہے جنپر بہت لوگوں کو ناز تھا۔
بلکہ اب تک بھی ہے۔ مگر حضرات انبیاء علیہم السلام کہ وہ مؤید من اللہ ہیں وہ اپنی ملکیت
میں ملائکہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ روحانیات سے بڑھکر ہوتے ہیں وہ عالم روحانی کو عیاناً دیکھتے ہیں اور

ان سے ناموس اکبر وہاں کے صاف صاف حالات بیان کر دیتا ہے وہ اپنے خدا سے مشافہتہً کلام کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کے علوم میں باہم تعارض نہیں۔ انکی دو جانب ہوتی ہیں۔ ایک اعلیٰ مجردات کیطرف بلند ہوتی ہے۔ اس سے وہ وہاں کے علوم فقہ و معارف صادقہ حاصل کرتے ہیں دوسری اسفل جو عالم محسوسات کیطرف مائل ہوتی ہے اس سے وہ بندگانِ خدا کو ان اسرار سے مطلع فرماتے ہیں۔ حکمار کی عمر بھر کی سیر علوم و انکشاف جو بڑی ریاضات پر مبنی ہوتی ہے انکی سیر کا اول قدم ہے پھر انکو مقابلہ میں ان ناقصوں کی کس بات کا اعتبار ہو سکتا ہے؟۔ اور ان کی ملکیت کے کمال کی ایک ادنے دلیل یہ بھی ہے کہ جو کام بڑی سے بڑی جسمانی قوت سے صادر نہیں ہو سکتے وہ ان کی قوت ملکیہ سے بہت جلد ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ یعنے معجزات و خرق عادات برخلاف حکمار کے کہ وہ اس کوچہ میں پاشکستہ اور طفل مکتب ہیں۔

پھر ان کے کئی گروہ ہو گئے ہیں پس وہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم تک جملہ انبیار اور ان کی ہدایتوں اور ان کی کتابوں کو مانتے ہیں وہ **اہل اسلام** ہیں اور جو بعض کو مانتے اور بعض کو نہیں مانتے پھر ان کے کئی قسم ہیں وہ جو صرف حضرت موسے اور حضرت یوشع علیہما السلام تک نبیوں کو اور توریت کو مانتے ہیں وہ **سامری** ہیں اور جو اس کے بعد کے انبیار کو بھی بجز حضرت عیسے علیہ السلام کے مانتے ہیں وہ **یہود** ہیں اور وہ جو حضرت عیسے علیہ السلام اور ان کے حواریوں اور ان کے نوشتوں کو بھی مانتے ہیں صرف حضرت محمد صلعم کو نہیں مانتے وہ **عیسائی** ہیں۔ (از ملل و نحل مصنفہ محمد بن عبد الکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ ہجری)

مجوسی کی بابت علمار کی مختلف رائیں ہیں بعض تو ان کو بھی سامریوں کیطرح اہل کتاب اور سلسلۂ انبیائی کے ماننے والوں میں شمار کرتے ہیں اور بعض علمار صابیوں کی ایک مخلوط شاخ لکھتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ مجوسی کے مختلف فرقے ہیں سب کا ایک حکم نہیں بعض

سلسلۂ انبیاء کو مانتے وانہیں داخل ہیں اور بعض حکما اور صابی سے مخلوط ہیں بعض حکما اور انبیائی سلسلہ سے مرکب ہیں۔ اسیطرح ہنود کے بھی بہت فریق ہیں بعض وہ ہیں جو ویدوں اور شاستروں کو مانتے ہیں بعض وہ ہیں جو انہیں سے کسیکو بھی نہیں مانتے جیسا کہ بودہ جینی۔ جوگی سنیاسی بعض انہیں بھی دہریہ اور طبعیہ میں بعض صابیوں اور بوس سے مرکب ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے مخلوط ہو کر بیشمار مذاہب پیدا ہو گئے ہیں اب ہر فرقے کیحالت جداگانہ سنیئے۔

حکما کے جسقدر فریق ہیں اول تو وہ خدا شناسی میں بمراحل دور پڑے ہوئے ہیں ٹھوکریں کھا کر خدا بھی ثابت کیا ہے تو مجبور محض جو ہزاروں خیالی قیود میں جکڑا ہوا ہے نہ اسکو جزئیات مادیہ کا علے وجہ التفصیل علم ہے نہ وہ مادہ اور افلاک عقول کو فنا کرنے پر قادر ہے نہ توبہ و استغفار سے جرائم کی سزا اٹھا سکتا ہے (اور جب عالم قدیم ہے تو اسنے عالم کی کسی ایک چیز کو بھی پیدا نہیں کیا) جب سے وہ ہے تب سے عالم بھی ہے پھر جہاں تک تاریخ پتا دیتی ہے وہ یہ ہے کہ حکما نیرات کو پوجتے تھے +

خیر کچھ بھی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیوقت یہ حکمت و فلاسفہ یونان میں بھی گاؤخورد ہو چکا تھا اسوقت تو یونانی بھی عیسائی تھے۔ اور عیسوی مذہب کا حال آگے آتا ہے۔ اور جب حلت و حرمت اور حدود و احکام کی پابندی نہیں تھی تو وہ زیادہ سے زیادہ اسوقت کی طبعی دہریوں جیسے ہی آزاد اور شہوات ولذات میں گرفتار ہونگے جیسا کہ آجکل کے فلاسفہ یورپ ہیں جن کے افعال و حرکات سے انسانیت کو بھی لاج لگتی ہے۔ نعوذ باللہ +

یہود کی حالت خراب ہونے کی دلیل حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت ہے۔ وہ اصلی توریت اور صحف انبیاء علیہم السلام کھو بیٹھے تھے۔ اور جو کچھ بچا کچایا ذخیرہ ان کے پاس تھا اسمیں بھی تحریف و تبدیل ہو گئی تھی پھر اوسپر بھی انکا عمل درآمد نہ تھا۔ ان کے بڑے بڑے بادشاہوں ہی کے عہد میں بت پرستی اور بداطواری طاری ہو چکی تھی۔ انبیاء علیہم السلام کا نصیحت پر قتل کر ڈالنا ان کے ہاں کا دستور ہو گیا تھا۔ و یقتلون الانبیاء بغیر حق۔ حضرت ذکریا۔ یحیے و عیسے علیہم السلام کو ان کے ہاتھوں کیا کیا تکلیفیں نہیں پہونچیں۔ اسپر ان کے احبار کی حب جاہ و مال اور دین فروشی اور مسائل پر رشوت لینا

اور بھی آفت تھی وَاَکْلِهِمُ السُّحْتَ ان میں فرقہ صدوقیہ تو حشر اور اعمال کے حساب کا بھی منکر تھا۔ خدا کی تقدیس میں تشبیہ کا دھبہ لگا رکھا تھا۔ جیسا کہ توریت میں لکھ رکھا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین پیدا کر کے ساتویں دن آرام کیا جسکے رد میں قرآن میں آیا ہے۔ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ اور یہ کہ خدا آدم کو پیدا کر کے اسکی نیک و بد کی پہچان کے سبب پچھتایا۔ (توریت سفر الخلیقہ) اور انبیاء علیہم السلام کی نسبت بھی فحش اور غلط اتہام لگا رکھے تھے توریت میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے موسے کے بعد بچھڑا پجوایا۔ اور یہی بنی اسرائیل کی گمراہی کے باعث ہوئے۔ یہ وہ ہارون ہیں جو خدا کے گھر کے کاہن تھے جن کے لئے چیر اس بھی اتری تھی۔ اور یہ بھی توریت میں ہے کہ حضرت لوط پیغمبر نے جبکہ وہ ان بستیوں کو چھوڑ کر چلدیئے تھے کہ جنپر عذاب نازل ہوا تھا۔ شراب پیکر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا جن سے موابی وغیرہ قوموں کے جد اعلے پیدا ہوئے۔ اور یہ بھی عہد عتیق کے صحیفوں میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی بتسبع سے زنا کیا اور اس کے خاوند کو حیلہ سے مروا ڈالا۔ جسپر ناتن نبی کی معرفت انپر عتاب ہوا۔ یہ وہ داؤد ہیں کہ جن کی طرف تبرکاً متی حواری نے حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب پہونچایا ہے اور جن کی کتاب زبور الہامی سمجھی جاتی ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے غیر قوموں کی عورتیں خلاف حکم شریعت کے گھر میں ڈالیں۔ اور ان کی خاطر سے بت خانے بنوائے اور خود بھی بت پرستی کی۔ کتاب صموئل و کتاب تاریخ ملاحظہ ہوں۔ اور بھی بہت سی خرافات باتیں ہیں ✣

ان کرتوتوں پر یہ بھی دعوٰی تھا کہ ہم حضرت ابراہیم کی نسل ہیں جن سے وعدہ ہو چکا ہے کہ میں انہیں برکت دوں گا اور انپر جو کچھ بھی وہ کریں دوزخ کی آگ حرام ہے۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً وَنَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہ ہم خدا کے فرزند اور دلبند ہیں۔ اور یہ بھی گھمنڈ تھا کہ نبوت ہمارے ہی خاندان کے ساتھ

مخصوص ہے جیسکے رو میں قرآن میں آیا واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ وغیر ذلک سامریوں کا ان سے بھی بدتر حال تھا۔

عیسائی مذہب بے شک ایک پاک مذہب اور منجانب اللہ تھا۔ مگر دوسری بلکہ اول ہی صدی عیسوی سے اسپر وہ آفات نازل ہونے شروع ہوئے کہ جن کا بیان نہیں۔ ان قیصر گردیوں میں وہ ہادی تتر بتر ہو گئے۔ ایسی حالت میں ان کے پاس سے وہ کتاب کہ جسکو انجیل اصلی کہنا چاہیے جو خود حضرت مسیح پر الہام ہوئی تھی تلف ہو گئی۔ یونانی اور رومی لوگوں کے اس مذہب میں ملنے سے نئے نئے خیالات پیدا ہو گئے اور عیسائی پیشواؤں کے فلسفی طریق اختیار کر لینے سے دلائل اور بیان میں نور رونق آگئی۔ مگر یہ قباحت پیدا ہو گئی کہ جسطرح یہ فیلسوف اپنے خیالات رواج دینے کو اپنی تصانیف مشہور اشخاص کیطرف منسوب کر دیا کرتے تھے اسیطرح عیسائی بھی کرنے لگے۔ اس لئے اناجیل تصنیف کرنے کا بازار گرم ہوا۔ اور لوگوں نے شتر کے قریب انجیلیں تصنیف کیں کسینے کسی حواری کے نام سے نامزد کی کسینے دوسرے کسی معتبر شخص سے اور سب ہی نے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کہنا شروع کر دیا۔ جنمیں سے یہ چار انجیلیں جو متی لوقا۔ مرقس یوحنا کیطرف منسوب ہیں عیسائیوں میں زیادہ معتبر ہیں۔ اور پھر انمیں بھی الحاق اور تبدیل و تغیر شروع ہوا اور عیسائی علما میں ان کی بابت بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اسیطرح حواریوں کے خطوط میں بھی بڑے بڑے جھگڑے برپا ہوئے۔

اور جب قسطنطین اعظم چوتھی صدی عیسوی میں اس مذہب میں داخل ہوا تو اس کے رجحان طبیعت کا بھی مذہب پر بہت ہی اثر پڑا۔ عیسائیوں کی سات جماعتیں جداگانہ قائم ہو گئیں تھیں جنکو وہ **کلیسیا** کہتے ہیں۔ کلیسائے یروسلم۔ کلیسائے یونانی کلیسائے روم وغیرہ ان کلیسائیوں میں باہم اختلافات پیدا ہوئے۔ اور ابتک ہیں

اور اسی زمانہ میں تثلیث اور الوہیت مسیح اور کفارہ کا مسئلہ بھی نمودار ہو چلا تھا اور اس میں قیل و قال شروع ہوگئی تھی چنانچہ ۳۲۵ء میں شہر نائس میں جبکہ آریوس نے الوہیت مسیح کا انکار کیا تو بحکم قسطنطین ایک کمیٹی منعقد ہوئی اور اسمیں چند مشکوک کتابیں پیش بھی ہوئیں جنمیں سے صرف کتاب یہودیت واجب التسلیم رہی۔ ملاحظہ ہو مقدمہ جیروم۔ اس کے بعد پھر ایسے ہی منازعات فیصلہ کرنے کے لئے شہر لوڈیسیا میں ایک انجمن قائم ہوئی اس مجلس میں علاوہ کتاب یہودیت کے اور سات مشکوک کتابیں واجب التسلیم قرار پائیں جنکے نام ہیں +

(۱) کتاب استر (۲) یعقوب کا خط (۳) بطرس کا دوسرا خط (۴-۵) یوحنا کے دونوں خط۔ (۶) یہودا کا خط (۷) یونس کا خط اور کتاب مکاشفات یوحنا کو مشکوک ہی رہنے دیا۔ پھر ۳۹۷ء میں بمقام کارتھیج ایک اور مجلس قائم ہوئی جنمیں علاوہ اگسٹائن کے جو اپنے وقت کا بڑا مجتہد تھا ایک سو چھتیس ۱۳۶ اور بھی بڑے بڑے عیسائی عالم شریک تھے۔ اس مجلس نے پہلی مجلسوں کے حکم کو قائم رکھہ کر سات اور مشکوک کتابوں کو واجب التسلیم ٹھہرایا اور اس کے بعد بھی اور مجلس قائم ہوئیں جنمیں وہ سب کتابیں واجب التسلیم رہیں۔ مگر بارہ سو برس کے بعد فرقہ پروٹسٹنٹ پیدا ہوا جسنے ان مقبولہ کتابوں میں سے یہ سات کتابیں یک لخت ردی اور لغو سمجھکر فہرست کتب الہامیہ سے خارج کر دیں۔ (۱) کتاب باروخ (۲) کتاب توبیاس (۳) کتاب یہودیت۔ (۴) کتاب وینزڈم (۵) کتاب ایکلیزیاسٹیکس (۶-۷) مقابیین کی دونوں کتابیں۔ اور کتاب استر کے سولہ بابوں میں سے صرف نو ۹ باب باقی رہے +

اس سے آپ کتب الہامیہ مسلمہ عیسائی فریق کی حقیقت سے توبخوبی واقف ہو گئے ہونگے۔ ایسی طوفان بے تمیزی میں شہر رومہ ملک اٹلی میں پوپ بھی قائم ہوئے ہر ایک پوپ اپنے عہد میں نائب مسیح علیہ السلام سمجھا جاتا تھا وہ احکام حلت و حرمت

بھی جاری کرتا تھا دینی دستورات کی ترمیم بھی اسکے ہاتھ میں تھی وہ گناہوں کی معافی کی معمولی نذرانہ کے بعد چھٹی بھی دیا کرتا تھا۔ ان کی حرام کاری اور خرافات کا کچھ انتہا نہ تھا جن سے ناراض ہوکر **مارٹین لوتھر** جرمنی نے مذہب عیسوی کی ترمیم کرنی شروع کی فرقہ پراٹسٹنٹ کا جو جرمن اور انگلینڈ وغیرہ ممالک میں آباد ہے وہی پیشوا ہے۔

اسیطرح مذہب عیسائی میں بلحاظ اختلاف عقائد ستر سے زیادہ فریق پیدا ہو گئے جن کا اصول دین میں اختلاف ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عیسائیوں میں بت پرستی۔ قبر پرستی توہمات پرستی۔ مروج تھی بد اطواری دینی پیشواؤں میں عام مروج تھی۔ سب سے بڑھکر یہ تین خراب اصول جب بھی تھے اور ابتک بھی ہیں (۱) **تثلیث** کہ خدا اور روح القدس[1] اور حضرت عیسٰے خدائی کے تین اقنوم یا جزو ہیں تینوں الوہیت میں ازلیت ابدیت میں مساوی اور پھر تینوں ملکر ایک خدا نہ تین خدا اسکو وہ توحید فی التثلیث کہتے ہیں۔ بعض بعض فرقے اس کے قائل بھی نہ تھے اور اب بھی بعض قائل نہیں۔ جیسا کہ فرقہ **یونیٹیرین**۔ گرچہ یہ بدیہی البطلان عقیدہ ہے مگر تاہم اسکے ابطال پر علماء اسلام نے بہت دلائل قائم کئے ہیں۔ از انجملہ یہ ہے (۱) کہ یہ تینوں اپنے وجود اور تشخص میں ممیز ہیں یا نہیں ؟ اگر ہیں تو تین اشخاص جداگانہ ہوئے نہ ایک پھر ایک کہنا غلط اور اگر نہیں تو تین نہوئے ایک ہی ہوا پھر تین کہنا غلط (۲) تینوں ملکر خدائے مستقل ہوتے ہیں یا جداگانہ بھی ہر ایک خدا ہے اول صورت میں ہر ایک کو خدا کہنا غلط نہ خود خدا خدا ہے نہ روح القدس خدا ہے نہ حضرت مسیح خدا ہیں۔

---

[1] نسطور اعیسائی نے جو ایک فریق کا پیشوا اموں رشید کے عہد میں تھا۔ اس تثلیث کی یوں توضیح کی ہے کہ اصل ذات اللہ ایک ہی ہے۔ اس میں تعدد و تکثر نہیں مسیح صفت علمی اور روح القدس صفت حیات کا انضمام ہو کر تین اقنوم ہو گئے مجموعہ کو واحد کہتے ہیں یہ بھی غلط توضیح ہے ۱۲ منہ

دوسری صورت میں مستقل خدا ہوئے نہ ایک پھر توحید نہ رہی -(۳) حضرت مسیح کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ اور بیٹے میں ضرور تقدم ذاتی اور زمانی ہے اب اوس مرتبہ میں کہ جب خدا مسیح کا باپ تھا تو خدا خدا تھا یا نہیں اگر تھا تو پھر یہ کہنا کہ تینوں ملکر ایک خدا ہوا غلط ہے کیونکہ وہ اِس سے پہلے ہی خدا تھا اور اگر نہیں تو مسیح بھی خدا نہیں ہوسکتا کِس لئے کہ جب باپ ہی خدا نہ تھا اور نقص کی حالت میں اوس سے مسیح پیدا ہوئے۔ تو یہ کیونکر خدا ہوسکتے گئے خچر سے گھوڑا نہیں پیدا ہوسکتا۔

اِس بدعقیدہ کا ابطال قرآن میں بہت عمدہ طور سے کیا گیا ہے از ان جملہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ[۱] الایہ۔ از ان جملہ یہ ہے وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ[۲] عرب کے عیسائی تو مریم کو بھی خدائی میں شریک جانکر پوجتے تھے۔ حضرت مسیح اور مریم کی تصاویر کو سجدہ کیا جاتا تھا اور وقت مصیبت ان کے نام کی دہائی دیجاتی تھی۔ انہیں سے ہی حاجات کا سوال کیا جاتا تھا۔ اب بھی نمازیں جو دعائیں عیسائی پڑھتے ہیں انہیں بجائے خدا کے حضرت مسیح علیہ السلام ہی سے سوال ہوتا ہے۔ اور رومن کیتھولک تو صاف صاف انکی پرستش کرتے ہیں۔

(۴) الوہیت مسیح۔ عیسائی حضرت مسیح کو خدا بھی کہتے ہیں اسلئے قاضی الحاجات دافع البلیات جانکر انکو پکارتے ہیں حالانکہ یہ بھی بہت غلط خیال ہے افراط محبت سے پیدا ہوگیا ہے اور ہر قوم نے آخر کار اپنے ہادیوں کو خدا بناکر چھوڑا ہے پھر انہیں کے نام کے بت بناکر پوجنے لگے اسی لئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ نجات میں لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کی تعلیم فرمائی اور کلمہ شہادت میں اشہد ان لا الہ الا اللہ

الوہیت مسیح

[۱] البتہ کافر ہوگئے کہ جنھوں نے یہ کہدیا کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ نہیں ہے کوئی خدا۔ مگر خدائے واحد ۱۲ منہ [۲] تین مت کہو اس سے باز آؤ تمہاری بہتری ہے خدا تو صرف ایک ہی خدا ہے ۱۲ منہ

کے بعد یہ بھی شہادت قائم کی واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ جسطرح خدا کی وحدانیت کی شہادت رکن ایمان ہے اسیطرح حضرت محمد کی عبدیت اور رسالت کی گواہی بھی رکن ایمان ہے۔

اس کے بعد جو کوئی جاہل مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ان کی اولاد کو یا حضرت علی کو یا اور کسی بزرگ یا ولی کو خدا کہے یا ان کے لئے الوہیت کی شان ثابت کرے یا اپنے اندر اظہار عبدیت کرے وہ مسلمان نہیں +

اس کا رد بھی قرآن میں بکثرت ہے از انجملہ یہ آیت ہے لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ۔ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ ۵

(۳) وہ پیار اور عزت کے لئے حضرت مسیح کو خدائے بیچون و بے چگون کا بیٹا بھی کہتے تھے۔ اور اب بھی کہتے ہیں۔ جہاں تک عیسائی عالموں کی کتابیں دیکھنے میں آئیں اس کے دو سبب معلوم ہوئے اول یہ کہ اناجیل میں اس لفظ کا اطلاق حضرت مسیح پر ہوا ہے خود مسیح نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا اور خدا کو اپنا باپ کہا ہے (دوئم) یہ کہ مسیح نے ان چیزوں یا ان کاموں کو جو خدا کیطرف منسوب ہوتے ہیں اپنی طرف نسبت کیا ہی (ملاحظہ ہو مفتاح الاسرار مصنفہ پادری فانڈر۔

اول بات کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ پیار اور محبت میں اسگلے زمانہ میں یہ الفاظ مخصوص بندوں پر بولے جاتے تھے اس کے یہ معنی نہ تھے کہ درحقیقت وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ کتاب لوقا کے ۳ باب میں آدم کو خدا کا بیٹا لکھا ہے اور پھر توریت کتاب پیدائش کے ۵ باب ۲ درس میں شیث کو بھی خدا کا بیٹا لکھا ہے پھر اسرائیل کو بھی توریت سفر خروج کے چوتھے باب میں خدا کا بیٹا کہا ہے

---

۵ بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے یہ کہدیا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہے اے پیغمبر انسے کہدو کہ اگر خدا مسیح اور انکی ماں کو اور سب زمین کے رہنے والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو تمہارے لئے کون اسبات کا مقدور رکھتا ہے کہ ہلاک کرنے سے روکے ۱۲

پھر کتاب یرمیاہ کے ۳۱ باب میں افرائیم کو بھی خدا کا بیٹا لکھا ہے۔ اسیطرح داؤد کو خدا کا بڑا بیٹا ۸۹ زبور کے ۲۶ و ۲۷ باب میں کہا ہے پھر سلیمان کو اول کتاب تاریخ کے ۲۲ باب میں خدا کا بیٹا لکھا ہے پھر ۲ کتاب صموئیل کے ۷ باب میں تمام اسرائیلیوں کو خدا کا فرزند لکھا ہے پھر رومیوں کے خط کے ۹ باب میں تمام عیسائیوں کو پولس نے خدا کا فرزند بتایا ہے۔

(۳) بات کا یہ جواب ہے کہ اختصاص کے لئے غلام آقا کے املاک کو اور رعیت بادشاہ کے املاک اور عزت کے کاموں کو اپنی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں یہ عام محاورہ ہے۔

اگر عیسائی اس سبب سے خدا کا بیٹے کہتے ہیں کہ آپ نے مُردے زندہ کئے تھے۔ جیسا کہ انجیل مرقس کے ۱۵ باب میں ہے تو حضرت الیاس کا بھی مردیکو زندہ کر دینا اول کتاب سلاطین کے ۱۷ باب میں لکھا ہے اسیطرح ۲ کتاب السلاطین کے ۱۳ باب میں الیسع نبی کی مدفون لاش سے بھی مردے کا زندہ ہو جانا لکھا ہے۔ اگر اس لئے بیٹا کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو حضرت آدم بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا ہوئے تھے اور بہت سے لوگوں کی نسبت مورخوں نے بغیر باپ کے پیدا ہونا بیان کیا ہے۔ الشقوہی کے بھی تین بیٹے بغیر باپ کے مورخین نے لکھے ہیں۔ اسیطرح مسٹر گاکرن نے تاریخ چین میں لکھا ہے کہ ولادت مسیح سے تخمیناً چھ سو برس آگے ایک عورت پر شعاع آفتاب نازل ہوئی اور اسی دن سے وہ حاملہ ہوگئی اور وہ حمل پینتالیس برس رہا جس سے ایک سفید بالوں کا لڑکا پیدا ہو جسکو حکیم لاؤزی کہتے ہیں۔ لاؤزی کے معنی ہیں پیر نابالغ یہی وہ لاؤزی ہے کہ جس کی پرستش چین میں مروج ہے۔ (دروغ بگردن راوی)

ابنیت کو بھی خدا تعالے نے قرآن میں بڑی بڑی مستحکم دلیلوں سے رد فرمایا ہے ایک جگہ فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔

سُبْحَانَهٗ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ایک جگہ فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔

(۳) خرابی یہ پیدا ہوگئی تھی کہ حضرت مسیح کی مصلوبی کو جو یہود کے ہاتھ سے ہوئی تھی لوگوں کے گناہ کا **کفارہ** خیال کرنے لگے۔ کہ وہ جو آدم نے خدا کی نافرمانی کی تھی اُس کے حکم بغیر اوس درخت ممنوع میں سے کچھ کھا لیا تھا وہ گناہ نہ ان کی اوس سزا سے معاف ہوا کہ وہ جنت سے نکالے گئے مدتوں پریشان روتے پھرے نہ ان کی توبہ و استغفار سے معاف ہوا بلکہ وہ نسل در نسل سب بنی آدم پر منتقل ہوتا چلا آتا تھا۔ اور خدا کو اس کی سزا دئے بغیر چارہ نہ تھا کیونکہ عیسائی عقیدہ میں ہر گناہ کی سزا جہنم ضروریات ہے۔ اس گناہ موروثی سے حضرات انبیا علیہم السلام بھی پاک نہ تھے اب اسکی سزا بھی دی تو کسکو اپنے پیارے فرزند مسیح کو اسلئے ان کو باوجودیکہ ایلی ایلی لما سبقتانی کہہ کر فریاد اور آہ و زاری بھی کرتے رہے مگر خدائے عادل کب توجہ فرمانے والا تھا اس لئے اوس معصوم کو صلیب پر یہود کے ہاتھ سے چڑھوا ہی دیا۔ اور انھوں نے بڑی تکلیف سے چیخ کر جان دی اور تمام مخلوق کے گناہوں میں انہیں کو ملعون بنا کر تین روز جہنم میں رکھا اور وہ تمام دنیا کے لئے **کفارہ** ہو گئے۔ یہ اعتقاد اکثر عیسائیوں کا ہے۔ پولوس کے خطوط ملاحظہ ہوں۔ مجھے اس خداوندی انصاف پر ایک احمق عادل بادشاہ کی **حکایت** یاد آئی جسکا ذکر لطف سے خالی نہیں +

"کوئی چور کسی جولاہے کے گھر میں رات کو چوری کرنے گیا اندھیری میں اسکی جامہ بافی کی کوئی سلائی اوس کی آنکھ میں گھس گئی جس سے اسکی آنکھ پھوٹ گئی صبحکو چور عدالت میں حاضر ہو کر جولاہے سے انتقام کا خواہاں ہوا۔ بادشاہ عادل نے حکم دیا کہ ضرور آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دینی چاہیئے جولاہے کا کوئی عذر نہ سنا گیا آخر جب جولاہے نے دیکھا کہ یہاں تو اندھیر ہے کوئی ایسا ہی عذر تم بھی کرو جس سے رستگاری ہو اسنے کہا خداوند نعمت مجھے تو دونوں آنکھوں سے کام پڑتا ہے آنکھ جاتی رہے گی تو کیا

کماؤں گا بال بچے بہوکوں مرجائیں گے مرے بدلہ سنار کی آنکہہ نکلوا دیجئے۔ کیونکہ وہ جب کام کو غور سے دیکھتا ہے تو ایک آنکہہ سے دیکھتا ہے دوسری بند کرلیتا ہے حکمدیا جاؤ کسی سنار کو پکڑلاؤ ایک کمبخت سنار کو پکڑ لائے وہ ہرچند عذر کرتا رہا کہ حضور میرا کیا قصور ہے مجھے کیوں سزا دیجاتی ہے۔ جواب ملا کہ یہ سچ ہے مگر ہمکو تو ایک آنکہہ کی بدلے ایک آنکہہ کا نکلوا دینا بقاعدہ عدالت وشان شاہی ضروری امر ہے۔ آخرالامر غریب کی آنکھ نکلوا ہی ڈالی +

اصل اس **بدعت** کے موجد حضرت پولوس[1] مقدس ہیں جنکی اصلی غرض اس سے شریعت انبیاء و احکام توریت سے آزاد کرا دینا تہا۔ چنانچہ وہ اپنے اس دوسرے خط میں جو قرنتیوں کو لکہا ہے اسکے تیسرے باب ۱۳-۱۴ جملے میں فرماتے ہیں۔

ہم موسے کی مانند نہیں جس نے اپنے چہرے پر پردا ڈالا۔ اور پہر اوس خط میں جو عبرانیوں کو لکہا ہے اسکے ساتویں باب میں لکہتے ہیں۔ اگلا حکم[2] اسلئے کہ کمزور اور بیفائدہ تہا اوٹھ گیا۔ اور ایک جگہ شریعت پر عمل کرنا موجب لعنت قرار دیتے ہیں اور اس

[1] پولوس حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد حواریوں میں آملا تہا کبہی تو اپنے آپ کو عبرانی اور کبہی رومی الاصل کہتا تہا دین کے رواج دینے کیواسطے جہوٹھ بولنا بہی جائز سمجہتا تہا وہ تمام حواریوں پر غالب آگیا تہا اکثر عیسائی اسیکے قول کو معتبر ماننے لگے تہے۔ بولنجر صاحب اپنی کتاب وقائع پولوس کے دوسرے باب میں لکہتے ہیں کہ گریں ساسٹن صاحب اپنی اوس تفسیر میں جو انہوں نے کتاب اعمال پر چوتہی صدی عیسوی میں لکہی ہے یوں لکہتے ہیں کہ فرقہ نزارہی جو ابتدا صدی عیسوی میں تہا وہ پولوس کے خطوط کو نہ مانتا تہا اور کہتا تہا کہ ختنہ اور تعظیم سبت اور جملہ احکام شریعت کو پولوس نے مٹا ڈالا۔ اسیلئے اہل اسلام بہی پولوس کو اچھا نہیں سمجہتے نہ ان کے قول کا اعتبار کرتے ہیں نہ انکو حواری جانتے ہیں ۱۲ منہ

[2] یعنی حکموں میں جو موسیٰ کو ملے تہے یہ بہی ہے کہ خدا کو واحد لاشریک جاننا۔ ماں باپ کی تعظیم کرنا زنا نکرنا ہمسایہ کو نہ ستانا۔ خون نکرنا۔ جہوٹی گواہی نہ دینا وغیرہ ۱۲ منہ

خط میں جو طیطس کو لکھا تھا صاف لکھتے ہیں کہ پاکوں کو ہر چیز پاک ہے۔ پھر ان کے بعد بھی جو مارٹین لوتھر مصلح دین عیسوی اور فرقہ پراٹسٹنٹ کے پیشوا گزرے ہیں اس سے بھی زیادہ آزادی عطا فرماتے ہیں چنانچہ مسٹر وارڈ اپنی کتاب اغلاط نامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء عیسوی کے صفحہ ۳۷ میں مارٹین لوتھر کے اقوال نقل فرماتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ جناب ممدوح اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۴۰-۴۱ میں فرماتے ہیں ہم نہ سنیں گے موسیٰ کی بات اسکو دیکھیں گے کیونکہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا اور اسکو ہمسے کسی بات میں علاقہ نہیں۔ اور پھر اپنی دوسری کتاب میں فرماتے ہیں کہ ہم نہ موسیٰ کو قبول کرینگے نہ اسکی توریت کو کیونکہ وہ عیسے کا دشمن تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہمکو توریت کی اس حکموں سے بھی کوئی تعلق نہیں تمام بدعات انہیں دس حکموں سے پیدا ہوئے ہیں۔ انتہے۔ باوجودیکہ حضرت مسیح علیہ السلام تو یہ فرماتے تھے کہ توریت کا تو ایک شوشہ بھی نہ ٹلیگا۔ اور میں اسکی تکمیل کرنے آیا ہوں نہ مٹانے کو۔ مگر پولوس نے تمام توریت کے احکام کو مٹا ڈالا۔ توریت میں سور۔ شراب سب کچھ حرام ہے مگر عیسائی حضرت رسول کریم کی بعثت سے پہلے سے ہی سب سے آزاد تھے ان کے نزدیک موجب نجات صرف انہیں تین باتوں پر یقین کرلینا تھا۔ اور اب بھی یہی ہے اور اسیکو عیسوی ایمان سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بعد ہر طرح سے آزادی ہے جو چاہے کھائے پیئے جو چاہے کرے۔ سب گناہ حضرت مسیح اٹھا کرلے گئے۔ اسلئے عیسائی ملکوں میں بدکاری کی بے حد کثرت ہے۔ اس خیال کو بھی قرآن نے متعدد آیات اور متعدد سورتوں میں رد فرمایا ہے از انجملہ یہ ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخری کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا گناہ نہیں اٹھاتا۔ اور بہت خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں جنکا ذکر عیسائی مورخوں نے تاریخ کلیسا میں کیا ہے

لیکن یہ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اگر کچھ لوگ خدا پرست پائے جاتے تھے تو وہ اسی عیسائی فرقہ میں تھے۔ جیسا کہ اصحاب کہف

اور جرجیس وغیرہ جو عرب میں تھے جنکے معتقدوں کے قتل کے لئے ذونواس یہودی ظالم بادشاہ نے خندقیں کھدوا کر ان میں آگ جلوادی اور جو اس دین سے انکار نکرتا تھا اسکو اس دمکتی آگ میں ڈلوا دیتا تھا۔ اس واقعہ کیطرف سورۂ بروج میں اشارہ ہے اور حبش کا نجاشی بادشاہ بھی اسی عیسائی مذہب کا تھا جسنے مسلمانوں کو پناہ دی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا تھا۔ اور بحیرا راہب اور اسکا شاگرد بھی جو حضرت پر ایمان لائے تھے عیسائی درویش تھے۔

اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس مذہب میں سے اگر وہ بدعات جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد رواج پا گئی انہیں چھانٹ دی جائیں تو مذہب اسلام میں اور اس مذہب میں اگر اس کے خداترس لوگ کم از کم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مذہب کا مجدد اور مصلح مانکر اتنا ہی سمجھیں کہ وہ بھی رسول تھے جیساکہ مسیح کے بعد کے رسولوں کو سمجھتے ہیں۔ تو کچھ زیادہ فرق نہیں رہتا۔ اور حضرت عیسے علیہ السلام نے کہیں نہیں فرمایا ہے کہ مسیح کے بعد کوئی رسول برپا نہوگا۔ بلکہ انہوں نے ایک آنے والے رسول کی خبر دی ہے جسکا ترجمہ **فارقلیط** کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی بڑے افسوس کی بات ہے کہ جو شخص یہود کے مقابلہ میں حضرت مسیح کی شہادت دے۔ انکو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہے ان کی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی پر جہان بھر کے مقابلہ میں شہادت دے۔ انجیل پر

---

۵ مجھ کو ایکبار ریل میں دور تک ایک خداترس عیسائی کے ساتھ سفر کا اتفاق ہوا وہ ایک علاقہ کے بشپ تھے انہوں نے از خود مذہبی ذکر چھیڑ کر مجھ سے پوچھا کہ تم عیسائی کیوں نہیں ہو جاتے میںنے کہا میں اور جملہ اہل اسلام عیسائی ہیں انکو تعجب ہوا میںنے باعث تعجب پوچھا تو کہا آپ لوگوں کا حضرت مسیح پر ایمان نہیں میںنے کہا میں حلف سے کہتا ہوں کہ ہمارا انپر ایمان ہے ہاں ہم ان کو خدا اور خدا کا بیٹا اور خدائی کا ممبر نہیں سمجھتے نہ انکی تعلیم چاروں انجیلوں کے کسی صاف جملہ سے ہے اور جو پیش کئے جاتے ہیں اول تو عیسائی محققوں نے انکا الحاقی ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ دوئم وہ بھی ماول ہیں

ایمان لانے کی تاکید کرے حواریوں کو برگزیدہ کہے اور حضرت عیسیٰ کے کسی کلام کی بھی تکذیب نکرے۔ دنیا میں مکارم اخلاق توحید خداپرستی راستبازی کو رواج دے پھر خواہ مخواہ اسکی عداوت اسکی توہین اسپر اتہام لگانا عیسوی مذہب کا رکن بنایا جاوے جیساکہ مشنریان زمانہ کہہ رہے ہیں یہ کہاں کی خداپرستی اور انصاف ہے۔

یہاں تک کہ ہر مسلما کو ابراہیمی موسوی عیسائی ہونے سے بھی انکار نہیں بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ درحل حقیقی ابراہیمی موسوی عیسائی ہم ہیں ہم ان بزرگوں پر ویسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیساکہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ان کی گستاخی اور بے ادبی کو ویساہی برا اور باعث بدنصیبی سمجھتے ہیں جیساکہ حضرت محمد کی گستاخی اور بے ادبی کو اسپر بھی مذہب اسلام اور اس کے پیرو مورد طعن قرار دیئے جائیں اور ان کی اس قرابت کا کچھ بھی حق نہ سمجھا جاوے محل افسوس ہے۔

مجوسی مذہب

کے بھی بہت سے فریق ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ملت حنیفیہ کے بانی ہیں جنہیں یہود سارے مسلمان شمار کئے جاتے ہیں۔ صابی فریق کے مخالف تھے۔ آخر کار حضرت ابراہیم کا مذہب نہایت

بقیہ ص ۳۱۰ اسلئے آپ جنکو عیسائی کہتے ہیں ان میں سے بھی بعض فریق ان باتوں کے قائل نہیں پھر کیا انکو کہہ سکتے ہیں کہ ان کا حضرت مسیح پر ایمان نہیں اور کیا آپ میری نجات میں بقول حضرت مسیح کہ جو مجھپر ایمان لائیگا وہ میرے باپکے تخت کی داہنی طرف بیٹھے گا کوئی شک کرسکتے ہیں بشپ صاحب بڑی دیر تک متفکر رہے آخر انصاف سے کہا کہ نہیں پھر مجھ سے اپنی نجات کی بابت سوال کیا مینے کہا اگر مسیح کے منکر کی نجات ہے تو ان کے بعد آنے والے رسول کے منکر کی بھی نجات ہے اب محل تردد میں آپ ہیں نہ ہم ہماری نجات کا تو آپنے بھی فتویٰ دیدیا اگر آپ محمدؐ پر بھی ایمان لے آئیں تو آپ کی مذہب میں کیا مانع ہے اسپر وہ بہت ہی متفکر رہے اور سر اوٹھا کر کہا کچھ نہیں اسلئے میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ محمد صاحب پر ایمان لایا اب میری نجات میں کیا شک ہے مینے کہا کچھ نہیں اب میں اور آپ دونوں ہم مذہب اور بھائی ہیں ۱۲ منہ

ترقی پاگیا تہا اور تمام بادشاہان عجم ملت ابراہیمی کے تابع ہو گئے تھے اور انکی تمام رعایا اپنے بادشاہوں کے مذہب پر ہوتی تھی اور ان سلاطین کا ایک سرگروہ اور دینی سردار ہوتا تہا جسکی تعظیم بادشاہوں کے برابر کیجاتی تھی اور اس کے حکم سے کسیکو بھی سرتابی کی مجال نہ تھی۔ اور اسکو موبد موبدان کہا کرتے تھے۔

کتاب وساتیر میں جومہ آباد نام آیا ہے اور انکیطرف بھی ایک نامہ منسوب کیا ہے اوس سے غالبًا ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں۔ بمرور زمانہ پہران ملکوں میں دایران اور اس کے توابع) مختلف لوگ مختلف الخیال پیدا ہوئے۔ اور نئے نئے مذاہب پیدا ہو گئے بدیں تفصیل :-

(۱) کیومرثیہ یہ کہتے ہیں کہ مبدء اول اشخاص میں سے کیومرث ہے اور کبھی کہتے ہیں زروان اول ہے اور انجیر بنی زردشت کو سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیومرث آدم ہیں۔ ان کے نزدیک تمام مخلوق کے دو شخص خالق ہیں۔ ایک چیزوں کا نور خالق ہے جسکو یزداں کہتے ہیں اور بُری چیزوں کا خالق ظلمت یعنے اہرمن ہے۔ یزداں قدیم اور اہرمن حادث ہے۔ یزداں کے دلمیں ایک بار یہ خطرہ گزرا کہ اگر کوئی میرا مخالف اور مقابل اٹھہ کھڑا ہوا تو کیا ہو گا۔ اس خیال سے ظلمت یعنی اہرمن پیدا ہو گیا اور یزداں اور اہرمن میں بڑی جنگ ہوئی اور طرفین کے لشکروں میں بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں آخر فرشتے بیچ میں آپڑے اور دونوں کی اشیاء پر مصالحت کرادی کہ سات ہزار برسوں تک عالم سفلی پر اہرمن کا ہی مستقل قبضہ رہے چونکہ اسکی سرشت میں شر۔ شہوت وغصہ ہے اسلئے اسنے صلح سے پہلے کے سب لوگوں کو فنا کر دیا اور ایک نیا شخص اور ایک نیا حیوان پیدا کیا ہے۔ شخص کیومرث اور حیوان بیل تہا۔ پہر ان دونوں کو اہرمن نے قتل کر ڈالا۔ جس جگہ کیومرث قتل ہوا تہا وہاں سے ایک انسان پیدا ہوا۔ جسکا نام ریباس ہے

پھر بیاس کے قدموں سے ایک مرد میشہ اور ایک عورت میشانہ پیدا ہوئے پھر لوگ انہیں سے پیدا ہوئے اور بیل جسجگہ قتل ہوا تھا وہاں سے چارپا اور کل حیوانات پیدا ہوگئے نور یعنے یزداں نے ارواح انسانیہ کو ان دو باتوں میں اختیار دیا کہ اگر چاہو تو میں تم کو اہرمن کی جگہ سے اٹھا لوں اور چاہو تو تمکو جسم کا لباس پہنا دوں کہ تم اہرمن سے جنگ کرو ارواح نے جسم کا لباس پہنکر اہرمن سے جنگ کرنا اس شرط پر اختیار کیا کہ آپ کی طرف سے ہمکو فتح و ظفر ملے اور جب ہم اہرمن کے لشکروں کو ہلاک کردیں تو قیامت قائم کر دیجائے پس امتزاج روح اور جسم کا یہ سبب ہے اور اسکی خلاصی یہ ہے۔

(۲) زروانیہ وہ کہتے ہیں کہ نور نے اشخاص نورانیہ پیدا کئے وہ سب کے سب روحانی ربانی تھے لیکن ان میں سے ایک بڑے شخص کے دلمیں جسکو زروان کہتے ہیں کسی بات میں شک پیدا ہوا اوس شک سے **اہرمن** پیدا ہوا بعض کہتے ہیں یوں نہیں ہوا بلکہ زروان نوہزار نوسو ننانویں برس تک اس لئے گاتا رہا کہ اس کے کوئی بیٹا پیدا ہو پھر جب نہوا تو اس نے کہا شاید یہ عالم کچھ بھی نہیں پس اس غم اور رشک سے تو **اہرمن** پیدا ہوا اور اس کے علم سے ہرمز پیدا ہوا اور یہ دونوں ایک ہی شکم میں تھے اور قریب تھا کہ پہلے ہرمز برآمد ہو مگر اہرمن ماں کا پیٹ پھاڑ کر اوس سے پہلے ہی نکل آیا اور دنیا پر قابض ہو گیا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اہرمن اپنے باپ زروان کے سامنے آیا اور اسمیں فساد اور شرارت دیکھ کر زروان سخت ناراض ہوا اور اسپر لعنت کی اور نکالدیا۔ مگر اس نے جاکر تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور ہرمز ایک زمانہ تک اس کے مقابلہ سے عاجز رہا پھر جب لوگوں نے اسمیں خیر و حسن اخلاق و طہارت دیکھی تو اسکو رب قرار دیا۔

بعض زروانی یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا میں ہمیشہ سے ایک ردی خصلت تھی یا فکر ردی یا عفونت اوس سے اہرمن پیدا ہوا جسکو شیطان بھی کہتے ہیں اور اس سے پہلے دنیا میں شر و فساد مصیبت اور دکھ نہ تھا اور اہل دنیا بڑے مزے اور راحت میں تھے

زروانیہ

شیطان نے یہ خرابی پیدا کردی اور شیطان آسمان پر حیلہ کر کے چڑھ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ آسمان میں تھا حیلہ کر کے زمین پر اتر آیا اور اپنا لشکر لیکر نور (نزدان) سے مقابل ہوا اور طرفین میں تین ہزار برس تک جنگ برپا رہی آخر فرشتے بیچ میں آپڑے اور یہ شرط قرار پائی کہ شیطان مع ان تین ہزار برسوں کے نو ہزار برس اور زمین پر رہے۔ خدا اوس معاہدہ کو توڑ نہیں سکتا جب تک کہ یہ مدت تمام نہولے لوگ مصائب میں مبتلا رہیں گے اسکے بعد پھر نعیم و راحت میں آجائیں گے۔ اس خرافات کا ٹھکانا ہے۔

(۳) **مسخیہ**۔ کہتے ہیں کہ دراصل ایک ہی نور تھا۔ پھر اسمیں سے کچھ مسخ ہوکر ظلمت ہوگیا اور یہی فرقہ خرمیہ کا قول ہے اور یہ دونوں فرقے تناسخ اور حلول کے بھی قائل ہیں اور کسی حکم اور شریعت کے قائل نہیں نہ ان کے نزدیک کوئی شے حلال ہے نہ حرام ہے

(۴) **زردشتیہ**۔ یہ لوگ زردشت بن بوراشپ کے معتقد ہیں جو گستاسپ بن لہراسپ شاہ ایران کے عہد میں ظاہر ہوا تھا۔ ان کی والدہ شہر رے کی اور باپ آذربیجان کے رہنے والے تھے۔ یہ لوگ نبوت و سلطنت کے قائل ہیں کہتے ہیں سب سے اول کیومرث تھا جو تمام دنیا کا بادشاہ ہوگیا تھا۔ اسکا پائے تخت شہر اصطخر تھا۔ اس کے بعد ہوشنگ ہوا جو ہند کا فاتح ہے۔

اسکے بعد طہمورث ہوا۔ انہیں کے اول سال جلوس میں **فرقہ صابی** پیدا ہوا ان کے بعد انکا بھائی جمشید ہوا۔ ان کے بعد انبیاء و سلاطین پیدا ہوئے جنیں سے فریدون اور منوچہر تھے آخر الذکر بابل میں آیا۔ اور انہیں کے زمانہ میں حضرت موسے کا ظہور ہوا۔ یہاں تک کہ گستاسپ کا زمانہ آیا ان کے عہد میں زردشت پیدا ہوا۔ انہوں نے تیس برس کی عمر میں دعوی نبوت کیا اور شاہ گستاسپ نے ان کا مذہب قبول کیا۔ انکا قول ہے کہ نور و ظلمت دو متضاد چیزیں ہیں۔ تمام عالم کے اصول یہی ہیں ان کی ترکیب سے اشیاء مختلفہ پیدا ہوئیں۔ اور خدا تعالے نے نور و ظلمت کا

خالق و مظہر ہے۔ وہ واحدہ لاشریک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ سہیم۔ خیر و شر صلاح و فساد و طہارت و خبث نور اور ظلمت کے امتزاج سے پیدا ہوئے ہیں اگر امتزاج نہ ہوتا تو عالم کا ظہور بھی نہ ہوتا۔ نور و ظلمت میں باہم مقابلہ رہتا ہے کبھی یہ غالب وہ مغلوب کبھی وہ مغلوب یہ غالب۔ پھر نور اپنے عالم کیطرف اور ظلمت اپنے عالم کی طرف جدا ہو کر چلے جائیں گے اور یہی خلاص ہے اور ان کو ملانے والا وہ باری تعالے ہے۔ اپنی حکمت و مصلحت سے اسنے انہیں ترکیب دی ہے کہتے ہیں اسنے ایک کتاب تصنیف کی تھی جسکا نام زند وستہا ہے بعض کہتے ہیں اسپر نازل ہوئی تھی۔ اسمیں جہان کو دو قسم منقسم کیا ہے مینا و گیتی یعنے عالم جسمانی و روحانی۔ پھر جو کچھ عالم میں ہے اسکو بھی دو قسم پر منقسم کیا ہے۔ ایک بخشش دوسرا کنش۔ یعنے تقدیر اور فعل۔ اور ہر ایک کو دوسرے سے تعلق ہے۔ پھر موارد تکلیف حرکات انسان کو ٹھہرا کر ان کو تین قسم پر منقسم کیا ہے منش۔ کنش۔ گویش۔ یعنے اعتقاد عمل۔ قول۔ اور کہا ہے کہ انہیں تینوں سے انسانی سعادت کا تکملہ ہوتا ہے اور ان میں قصور کرنے سے دین میں قصور واقع ہوتا ہے۔ جب انسان ان تینوں میں شریعت کے موافق چلے گا فلاح پائے گا۔ اور اس کے معتقد یہ بھی کہتے ہیں کہ زردشت سے معجزات بھی ظاہر ہوئے تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوؤں کا بڑا پنڈت دیاس جی بلخ میں زردشت سے آکر مرید ہوا اور تعلیم پاکر ہندوستان میں واپس آیا +

یہاں تک کیانیوں کا عہد تھا۔ پھر ان کے بعد دوسرا طبقہ ساسانیوں کا ہوا ان میں بھی متعدد فریق پیدا ہوئے سب میں بڑا فرقہ۔

ساسانی

(۶) ساسانی ہے وہ کیومرث اور مہ آباد وغیرہ اگلوں کو بھی اور زردشت کو بھی مانتے ہیں ساسان پنجم نے انکے نوشتوں کو پاژندی زبان سے (جو سنسکرت سے بہت مشابہ ہے اگر لب و لہجہ سے جو ملکی تفاوت سے پیدا ہوتا ہے۔

قطع نظر کیجائے تو دونوں ایک ہی زبان ہیں) دری زبان میں ترجمہ کیا جس کا نام وساتیر ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہی مذہب زیادہ مروج تہا۔ اس مذہب میں ثواب و سیارات اور عناصر کی پرستش تہی اور ان کی پرستش کے طریقے اور آفتاب و دیگر نیرات کی تسبیح و تقدیس بہی وساتیر میں مذکور ہے۔

(۷) ثنویہ۔ جو نور و ظلمت کو عالم کی دو اصل ازلی کہتا تہا۔

(۸) مانویہ۔ جو مانی بن فاتک حکیم کا فریق تہا۔ حکیم مانی شاپور بن اردشیر کے عہد میں ظاہر ہوا تہا جسنے مجوسی اور عیسائی مذہب کے بین بین نیا مذہب نکالا تہا وہ نور اور ظلمت کو مستقل عالم کا خالق مانتا تہا اور کہتا تہا کہ یہ اتفاقاً باہم مل گئے جن سے یہ اشیاء مختلفہ نکلیں آفتاب و ماہتاب اور تمام ستارے اوس نور کو ظلمت میں سے کھینچتے رہتے ہیں پہر جب رفتہ رفتہ انوار کھینچ جائیں گے تو ترکیب اجسام منحل ہو جاوے گی اور ہر چیز اپنی اپنی جگہ میں جا پہونچے گی۔ اور یہی انحلال ترکیب قیامت ہے اور مانی یہ بہی کہتا تہا کہ تسبیح و تقدیس اور اچہے کلام سے صبح صادق کے وقت اجزاء نور مرتفع ہوکر فلک القمر تک پہونچتے ہیں اور قمر ان کو پندرہ روز تک لیتا رہتا ہے اور پہر پندرہ[۱۵] روز تک آفتاب کے پاس پہونچاتا رہتا ہے پہر آفتاب اسکو اپنے سے اوپر کے نور پاس پہونچاتا رہتا ہے پہر وہ عالم نور خالص میں جا ملتے ہیں۔ پہر جب کچہ بہی نور باقی نہ رہے گا تو اس وقت وہ فرشتہ جو آسمانوں کو تہامے رہتا ہے ان کو چہوڑ دے گا تب آسمان زمین پر گر پڑے گا پہر آگ جلائی جائے گی کہ جس سے آسمان و زمین ایک ہزار چار سو چہاسی[۱۴۸۶] برس تک جلیں گے پہر جو قدرے قلیل نور رہگیا ہوگا وہ بہی نکل جائے گا۔ مانی نے اپنے مریدوں پر دن میں چار بار نماز اور مال میں عشر فرض کیا تہا وہ بت پرستی اور زنا اور جہوٹہ کو اور حیوان کے مارنے کو منع کرتا تہا۔ اگلے تمام انبیاء کو برحق مانتا تہا اور کہتا تہا کہ مسیح علیہ السلام برحق نبی تہے۔ اور ایک بڑا بلند مرتبہ رسول خاتم الانبیاء زمین عرب میں پیدا ہوگا۔ مگر آفتاب

اور نیرات اور آگ کو پوجتے تھے۔

(۹) مزدکیہ کا نوشیرواں کے باپ قباد کے عہد میں مزدک پیدا ہوا تھا قباد بھی اسکے مذہب میں داخل ہوگیا تھا اس کے بہت سے خیالات فرقہ مانویہ سے ملتے تھے۔ وہ لڑائی جھگڑے حسد و بغض سے منع کرتا تھا پھر جب اسنے دیکھا کہ تمام جھگڑے عورت اور مال سے ہی پیدا ہوتے ہیں تو کہدیا کہ عورت اور مال میں سب کا حصہ برابر ہے کسیکی خصوصیت نہیں ہر عورت سے ہر شخص قضاء حاجت کا مجاز ہے اور ہر ایک کے مال کو دوسرا لے سکتا ہے۔ جب اس سے فساد برپا ہوا۔ تو قباد نے اسکو بلا کر قتل کروا ڈالا۔ پھر اس کے مذہب میں چند فریق پیدا ہوگئے۔ کوزکیہ نو نواحی اہواز و فارس و شہرزور میں پھیلا ہوا تھا اور ابا نیہ و اسبید جاکیہ نواحی سغد و سمرقند و شاش و ایلاق میں رہتے اور بھی فریق مجوس کے تھے مگر سب کے سب آتش پرستی اور آفتاب و نیرات پرستی میں مشترک تھے۔ اور ان کے بڑے بڑے قدیم آتشکدے یہ تھے۔ ایک شہر طوس میں دوسرا بخارا میں جسکا نام بروسون تھا۔ ان دونوں کو فریدوں نے بنایا تھا اور ایک نواحی بخارا میں اور بھی تھا۔ جسکو قباذان کہتے تھے اور ایک نے سجستان میں جسکو بہمن نے بنایا تھا اسکا نام کرکرا تھا اور ایک فارس و اصفہان کے درمیان کیخسرو نے بنایا تھا جسکو گوبہ کہتے تھے اور ایک قومس میں تھا جسکا نام جریر تھا اور ایک اقصائے چین میں سیاوش نے بنایا تھا جسکا نام گنگ دژ تھا اور ایک ارجان فارس تھا جسکو گشتاسپ کے دادا نے بنایا تھا۔ یہ آتشکدے تو وہ ہیں جو زردشت سے پہلے تھے پھر زردشت نے ایک نیشاپور میں دوسرا شہر نسا میں بنایا۔ گشتاسپ کو حکم دیا کہ اس میں اوس آگ کو لاؤ جسکی جمشید تعظیم کیا کرتا تھا تو اسکو شہر خوارزم میں پایا اور وہاں سے اور لاکر کچھ تو آذر خوار میں رکھی اور کچھ نسا میں۔ بعض کہتے ہیں کہ اوس آگ کو نوشیرواں نے لاکر کرمان کے آتشکدہ میں رکھا تھا۔ اور اس آگ کی ایرانی بیحد تعظیم کیا کرتے تھے۔

یہاں تک کہ جب کیخسرو افراسیاب کے مقابلہ میں نکلا اور وہاں پہونچا تو اس آگ کو سجدہ کیا۔ قسطنطنیہ کے پاس بھی ایک آتشکدہ تھا جسکو شاپور بن اردشیر نے بنایا تھا اور وہ خلیفہ مہدی کے عہد تک تھا۔ اور یونان میں بھی ایک آتشکدہ توران کسریٰ کی بیٹی نے بنایا تھا اور چین میں بھی آتشکدے بنائے گئے تھے اور بلخ میں بھی ایک قدیم آتشکدہ تھا اور ہندوستان میں بھی تھے خصوصاً شہر ملتان میں ایک بڑا آتشکدہ شاہان ایران کے حکم سے بنا تھا۔

الحاصل مجوسی فرقوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آگ کو نہ پوجتا ہو۔ آفتاب و نیرات کو سجدہ نکرتا ہو سب میں یہ پرستش جاری تھی۔ خصوصاً آنحضرت صلعم کے بعثت کے وقت اس کا بڑا ہی چرچا تھا۔

ہندوستان میں آج سے نہیں ہزاروں برسوں سے تین فریق ہیں۔ اول بت و عناصر و آفتاب و نیرات پرست بلکہ انسان پرست حیوان پرست نباتات و جمادات پرست جنکو صابیوں یا مجوسیوں کا مقلد کہنا چاہیئے دوم کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا ہی کے منکر تھے۔ سوئم جاہل و وحشی جنکا نہ کوئی مذہب نہ کوئی ملت یہ تین قسمیں ہوئیں پھر ہر ایک قسم کی بہت شاخیں تھیں۔ **قسم اول** میں سے ایک بڑا فریق جسمیں وہاں کے سلاطین و حکما بھی شامل ہیں وہ ہیں کہ جنکو **ویدک دہرم** کہتے ہیں۔ یہہ لوگ چار کتابوں کو جنکا نام **رگوید۔ یجروید۔ اتھربن وید۔ شام وید** ہے اور چھہ شاستروں اور اٹھارہ پورانوں کو مانتے ہیں ان سب کتابوں میں بہت سے دیوتاؤں کی مدح اور پرستش اور ان کی دعائیں مذکور ہیں ارواح غیر مرئیہ عناصر ستارے آفتاب ماہتاب مشاہیر اشخاص سب دیوتاؤں میں شمار ہیں چھوٹے بڑے تنتیس کروڑ دیوتا ہنود کے معبود ہیں :۔

از کتاب رسوم الہند داخل سررشتہ تعلیمات گورنمنٹ انڈیا۔

ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابیں چار ہیں۔ جنکو وید کہتے۔ مگر بہت سے پڑھے لکھے

ہندو انمیں سے صرف تین ہی کو مانتے ہیں وید کی مختلف باتوں کو جو مدتوں سے لوگوں کو زبانی یاد تھیں حضرت عیسےٰ کے چودہ سو برس پہلے ویاس جی نے جمع کیا ان کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ خدا ایک ہے اور سب سے بڑا ہے اور کل جہان کو اسینے پیدا کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہوا آگ پانی زمین سورج چاند ستارے اور بعض نیکیاں مثلاً انصاف حکمت سب کے سب دیوتا ہیں ان کی پوجا کرنے سے بہت سے فائدہ حاصل ہوتے ہیں ان دیوتاؤں کے راضی رکھنے کے واسطے ویدوں میں کئی طرح کی نذریں مقرر کی ہیں چنانچہ اکثر گھی چاول۔ سوم[۱] کا رس اور کبھی ذبح کیئے ہوئے جانور بھینٹ چڑھاتے تھے اور منتر کے زور سے دیوتاؤں کو بلا کر کہتے تھے کہ آپ ہماری نذر قبول کیجئے اور ہمکو دونوں جہان میں عزت دیجئے۔ ویدوں میں بڑے بڑے راجاؤں کے واسطے گھوڑے کی قربانی جائز رکھی ہے اور کہیں کہیں انسان کی قربانی کا بھی ذکر ہے مگر اکثر بجائے انسان کی قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے تھے ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے گھوڑے کی قربانی کا ڈھنگ سندھ کے پار رہنے والوں سے اوڑایا ہے اور آدمی کی قربانی کا طور ہندوستان کے اصلی باشندوں[۲] سے سیکھا ہے۔ ویدوں میں بھگوان (خدا) کے کئی سر دیوں مثلاً اشکتہ یعنے قدرت اور اور چیزونکا بیان ہے مگر برہماجی بشنوجی شیوجی جنکو ہندو لوگ پیدا کرنیوالا پالنے والا اور مارنے والا جانتے ہیں انکا ذکر ویدوں میں بہت ہی کم ہے۔ منوجی[۳] نے اپنے دہرم شاستر میں بہت سے دیوتاؤں کی پوجا جائز رکھی ہے مگر بشن جی اور شیوجی (مہادیو) کا اسمیں

[۱] گندنا ۱۲ امنہ [۲] بھیل گونڈ وغیرہ صحرائی قومیں ۱۲ امنہ [۳] منوجی برہما کے پوتے یا فرزند جنھوں نے ہنود کے لئے دہرم شاستر بنایا اور برہماجی کے چاروں مونہوں سے چار وید نکلے اور برہماجی مخلوق کو پیدا کرتے ہیں تمام قومیں انہیں سے یوں پیدا ہوئیں کہ کوئی زبان سے کوئی ناک سے کوئی بازو سے کوئی رانوں پاؤں سے اور یہی وجہ قوموں میں تفاوت کی ہے۔ اور

کہیں نام بھی نہیں۔ اور وشن جی کے اوتاروں[1] رام چندر جی اور کرشن جی کا تو کیا ذکر ہے اسی شاستر سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مورتوں کی پوجا نہ کرنی چاہیئے مگر دیوتاؤں کی مورتوں کی تعظیم واجب ہے اور ان کے سایہ پر قدم رکھنا یا انکو لانگھنا ہرگز درست نہیں۔

منوجی اپنی کتاب میں دنیا کی پیدائش کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے اپنی ذات سے دنیا کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو پہلے اوس نے پانی کو پیدا کیا اور اسمیں ایک بیج ڈالا جو تھوڑی دیر کے بعد انڈے کی صورت میں بدل گیا۔ اس انڈے میں سے برہما جی نکلے اور انہوں نے آدھے جسم کو نر اور آدھے کو مادہ بنایا اور مادہ حصہ سے براٹ کو پیدا کیا اور براٹ کی تپسیا (عبادت) کے سبب منوجی پیدا ہوئے اور وہ منوجی میں ہوں جس کی پیدائش اس طرح سے ہوئی اور میرے ہی سبب سے زمین آسمان دیوتا۔ انسان اور تمام چیزیں ظاہر ہوئی ہیں۔ منوجی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ہندوں کی چار ذاتیں خاص برہما جی کے ہی جسم سے پیدا ہوئی (دونوں قولوں میں صریح تعارض ہے) چنانچہ پہلے باب میں جہاں ہندوں کی ذاتوں کا بیان ہے اس امر کا کچھ ذکر آچکا ہے۔

منوجی نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ دنیا ایک خاص مدت کے بعد فنا ہو کر خدا کی ذات میں ملجاتی ہے اور پھر اوسیطرح سے پیدا ہوتی ہے جسطرح سے

بقیہ ص۳۱۹ برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ تینوں صفات خدا ہیں کہ رج ست تم۔ خدائی کا کام کرتے ہیں پیدا کرنا پالنا مارنا۔ عیسائی تثلیث بھی اسکے قریب قریب ہے ۱۲ منہ

[1] اوتار وہ شخص جسمیں خدا یا کوئی دیوتا اترے یعنے حلول کرے ہنود ایسے اشخاص کے قائل ہیں کہ ان میں خدا نے یا دیوتا نے حلول کیا تھا۔ ان کے کرشمے اور خوارق کے لحاظ سے منجملہ ان کے اجودھیا کے راجہ رام چندر جی اور متھرا کے باشندے سری کرشن جی کو بھی خیال کرتے ہیں ۱۲ منہ

پہلے پیدا ہوئی تھی۔

دہرم شاستر کی رو سے انسان کو دو روحیں دی گئیں ہیں ایک کو جہتر یگ یا جیوا تما کہتے ہیں دوسری کو مہان بولتے ہیں۔ پہلی روح کے سبب سے بدن کو حرکت ہوتی ہے اور آدمی کلام کر سکتا ہے اور اچھے برے کام بھی اسی روح سے ہوتے ہیں دوسری روح کے باعث سے پہلی روح کو ہر ایک جسم میں آرام یا تکلیف معلوم ہوتی ہے اور یہی روح رجوگن ستوگن تموگن یعنے شہوت اور نیکی اور بدی کا مقام ہے۔ جو کہ مہان آرام یا تکلیف کے پانے کا ایک ذریعہ ہے تو اسے گناہ کی سزا کا کچھ دکھ نہیں ہوتا۔ صرف جہتر یگ کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ دونوں روحیں ہمیشہ پرم آتما یعنے خدا کی روح کے سہارے پر رہتی ہیں۔ اور جب جہتر یگ روح جسم سے نکلجاتی ہے تو وہ مہان اور پرم آتما سے بھی جدا ہوجاتی ہے اور آرام یا تکلیف اٹھانے کے واسطے اسے ایک اور جسم ملتا ہے (تناسخ) اور وہ اس جسم میں آکر اچھے یا برے کاموں کے عوض کچھ مدت تک شرگ (بہشت) یا نرک (دوزخ) میں رہتی ہے اور اس کے بعد پھر اسکو مہان اور پرم آتما کا سہارا ملجاتا ہے اور کچھ تھوڑے سے گناہ کی عوض جو نیک آدمی سے کبھی نہ کبھی ہوا ہے یا گناہگار آدمی سے سزا بھگتنی باقی رہ گئی ہے اس روح کو حیوان اور درخت اور کمینے لوگوں کے جون میں جانا پڑتا ہے اور ان جونوں کو بدل کر اور گناہوں سے صاف ہو کر اسے پھر اچھا برن نصیب ہوتا ہے مگر جس آدمی نے صرف نیک ہی کام کئے ہوں اسکی روح کو جینے مرنے اور جونوں کے بدلنے کی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ وہ سیدھی پرم آتما سے جا کر مل جاتی ہے۔

ہندوں کے مذہبی رسوم میں سے جن کا ذکر دیدوں میں آیا ہے دو رسمیں بہت بڑی ہیں ایک جنیو ڈالنا[1] جب کسی آدمی کے جنیو ڈالا جاتا ہے تو پنڈت لوگ اسکی صورت

[1] گلے میں حمائلی طور پر کئی تاروں کا بٹا ہوا تاگا جسکو زنار فارسی میں کہتے ہیں ۱۲ منہ

برہم چاری فقیروں کی سی بنا کر اسکو گائتری[1] منتر پڑھاتے ہیں دوئم سرادہ یہ وہ ہے کہ جب ہندوؤں میں سے کیکے ماں باپ مرجاتے ہیں تو اسکے نام پر ایک پنڈدان کرتے ہیں یعنے چاول گھی شہد دودھ دیگر ایسی چیزوں کا ایک لڈو بنا کر اپنے آگے رکھتا ہے۔ اور منتر کے زور سے اپنے مردوں کو بلا کر ان سے اس نذر کے قبول کرنے کی درخواست کرتا ہے پھر برہمنوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ اس کے سوا نقد اور وہ وہ اشیاء بھی جو مردہ اپنی زندگی میں استعمال میں لاتا تھا کپڑے گھوڑا برتن ہتھیار بلکہ اس کی بیوی بھی اس برہمن کو دیتا ہے جو خاص اس خدمت کے لئے ہر خاندان کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ جسکو پروہت کہتے ہیں مگر برہمن سے بیوی کو روپیہ دیکر خرید لیتے ہیں۔ اور برہمن گویا ان چیزوں کو مردہ کے پاس پہونچانے والا خیال کیا جاتا ہے۔ مگر جب مردہ تناسخ کے سبب کسی حیوان یا انسان کی جون میں ہے تو اسکا آنا اور نذر قبول کرنا مشاہدہ سے باطل ہے (یہ مسئلہ تناسخ کو باطل کر رہا ہے)۔

دھرم شاستر میں برہمن کے لئے گوشت کی ممانعت نہیں مگر ترک کو بہتر بتایا ہے۔ ہندوؤں میں اٹھارہ کتابیں جنکو پوران کہتے ہیں اور یہی ہیں جنکو اوسی ویاس جی کی تصنیف بتلاتے ہیں کہ جسنے ویدوں کو جمع کیا ہے۔ لکھا ہے کہ دنیا بار بار پیدا ہو کر فنا ہوتی ہے اور وشن پوران میں ہے کہ آدمیوں کا ایک سال دیوتاؤں کے ایک دن کے برابر ہوتا ہے اور دیوتاؤں کے بارہ ہزار سال کے چار جگ یعنے زمانہ ہوتے ہیں جنکے یہ نام ہیں ست جگ۔ تریتا جگ۔ دواپر جگ۔ کل جگ۔ اور اب کل جگ ہے۔ ایسے ہزار زمانے یعنے چار ارب بتیس کروڑ سال برہما جی کے ایک دن کے برابر ہیں

[1] وید کا ایک منتر یعنے جملہ ہے جسمیں دیوتاؤں کی مدح ہے اسکو برہمن سب منتروں سے افضل جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے بڑی قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور مشکلیں حل ہو جاتی ہیں ۱۲ منہ

اور اسی عرصہ میں چودہ منوجی پیدا ہوتے ہیں اور ہر منوجی کے زمانہ میں بعض دیوتا فنا ہوکر پھر پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب برہما جی کا ایک دن گزر جاتا ہے تو سارا جہان فنا ہو جاتا ہے اور رات بھر فنا کی حالت میں رہتا ہے صبحکو پھر پیدا ہو جاتا ہے اور برہما جی اپنے ہی برسوں کے حساب سے سو برس جیتے ہیں۔ پورانوں میں پایا جاتا ہے کہ دیوتاؤں کا پوجنا اور مذہبی رسوم ادا کرنا ہر نیکی سے بہتر ہے اور اکثر ہندو پورانوں پر چلتے ہیں۔ پورانوں کے موجب سب ہندو جانتے ہیں کہ خدا ایک ہے جسے نارائن یا بھگوان (دیا ایشور) کہتے ہیں۔ لیکن اسکی عبادت کوئی نہیں کرتا بلکہ بھگوان کے تینوں سروپوں (مظہر) کو برہما جی۔ بشن جی۔ شو جی۔ (مہادیو) مانتے اور ان میں سے صرف بشن اور شو کو پوجتے ہیں۔ ہندو لوگ بشن جی کی اتنی پوجا نہیں کرتے جتنی ان کے دونوں اوتاروں راجہ رام چندر جی اور سری کرشن جی کی کرتے ہیں خصوصاً کرشن جی کو تو نارائن کا سروپ جانتے ہیں۔ شو یعنے مہادیو کو ایسی صورت میں خیال کرتے ہیں کہ ایک فقیر اپنے بالوں کی لٹیں چھوڑے بیل پر سوار ہے (ایک ہاتھ میں ترسول دوسرے میں ڈیرو) بدن پر سانپ لپٹے ہوئے بالوں میں سے گنگا کی دھاریں بہ رہی ہیں گرچہ انکو فنا کرنے والا جانتے ہیں۔ مگر فنا کے بعد بقا خیال کرتے ہیں اسلئے انکی بھی پوجا کرتے ہیں اسلئے عورتیں ان[1] سے اولاد مانگتی ہیں اور ان تینوں شخصوں کی بیویوں کو بھی پوجتے ہیں سرسوتی جی برہما جی کی بیوی (اور بیٹی) لچھمی جی بشن کی اور پاروتی مہادیو کی

---

[1] ان کی مورتیں تراش کر بڑے بڑے مکانوں میں رکھہ چھوڑی ہیں جنکو دیول یا مندر کہتے ہیں۔ مندروں میں جو مہادیو کے نام سے بنے ہیں۔ کہیں ایک پتھر کا بیل بیٹھا ہوا ہے جو مہادیو کی سواری تھا اور ایک کہرل اور اسمیں ایک عمودسا پتھر کا لمبا بٹا بھی کھڑا ہے۔ کہرل سے جسکو جلہری کہتے ہیں مہادیو کی بیوی کا اندام نہانی اور دستہ سے مہادیو کا اندام نہانی مراد ہے۔ مستورات ہنو حصول اولاد کے لئے اسکا مس کرنا سجدہ کرنا پر اثر عمل خیال کرتی ہیں ۱۲ منہ

تھی۔ اور انکو دولت اور علم اور فنا کی دیویاں جانتے ہیں۔ پاروتی جی اکثر بھوانی دیوی۔ اور درگا دیوی بھی کہلاتی ہیں۔ ان کے ماننے والے متعدد فریق ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن میں کسی ذات کا امتیاز نہیں برہمن۔ چھتری۔ بیش شودر سب مل کر ایک برتن میں گوشت اور شراب ملا کر کھالے اور پھر کیا کیا ناگفتہ بھی حرکات کرتے ہیں ہنود میں بھوت پریت امراض وغیرہ کو بھی دیوتا مان کر پوجتے ہیں (سیتلا یعنی چیچک کی دیوی کا ہر گاؤں میں ایک چھوٹا سا مندر ہوتا ہے جسکو پوجتے ہیں اور اسکے خوش کرنیکو گدھوں کو گھنگنیاں کھلاتے ہیں اور بڑے بڑے سال میں معین دنوں میں میلے ہوتے ہیں) +

ہندوں میں ہر ایک دیوتا کے پوجنے والوں کے متعدد فریق ہیں اور ہر فرقہ میں برہمن یا گسائیں کی قوم سے ایک ایک گروہ ہوتا ہے اور انکو لوگ بہت دیتے لیتے رہتے ہیں اسلئے بڑے متمول ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک ہندو خواہ کسی فرقے کا ہو اپنے ماتھے پر ٹیکہ لگاتا ہے اور ٹیکے مختلف الاشکال کے ہوتے ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں فرقے کا ہے اور ہر ہندو کے سر پر ایک چوٹی بھی ہوتی ہے جسکو منڈانا بہت برا جانتے ہیں ہنود کی بڑی عبادت اور مذہبی پابندی یہ ہوتی ہے کہ صبح کو گنگا میں نہانا اور گنگا نہو تو اور پانی میں سہی اور نہا کر بتوں کو سجدہ کرنا انپر پانی ڈالنا ان کے آگے کھانا وغیرہ رکھنا گھنٹیں اور ناقوس بجانا جس سے وہ اپنے سوتے بتوں کو بیدار کرتے ہیں۔ اور غیر قوم کی کوئی چھوئی ہوئی چیز نہ کھانا نہ پینا اسمیں بڑی احتیاط کیجاتی ہے گائے کے گوبر سے جگہ لیپ پوت کر کھانا پکانا اسکو چوکا کہتے ہیں۔ گوشت سے پرہیز کرنا مگر مخصوص قومیں چھتری کشمیری برہمن وغیرہ مخصوص ہیں۔ مگر گائے کا گوشت سبکے نزدیک ممنوع ہے مردوں کو جلانا اور مردہ کے لئے پروہت سے سرادہ کرانا جنیو گلے میں ڈال رکھنا۔ بتوں کے سالانہ اور ماہوار میلے کرنا بڑی دھوم دھام سے انکو نکالنا دور دراز

سفر کر کے گنگا کے اشنان کو جانا یا بڑے مشہور مندروں پر جا کر نذر بھیٹ چڑھانا۔)
ہندوؤں میں دیوتاؤں کی بڑی کثرت ہے اور بڑے چھوٹے سب دیوتا تینتیس کروڑ ہیں اور اِن میں سے مشہور دیوتا یہ ہیں گنیش جی۔ جنہیں مشکلوں کا آسان کرنے والا سمجھتے ہیں اور ہر کام میں برکت کے لئے پہلے انہیں کی پوجا کرتے ہیں (اسکی صورت ایسی بناتے ہیں ہاتھی کا سر اور سونڈ نیچے کا دھڑ انسان کا مکانوں کے دروازوں پر بھی یہی متبرک شکل بناتے ہیں) اندر۔ کوبیر۔ سوام۔ کارتک۔ اور کام دیو۔ جو ہرگ دولت لڑائی اور شہوت کے دیوتا ہیں ورن۔ اگن۔ پرتھوی۔ پون۔ سور۔ سوم یعنی پانی۔ آگ۔ زمین۔ ہوا۔ سورج۔ چاند۔ اِن کے سوا نو ستارے اور بہت سے دریا بھی انہیں تینتیس کروڑ میں ہیں۔ دریاؤں میں گنگا جی اول درجے پر جمنا جی دوئم درجہ پر ہے اور ان دونوں کو عورت کی صورت میں خیال کرتے ہیں۔ اندر اور پون اور بڑے بڑے دیوتاؤں کے واسطے جدے جدے مکان مقرر ہیں۔ جن کو لوک (یعنی عالم) کہتے ہیں اور انمیں سے اندر استہان کی جسکو اندر پوری اور اندر لوک بھی کہتے ہیں بڑی تعریف لکھی ہے۔ چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ اندر لوک میں سونے کے محل جواہر آبدار سے آراستہ ہیں ہر طرف خوشنما باغ موجود ہیں۔ نہریں بہ رہی ہیں۔ پھول کھل رہے ہیں اپسرا اور گندھرب دو معشوقیں اپنے ناز و انداز سے راجہ اندر کو رجھا رہی ہیں۔ اور بھی صدہا مہ جبین حلقہ باندھے آرایش کئے بیٹھی ہیں۔ راجہ اندر کا اکھاڑا مشہور ہے +

ان کے سوا گوشائیوں۔ سناسیوں۔ بیراگیوں۔ جوگیوں کے صدہا گروہ ہیں جنکی عبادت مجرد رہنا۔ شادی نکرنا ہے۔ یہ کہیں دریا کے کنارے کبھی پہاڑوں میں کبھی کسی اور جگہ ارد گرد آگ جلاتے اور رات دن اس میں بسر کرتے ہیں بدن کو راکھ ملتے ہیں بعض بالکل برہنہ رہتے ہیں بعض صرف ایک لنگوٹی باندھے رہتے ہیں۔ بعض جتھو کلانہ صرف دودھ پر بسر اوقات کرتے ہیں بعض گھروں میں جا کر بھیک مانگ لاتے ہیں۔ انکی ریاضتیں بھی

سخت ہیں۔ بعض ایک ٹانگ پر کھڑے رہتے ہیں دوسری کو سوکھا دیتے ہیں بعض ایک ہاتھ کو اُٹھائے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ سوکھ جاتا ہے۔ ان میں روحانی ریاضتیں اور مجاہدے کرنے والے بھی ہوتے ہیں جنپر قدرے روحانی اثر بھی مرتب ہوتے ہیں اور بعض تسخیر شیاطین کرنے میں مصروف ہوتے ہیں سحر کی مشاقی کرتے ہیں۔ پھر ہر ایک جماعت کا ایک گرو ہوتا ہے اور جہاں گرو رہتا ہے وہاں بہت کچھ مال واسباب ہوتا ہے بلکہ آپس سے بیوپار اور داد وستد سودی بھی کرتے ہیں گرو مرجانیکے بعد اوسکا چیلہ جانشین ہوتا ہے۔ ان کے معابد میں گانا بھی ایک بڑی عبادت شمار ہوتی ہے۔ بھاشا زبان میں وہ گیت گائے جاتے ہیں جو دنیا کی بے ثباتی پر دلالت کرتے ہیں۔ فن موسیقی کے یہ بڑے اوستاد ہوتے ہیں۔ طب اور کیمیا میں بھی انکو دخل ہوتا ہے۔ اسلئے عوام و خواص ہنود ان کے بہت معتقد ہوتے ہیں نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی ہنود کے دیوتاؤں اور ان کی مورتوں کو پوجا کرتے ہیں۔ ہنود میں ایک فرقہ ویدانتی کہلاتا ہے جنکے خیالات وحدت الوجود میں قریب قریب صوفیائے وجودیہ کے ہوتے ہیں۔ ان کی عبادت مراقبہ اور تصحیح خیال ہے البتہ یہ بتوں کو نہیں پوجتے۔ ایک ہندو ایک وقت میں متعدد بیویاں کرسکتا ہے اور ایک بیوی جب خاوند سے اولاد کی توقع نہو تو دس مردوں تک سے اولاد حاصل کرسکتی ہے اور اسکو نیوگ کہتے ہیں۔ دہرم کے لئے ہندوں میں جنگ کرنا ایک عمدہ کام ہے +

قسم دوم میں بہت سے فرقے ہیں جنمیں سے یہ دو فرقے بہت مشہور ہیں اول بودہ۔ اگلے زمانہ میں برہمنوں کے قول کے موافق ہندو یہ خیال کرتے تھے کہ جس شخص میں بدہ یعنے عقل کامل آجاتی ہے اسی قدرت خدائی حاصل ہوجاتی ہے اور وہ بدہ کہلانے لگتا ہے۔ مگر یہ اسکو حاصل ہوتی ہے جو دھرم میں

نہایت کوشش کرتا ہے +

حضرت عیسے سے چند سو برس پہلے ایک چہتری راجہ کے بیٹے نے جس کا نام سدہارتھہ تہا اس درجہ کے حاصل کرنے کے واسطے دہرم پر کمر باندہی اور راج پاٹ چہوڑ کر بیراگ اختیار کر لیا۔ اور جنگلوں میں تپتیا کرتا پہرا آخر اس کے دلمیں ٹہن گئی کہ مجہکو بدھ کا مرتبہ حاصل ہوگیا اور اپنے تئیں سب علوم کا ماہر سمجہ کر اپنا بودہ مذہب پہیلانا شروع کر دیا اور اسوقت سے اسکا نام شاکی سنگہ گوتم یا شاکی منی۔ مشہور ہوا۔ پہلے پہل یہ مذہب نواح بنارس میں جاری ہوا پہر آہستہ آہستہ تمام ہندوستان میں پہیل گیا۔ اور حضرت عیسے سے اڑہائی سو برس پہلے اوس نے بڑی رونق پائی اور تہوڑے عرصہ کے بعد جزیرہ سراندیپ برما چین میں جہاں اب تک اس مذہب کے ہزاروں آدمی موجود ہیں چمک گیا۔ لیکن اب ہندوستان میں بجز پہاڑی[1] ملکوں کے اسکا نام و نشان بہی نہیں +

[1] تبت وغیرہ ۱۲ منہ

اس مذہب میں ذات کو کچہہ دخل نہیں ہر ایک آدمی کا درجہ اسکے عملوں پر موقوف ہے۔ شاکی منی کہتا ہے کہ بچے بڈہے جوان مرد عورت کو تکلیفیں سہنے سے ایک خاص فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک **نجات** ایک ایسی حالت میں پہونچ جاتا ہے کہ جسمیں خوشی و رنج دوستی و دشمنی اور جملہ خیالات اور خواہشوں سے آزاد ہو جائے۔ اس کے حیات میں ہی اس کے مذہب نے بڑا رواج پایا ویدک دہرم۔ اور برہمنوں کا قریب استیصال کے ہوگیا تہا بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اس مذہب میں آگئے تہے اور اس کے بعد بہی اس مذہب کی بڑی ترقی ہوئی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس میں بہت سے فریق ہوگئے جو آج تک مختلف مقامات میں موجود ہیں۔ انہیں سے ایک بڑے فریق کا یہ قول ہے کہ خدا کچہہ چیز نہیں اور سب میں بڑا بدہ ہوتا ہے۔ اور چوبیس بدہ گزر چکے ہیں گوتم پچیسواں بدہ ہے۔ اور انکا یہ بہی قول ہے کہ

کہ مادے میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ وہ خود بخود جہاں کی صورت میں بدل جاتا ہے اور پھر فنا ہو کر نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ یہی حالت جاری رہتی ہے۔ بعض فرقے کہتے ہیں کہ خدا موجود ہے مگر اسنے نہ دنیا کو پیدا کیا ہے نہ اسکو انسان کے نیک و بد کاموں سے کچھ تعلق ہے۔ بعض فریق کہتے ہیں کہ گرچہ خدا کو دنیا سے کچھ سروکار نہیں۔ لیکن پھر بھی تمام چیزیں اسکی مرضی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اِس مذہب کی بڑی عبادت یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگاؤ۔ کسیکو دکھ نہ دو اسلئے ان میں سے اکثر دنیا چھوڑ کر ایک مکان میں جسکو دہار کہتے ہیں ہو بیٹھے ہیں صندل کی لکڑیاں جلا کر بھجن کیا کرتے ہیں۔ بودھ مذہب کے اکثر لوگ ہندوں کے دیوتاؤں کو بھی پوجتے ہیں اور اپنے گھروں اور بودھ کی مورت کو عموماً پوجتے ہیں۔ اور ان کے مندروں میں عجائب عجائب حیوانات کی مورتیں پائی جاتی ہیں۔ دوسرا جینی مذہب ہے یہ بھی بودھ مذہب کیطرح کہتے ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ اگر ہے تو اسکو دنیا کے کاموں میں کچھ دخل نہیں نہ اسنے دنیا کو پیدا کیا ہے بلکہ مادے میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ وہ خود بخود دنیا کی صورت میں بدل جاتا ہے۔ جسطرح بودھ مذہب کے لوگ بدھ کو مانتے ہیں اسطرح یہ ارہنت کو پوجتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں چوبیس ارہنت ہیں اور یہ پہلے آدمی تھے۔ تپسیا[1] کرکے ارہنت ہو گئے اور جب ان کا زمانہ پورا ہو چکے گا تو چوبیس اور ہونگے۔ جینی لوگ اس زمانہ کے ارہنتوں میں سے رشبھ جی کو جو سب سے پہلے ارہنت ہیں اور پارس ناتھ کو جو تئیسویں ہیں اور مہابیر جی کو جو چوبیسویں ہیں بہت پوجتے ہیں اور یہی دونوں اخیر شخص اس مذہب کے بانی معلوم ہوتے ہیں۔ جینیوں کے دو فرقے بڑے مشہور ہیں ایک دگمبری دوسرے سوتیمبری

---

[1] جب خدا نہیں تو تپسیا یعنے عبادت کسکی کی تھی ۱۲ منہ

دگمبری جنکو سراؤگی بھی کہتے ہیں اپنے دیوتاؤں کی مورتوں کو برہنہ رکھتے ہیں اور ان کے منی بھی بالکل ننگے رہتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں جہات ششہ کے سوا اور کسی لباس کی ضرورت نہیں لفظ دگمبر دگ اور امبر سے مرکب ہے۔ دگ سنسکرت میں سمت کو اور امبر چادر کو کہتے ہیں یعنے ان کا لباس یا چادر صرف جہات ہیں۔ پھر اس فرقے میں بھی کئی فریق ہیں مگر زیادہ مشہور وہ ہیں جو پہلے منئے تھے اور پھر سراؤگی ہو گئے :۔

سوتیمبری وہ لوگ ہیں جو اپنے بتوں کو کپڑے تو نہیں پہناتے مگر خول کے طور پر زیور پہنا دیتے ہیں چاندی سونے کے انگرکھے پائجامے۔ یہ لفظ سویت اور امبر سے مرکب ہے۔ سویت سنسکرت میں سفید کو کہتے ہیں یعنے سفید چادر پہننے والے انکی بھی کئی قسمیں ہیں۔ موہنہ بندھے جنکو سیوڑے اور ڈھونڈے کہتے ہیں۔ وہ بھی انہیں میں سے ہیں۔ ان کے منی سفید چادر اوڑھتے ہیں۔

جینیوں کا بڑا اصول مذہب یہ ہے کہ کوئی جانور ان کے ہاتھ سے نہ مرنے پائے اسلئے ہاتھ میں ایک سوت کی چونری رکھتے ہیں کہ جگہ جھاڑ کر بیٹھیں کوئی جانور دبکر نہ مرجائے اور کپڑا بھی موہنہ پر تاگے میں ڈالکر لٹکائے رہتے ہیں کہ موہنہ کی بھاپ سے کوئی جانور نہ مرجائے اور پانی چھان کر پیتے ہیں اور اس امر میں طرح طرح کی تکلیفیں گوارا کرتے ہیں مگر سب **بت پرست** ہیں اپنے پیشواؤں کی مورتوں کو پوجتے ہیں۔ ان کے آگے ہاتھ جوڑتے سجدہ کرتے ہیں مرادیں مانگتے ہیں اور ہندوں کے دیوتاؤں کو بھی پوجتے ہیں۔ عجب ہے کہ خدا تو کوئی چیز نہیں اور ہے تو اسکو دنیا کے کاموں میں کچھ بھی دخل نہیں اور ان کے بتوں کو سب کچھ دخل ہے جو ان کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں اور جنکے نام کے یہ بت ہیں وہ انہیں جیسے آدمی تھے اناج کھاتے پاخانہ پھرتے تھے انکو مرنے کے بعد بھی یہ قدرت ہے کہ وہ تو وہ ان کے نام کی مورتیں پوجے بغیر بھی چارہ نہیں۔

جینی بھی بودھ مت کیطرح ویدوں اور ہنود کی دیگر کتابوں کو واجب التسلیم نہیں جانتے

بلکہ بعض تو سخت برائی بیان کرتے ہیں۔ ان کے پاس اپنے دہرم کی کتابیں ہیں جنکی زبان خالص سنسکرت نہیں بلکہ مخلوط ہے +

اس مذہب والے وسط ہند میں بھی ہیں اور راجپوتانہ اور گجرات اور کاٹھیاواڑ میں تو بکثرت ہیں جوناگڈھ کے پہاڑ گرتار پر نیموتا تھہ کا ایک مندر ہے جسمیں ہندوں کو نہیں جانے دیتے۔ کئی گز کا ایک بلند بت ہے وہاں ان کے درویش اور عالم رہتے ہیں

ان دونوں قسموں میں قدیم سے بت پرستی مروج ہے جیساکہ عرب میں تھی اور اسیلئے علمار نے کہا ہے کہ عرب اور اہل ہند کے مذاہب و خصائل میں بہت مشابہت ہے۔

ان ہنود میں علوم بھی تھے ریاضی خصوصاً ہیئت۔ ہندسہ۔ حساب۔ موسیقی نجوم میں کمال مہارت تھی۔ فن طب بھی ان میں ایک حد تک ترقی پر تھا۔ ان کے چھتری بہادر اور غیور بھی تھے۔ رحمدلی مہماں نوازی بھی ان میں تھی سخاوت اور داد و دہش بھی تھی۔ اسیطرح عرب میں عمدہ خصائل بھی تھے۔ شجاعت۔ سخاوت۔ مہماں نوازی حمیت۔ علم نسب و قیافہ کے بڑے ماہر تھے +۔ مگر جسطرح اہل ہند سادہ لوح او ہام پرست تھے اسیطرح عرب بھی تھے۔

تیسری قسم کے جاہل اور وحشی ہندو ہیں اور اس ملک کے اصل باشندے یہی ہیں جنکو وسط ایشیا سے آکر آریوں[1] نے مغلوب کر لیا تھا۔ اور انکو

[1] آریہ یعنی ایرین حضرت مسیح سے تخمیناً دو ہزار برس پہلے بعضوں کے نزدیک پندرہ سو برس پہلے ترکستان سے آکر اول پنجاب میں ستلج تک بسے اور پھر ترقی کرتے کرتے ہندوستان پر حاوی ہوگئے۔ برہمن انکی علمی قوم قرار پائی۔ چھتری جنکی نسل سے راجپوت اور کھتری ہیں اہل حکومت قرار پائے۔ ویش بنئے وغیرہ اہل تجارت قرار دیئے گئے شودر یہاں کے قدیم باشندے نیز اہم خلائق کے قرار دیئے گئے ابتدا میں ایرین خانہ بدوش تھے مواشی کے گلے انکے ساتھ رہتے تھے صابی مذہب ساتھ لائے تھے عناصر وغیرہ کی مدح میں لوگ کچھ اشعار تصنیف کرکے آگ عناصر و نیرات کی پرستش

شودر کا خطاب دیا تہا جو آریوں کے ساتھ کسی حق کے مستحق نہ تھے محض خدمت گار سمجھے جاتے تھے جیسا کہ چمار۔ خاکروب۔ ڈھیر۔ بھیل گونڈ۔ انکا کسیوقت میں بھی کوئی مذہب و ملت نہیں ہوا ہے۔ یہ بت پرست بلکہ عجائب پرست ہیں ہر چیز کو جو ان کے نزدیک بڑی قوت والی ہو خدا سمجھتے ہیں۔ پیلچ اوس عہد میں کیا بلکہ ابتک افریقہ کے جاہلوں کا یہی حال ہے اور دیگر طوائف بنی آدم کی بھی یہی حالت تہی۔ ایسی حالت میں خدا کی رحمت کا مقتضے تھا کہ کوئی بڑا زبردست رسول بھیجے جو تمام بنی آدم کو خدا پرستی اور مکارم اخلاق طہارت و نجاست جائز نا جائز باتیں بتاوے۔ مرنے کے بعد آنے والی زندگی کی صحیح صحیح خبر دیکر متنبہ کرے اور ملت ابنیائی اور مذہب ابراہیمی کو از سر نو زندہ کرے جو جو امور اس کے لوگوں میں باقی رہ گئے ہوں ان کو انکے غلط خیالات کی آمیزش سے پاک و صاف کر کے ملت میں باقی رکھے اور جو مٹ گئی ہوں انکو از سر نو قائم کرے۔ اور ایسا شخص اوس عہد میں بجز حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی دوسرا مبعوث نہیں کیا گیا اور اگر کوئی دوسرا ایسا ہوا ہو تو ہمکو بتلایا جاوے باتفاق مورخین ایسا کوئی اوس عہد میں مبعوث نہیں ہوا ہے۔ پس آپ کی نبوت

بقیہ نوٹ نمبر ۳۳۰ کے وقت پڑھا کرتے تھے وہ شدہ شدہ منتر قرار پا گئے اور روز بروز تصنیف کا سلسلہ بڑھتا گیا ابتدائے زمانہ سے لیکر ان کے عروج تک جبکہ انمیں شائستگی پیدا ہو گئی تہی تخمیناً ہزار برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر ویاس نے ان مختلف اشخاص کے مختلف المضامین اشعار کو جمع کر دیا انکا نام وید یعنی علم قرار پایا۔ شاید رگ یجر۔ اتھر و شام لوگوں نے بعد میں یا اسی وقت میں ترتیب دینے میں کوشش کی انہیں کے نام سے نامزد ہو گئے اسیلئے ویدوں میں مضامین مختلف پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے متعدد مصنف مختلف زمانوں کے ہیں اور اس اثنا میں ابنیا ربھی آئے ہوں اور انکے کلام کو بھی شامل کر دیا ہو تو تعجب نہیں اسیلئے انمیں اہب باطلہ میں بعض سچے اور الہامی باتیں بھی تلاش سے ملتی ہیں مگر غضب یہ ہوا کہ انپر بھی خیالات کی قلعی چڑھکر اور ہی صورت کر دگئی ہے ۱۲ منہ

و رسالت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر ثابت ہو گئی جسمیں منصف کو قیل و قال کی مجال ہی باقی نہیں رہی +

جس مذہب کو آپنے رواج دیا ہے اسکا نام اسلام ہے اور یہی خدا کے نزدیک مقبول اور موجب نجات ہے جیسا کہ قرآن میں آگیا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ کہ جسنے اسلام کے سوا اور کوئی دین اختیار کیا تو وہ مقبول نہوگا اور وہ شخص آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔ کسلئے کہ دین برحق کا بڑا اصول توحید اور اسکی ذات و صفات وغیرہا ان امور پر ایمان لانا ہے جنکو حواس محسوس نہیں کر سکتے پھر وہاں تک رسائی کے دو ہی طریق ہیں اول استدلال سو یہ کافی نہیں۔ کیونکہ استدلال میں بڑی بڑی غلطیاں پیش آجاتی ہیں۔ جنکی تفصیل علم منطق میں مذکور ہے جو خاص استدلال کی حفاظت کے لئے حکماء نے مدون کیا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ایک حکیم استدلالی کا نتیجہ دوسرے کے خلاف نکلتا ہے اور کبھی خود ایک نتیجہ نکالتا ہے پھر دوسرے وقت آپ ہی اوس کو غلط قرار دیتا ہے دوئم کشف۔ اسمیں وہم و خیال کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ کوئی ہزار روحانی ریاضات کرے اور کسی حد تک اس کے کشف کا پایہ بلند ہو جائے مگر تاوقتیکہ تائید الٰہی جسکو عصمت فی العلم کہتے ہیں معین نہو۔ وہمی اور خیالی آمیزشوں سے بچ نہیں سکتا اور وہ کشفی ادراک میں معصوم صرف حضرات انبیاء علیہم السلام ہی ہوتے ہیں کسلئے کہ یہ دنیا میں اسکی ہدایت کے ذمہ وار ہوتے ہیں یہی علوم آخرت پہونچانے کا وسیلہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ انکی نگہبانی نہ کیجائے تو کام کیونکر چلے۔ جن باتوں کو اور لوگ استدلال یا کشف سے کچھ کچھ دریافت کرنے میں سالہا سال محنتیں اٹھاتے ہیں وہ انکو عیاناً دکھا دی جاتی ہیں اور ان کے چشم باطن میں خلاف بینی کا عیب بھی نہیں

ہونے پاتا ہے وماذاغ البصر وماطغی اب جسقدر مذاہب کا آپنے حال دریافت کیا کہ نصاریٰ نے یوں کیا یا زمانہ کی اتنی عمر ہے اور نور ظلمت کے اختلاط سے یوں ہوا اور آخر خدا کی ذات کا جزو ہو جانا نجات ہے اور اسکی ذات میں منفصل ہو کے دنیا بنی تہی سب اوہام و تخیلات ہیں انپر کوئی کیونکر یقین کر سکے؟ اور انکے غلط نتائج سبھی عقلاء کے نزدیک ظاہر ہیں خدا کوئی مجسم چیز نہیں کہ جس سے اجزا منفصل ہوں اور دنیا بننے سے وہ اجزا جدا ہو کر اسکی ذات کا نقصان لازم آئے اور پھر اسی میں ملجانے سے اسکی تکمیل ہو جائے یہ تو ہندوں کی نجات نہوئی بلکہ خدا کی ہوئی کہ ناتمام پڑا تھا۔ اسکے اجزار ملکر پورا ہو گیا*

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں کوئی نیا دین نہیں لائے بلکہ اسیکو درست کر دیا جو آدم نوح ابراہیم موسےٰ عیسےٰ علیہم السلام لائے تھے یا اور ملکوں میں اور انبیاء لائے تھے اور پھر در زمانہ انہیں لوگوں نے آمیزش و تحریف کر کے بگاڑ دیا تھا۔ اسلئے اس مذہب کی باتوں کو یہ کہنا کہ یہ فلاں مذہب سے لی گئی ہیں فلاں سے ایک بیکار کوشش اور فضول اعتراض ہے۔ جب آپ دنیا بھر کے مذاہب و ادیان سے واقف ہو چکے تو اب دیکھئے اور انصاف کیجئے کہ قرآن نے انسانی سعادت کے متعلق کن کن علوم کو ذکر کیا ہے۔ یہی ایک بات قرآن کے من جانب اللہ ہونے کے لئے کافی ہے اور منصف کے لئے دلیل شافی ہے

فصل (۷)

(قرآن کے علوم)

انسان کے اندر خدا نے دو قوتیں ایسی رکھی ہیں کہ اگر انکی اصلاح ہو جائے تو نجات

ف اگر ان آسمانی جواہر کو خود خدا ہی نے قرآن میں مجتمع نہیں کر دیا ہے تو حضرت محمد صلعم نہ لکھے پڑھے تے نہ ان کے پاس مذاہب مختلفہ کی کتابیں تہیں نہ عربوں کو ادیان مختلفہ سے اطلاع تہی تو پھر انہوں نے کیونکر انتخاب کر کے جمع کیا یہ عقل سے باہر ہے ۱۲ منہ

اور سعادت عظمیٰ یہی ہے پھر جسقدر انسان انمیں ترقی کرے گا۔ اسیقدر اسکی سعادت میں ترقی ہوگی اور جسقدر ان میں نقصان رہے گا۔ اسیقدر اسکی سعادت میں قصور رہے گا۔ اور وہ دو قوتیں یہ ہیں۔ ایک قوت نظریہ علم وادراک حقیقی اور مطابق واقع اور یہ اعلےٰ قوت ہے یہی اعمال پر بھی برانگیختہ کرتی ہے اور مرنے کے بعد یہ انسان کے ساتھ رہتی ہے۔ اسکی تکمیل یہ ہے کہ موجودات کو ٹھیک ٹھیک طور پر جانے۔ موجودات کی دو قسم ہیں مجردات ومادیات یا کہو عالم محسوس وعالم معقول۔ محسوسات ومادیات کے علوم وانکشاف بمقابلہ مجردات کے علوم وانکشاف کے چنداں کمال میں داخل نہیں کس لئے کہ اول تو مادیات متغیر ہیں جنکے تغیر سے علم میں بھی تغیر ہونا لازمی بات ہے دوئم یہ خسیس ہیں اور خسیس کا عالم بھی ویسا ہی خسیس ہے۔ انسان کی صحت ومرض کے عالم کو حیوانات کی صحت ومرض کے عالم پر اسیلئے فوقیت ہے کہ وہ شریف کا علم ہے یہ خسیس کا۔ اسی معنی میں سعدی نے کیا خوب کہا ہے

بوریا باف گرچہ بافندہ است　　　نہ برندش بہ کارگاہِ حریر

مجردات میں سب سے اعلیٰ واشرف موجود حقیقی اللہ تعالےٰ ہے اسکی ذات وصفات کا علم ایک بڑا شریف علم ہے اور اس علم میں استدلال وانکشاف بجز انکشاف انبیاؑ کے قاصر ہے اسیلئے اس گرداب میں صدہا کشتیاں غرق ہوگئیں اور پھر باہر نہ نکلیں

درین ورطہ کشتی فرو شد ھزار　　　کہ پیدا نشد تختۂ بر کنار

(۱) سیکڑوں مذاہب باطلہ وادیان کاذبہ اسیلئے پیدا ہوئے کہ انہوں نے خدا کو خدا نہ جانا بلکہ اپنے خیالات کا تراشا ہوا خدا بنایا اور اپنے خیال باطل کے موافق اسکو صفات ناقصہ کا لباس پہنایا۔ جیسا کہ آپ کو تفصیل مذاہب سے معلوم ہوا ہوگا۔ مگر قرآن نے اس مشکل کو آسان کردیا۔ دلائل آفاق وانفس سے اپنی ذات اور وجود کا ثبوت بھی کردیا۔ اور توحید وقدرت وعلم وحیات و ارادہ وغیرہ صفات کمال بھی ثابت

کر دیئے اور فنا و حدوث و احتیاج اور جسمانی آلائشوں سے پاکیزگی بھی بتادی اپنا بیچون و بے چگون ہونا بھی واضح کر دیا۔ قرآن کا ایک حصہ اسی علم میں ہے نمونہ کے طور پر ہمنے چند آیات صدر کتاب میں نقل کیں۔ ہیں۔ باب اول کی فصل اول و دوم پڑھو +

(۲) وہ نورانی مخلوق جو عالم جسمانی میں فیض الہی پہونچنے کا ذریعہ ہے اور نیز اس کی تسبیح و تقدیس کے لئے بھی ہے اعنی فرشتے ان کے حالات کی بھی قرآن نے بہت کچھہ تشریح فرمائی ہے انہیں بھی قرآن کا بہت حصہ ہے۔ آیات نظائر ا بحث ملائکہ میں ذکر ہو چکیں +

(۳) عالم روحانی جہاں مرنے کے بعد ارواح اپنے نیک و بد کاموں کا بدلہ پاتی ہیں عالم برزخ۔ عالم آخرت حشر و نشر جنت اور وہاں کے کوائف دوزخ اور وہاں کی مصیبتیں اور مرنے کے بعد ارواح کی کیفیات اور جسم سے متعلق ہونے سے پہلے کے حالات۔ اس علم کو بھی قرآن نے بہت کچھہ واضح فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں وہ چند آیات جو اس بحث میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ گو ایک موقعہ پر بلید الذہن سائل کے جواب میں جو اس مسئلہ کو عمدہ طور سے سمجھہ نہ سکتا تھا۔ تھوڑا سا حال بیان کر دیا اور اتنا ہی کہنا کافی سمجھا کہ قل الروح من امر ربی مگر اور اور مقامات پر جیسا کہ ہمنے آیات سے ثابت کیا ہے بہت کچھہ حال ارواح کا بیان فرمایا ہے پھر یہ کہنا کہ ارواح کے علم سے قرآن خالی ہے محض تعصب ہے۔

(۴) محسوسات میں اعلی و اشرف حضرات انبیاء ہیں علیہم السلام کیونکر وہ اپنی قوت ملکیہ کے لحاظ سے فرشتوں سے کم نہیں اور اسی سبب سے ان پر عالم روحانی کے علوم و حقائق منکشف ہوتے ہیں اور جسمانی لحاظ سے وہ انسان کامل ہیں اول تو انسان ہی عالم صغیر ہے خدا کے جمال کا آئینہ ہے اسکی خوبی کو سماوات اور ستارے کہاں

پہونچ سکتے ہیں اسکا ادراک اور اسکا وہ دل دردمند جو سوز وگداز الہی کا خزانہ ہے جسنے امانت الہی سر پر اٹھالی جسکو آسمان و زمین اور بڑے مستحکم پہاڑ نہ اٹھا سکے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا وحملہا الانسان پہر ان میں حضرات انبیاء جو انسانیت کے فرد کامل بدرجہ اولے افضل ہیں۔

اسلئے انبیاء علیہم السلام کا حال ذکر کیا اور نبوت کے مرتبہ کی حقیقت بیان فرمائی۔ اور جو کچھ کم فہموں کے نبوت پر شبہات تہے انکو دفع کر دیا اور انبیاء کے خصائص اور ان کے فرائض منصبی بہی واضح کر دیئے۔ اور انسے مخالف جسقدر برکات سے محروم رہے اور اپنر بلائیں نازل ہوئیں انکو بہی پہلی امتوں کے واقعات میں جو محض نظیر کے طور پر ذکر کیئے گئے آشکارا کر دیا۔ اور یہ اسلئے کہ بنی آدم اور خدا میں یہی واسطہ ہوتے ہیں اسکے احکام پہونچنے کا یہی گروہ ذریعہ ہے۔ اس بیان میں بہی بہت کچہہ قرآن کا حصہ ہے ملاحظہ ہو بحث نبوت

(۵) انبیاء علیہم السلام بہی بشر ہوتے ہیں وہ اپنے فرائض منصبی ادا کر کے عالم جاودانی میں چلے جاتے ہیں پہر ان کے علوم و ہدایات کا متکفل کامل[1] انکی وہ الہامی کتاب ہی باقی رہجاتی ہے جسپر ایمان لانا ان انبیاء اور ان کے الہامی امور پر ایمان لانا اور نبی کے برکات سے مستفید ہوتے رہنا ہے۔ اسلئے کتب انبیاء اور ان کے صحیفوں کا بہی قرآن میں بہت کچہہ ذکر ہے اور متعدد سورتوں میں ہے ایک جگہ ہے ولقد اتینا موسی الکتب۔ ایک جگہ ہے واتینا داود زبورا۔ حضرت عیسے کی نسبت ہے واتینٰہُ الانجیل۔ ایک جگہ ہے اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی

[1] اسمیں اسطرف اشارہ ہے کہ ان کے اصحاب اِن کا خاندان بہی متکفل اور اس کے علوم کا خزانہ ہوتے ہیں مگر نہ اسقدر کہ جسقدر کتاب ہوتی ہے۔ اسیلئے آنحضرت نے فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری اور بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کتاب اور اپنا خاندان ۱۲ منہ

صُحُفِ اِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى +

جسنے حضرات انبیار کی کتابوں پر یقین کر لیا اسنے خدا کے تمام منازل علوم پر یقین کر لیا ہے۔ یہ پانچ علوم ام العلوم ہیں۔ جسکو یہ حاصل ہو گئے اسکی قوت نظریہ ایک حد تک کامل ہو گئی شرع میں ان کے اعتقاد کو **ایمان** کہتے ہیں۔ اسلام میں انپر یقین کرنا ازبس ضروری ہے۔ قرآن میں اُنپر ایمان لانے کی بڑی تاکید ہے +

(۶) جملہ محسوسات علویات آسمان ستارے چاند اور سورج اور عناصر اور سفلیات زمین حیوانات نباتات جمادات ہیں۔ قرآن نے انکی آفرینش اور بقار کا نقشہ سامنے کھڑا کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ یہ جملہ اشیار اوسی قادرِ مطلق کی بنائی ہوئی ہیں ہی ہیں ہر روز اپنی قدرت وکمال کے نمونے دکھاتا ہے۔ خود ان کی پیدایش ان کے حالات کا تغیر اور ان میں جو کچھ اسنے باریکیاں رکھی ہیں وہ بتا رہی ہیں کہ وہ ایک دانا و دور اندیش باعلم و حکمت قادر کاریگر کا کام ہے یعنے خدا کا نہ مادہ اور طبیعت میں یہ ادراک ہے نہ علم و شعور ہے نہ یہ چیزیں خود بخود بن سکتی ہیں۔ مخلوق میں سے ہر ہر شے اس کے آیات قدرت کا دفتر ہے اِن سب کو **دلائل افاق** کہتے ہیں پھر ان میں خود حضرت انسان اور اسکی بناوٹ اور اس کے قویٰ اسکا علم و ادراک اور اسکا جزر و مد اس کے دل کی جو ایک دریا بیکنار ہے موجیں اسکی فنا اور اسکا میدان شہود میں یہ سفر اسکی ترقی و انحطاط یہ سب نہنار دلائل ہیں جو اسکی قدرت وکمال پر دال ہیں انکو **دلائل انفس** کہتے ہیں۔ قرآن میں جا بجا اس بات کو بڑے دلکش انداز سے بیان فرمایا ہے۔ صدر کتاب میں نمونہ کے آیات پیش کر چکا ہوں۔ قرآن کا ایک بڑا حصہ اسی بیان میں ہے باقی ان اشیار کا اسطور سے علم کہ ہوا اور پانی میں کیا ثقل ہے نباتات میں کیا کیا تاثیرات ہیں ستاروں کی چال کسطرف سے ہے یہ حکمار کے علوم ہیں۔ الہامی کتابیں اور حضرات انبیار انکی بتانیکو نہیں بھیجے جاتے ان کے لئے انسان عقول اور انکا تجربہ کافی ہے

دوسری **قوت عملیہ** ہے اسکے متعلق کارآمد اور ضروری تین علم ہیں۔کیونکہ اگر شخص واحد کی اصلاح وفلاح کا علم ہے تو اسکو **تہذیب النفس** کہتے ہیں۔ پھر اس علم کی بہت سی شاخیں ہیں۔طہارت بدن ولباس ماکل ومشارب۔کہ یوں فلاں نجاستوں پر غسل کرنا چاہیئے۔اور اس موقع پر صرف وضو کافی ہے۔نجاست بدن اور کپڑے پر لگے تو اسکو دھوڈالنا چاہیئے استنجا کرنا چاہیئے۔مکانوں کو نجاست ظاہری وباطنی سے پاک رکھنا چاہیئے۔اس کو علم الطہارت کہتے ہیں۔یہ اسلئے ضرور ہے کہ نجاست بدن کا اثر روح تک بھی پہونچتا ہے اس علم کو قرآن نے خوب مشرح بیان فرمایا ہے۔اور پھر پیغمبر علیہ السلام نے قولاً وفعلاً۔اور بھی توضیح کردی ہے۔جنابت کی بابت فرمایا ہے وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کہ اگر جنابت[1] ہو تو نہاؤ۔اور سر اس کا یہ ہے کہ ایسی حالت میں تمام بدن میں ایک تغیر پیدا ہوتا ہے خود انسان کو اپنے بدن اور پسینے میں ایک طرح کی بو معلوم ہونے لگتی ہے۔حرارت غریزیہ کا ہیجان ہوتا ہے۔بعد میں نہانا حرارت غریزیہ کے تحفظ کا باعث ہے۔عورتوں کو جب معمولی ایام ہوں تو ان سے صحبت کی ممانعت فرمادی ہے۔فاعتزلوا النساء فی المحیض اسمیں جو یہود کا مبالغہ تھا کہ اسکے ہاتھ کی چھوئی بھی کوئی چیز نہیں کھاتے تھے اسکا کھانا پانی جدا کردیتے تھے اس افراط کو دور کردیا عیسائیوں میں کچھ بھی پروا نہ کرتے تھے اس تفریط کو بھی دور کردیا۔ انسان جب پاخانہ پیشاب سے پاک ہو تو پانی یا ڈھیلوں سے صفائی کرے۔اسکی ترغیب اس آیت میں ولادی فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین ٥ کہ اس مسجد قبا میں وہ لوگ رہا کرتے ہیں جو ستھرائی کو پسند کرتے ہیں اللہ بھی ستھرائی اور پاکیزگی والوں کو پسند کرتا ہے۔نماز پڑھنے کے وقت وضو کا حکم دیا۔اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین کپڑے پاک رکھنے کی بابت حکم دیا وثیابک فطہر معنوی نجاست بت وغیرہ آلہ باطلہ

[1] بیوی سے صحبت کرنا یا خواب میں انزال ہوجانا ۱۲ منہ

اور تصاویر ہیں جنکو عرب اور دیگر اقوام خدا بنا کر پوجتے تھے اسنے بھی مکانوں کو پاک رکھنے کا حکم دیا۔ والرجز فاھجر۔ واجتنبوا الرجس من الاوثان۔ کہ پلیدی سے دور رہ اور بت جو ناپاکی ہے اسنے دور رہ۔ طہارت اخلاق یعنے جو چیزیں اخلاق کو ناپاک کرتی ہیں اور ان سے روح پر تاریکی پیدا ہوتی ہے جنکو شرع میں **شرک و معاصی** کہتے ہیں اسنے پاکیزگی حاصل کرنے کا جا بجا قرآن میں حکم دیا ہے۔ شرک کیا ہے۔ خدا کی ذات اور صفات عبادت و تعمیل احکام میں کسی دوسرے کو ملانا خواہ وہ کوئی ہو نبی ہو فرشتہ ہو ولی چاند اور سورج اور عناصر یا کوئی دیوتا ہو۔ ایسے کام کرنے والوں کو بھی قرآن نے ناپاک تبلایا ہے یہ روحانی ناپاکی ہے انما المشرکون نجس کہ شرک کرنے والے ناپاک ہیں۔ معاصی۔ یا نفسانی بیجا خواہشیں ہیں۔ یا طمع بیجا ہے یا غیر کی حق تلفی تینوں قسموں کو سخت ممنوع اور حرام کردیا۔ قسم اول زنا۔ لواطت اور ان کے دواعی یعنے جملہ وہ باتیں جو نفس کو ہیجان میں لائیں اور زنا میں مبتلا کردیں۔ فحش تصاویر فحش قصے اور اشعار۔ نامحرم عورتوں کے ساتھ اختلاط راگ و رنگ رقص سرود ان سب کو قرآن نے لھو الحدیث فرمادیا ہے اور پیغمبر علیہ السلام نے بہت کچھ تشریح کردی ہے۔ قسم دوئم و سوئم چوری قتل ٹھگینی رہزنی بنی نوع کو وقت ضرورت پر قرض دیکران سے سود لینا۔ جعلسازی۔ جھوٹھ بولنا جھوٹی گواہی دینا۔ رشوت لینا دینا۔ انصاف میں جانب داری کرنا ناجائز حیلوں سے غیروں کا مال اوڑالینا۔ ماں باپ کی نافرمانی۔ غیبت کرنا گالی دینا ہر قسم کا ظلم عام ہے کہ بنی نوع پر ہو یا حیوانات پر ہو۔ ان امور کے لئے قرآن میں بہت کچھ بیان ہے از انجملہ یہ آیت ہے الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم ۰ از انجملہ یہ ہے و اقسطوا ان اللہ یحب المقسطین عدل کیا کرو کیسلئے کہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے از انجملہ یہ ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی

أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا الآیہ الحجرات - حم - کہ اے ایمان داروں تم میں سے کوئی قوم دوسری قوم کو اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کو ٹھٹھوں میں اڑائے شاید وہ لوگ کہ جن سے تمسخر کیا جاتا ہے اسنے بہتر ہوں اور نہ کوئی دوسرے پر طعنہ کیا کرے اور نہ کسیکے چڑ کے نام مقرر کیا کرو ایمان کے بعد بدکاری کے نام بہت برے ہیں اور جو باز نہ آئیں تو وہی ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایماندارو بدگمانی سے بچا کرو کسلئے کہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور عیب جوئی نہ کیا کرو اور نہ غائبانہ بدگوئی کیا کرو۔

تہذیب اخلاق اور حسن معاشرت کے لئے یہ آیات اصل الاصول ہیں۔ اکثر باہمی فسادوں کی یہی باتیں جڑ ہیں جن سے منع فرمایا ہے از انجملہ یہ ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا کہ زنا کے پاس بھی نہ جانا کیونکہ یہ فحش کام اور برا رستہ ہے۔ از انجملہ یہ ہے وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ - کہ آپسمیں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ اس میں دغابازی چوری غضب خیانت۔ رشوت سب شامل ہیں اور ہر ایک کی جداگانہ بھی ممانعت آئی ہے۔ جھوٹھ بولنے پر لعنت آئی ہے لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ الغرض ہر قسم کی بدکاری اور گناہ کی نجاست سے پاک رہنے کی جابجا تاکید ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے اس کا مرظاہر فرمایا ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ و استغفار کرلیا تو مٹ جاتا ہے ورنہ پھیلتے پھیلتے تمام دل کو گھیر لیتا ہے +

یعنے ملکیت پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور یہی ظلمت نور حق تک پہونچنے میں حجاب ہو جاتی ہے اور یہی آگ زنجیر طوق وغیرہ اشکال مناسبہ میں مرنے کے بعد متشکل ہو کر

تکلیف و عذاب پہونچاتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ پہلا کام ہے کہ انسان کو اس آفت سے بچائیں۔

ف انسان کے قوئ بہیمیہ کا حد اعتدال سے تجاوز کرنا گناہ ہے۔ اور اسکی تین قسمیں ہیں قوت شہوانیہ کا تجاوز جماع اور کہانے پینے مکان و لباس میں منحصر ہے اور ان کے دواعی و اسباب بہی اسمیں داخل ہیں۔ پہر اسکی بہت شاخیں ہیں۔ اپنی بیوی اور لونڈی شرعی کے سوا اور وہ بہی ممنوع ایام میں[1] ہو اور سے قضاء شہوت خواہ بہائم سے ہو خواہ اپنے ہی ہاتہہ سے ہو یا انسانوں میں مرد سے ہو یا عورتوں سے ہو سب میں تجاوز حد ہے۔ قرآن نے اس جملہ میں الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم میں بیوی اور لونڈی کے سوا سب کو ممنوع فرمادیا۔ اسمیں لواطت اجارہ وطی نیوگ وغیرہ سب آگیا۔ کہانے پینے میں تجاوز بیگانی چیز بلا اجازت و بلا حق[2] کہانا پینا۔ یا ان چیزوں کو کہانا پینا جن میں نجاست یا مضرت ہو۔ نجاست عام ہے۔ باطنی ہو یا ظاہری۔ باطنی جیسا کہ غیر اللہ بتوں وغیرہ کے نام کا ذبیحہ یا چڑھاوا اسکی نسبت قرآن نے فرمادیا وما اہل لغیر اللہ بہ کہ جسپر اللہ کے سوا اور کا نام تقرب و تعبد کے طور سے لیا جاوے یا غیر مذبوح وغیر مزکیٰ جانور کہ جسکو ذبح نکیا گیا ہو وہ خود بخود مر گیا ہو جسمیں نطیحہ[3] متردیہ ماکول السباع بہی داخل ہیں یا اسکو اللہ کے نام سے موحد نے ذبح نہ کیا ہو۔

---

[1] حیض و نفاس حالت احرام میں بیوی لونڈی سے بہی ممنوع ہے ۱۲ منہ

[2] اس میں چوری زنا رشوت لوٹ مار کا مال۔ سود کی کمائی اور ناجائز اشیاء کی تجارت و اجرت کی کمائی بہی شامل ہے ۱۲ منہ

[3] نطیحہ وہ جانور جسکو سینگ والے جانوروں نے سینگو نسے مار ڈالا ہو متردیہ جو اوپر سے گر کر مر جائے۔ ماکول السباع جسکو شیر وغیرہ نے مار کر کہایا ہو اس کا پس ماندہ سب ممنوع ہے ۱۲ منہ

نجاست ظاہری کی بھی دو قسم ہیں ایک وہ کہ جو طبائع عامہ وخاصہ سب کے نزدیک محسوس ہو جیساکہ پائخانہ پیشاب وغیرہ دوسری وہ کہ جسکو طبائع سلیمہ ہی مکروہ جانتی ہیں اور ان کا اثر اخلاق وعادات پر برا محسوس کرتے ہیں جیساکہ سور اور درندے شیر بھیڑیا کتا وغیرہ یا حشرات الارض سانپ بچھو وغیرہ یا شکاری پرند چیل کوا باز بحری وغیرہ ان کے گوشت سے انسانی اخلاق پر بلکہ ملکیت پر برا اثر پیدا ہوتا ہے جسکا احساس اس علیم وخبیر نے اپنے نبی کو کرا دیا۔ مضر اشیار کی بھی دو قسم ہیں ایک وہ کہ جن کا اثر صرف اخلاق پر پڑتا ہے جیساکہ شراب اور جملہ مسکرات یہ چیزیں ابتدار میں تو قوی شہوانیہ کو ہیجان میں لاتی ہیں۔ انسان اسوقت بہائم سیرت ہو جاتا ہے کوئی تمیز باقی نہیں رہتی۔ لیکن آخر کار جسمانی مضرتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جسکا عقلار مشاہدہ کر رہے ہیں دوئم وہ کہ انکی مضرت زیادہ تر صحت جسمانی پر پہونچتی ہے جیساکہ سمیات ان سب کا فیصلہ قرآن کے ایک اس جملہ نے کر دیا۔ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ کہ رسول لوگوں کے لئے پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔ اشیار کی حلت وحرمت ان کے ذاتی خصائص سے دور کر کے اشخاص کی پاکی اور ناپاکی طبائع پر محول کر دینا اور یہ کہدینا کہ پاکوں کو سب چیزیں پاک اور ناپاکوں کو سب چیزیں ناپاک ہیں۔ اصلی معاملہ کو منقلب کر دینا ہے +

لباس ومکان میں شہوانی قوت کا تجاوز یہ ہے کہ ناپاک اور ناجائز کمائی کا لباس و مکان اختیار کیا جاوے یا جائز کمائی سے وہ لباس اختیار کرے جو شان کے خلاف ہو مثلاً مرد عورتوں کا لباس پہنے اور ان کی خصوصیات کو اختیار کرے اسمیں ریشمی لباس اور جملہ زیورات اور زنانہ بناؤ سنگار آگیا یا عورت مردانہ لباس پہنے اور جن اعضار کا اظہار مردوں کے لئے معیوب نہیں انکو ظاہر کرے۔ یا مرد اپنے لباس اور وضع میں متکبروں یا لچے شہدوں کی پیروی کرے یا اقبال اور شائستہ قوموں کو لباس اور وضع میں تکبر اور

اسٹر نہ پایا بچانا اختیار کرنا ۔ مرضی عالم بالا کے خلاف ہے اور رفتہ رفتہ اسکا اخلاق و
عادات پر بھی اثر پڑتا ہے ۔ یا بیحیائی کا لباس پہنے کہ جن چیزوں کو عوام و خواص چھپاتے
ہیں یہ انکو برہنہ کرے یا ایسا مہین کپڑا پہنے جس سے وہ ظاہر ہوجاتے ہوں ۔ یا
مسلمان کہلا کر دوسری قوموں کے مخصوص لباس اور مخصوص زی کو اختیار کرے
جس سے قومی اختصاص بلکہ قوام قومیت میں فرق آئے جسکے آگے چلکر بُرے
بُرے نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ اس باب میں حضرت پیغمبر علیہ السلام ۔ اور
صحابہ کرام نے بہت کچھ ہدایات فرمائی ہیں ۔

ان کے سوا جملہ نعماء اسلام نے مباح کر دی ہیں ۔ قل من حرم زینة الله
التی اخرج لعبادہ والطیبت کہ اے پیغمبر لوگوں سے کہدو کہ وہ آرائش
اور پاک چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہیں انکو کسنے حرام کر دیا
ہے ۔ یعنے کسینے بھی نہیں ۔ اسلام نے نہ تو ہنود و رہبان کیطرح وہ دقت پیدا کی
ہے جس سے معاشرت میں حرج واقع ہو نہ بیقید قوموں کی طرح ہر قسم کی آزادی
بخشی ہے جو اخلاق و عادات میں فتور پیدا کرے ہاں آزادی بخشی ہے ۔ مگر درمیانی
لباس میں مکان میں کہانے پینے میں سادگی اور تہذیب ملحوظ رکہی ہے ۔ بلکہ شادی
و غمی جنگ و صلاح دولت و افلاس تندرستی اور بیماری ہر حال میں تہذیب اور
شایستگی کا حکم دیا ہے ۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا فرمادیا ہے بے تہذیبی خواہ
کہانے پینے میں ہو خواہ لباس و مکان میں اسراف ہے ۔

ان مسلمانوں سے جنہوں نے اپنے ہر معاملات دینی و دنیاوی کو غیر اقوام کے
رنگ میں رنگ رکہا ہے اسلام پر عیب لگانا محض بیجا اور سخت ناانصافی ہے ۔

دوسری قوت غضبیہ ہے اسکا تجاوز ظلم و قتل و ضرب و سب و شتم وغیرہ سے ہے
اس قسم کے جرائم اس سے سرزد ہوتے ہیں اسکی بابت قرآن نے بہت کچھ ارشاد

فرمایا ہے ایک آیت نے تو فیصلہ ہی کردیا ہے وجزاء سیئة سیئة بمثلہا کہ بدی کا معاوضہ بقدر اسی بدی کے ہونا چاہیئے۔ مگر مکارم اخلاق سے بہتر یہ ہے ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة کانه ولی حمیم ○ وما یلقٰها الا الذین صبروا۔ وما یلقٰها الا ذو حظ عظیم کہ برائی کے بدلہ میں بھلائی کرنی چاہیئے پھر وہ شخص کہ تجھہ میں اور اسمیں عداوت ہے گویا تیرا دوست حمایتی ہوجائے گا (گویا اسلئے فرمایا کہ اکثر سلیم طبائع ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ لیکن بعض بدذات اسکے بعد بھی برسر پرخاش رہتے ہیں) اور یہ کام بڑے خوش نصیبوں کے حصہ میں آیا کرتا ہے ولمن صبر وغفر ان ذلك لمن عظم الامور۔ کہ صبر کرنا اور معاف کردینا بڑی عظیم الشان بات ہے وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ کہ بلند مرتبہ وہی لوگ ہیں جو غصہ کو دباتے اور لوگوں کو معافی دیتے ہیں اور اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو تجھ سے توڑے تو اوس سے بھی رشتہ مودت جوڑ اور جو تجھے نہ دے تو اسکو بھی دے (بخاری) اور بہت آیات و احادیث اس باب میں وارد ہیں اور زمانہ عروج میں اسلامیوں کا ہمیشہ یہی دستور رہا ہے۔ اگر خلفاء کے نظائر پیش کروں تو ایک دوسری کتاب تیار ہوجائے۔

تیسری قوت نفسانیہ ہے جب اسکی ساتھ وہ دونوں قوتیں بھی جمع ہوجاتی ہیں تو انسان شیطان سے بھی بڑھجاتا ہے۔ حسد بغض غرور نخوت طمع سب اسیکے شعبے ہیں پھر چوری رہزنی بدمعاشی عیاری جھوٹھ بولنا کمزوروں پر رحم نکرنا وغیرہ سیئات اسی گندہ چشمہ سے نکلتے ہیں۔ اسکی بھی قرآن مجید نے بہت کچھہ اصلاح فرمائی ہے احادیث میں بھی اسقدر بیان ہے کہ جسکے لئے ایک بڑا دفتر درکار ہے۔

یاایها الناس انا خلقنٰكم مِّن ذكرٍ وَّانثىٰ وَجعلنٰكم شعوبًا وَّقبائل لتعارفوا اِنَّ اكرمكم عند الله اتقٰكم اِنَّ الله عليمٌ خبيرٌ ○ حجرات۔ کہ اے لوگو

ہمنے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (تم بنی آدم آپسمیں بھائی ہو ایک خاندان اور ایک نسل سے ہے) اور تمہارے قبائل اور قومیں جو جدا جدا کر دیں ہیں تو اس لئے کہ باہم تعارف رہے (نہ کہ تکبر و غرور کرو) اور تم میں سے زیادہ عزتدار تو اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں پرہیزگار زیادہ ہے۔ (آیندہ عزت و ذلت کا انجام اللہ جانتا ہے) کیونکہ وہ علیم و خبیر ہے +

کسیکا بھی مایۂ غرور باقی نرکھا عرب و عجم گورے کالے حبشی ترکی برہمن چھتری شودر دولتمند فقیر خوبصورت بدصورت سب یکساں ہیں شاہ و گدا برابر ہیں مذکورہ اسباب میں سے کوئی بھی باعث ناز نہیں عزت کا سبب صرف خدا ترسی و پرہیزگاری ہے

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ○ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ○ کہ اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم سے مغرور کر دیا جسنے تجھے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک کیا پھر برابر کیا پھر جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ یعنے ایک قطرہ منی کو الٹی پلٹیاں دیکر تجھے خوبصورت بدصورت جس ڈھانچ میں چاہا ڈھالا۔ پھر کس چیز پر غرور اور ناز ہے جو اکڑتا پھرتا ہے اور خدا سے عجز و نیاز نہیں کرتا۔ پھر موت کا پیش آنا اور شاہ و گدا کا ایک روز یکساں ہو جانا اور خدا کے پاس حساب و کتاب کے لئے لایا جانا اس انداز سے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اگر ذرا بھی ہوش ہو تو شراب غرور اور دنیا طلبی اور بیہودہ کاری کا سارا نشا اتر جائے

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ○ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ○ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ○ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ○ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ○ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ○ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ○ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ○ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ○ (سورہ قیامہ)

ترجمہ نہیں نہیں تم تو دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو اسدن بہت سے

سونہ شاداں اور اپنے خدا کو دیکھتے ہونگے (یہی نجات ہے) اور بہت سے مونہہ اسروز غمزدہ ہونگے سمجہ رہے ہونگے کہ انپر کوئی سخت مصیبت آرہی ہے۔ نہیں نہیں جبکہ جان گلے تک پہونچ جائے گی اور کہتے پہرینگے کہ ہے کوئی جہاڑنے والا (یعنے دوا یا جہاڑ لے سے اسکو کوئی بچائے) اور وہ سمجہ چکا ہے کہ یہ فراق ہے (مال و دولت زن و فرزند سے) اور ٹانگ سے ٹانگ ملی ہوئی ہے آج تو تیرے رب کے پاس چلنا ہے۔ اس مضمون میں بھی قرآن کا بہت ہی بیان ہے +

منجملہ انشاخوں علم تہذیب النفس کے ایک علم التخلیہ ہے جسطرح اول علم التزکیہ بہا کسلئے کہ جب کسی چیز پر کوئی رنگ و روغن اور نقش و نگار کرنا ہوتا ہے تو اول اسکو صاف کیا جاتا اور آلایش سے مانجہا جاتا ہے منجہتے ہی اس شے کے اصلی جوہر نمودار ہونے لگتے ہیں اسیطرح اول روح کو نجاست و آلایش ظاہری باطنی سے پاک کرنا مقدم ہے تب اسپر کوئی رنگ چڑھتا ہے +

اس علم میں اصل و مقصود بالذات خدا کے ساتہ تقرب ہے۔ کیونکہ اب روح کے جوہر نمودار ہوگئے آئینہ صاف ہوگیا اب اسمیں انوار حق جلوہ گر ہوسکتے ہیں اسلئے اول عبادت جس سے انوار حق جلوہ گر ہوں۔ نماز ہے۔ گرچہ ہر نبی نے نماز کی تعلیم فرمائی ہے۔ مگر قرآن نے اسکی تکمیل کردی ہے طہارت ظاہری کے بعد ایسی عبادت تعلیم کی جسمیں جسم اور اعضاء جسمانی اور روح دونوں شریک ہیں۔ سب سے اول کعبہ کو رخ کہڑا ہو جسمیں سید الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبد کیطرف متوجہ ہونا پایا جائے گویا ملت ابراہیمیہ کا انقیاد کرلیا ورنہ کعبہ کو سجدہ نہیں نہ کعبہ معبود ہے اور جنے ایسا سمجھکر کعبہ پرستی کا الزام لگایا ہے یہہ اسکی نافہمی ہے۔ پہر دونوں ہاتہ اوٹھا کر اللہ اکبر کہے جسمیں اشارہ ہے کہ اسنے اسوقت دونوں جہانوں سے ہاتہ اُٹھا یا اور خاص خدا تعالیٰ کے سامنے اسکی کبریائی یاد کر کے مودب کہڑا ہوا ہاتہ باندہ کر

پھر اسنے حضور میں حاضر ہوتے ہی سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ کہا جسکے یہ معنی کہ اے خدا تو سب عیبوں سے پاک ہے اور تیری ستایش اور تعریف کے ساتھ تقدیس کرتا ہوں تیرا نام بابرکت ہے اور تیری عزت[ل] و مرتبہ بلند تر ہے اور تیری سوا کوئی معبود نہیں اسکے بعد اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے کہ میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جسمیں اشارہ ہے کہ خصائص بہیمیت اور خطرات ماسوی اللہ اس تقرب کے وقت نہ آنے پائیں۔ اسکے بعد سورہ فاتحہ پڑھے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ سب قسم کی ستایش خاص اللہ کے لئے ہے جو جملہ جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے، عالم ناسوت سے لیکر عالم ملکوت تک اور پھر ان دونوں میں جسقدر عالم ہیں عالم اجسام، عالم نباتات جماد عالم عناصر عالم علویات کواکب و افلاک عالم روحانیات ملائکہ وغیرہ سب اسکی مخلوق اور اسکے فضل و کرم کے پروردے ہیں کوئی بھی خالق اور مالک نہیں تمام موجودات اسکے آگے محتاج اور دست نگر ہیں وہ بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اس لئے اپنے رحم و فضل سے سب کو پیدا کیا ہے اور ہر ایک کو اسکے مناسب سامان دیا ہے کسیکا کوئی حق اوسپر نہیں اور نیز اسکے دربار میں رحم و عنایت ہی کا ذکر جو باعث محبت ہے مناسب ہے۔ اسی کرم اور رحم پر وہ روز جزا کا بھی مالک ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ کسی اور کی اور تجھ ہی سے ہر کام میں مدد مانگتے ہیں نہ کسی اور سے دکیونکہ تیرے سوا جو کوئی ہو وہ تیرا بندہ اور مملوک اور محتاج ہے۔ یہ بندہ کیطرف سے عبادت و استعانت اوسی سے کرنے کی بابت اقرار نامہ ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ ہم کو ہر امر میں سیدھی راہ دکھا۔ ایسے مقام تقرب میں صراط مستقیم سے زیادہ اور کیا چیز عمدہ ہے جسکا سوال کیا جائے۔ جب دینی اور دنیاوی

[ل] جد کے یہ مرادی معنے ہیں ۱۲ منہ

امور میں بندہ کو صراط مستقیم عنایت ہوگیا تو دنیا و آخرت کے مقاصد کو پہونچ گیا صراط الذین انعمت علیہم ان لوگوں کی راہ کہ جنپر تیرا انعام وفضل ہوا۔ اسمیں اشارہ ہے کہ خدا کا انعام و فضل انہیں پر ہوا ہے کہ جو صراط مستقیم پر چلتے تہے مقاصد و مطالب کی سیدہی راہ پر چلنا حصول مقاصد کا سبب ہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین نہ ان لوگوں کی راہ پر چلا کہ جنپر صراط مستقیم چہوڑنیکے سبب تیرا غصہ ہوا اور وہ گمراہ ہوگئے۔ آمین اسے خدا میری عرض قبول فرما۔ اس کے بعد اور آیات قرآن مجید پڑہے اور تمام قرآن اسکی ثنا و صفت سے پرُ ہے اس تقرب کے بعد جب شرف نیاز حاصل ہوگیا تو رکوع میں جائے یعنے دونو ہاتھ گھٹنوں پر رکھکر اللہ اکبر کہہ کے اسکے آگے جہکے اور تین بار سبحان ربی العظیم۔ کہے۔ پاک ہے میرا رب عظیم۔ پہر سیدھا کھڑا ہوکر سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا لک الحمد کہے سن لیا اللہ نے اسکو جو اسکی حمد کرتا ہے۔ اے ہمارے رب حمد تیرے لئے ہے پہر اللہ اکبر کہہ کے سجدہ میں جائے یعنے اسکے سامنے سر رکہدے اور تین بار سبحان ربی الاعلی کہے کہ پاک ہے میرا خدائے بلند مرتبہ۔ پہر اللہ اکبر کہہ کے سر اوٹہائے اور اطمینان سے بیٹھکر اللہ اکبر کہہ کر بار دگر سجدہ اسیطرح کرے اور سر اوٹہائے یہ ایک رکعت ہوئی پہر کھڑا ہوکر دوسری رکعت اسیطرح ادا کرے۔ مگر سبحانک اللھم اور اعوذ نہ پڑہے۔ دوسری رکعت کے بعد دوزانو ہوکر بیٹھ جائے اور یہ پڑہے۔ التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ کہ نیاز و ستائش اللہ ہی کے لئے ہے اور نماز اور پاکیزہ ذکام و کلام سب اسیکے لئے ہے۔ اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو اور سلام ہو ہمپر اور خدا کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اسکے

بندے اور اُسکے رسول ہیں +

اگر دو رکعت ہی کی نماز ہے جیسا کہ صبح کی تو اس کے بعد پیغمبر پر درود[1] بھیجے اور دعا مانگے اور پھر دائیں بائیں مونہہ پھیر کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہدے نماز تمام ہو چکی اور اگر چار رکعت ہیں جیسا کہ ظہر و عصر و عشا میں یا تین ہوں جیسا کہ مغرب میں تو دو رکعت کی بعد صرف التحیات پڑھے اور اخیر کی التحیات میں درود و دعا پڑھے۔ ایسے امور میں کہ پیغمبر علیہ السلام نے نماز میں کبھی ناف پر کبھی نیچے ہاتھ باندھے ہے اور کبھی باندھے نہیں یوں ہی لٹکائے رکھے اور کبھی ہر اللہ اکبر کہنے میں ہاتھ بھی اٹھائے اور کبھی صرف اول ہی بار اٹھائے اور کبھی لفظ آمین آہستہ کہا کبھی آواز سے علمأ اسلام کا اختلاف ہے اور اسیطرح التحیات وغیرہ میں آنحضرت صلعم نے کلمات میں کمی بیشی کی یا انہیں کے ہم معنی دوسرے الفاظ استعمال فرمائے۔ ان خفیف باتوں میں بھی اختلاف ہے +

یہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ پر پانچ وقت دن رات میں فرض ہے۔ اگر کسی عذر سے کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر اور بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر پڑھے رکوع و سجود اشارہ سے کرے۔ ہاں عورت کو حیض و نفاس میں معاف ہے۔

[1] بہت سے الفاظ میں درود وارد ہیں از انجملہ یہ ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ کہ اے خدا محمد اور ان کی آل پر سلامتی اور برکت نازل کر جسطرح کہ ابراہیم اور ان کی آل پر سلامتی اور برکت نازل کی تھی بیشک تو ممدوح اور بزرگ ہے اس کے پیغمبر اور ان کی آل محتاج نہیں بلکہ اسلئے حکم دیا کہ پیغمبر کے ساتھ رابطہ ارادت وقلت مستحکم ہو جو فیض الہی اور اس کے برکات نازل ہونیکا ذریعہ ہے۔ توریت میں ہے کہ اے ابراہیم جو تجھپر ایک بار برکت بھیجیگا میں اسپر دس بار برکت بھیجونگا۔ دعا بھی مختلف الفاظ میں وارد ہے بہتر وہی دعائیں ہیں جو قرآن میں تعلیم فرمائی گئیں یا وہ

صبح کے وقت صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب سے اول دو رکعت پھر دن ڈھلنے سے لیکر ہر چیز کا سایہ دوچند ہو جانے تک چار رکعت اور اسکو ظہر کہتے ہیں۔ پھر دوچند سایہ ہو جانے کے بعد سے غروب آفتاب تک چار رکعت اسکو عصر کہتے ہیں پھر غروب سے لیکر سرخی یا اسکے بعد کی سفیدی باقی رہنے تک تین رکعت اور اسکو مغرب کہتے ہیں۔ اور سفیدی غائب ہونے کے بعد سے آدھی رات تک یا صبح صادق ہونے سے پہلے تک چار رکعت پڑہے اسکو عشار کہتے ہیں۔ اور مسنون طریق مردوں کے لئے جو مسجد تک جا سکتے ہوں یہ ہے کہ مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑہیں۔ یہ نماز فرض ہے اسکے سوا جو کچھہ پیغمبر علیہ السلام نے اور بھی نماز ہمیشہ پڑہی ہے اسکو سنت موکدہ کہتے ہیں صبح کی نماز سے پہلے دو رکعت۔ ظہر سے پہلے چار اور بعد دو رکعت مغرب کے بعد دو رکعت عشار کے بعد دو رکعت اور تین رکعت وتر پڑہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ وتر کو واجب کہتے ہیں۔ آدہی رات کے بعد صبح صادق تک بارہ ۱۲ رکعت پڑہی ہیں جس کو تہجد کہتے ہیں یہ سب بزرگ شب خیزی کیا کرتے تھے اوس تنہائی کے وقت خدا کے حضور گریہ و زاری دعا و استغفار تسبیح و تقدیس پیغمبر علیہ السلام اور ان کے ساتھہ والوں کا لازمی کام تہا اگلے پیغمبر بہی ایسا ہی کیا کرتے تھے ایسے ہی لوگوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے یبیتون لربہم سجدا و قیاما ٥ کہ وہ سجدے اور قیام میں اپنے رب کے سامنے رات گزار دیتے ہیں۔ پھر آفتاب کے غروب اور طلوع کے بعد بہی اور دیگر اوقات میں بہی آنحضرتؐ بہت نمازیں پڑہا کرتے تھے ان کو نفل کہتے ہیں اسیطرح عید الفطر اور عید الضحیٰ میں بہی زوال سے پہلے دو رکعت جماعت سے پڑہا کرتے تھے اور اس کے بعد

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴۹) جو پیغمبر علیہ السلام نے تعلیم فرمائیں۔ از انجملہ یہ ہے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار کہ اے ہمارے رب ہمکو دنیا میں بہی بہتری دے اور آخرت میں بہی بہتری عطا کر اور آگ کے عذاب سے بچائیو ۱۲ منہ

خطبہ پڑھتے تھے جسمیں تعلیم احکام فرماتے تھے یہ سال بھر میں دوبار شہر اور آس پاس کے مسلمانوں کے اجتماع کا باعث ہے اور ہر جمعہ میں اول خطبہ پڑھکر دو رکعت نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ اسیطرح کسوف و خسوف اور بارش کے لئے بھی نماز پڑھتے تھے۔ جمعہ شہر بھر کے مسلمانوں کا اجتماع ہے جو اتفاق اور قومی اتحاد کا عمدہ ذریعہ ہے۔ نماز جسکو عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں ایک مراقبہ ہے۔ اگر حضور قلب کے ساتھ ادا کیجائے تو روح پر انوار فائض ہوتے ہیں۔ آنکھہ بند کرنے سے یہ انوار صاف باطنوں کو نظر آتے ہیں +

قرآن میں اسکا جا بجا حکم موکد ہو عمداً ترک کرنے والیکو گناہگار تو سب ہی کہتے ہیں مگر بعض علماء اسکو خارج الاسلام بھی سمجھتے ہیں۔ ہیئت کذائی اسکی حضرت پیغمبر علیہ السلام نے تعلیم کی ہے۔ قرآن میں اقیموا الصلوٰۃ بہت جگہ آیا ہے +

دوئم صوم یعنے روزہ بھی روح کی نورانیت زیادہ کرتا ہے۔ اگلے انبیا حضرت عیسےٰ موسیٰ ابراہیم علیہم السلام بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ روزہ یہ ہے کہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے عورت سے جماع کرنے سے باز رہے۔ اور کمال روزہ کا یہ ہے کہ جملہ گناہوں سے بھی محفوظ رہے بلکہ اہل طریقت کے نزدیک دل کو بھی غیر اللہ کے خطرات سے محفوظ رکھے۔ اسمیں کوئی بھی شبہ نہیں کہ نفس کو اسکے خواہشوں سے روکنا روح پر نورانیت پیدا کرتا ہے اور جو اپنے نفس کو خواہشوں سے روکنے پر قادر نہیں وہ جملہ کمالات انسانیہ سے محروم ہے دنیا کے بھی وہ مشقتیں برداشت نہیں کرسکتا جسلئے وہ دنیاوی ترقی سے بھی ہمیشہ محروم رہا کرتا ہے۔ دنیا میں جو قومیں بلند ہوکر نیچے گری ہیں انکو نفسانی خواہشوں کی تابعداری نے گرایا ہے۔ اسلام نے سال بھر میں ایک مہینہ معین یعنے رمضان میں روزہ رکھنا ہر عاقل بالغ تندرست مقیم پر فرض کردیا ہے خواہ کوئی شاہ ہو یا گدا ہو تاکہ نفس سے مجاہدہ و مقابلہ کی ورزش رہے اور نیز

تندرستی جسمانی کے لئے بھی روزہ ایک مفید علاج ہے رطوبات بلغمیہ اس سے خشک ہو جاتی ہیں ہاں حیض و نفاس والی عورت اور بیمار روزہ نہ رکھے اس کے بعد جسقدر فوت ہو گئے ہیں رکھدے اور جو بہت بوڑھا ہو گیا ہے وہ روزہ کے بدلے ہر روز ایک محتاج کو کھانا کھلائے۔ اگر عمداً و بے عذر روزہ رمضان ترک کرنا اسلام میں سخت گناہ ہے قرآن میں روزہ کی تاکید اور اس کے احکام مذکور ہیں از انجملہ یہ آیت ہے۔ کتب علیکم الصیام کہ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

یہ فرضی روزہ ہے اسکے سوا پیغمبر علیہ السلام شوال کے چھ روزے رکھتے تھے ہر مہینے میں تیرہویں چودھویں پندرہویں تاریخ اور جمعرات اور پیر کے دن شعبان کی پندرہویں تاریخ محرم کی دسویں۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو بھی اکثر روزہ رکھتے تھے اسلئے یہ روزے مسنون ہیں۔ انکے سوا اور بہت سے روزے رکھتے تھے جنکو نفلی روزہ کہتے ہیں۔ سوئم۔ زکوٰۃ ہے۔ یعنے جو مسلمان عاقل بالغ سال بھر میں کم از کم ساڑھے باون روپیہ بھی رکھتا ہو تو اسکا چالیسواں حصہ خدا کے نام پر یتیموں فقیروں مسافروں محتاجوں کو دے اسمیں اہل قرابت و اہل وطن و اہل مذہب زیادہ تر قابل لحاظ ہیں۔ اس حساب سے جسقدر زر ہو اسکا چالیسواں حصہ دینا فرض ہے۔ نقد کے سوا بھیڑ بکری اونٹ گائے بیل وغیرہ میں بھی ایک حصہ معین دینا لازم ہے جسکی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ مال ایک مرغوب چیز ہے اسکو خدا کی رضا مندی کے لئے اسکے بندوں کو دینا صلہ رحمی کرنا ایسا نیک کام ہے جسمیں کسی مذہب و ملت اور قوم کو بھی اختلاف نہیں۔ اس سے بھی روح پر نورانیت پیدا ہوتی ہے اور تمدن کی بھی اصلاح ہے۔ اس کے سوا اور بھی نیک کاموں میں دینے مساکین و یتامی کو کھانا کھلانے مسافروں کے ساتھ مہمان نوازی کرنے کی اقارب اور والدین کو دینے اور ان کی خدمت کرنے کی جسقدر اسلام میں تاکید ہے اور جسقدر قرآن میں ان اشخاص کی بابت اور نیز غلاموں کو روپیہ دیکر آزاد

کرانے کی بابت یہاں تک کہ قیدیوں کے کہانا دینے کی اور آفت رسیدوں کی چارہ سازی
کی بابت احکام اور ترغیب ہے اگر سب نقل کروں تو ایک کتاب بنتی ہے۔ از انجملہ یہ آیات
ہیں وآتوا الزکوٰۃ کہ زکوٰۃ دیا کرو یہ حکم متعدد مقامات پر ہے فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ
فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ وہ بڑی
نیکیوں کی گہاٹی یہ ہے کسیکی گردن کو چھوڑانا عام ہے کہ وہ غلام ہو جسکی گردن غلامی میں
بندہی ہوئی ہو یا قرض دار ہو جسکی قرض کی زنجیریں گردن بندہی ہوئی۔ ہے۔ یا بہوک
اور قحط کے دنوں میں کہانا کہلانا قرابت دار یتیم کو یا خاکسار محتاج کو ان نیکیوں کے ساتہ
ان لوگوں میں سے بہی ہوں جو ایمان لائے اور انہوں نے صبر اور مہربانی کرنے کی وصیت
کی ہے تو لوگ برکت والوں میں سے ہیں یا یہ لوگ خدا کے تخت کے دائیں طرف بیٹھنے
والوں میں سے ہیں +

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ کہ نیک بندوں کے مال میں سوال کرنیوالوں
اور بے سوالوں سب کا حصہ ہوتا ہے۔ علاوہ روپیہ پیسہ روٹی پانی کے ان کے مکانوں
سواریوں باغوں کہیتیوں کپڑوں کام کے اوزاروں کتابوں میں بہی حق ہوتا ہے جو کوئی
مستعار لیتا ہے تو اپنی فیاضی سے دیدیتے ہیں اور کچہ معاوضہ نہیں لیتے وَيُطْعِمُوْنَ
الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ
لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ کہ نیک بندے اسکی محبت سے محتاجوں اور
یتیموں اور قیدیوں کو کہانا کہلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو تمکو محض اللہ کے واسطے

ف۔ زکوٰۃ کے علاوہ اور بہی خیرات اسلام میں واجب ہے عید الفطر کے روز صدقہ کفارات میں مسکینوں کو
کہانا کہلانا غلام آزاد کرنا۔ اسکے سوا نوافل خیرات مخصوص لوگوں کیلئے یہاں تک ہے کہ ایک پیسہ بہی
ان کے پاس جمع نرہتا تہا۔ اصحاب الصفہ میں سے ایک شخص مرگیا۔ اسکے پاس سے ایک دینار نکلا
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ ایک داغ ہے آتش جہنم کا آنحضرت کی تمام عمر فاقہ کشی اور درویشی میں گزری

کہلاتے ہیں نہ ہمکو تمسے معاوضہ مقصود ہے نہ شکر گذاری - اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ جو لوگ اپنے خدا سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسیکو بھی شریک نہیں کرتے اور وہ جو کچھہ دیتے ہیں تو ان کے دل لرزتے ہوتے ہیں کہ انکو اپنے خدا کے پاس جانا ہے - یہی لوگ نیک کاموں میں دوڑتے ہیں - اور یہی پیشقدمی کر جاتے ہیں - مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ - جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اسکی مثال ایک دانہ کی ہے جو سات خوشہ اگہائے اور ہر خوشہ میں سو سو دانے ہوں یعنے ایک کے سات سو ہو جائیں اسیطرح اللہ تعالےٰ ایک پیسہ کے خرچ کرنے سے سات سو پیسہ کا اپنے فضل سے اجر دیتا ہے +

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ نیک لوگ مستحق جنت وہ ہیں جو فراغدستی اور تنگی ہر حال میں اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اور غصہ کو دباتے اور لوگوں کو معافی دیتے ہیں - زکوٰۃ نہ دینے والوں کی نسبت ہے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ سورۂ توبہ رکوع (۱۴) - ترجمہ وہ لوگ جو سونا چاندی گاڑ کر رکھتے ہیں اور اسکو اللہ کی راہ میں

بقیہ نوٹ ص ۳۵۲ - آپ بھوکا رہنا محتاج کو کہلا دینا خلیل علیہ السلام سے ہے یوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ - مگر یہ ہر ایک کے لئے حکم نہیں ایک فضیلت ہے جو چاہے اختیار کرے دنیا کے تجمل اور اسباب آرائش و کامرانی کو قرآن نے بمقابلہ آخرت متاع قلیل - کہا اور بے قدر ثابت کیا ہے ۱۲ منہ

خرچ نہیں کرتے ہیں انکو عذاب الیم کا مژدہ سنادو جسدن کہ وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں تپا کر
اوس سے انکے چہروں اور پسلیوں اور پیٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے اور کہا جائیگا کہ یہی
تو ہے کہ جسکو تم اپنے لئے گاڑ کر رکھتے تھے سو اب اپنے گاڑ کر رکھنے کا مزہ چکھو۔
چہارم حج ہے۔ وہ کیا ہے ایام مخصوص میں ابراہیمی لباس پہنکر عاشقانہ وضع بناکر جسکو
احرام کہتے ہیں ابراہیمی عبادت کرنا۔

حج میں تین باتیں فرض ہیں۔ ان میں سے ایک بھی فوت ہوجائے تو حج نہوگا۔
اول احرام باندھنا۔ غسل کرکے دو کپڑے پہننا خواہ نئے ہوں یا دھلے ہوئے ایک نیچے
باندھا جاتا ہے ایک چادر کیطرح اوڑھا جاتا ہے۔ اسکے بعد دو رکعت نفل پڑھکر تلبیہ
کرنا یعنے اللھم لبیک۔ لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک
لک کہنا اسکے بعد اسپر شکار کرنا کسی جانور کا مارنا۔ جماع کرنا شہوت انگیز باتیں کرنا کسی سے
لڑنا جھگڑنا۔ بد کلامی کرنا حرام ہوجاتا ہے۔ یہ محرم نہ سر ڈھانکے نہ عطر و خوشبو لگائے
نہ حجامت بنوائے نہ ناخن کٹوائے نہ پائجامہ کرتا وغیرہ سلا ہوا کپڑا پہنے نہ رنگین کپڑے
کا استعمال کرے نہ کسی مصالح سے سر دھوئے ہاں نہانے کا کوئی مضائقہ نہیں
اور یہ احرام مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی باندھا جاتا ہے اسکے لئے ہر سمت
سے آنیوالے کے لئے جگہیں مقرر ہیں جنکو میقات کہتے ہیں۔ وہاں پہونچکر بغیر احرام
باندھے آگے نہ بڑھے۔ دوئم ۹۔ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں ٹھرنا۔ جہاں امام خطبہ پڑھتا
ہے اور دعا مانگتا ہے اور لوگ بھی دعا مانگتے ہیں۔ سوئم وہاں سے آکر کعبہ کا طواف
کرنا۔ اسکو طواف الزیارہ کہتے ہیں اسکے بعد عورت بھی حلال ہے یہ دسویں یا گیارہویں
یا بارہویں کو ہوتا ہے۔ اور پانچ چیزیں واجب ہیں انکے ترک کرنے سے حج تو ہوجاتا
ہے مگر ناقص ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ اوّل عرفات سے لوٹتے وقت بمقام مزدلفہ شب کو
ٹھرنا۔ دوئم بمقام منیٰ آکر ان تین میناروں پر جہاں حضرت ابراہیم کو شیطان دکھائی

دیا تھا اور آپ کے دل میں خطرہ ڈالنا چاہا تھا اور آپ نے اوس پر کنکریاں ماری تھیں اب وہاں مینار بنا دیئے گئے ہیں اس نیت سے کہ میں نفس بد اور شیطان پر کنکریں مارتا ہوں سات کنکریاں مارنا سوئم اسکے بعد سر منڈانا یا بال کترانا عورت کو ایک لٹ کترنا کافی ہے جسمیں اشارہ ہے کہ خیالات باطلہ کو سر سے نکالدیا۔ اسکے بعد احرام کھولدیتے ہیں اور سوائے عورت کے سب چیزیں اسکے لیئے مباح ہو جاتی ہیں۔ طواف الزیارہ کے بعد وہ بھی حلال ہو جاتی ہے چہارم صفا و مروہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان دعائیں پڑھتے ہوئے آنا جانا کیونکہ ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی اپنے معصوم بچے حضرت اسماعیل کو جہاں اب زمزم کا کنواں ہے چھوڑ کر پانی کی تلاش میں حیران و پریشان خدا کی رحمت کی اُمیدوار ہو کر انہیں دونوں پہاڑیوں کے بیچمیں دوڑتی پھرتی تھیں جس سے خدا نے فضل کیا۔ حضرت اسماعیل کے پاؤں رگڑنے سے چشمہ نمودار ہو گیا اور وہ مدتوں جاری رہا۔ اب اسمقام پر کنواں کھودا ہوا ہے۔ اسکے پانی کو زمزم کہتے ہیں اور متبرک سمجھا جاتا ہے۔

پنجم طواف صدر یعنے طواف الزیارہ کے بعد جب تیرہویں تاریخ منیٰ میں تین دن تک میناروں پر کنکریاں مار کر مکہ آئے تو کعبہ کا سات بار طواف کرے۔ مگر حیض والی عورت مکرے انکے سوا اور جسقدر امور ہیں جیسا کہ مکہ میں آتے ہی کعبہ کا طواف کرنا۔ جسکو طواف القدوم کہتے ہیں۔ حجر اسود کو جو حضرت ابراہیم کا یادگار پتھر ہے بوسہ دینا منیٰ میں قربانی کرنا سنت و آداب ہیں۔ البتہ حج و عمرہ ملا کر کرنے والے پر قربانی واجب ہے کم سے کم ایک بکری اور جو مقدور نہو تو دس روزے رکھے تین مکہ میں اور سات گھر آ کر۔

حج کے ایام میں نماز پنجگانہ بھی حسب دستور فرض ہے عرفات کے روز ظہر و عصر ملا کر ظہر ہی کے وقت میں ادا کر لیتے ہیں اور مغرب و عشاء مزدلفہ میں آ کر ایک وقت میں ادا کرتے ہیں۔ یہ ہے حج اور عمرہ یہ ہے کہ احرام باندھ کر ان حدود سے جو حرم کے باہر ہیں اور انکو حل کہتے ہیں ایک جانب مکہ سے تخمیناً تین میل باہر حل ہے)

مکہ میں آنا کعبہ کا طواف سات بار کرکے صفا و مروہ کے درمیانی رستوں میں جہاں اب بازار ہے سات بار دوڑتے ہوئے آنا جانا اور پھر سر منڈانا یا بال کتروانا۔ اور اس کے لئے ماہ ذی الحجہ کی بھی کوئی قید نہیں۔

یہ حج ہر مسلمان پر واجب نہیں بلکہ دولتمند پر جو اتنے صفات رکھتا ہو۔ حُر ہو۔ کسیکا غلام نہو۔ بالغ ہو لڑکا نہو۔ عاقل ہو۔ مجنون اور سفیہ و فاطر العقل نہو۔ تندرست ہو بیمار نہو اعضاء بدن سلامت ہوں سفر کرسکے اسلئے اوس مریض پر جو سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا ہو اور جسکے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں یا قدرتی نہوں لنگڑا لولا ہو اور مفلوج ہو ان پر اور بہت بڈھے پر جو سفر کی قدرت نہ رکھتا ہو حج واجب نہیں یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اندھے پر بھی واجب نہیں اور پھر اسکے پاس خانہ دار کے حوائج اور واپس آنے تک اہل وعیال کے خرچہ سے بچکر اسقدر روپیہ بھی ہو کہ سواری اور آنے جانے کا خرچ کافی ہو اور رستہ بھی پُر امن ہو بری و بحری رستہ میں غالباً ہلاکت۔ اور نقصان جان و مال کا قوی اندیشہ نہو۔ اگر عورت ہو تو اسکے ساتھ جبکہ مکہ اور اس کے گھر میں تین روز کے سفر کا رستہ ہو تو اسکا خاوند یا محرم ساتھ ہونا ضرور ہے۔ محرم وہ لوگ ہیں جن سے اسکا نکاح شرعاً ممنوع ہے بیٹا باپ بھائی۔ بھانجا بھتیجا۔ ماموں۔ چچا۔ نانا۔ دادا وغیرہ اور ان شرائط کے ساتھ عمر بھر میں ایک بار حج فرض ہے۔ اس کے بعد اسکو اختیار ہے کریگا تو ثواب پاوے گا ورنہ کوئی ماخذہ نہیں۔

قرآن میں حج کا حکم ہے وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ۔ کہ لوگوں پر خدا کے لئے کعبہ کا قصد کرنا لازم ہے اسپر جو وہاں تک پہونچنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور احکام حج بھی قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے سالانہ عبادت عرب میں جاری تھی مگر اوہام جہال نے اسمیں بہت سی کجیاں پیدا کردی تھیں نبی آخر الزماں نے انکی اصلاح کردی

(اسرار)

حج کے بہت سے ہیں (۱) یہ کہ بعد طوفان نوح علیہ السلام کے دنیا میں خدا پرستی کے مروج حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ مجوسی۔ سب ان کو پیشوا اور رئیس الموحدین کہتے ہیں۔ ان کے بعد حضرات انبیا علیہم السلام دنیا میں آئے اصول ملت ابراہیمیہ ہی کے مجدد و موسس تھے اور ادیان میں ملت ابراہیمیہ محرف ہو چکی تہی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسکے مجدد و موسس مبعوث ہوئے تو خدا پرست قوموں میں حضرت ابراہیم کا کوئی یادگار قائم رکھنا توحید کی ترغیب دلانا ہے حج جو ایک قسم کی سادا عبادت اور دلی ولولوں اور شوق و عشق الٰہی سے مرکب ہے نیز ابراہیمی لباس یعنے احرام اور وہ عاشقانہ ہیئت جو حضرت ابراہیم کی عرب میں تشریف لانے کے وقت تہی اور خاص ہی مسجد جسکی بنیاد خود حضرت ابراہیم نے اپنے ہاتہ مبارک سے قائم کی تہی اور اسوقت اس کے سوائے زمین پر اور کوئی خدا پرستی کا معبد نہ تہا۔ اس لئے حج میں یہ سب چیزیں خدا پرستی کے رواج دینے اور ابراہیم علیہ السلام کیطرف رغبت دلانے کے لئے قائم کی گئیں تاکہ روئے زمین کے خدا پرست مجتمع ہو کر اوسی ہیئت سے اوسی عبادتگاہ میں خدا کی عبادت کریں اور انہیں میدانوں اور پہاڑ ٹیلوں پر وہی کلمات شوق او عشق الٰہی میں بلند کریں اور ان کی قربانی کی رسم کو جو خاص خدا کے لئے تہی پہر زندہ کریں +

(۲) انسان میں جسطرح خدائے قادر نے جوہر عقل ودیعت رکہا ہے جس سے وہ اپنے خدا کو اور نیک و بد کو پہچانتا ہے اسیطرح اوس میں ایک قوت عشقیہ بہی عطا کی ہے۔ اور دونوں کے دستور العمل بہی جدا جدا ہیں عقل کہتی ہے ادب سے بادشاہ حقیقی کے روبرو کہڑا ہو کر اسکی ثنا و صفت کر کے سوال کر عشق کہتا ہے سب جہگڑے چہوڑ

اسکے پاؤں مبارک کا پیسر کہدے اور صرف سبحان ربی الاعلیٰ ہی کیے جا۔

گر دست رسد ہزار جان   بر پائے مبارکت فشانم

اسلئے اسلام کی جملہ عبادات دونوں پہلو سلئے ہوئے ہیں۔ مگر جو عقل سے برسوں میں مقام طے ہوتا ہے عشق اسکو دم بہر میں طے کر دیتا ہے۔ خدا جسم نہیں جو اسپر عاشقانہ وضع بنا کر بلاگرداں ہوا کریں اسکے گرد پہر کر اسپر نثار ہوا کریں۔ مگر ایسا ہونا ایک تکمیل روحانی ضرور ہے اور بلا جہت یہ بات بجز خاصانِ خدا کے اور کو نصیب نہیں اسلئے اوس عاشق خدا کی اوس مسجد کے گرد طواف کرنا جو خاص اسکی عبادت کے لئے تعمیر ہوئی تہی گویا خدائی بے جہت و بے مکان کے گرد طواف کرنا اور اسپر قربان اور فدا ہونا ہے۔

(۳) انسانی رغبت و نفرت شوق و عداوت امید و خوف کے لئے مواضع و مواطن کو بہی بڑا دخل ہے جو اسکا انکار کرتا ہے وہ بدیہات و مشاہدات کا منکر ہے۔ جن مواضع پر خدا پرستوں نے خدا پرستی کی ہے جہاں اسکی رحمت نازل ہوئی ہے وہاں دل کی اور ہی حالت ہوتی ہے۔ خصوصاً ان کے آثار باقیہ کو دیکہہ کر ان کے ہاتہوں کی چہوٹی چیزوں اور پاؤں کی روندی ہوئی زمین سے انہیں کی خوشبوئیں آیا کرتی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ جہاں سالہا بدکاریاں ہوئی ہوں اور وہاں اس کا غضب نازل ہوا ہو وہاں دل کی اور ہی کیفیت ہوتی ہے۔ اسلئے اسلام نے غریب مسلمان کو کم از کم ایک بار ان مشاہد مقدسہ کی زیارت اور وہاں جا کر عبادت و دعا کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ ان برکات کا مشاہدہ کرے۔ اسکی دعائیں اسکی عبادت ان بزرگونکی تبعیت میں قبول ہوں +

(۴) یہ بات بدیہی ہے کہ فرادی قوت سے اجتماعی قوت قوی بہی ہوتی ہے ہر طرح سے عمدہ بہی ہوتی ہے۔ قومی اتفاق کے برکات دنیا میں مسلم ہیں اسلئے ہر قوم کے باہم میل جول و تبادلہ خیالات کے لئے سالانہ جلسہ مقرر ہوتے ہیں ہر اطراف و اکناف

لوگ مجتمع ہوکر ایک دوسرے کو فائدہ پہونچاتے اور فائدہ اوٹھاتے ہیں۔ انہیں وجوہ کے لئے مسلمانوں کا بھی ایک سالانہ اجلاس ضروری تھا۔ اور چونکہ یہ قوم ایشیا یورپ افریقہ وغیرہ بلاد میں پھیلی ہوئی ہے اور یہ بات پیغمبر علیہ السلام کو خدا نے معلوم بھی کرا دی تھی تو ان کے اجتماع کے لئے عرب سے بہتر اور کوئی جگہ ہو نہیں سکتی تھی کیونکہ یورپ اور مشرقی ممالک اور جنوبی و شمالی ممالک کے وسط میں ہے اور نیز مکہ سے بڑھکر اور کوئی جگہ قرار نہیں پا سکتی اول تو حضرت ابراہیم کا اول معبد یہاں ہے دوئم اسلام کا چشمہ (یعنے ذات بابرکات) یہیں سے جاری ہوا۔ اور نیز مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہے مسلمانوں کو یہاں کے لوگوں سے اور نیز چین اور مراکش کے مسلمانوں کو باہم عربی میں کلام کرنا آسان بات ہے +

یہ اجتماع دینی فوائد کے لئے تو بہتر ہی ہے۔ مگر مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کا بھی ایک آلہ ہے۔ اقطار بعیدہ کے مسلمان ایک دوسرے سے مستفید ہو سکتے ہیں تجارت سے منافع اٹھا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے سربرآوردہ اور تمام ممالک کے سلاطین یا انکے وکلاء اور اسیطرح حجاج اگر اپنے شہروں اور ملکوں اور جماعتوں کے وکلاء بنکر بھی آئیں تو تمام مسلمان جس تجویز کو ایسے مقدس مقام پر منظور کرلیں تو دنیا بھر کے مسلمان کنفس واحدہ ہو سکتے ہیں جس سے انکا کوئی زبردست سے زبردست دشمن بھی ان پر قابو نہیں پا سکتا +

(۵)۔ انسان جب تک بری اور بحری سفر نہیں کرتا اقطار الارض کے لوگوں کی خو۔ بو۔ طرز تمدن اور ان کے خیالات سے بہرہ نہیں اوٹھاتا اپنے شہر اور ملک میں بند رہکر پختہ کار اور اولو العزم نہیں ہو سکتا اور نہ وہ زمانہ کی رفتار سے واقف ہو سکتا ہے۔ اسکے لئے اس سفر سے بہتر اور کوئی سفر مفید نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ اس زمانے کے غافل مسلمان اُن برکات سے جو اُن کے ہادی برحق نے۔ جماعت

اور جمعہ اور عیدین اور حج اور خطبہ میں ملحوظ رکھے ہیں مستفید ہونا بھی چاہیئے۔ اور نیز انکو خواب غفلت سے بیدار بھی کرے۔ کسلئے کہ اسلام کے جملہ امور مذہبی دنیاوی پہلو بھی ساتھ لیئے ہوئے ہیں +

نتیجہ اگر دلمیں ایمان ہے تو اسکو ظاہر بھی کرنا چاہیئے تاکہ اسلام کے جملہ برکات سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملے اور اظہار اسلام کے لئے صرف کلمہ توحید لاالہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ صدق دل سے کہنا اور لوگوں کے روبرو اشہدان لاالہ الا اللہ واشہدان محمدا عبدہ ورسولہ زبان پر لانا کافی ہے۔ جسنے صدق دل سے یہ کہا اسنے اجمالاً اسلامی عقائد الایمان باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر اور اسلامی احکام خمسہ کو قبول کرلیا۔ درحقیقت یہی اسلام ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ان عقائد خمسہ اور ان احکام خمسہ کے ماننے ہی کو اسلام سمجھا جاتا تھا۔ اور ان میں تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے۔ اسبات کو بھی قرآن نے بیان کردیا ہے +

نماز۔ روزہ۔ حج
زکوٰۃ۔ کلمہ

بعد میں جو جزئیات امور میں اختلاف ہوا اور پھر وہ رفتہ رفتہ ہر ایک فریق کا عقیدہ ٹھیر گیا وہ بالائی بات ہے اگر ان فرقوں نے پھر اتنے اپنے مخترعات کی تائید میں نصوص قرآنیہ وحدیث متواتر واجماع قطعی کا انکار نہیں کیا ہے تو خیر ان فرقوں کو اہل الہویٰ و اہل بدعت ہی کہیں گے ورنہ وہ خارج از اسلام سمجھے جائینگے۔

قرآن میں جابجا امور مذکورہ پر ایمان لانے کی تاکید ہے۔ ازانجملہ یہ آیت ہے یا یہا الذین امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علے رسولہ والکتب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضللاً بعیدا ۞ کہ اے مسلمانوں اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اسنے اپنے اس رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جسکو پہلے نازل کرچکا ہے ایمان لاؤ اور جسنے انکار کیا۔ اللہ اور اس کے

فرشتوں اور اسکی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا تو وہ بہت ہی بڑی گمراہی میں پڑا۔ ایمان ہرچند دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں مگر جماعت یا قوم میں کسی کی دلی تصدیق بغیر زبان سے اظہار کئے معلوم اور معتبر نہیں ہو سکتی +

ان علوم اور احکام کے علاوہ اور بھی قرآن میں انسانی سعادت کے متعلق بہت علوم اور احکام ہیں

(۱) خدا کا ذکر کثیر اور اسکی تسبیح و تقدیس ہر حال میں۔ چلتے پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے۔ ادیان سماویہ میں اس سے بڑھکر روح کو روشنی بخشنے والی اور کوئی چیز نہیں۔ کسلئے کہ انوار الٰہی سے زیادہ کوئی موثر نہیں اور روح سے زیادہ کوئی متاثر نہیں جب مادیات میں ایک چیز کا اثر دوسری چیز میں پہونچتا اور اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے تو اس اثر کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے لوہا آگ میں رہنے اور اسکی صحبت سے لال اور آگ بنجاتا ہے مٹی پھولوں کی صحبت سے معطر ہو جاتی ہے۔ ؎ گلے خوشبوے در حمام روزے + رسید از دست محبوبے بدستم + بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری + کہ از بوئے دل آویز تو مستم + بگفتا من گلے ناچیز ہستم + ولیکن مدتے با گل نشستم + جمال ہمنشیں در من اثر کرد + وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم +

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(۲) آیات قدرت دلائل افاق و نفس میں غور اور مراقبہ کرنا اور انکے حالات سے خدائے قادر تک پہونچنا۔ گویا جملہ مخلوق اس کے جمال باکمال کا ایک مصفی آئینہ ہے اور ایسے لوگ جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو انکو اسمیں خدا ہی نظر آتا ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ

وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

یہ تمام کائنات حسی کا مجموعہ ہے جسکو عقلاء کے لئے اسکا جمال دیکھنے کے لئے آئینہ بناکر اس آیت میں سامنے رکھدیا ہے آیت میں یہ چیزیں مذکور ہیں۔ (۱) آسمانوں اور زمین کی پیدائش۔ وہ نیرات عظام اور ان کا وہ کم زیادہ نور ان کا وہ طلوع وغروب انکی وہ کشش انکی وہ تاثیرات زمین کی کرویت اسکا پانیوں سے محیط ہونا۔ اس کے پہاڑ اور قطعات گوناگوں اور ان کے جواہر و تاثیرات اور اس کے نباتات رنگارنگ اور انکی بناوٹ اور انکی خوبصورتی اور ان کے وہ خواص و تاثیرات پھر اسکے حیوانات حشرات الارض پرند و رند چرند بری بحری ہوائی بڑے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ان کے حالات و خواص انکی طرز معاشرت (۲) رات دن کا انقلاب جو عالم حسی کے انقلاب۔ اور انسان کی بے ثباتی کی دلیل ہے (۳) دریاؤں سمندروں اور بہتے پانیوں میں کشتیوں کے اسٹیمروں کا دوڑے دوڑے پھرنا انسان کے کار آمد اشیاء لانا لیجانا سمندروں کے تلاطم و امواج سے محفوظ رہنا (۴) آسمانوں یعنے ابر سے پانی برسنا اور اسی سے خشک زمین کا تر و تازہ ہوجانا نباتات و حیوانات کا پیدا ہونا (۵) ہواؤں کا بدلنا ابھی تو پچھوا چل رہی تھی ابھی کیسنے پھنکے کا رخ پھیر دیا پروا چلنے لگی (۶) بادلونکا فضاء میں پیدا ہونا اور ان کی رفتار اور ان سے بجلی کڑک پیدا ہونا اولے برسنا۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

کہ خدا کے بندے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں فکر و غور کرکے کہا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ غلط اور باطل طور سے نہیں بنایا ہے تو اس تہمت سے پاک ہے۔ اے ہمارے رب

دوسرے عالم میں ہمکو عذاب جہنم سے بچانا۔ یعنے جسنے یہ عالم بنایا کیا وہ عالم روحانی کے بنانے پر قادر نہیں ؟ ضرور قادر ہے پھر جب اس عالم میں رنج و راحت ہے تو کیا اُس عالم میں نہیں ؟ ضرور ہے +

(۳) ہر کار اور ہر شان میں اس پر توکل کرنا اسیکے دست قدرت کا نگراں رہنا۔ قرآن میں توکل بر خدا جابجا ہے وَمَنْ یتوکل علی اللہ فھو حسبہ کہ جو خدا پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے وہ اسکی چارہ سازی کرتا ہے +

(۴) خدا کی نعمتوں کا شکر کرنا۔ اسکی نعمتیں بیشمار ہیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ غنی حمید۔ کہ جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے اور فائدہ کے لئے کرتا ہے اوسکو اور نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور جو کوئی ناشکری اور کفران نعمت کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا اور مستغنی ہے اسکو کسی کی حاجت نہیں لئن شکرتم لازیدنکم کہ اگر شکر کروگے تو میں اور زیادہ دونگا۔ اور جو کفران نعمت کروگے تو میرا عذاب بھی سخت ہے +

(۵) مصائب پر صبر کرنا خدا کی قضاء و قدر سے ناراض نہو جانا بلکہ اسکو اپنے اعمال کا نتیجہ سمجھنا اور آئندہ اس کے اجر کا اُمیدوار رہنا۔ الغرض انسان کی دو حالت ایسی ہیں کہ جو اسکو اکثر غافل کردیتی ہیں نعمت جسمیں مست و مسرور ہو جاتا ہے۔ مصیبت جسمیں نا اُمید ہو کر رشتۂ محبت و اخلاص توڑ ڈالتا ہے دونوں حالتوں کی اصلاح فرمائی اول کی شکر سے دوسرے کی صبر سے۔

(۶) ہر بات میں صدق و راستی کا پابند رہنا خواہ خدا کے ساتھ معاملہ ہو خواہ بندوں کے ساتھ کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ کہ گروہ صادقین میں ہو کر رہو۔

(۷) زہد و تقویٰ کا پابند رہنا دلکو دنیا کے تجملات اور اسکے زیب و زینت پر نہ لگانا۔ یہاں کی زندگی کو ایک تیز رو مسافر کے دہوپ میں تھوڑی دیر آرام لینے سے زیادہ نہ سمجھنا

اس علم کو بھی خدا نے قرآن میں مختلف پیرایہ میں متعدد سورتوں میں بیان فرمایا ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے! اعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذٰلک مبلغہم من العلم۔ کہ جو ہماری یاد سے مونہ پھیر بیٹھا اور اسنے زندگی میں دنیا ہی کی خواہش کی اوس سے تم بھی مونہ پھیر لے۔ انکی اسیقدر سمجھ ہے۔ ایک جگہ فرمادیا۔ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ٥ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ٥ کہف۔ کہ اے پیغمبر ان لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردو کہ وہ ایسی ہے کہ جیسا ہم اوپر سے پانی برساتے ہیں جس سے زمین کے نباتات اوگتے اور لہراتے ہیں پھر تھوڑے دنوں کے بعد وہ چورا ہو جاتے ہیں جنکو ہوائیں اوڑاتی پھرتی ہیں اور آپ کا خدا تو ہر بات پر قادر ہے (ہر حالت کا انقلاب اسکے ہاتھ میں ہے) مال و فرزند صرف اسی چندروزہ دنیا کی زینت ہے۔ اور ثواب اور امید کے لحاظ سے تو باقی رہجانے والیاں نیکیاں ہی اسکے خدا کے نزدیک بہتر ہیں +

اس سے زیادہ عمدہ اور کوئی مثال حیات دنیا کے لئے ہو نہیں سکتی جس طرح زمین کی جڑی بوٹیاں آسمانی پانی سے اوگتی ہیں اور ایک وقت تک اپنر کیا بہار ہوتی ہے سبز پوش نازک کمر درخت کس امنگ حسن میں جھومتے ہیں غنچہ و گل اپنے دلفریب حسن پر کیا اترا رہا ہے۔ زمین بمنزلہ رحم مادر کے اور آسمانی پانی بمنزلہ نطفہ کے ہے۔ اسیلئے تحتانی چیزوں کو اُمہات اور فوقانی کو آبا کہا کرتے ہیں یہی حال انسان اور دیگر حیوانات کا ہے نر کا نطفہ مادہ کے رحم میں قرار پاکر کیا کیا دلفریب انسان و حیوانات اوگتے ہیں پھر انکی وہ اُٹھتی ہوئی جوانی اور ان کا وہ شباب دل کش اور انکی وہ دلی امنگیں

اور وہ ولولے کیا ہی غضب ہوتے ہیں۔ نہ مرنے کا خیال نہ اس بہار کے تمام ہونے کا دھیان ایک نشا ہے جسمیں سرشار ہیں۔ اہل دولت اور شاہانِ ملک کس غرور و نخوت میں قیامت تک انتظار کر رہے ہیں اور کس کس عیش و شادمانی کے اسباب میں مست و مغرور ہیں مہ جبین اور حسین ہیں کہ اپنی رعنائی سے دل عشاق کو ٹھکراتے جارہے ہیں۔ کہ اپنر ایک دوسری حالت طاری ہونی شروع ہوتی ہے یا یوں کہو کہ منازل عمر کے پُر بہار مقامات طے کرتے کرتے اب وہ سنسان اور بیابان جہاں خلدزاروں کے سوا کچھ بھی نہیں پیش آنے لگے۔ چندروز میں بال سفید ہوگئے دانتوں کی موتیوں جیسی لڑیاں جھڑنے لگیں معدہ جواب دینے لگا وہ تازگی اور وہ بہار رخصت ہونے لگی اور اعضار بدن ایک دوسرے رو رو کر رخصت ہورہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب قیامت تک کا فراق ہے آخر مر گئے چندروز میں ہڈی اور پسلی اور وہ سر پُر غرور پاؤں میں ٹھکراتے پھر رہے ہیں اسکے بعد چوراچورا ہوگیا۔ ہوا میں ذرات اُڑتے پھر رہے ہیں کہیں اسکی مٹی کی اینٹیں بن کر پاخانہ میں لگی ہوئی ہیں اور ایک اینٹ دوسری سے کس حسرت آمیز الفاظ میں اِس کے صاحب کا حال پوچھ رہی اور وہ کن کن پر درد الفاظ میں اپنے جاہ و حشم عیش و نشاط ارباب جلسہ ہاتھی گھوڑوں مہ جبین معشوقوں دنیا کے موسموں بہار برسات جاڑے گرمی کے واقعات کی کہانیاں سنا رہی ہیں اب اگر ان کے اصحاب کے پاس کچھ ہے تو وہی نیک کام جن سے اس جہان میں حیات جاودانی کی امید ہو رہی ہے۔ نہ مال ہے نہ زن و فرزند ہیں ایک جگہ فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ کہ اے انسان تو تو کھٹا کھٹ اپنے رب کیطرف چلا جارہا ہے آخر اوس کے پاس پہونچ کر رہے گا۔ یہ رات اور دن اسکی تیز رو گاڑی کے دو پہیے ہیں جو اسے کھینچے لئے جارہے ہیں یہ سواری کسیکے روکے نہیں رکتی۔ انہیں معانی میں بعض عرفا نے کیا کیا عمدہ نظمیں لکھی ہیں۔ سعدی فرماتے ہیں ؎

تفرج کنان در ہوا و ہوس گذشتیم بر خاکِ بسیار کس
کسانیکہ از ما بغیب اندر اند۔ بیایند و بر خاک ما بگذرند
بنا ید بسا ماہ پروین و ہور کہ تو سر نیاری ز بالین گور
بسا تیر و دے ماہ اردی بہشت بیاید کہ ما خاک باشیم وخشت

ایک فرماتے ہیں۔ ؎

افسوس کہ گلرخان کفن پوش شدند از خاطر یک دگر فراموش شدند
آنانکہ بصد زبان سخن میگفتند آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

(۸) گذشتہ زمانہ سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا۔ گزشتہ زمانہ کو بیکار اور نیست محض سمجھکر واقعات گزشتہ اور نیک و بد کاموں کے نتائج سے کانوں کو بند کرنا ایسا ہی ہے جیساکہ موجودہ اشیاء سے آنکھہ بند کر لینا اور عبرت حاصل کرنا۔ کیونکہ سب طرح گزشتہ زمانہ اور اسکے واقعات کے لئے کان بنائے ہیں کہ عبرت کریں۔ اسیطرح موجودہ اشیاء سے مستفید ہونے کے لئے آنکھہ بنائی گئی ہے۔ الہام الٰہی کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک عضو کو ایک بڑے فائدہ سے معطل کر دے۔ اسلئے قرآن نے گزشتہ واقعات کا سچا فوٹوگراف بھی سامنے رکھدیا ہے۔ اور انکو سننے اور ان سے نصیحت لینے کا بھی حکم دیا ہے۔ ایک جگہ ایسے واقعات کے نہ سننے والوں اور ان سے عبرت حاصل نکرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ کہ ان کے کان تو ہیں مگر انسے سنتے نہیں۔ وہ چارپائے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔

اس مراد سے قرآن نے حضرات انبیاء علیہم السلام اور انکی امتوں کے نظیر کے طور پر کچھہ واقعات بھی بیان فرمائے ہیں کہ انکو ان کی امتوں کیطرف ہمنے بھیجا اور وہ لوگ ان ان ناپاک خصائل میں آلودہ تھے اون انبیاء نے ان کو اس اس طرح سمجھایا اور انہوں نے نہ مانا مقابلہ کیا بلکہ انبیاء کو مارنے ایذائیں پہونچانے کی تدابیر کیں انبیاء کے پیروان

ظلم وستم کیئے آخر ہمنے انبیاء علیہم السلام اور ان کو پیروں کے عذاب سے نجات دی اور پر برکات نازل فرمائے انکو برومند کیا اور منکروں پر یہ بلائیں نازل کیں +

اسمیں کچھ بھی شبہ نہیں کہ واقعات گزشتہ منکراور خصوص ایک واعظ سے دلپروہ اثر ہوتا ہے جیساکہ آنکھہ کے دیکھے ہوئے واقعات سے اور جب اس لحاظ سے عقلاً کے نزدیک فن تاریخ بھی ایک کارآمد اور بڑا مفید علم ہے تو الہامی طور پر واعظانہ پیرایہ میں واقعات کا بیان کرنا کسی طرح بھی بیکار نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ عبث اور عیب ہو۔ پھر اس سے الہامی کتاب پر عیب لگانا سراسر سفاہت ہے +

لیکن واعظانہ اور مورخانہ بیان میں بڑا فرق ہے۔ مورخ ایک واقعہ کو ابتدا سے لیکر آخر تک بترتیب وقوع بیان کرتا ہے اور ایکبار بیان کرکے بار دگر بیان کرنا لغو سمجھا جاتا ہے۔ برخلاف واعظانہ بیان کے اسلئے قرآن نے جو واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں چند امور کی رعایت رکھی ہے اور رکھنی چاہیئے تھی۔

اوّل انہیں واقعات اور انہیں انبیاء علیہم السلام کے وقوعہ بیان فرمائے کہ جن سے قرآن کے اولاد بالذات مخاطبین کے کان آشنا تھے۔ اور جس زبان میں جو کتاب نازل ہوا اور جس ملک میں رسول برپا ہوا اول مخاطب اوسی ملک کے لوگ ہوا کرتے ہیں آخرت کی نعمتوں کے بیان میں اور نیز احکام میں زیادہ تر اسی قوم کی عادات و رغبت کی رعایت کیجاتی ہے یہ حسن سلیقہ ہے اسکو خدا کی مجبوری یا طرفداری یا پابندی سمجھ لینا بدفہمی ہے (دوئم) واقعات کو بترتیب وقوع بیان نہیں فرمایا یعنے اسبات کی پابندی کرنا کہ جو واقعہ پہلے گزرا ہے اسکو اول اور جو اس کے بعد واقعہ ہوا۔ اسکو بعد بیان کیا جاوے مقصد میں خلل پیدا کرنا ہے اسلئے ایسا نہیں کیا گیا (سوئم) جس واقعہ میں جسقدر بیان مقصود مقام تھا اسیقدر بیان فرمایا (چہارم) جب ایک بڑے واقعہ میں کئی باتیں مقصود ہوئیں تو اسی واقعہ کو بار بار

کو بار بار ذکر کیا کبھی مجملاً کبھی قدرے تفصیلاً ہر بار ایک نئی غرض سے۔

مثلاً موسے اور فرعون کا واقعہ اسمیں کہیں تو فرعونیوں کے ظلم و ستم ظاہر کر کے اسنسے بنی اسرائیل کو خلاصی دینے کی نعمت کا اظہار مقصود ہے اور کبھی فرعون کی سرکشی اور رسول سے مقابلہ کا بدنتیجہ غرق ہو جانا۔ قریش مکہ کو تنبہ کیا جاتا ہے کہ تم بھی انجام بد سے پرحذر رہو کہیں خدا پرستوں کی مظلومی اور صبر کا نیک نتیجہ بیان کر کے مسلمانوں کو تسلی دینی مقصود ہوتی ہے علی ہذالالقیاس اسلیئے اوس قصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے مگر باین ہمہ ہر بار جدید شان اور نیا عنوان ہوتا ہے جس سے مکرر ہونیکی بے مزگی نہیں معلوم ہوتی بلکہ نیا لطف آتا ہے اور راست گوئی کا پورا ثبوت ملتا ہے ورنہ ایک بات کو بار بار کہتے ہیں کچھ نہ کچھ مخالفت پیدا ہو ہی جاتی ہے برخلاف بیان قرآنی کہ وہ اس سے پاک ہے

پنجم ہر بیان میں صدق و راستی ملحوظ رکھی گئی مبالغہ اور رجحان و جوش سے بالکل یکسوئی اور اجتناب کلی ہے برخلاف بیان مورخین کے کہ کہیں نہ کہیں وہ جس سے نفرت ہوتی ہے ان کے عمدہ خصائل سے بھی چشم پوشی کر لیتے ہیں۔ اور ناکردہ الزامات بھی انپر دھر دیتے ہیں اور جن سے رغبت ہوتی ہے ان کے عیبوں سے چشم پوشی کر کے انکی اونے سی عمدہ بات کو پہاڑ بنا کر دکھاتے ہیں ضرور انکی طبیعت کا رنگ کچھ نہ کچھ واقعات پر چڑھا ہوا ہوتا ہے برخلاف قرآن کے کہ وہ ان سب باتوں سے پاک اور مبرا ہے +

فائدہ۔ مخالفین اسلام نے اس مقام پر قرآن پر دو قسم کے الزام قائم کئے ہیں **اول** یہ کہ قرآن نے انہیں واقعات کو جو کتب مقدسہ توریت وغیرہ میں بھی بیان ہوئے ہیں کبھی تو زائد بیان کیا ہے جسکا ثبوت کتب مقدسہ سے نہیں ملتا اور کبھی خلاف بھی بیان کیا ہے جسکو کتب مقدسہ صاف صاف رد کر رہی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ قرآن کتب مقدسہ کی تصدیق بھی کر رہا ہے اور ان کے فضائل و محامد بھی بیان فرما رہا ہے +

اعتراض	جواب
۱ بوقت پیدائش آدم فرشتوں کا سوائے شیطان کے سجدہ کرنا یہ بائبل میں کہیں نہیں ۔	۱ پولوس کے نامہ عبرانیوں کے ۱ باب میں ہے کہ جب پہلوٹھے (آدم) کو دنیا میں لایا تو کہا کہ خدا کے سب فرشتہ اوسے سجدہ کریں ✣
۲ سورہ عنکبوت میں ہے کہ بوقت طوفان نوح نوسو پچاس برس کے تھے حالانکہ موسیٰ کی پہلی کتاب کے ۷ باب میں ہے کہ طوفان کے وقت نوح چھ سو برس کے تھے اور ۹ باب میں ہے کہ طوفان کے بعد نوح تین سو پچاس برس تک زندہ رہے اس حساب سے اونکی کل عمر ساڑھے نوسو برس کی ہوتی ہے ✣	۲ آیت مذکورہ میں بھی یہی ہے ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما کہ ہمنے نوح کو اسکی قوم کیطرف بھیجا وہ ان میں نوسو پچاس برس تک زندہ رہے ✣ قرآن نے طوفان کے وقت کی عمر نہیں بتائی صرف یہ کہدیا کہ فاخذھم الطوفان وھم ظالمون کہ انکو طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے دونوں بیانوں میں کچھ بھی مخالفت نہیں ✣
۳ سورۂ ہود کے اوائل میں ہے کہ نوح کے ایک بیٹے نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کیا اور وہ ڈوب مرا لیکن موسے کی پہلی کتاب کے ۸۔۹ باب میں ہے کہ نوح کے سب بیٹے کشتی میں سوار ہوئے اور سب نے طوفان سے نجات پائی ✣	۳ قرآن نے اوس نالائق بیٹے کو لیس من اہلک کہہ کر کے انکی اولاد ہی سے خارج کردیا اب ایماندار اولاد میں

۴ سورۂ یوسف میں ہے کہ یوسف نے
اپنے مالک کی جورو سے برا قصد کیا تھا
مگر موسے کی پہلی کتاب کے ۳۹ باب
میں ہے کہ یوسف نے بالکل انکار کیا اور
بری فکر کو دل میں راہ بھی نہ دی +

۵ سورہ قصص کے اوائل میں ہے کہ موسے
کو فرعون کی بیوی نے فرزند بنا کر
پرورش کیا مگر موسے کی دوسری
کتاب کے دوسرے باب میں یوں ہے
کہ اسکی بیٹی نے فرزند بنا کر پرورش
کیا تھا +

۶ سورہ مریم کے شروع میں ہے کہ بوقت
ولادت مسیح مریم دور دراز جگہ چلی گئی
تھی اور مسیح خرمے کے درخت کے تلے
پیدا ہوئے تھے حالانکہ انجیل لوقا
کے دوسرے باب میں ہے کہ مریم
بیت اللحم اپنے باپ کے گاؤں میں چلی
گئیں تھیں اور مسیح اصطبل میں پیدا
ہوئے تھے +

اسکا شمار ہونا جنہوں نے نجات پائی
کوئی بھی مخالفت نہیں +

۴ قرآن میں بھی ایسا ہی ہے۔ کیونکہ
ہم بہا لولا ان رای برہان ربہ کی جزاء
ہے۔ یعنے اگر خدا کی برہان نہ
دیکھتے تو ارادہ بد کر چکے تھے مگر اوس
سے پہلے برہان دیکھ لی اس لیئے
قصد نکیا +

۵ قرآن میں صرف یہ ہے کہ فرعون
کی بیوی نے بیٹا بنا کر پرورش کرنیکی
صلاح دی تھی اس سے یہ نہیں
لازم آتا کہ اوسنے بیٹا بنایا تھا۔ اور
جب بیٹی نے فرزند کیا تو کیا وہ ماں کا
فرزند نہیں کہلا سکتا +

۶ قرآن میں مکانا قصیا ہے جس کے معنی
گوشہ اور کونہ کے ہیں۔ عام ہے بیت اللحم
میں ہو یا کہیں اور ہو وہ اصطبل ہو
یا دیوان خانہ۔ اور کیا اصطبل میں
خرما کے درخت کا ہونا محال تھا۔
معترض کی غلط فہمی ہے۔ اوس نے
قصیا کے معنی سمجھنے میں غلطی کی +

اور بہت سے وہ قصے ہیں کہ جنکا کتب مقدسہ میں ذکر تک بھی نہیں اور نیز وہ قانون قدرت کے بھی خلاف ہیں

اعتراض

١ ابراہیم کا قصہ کہ انہوں نے اپنے باپ کے بت توڑ ڈالے اور اس کی قوم نے اسکو آگ میں ڈالا- اور خدا نے آگ کو سرد کر دیا +

٢ داؤد کی بابت کہ پہاڑ اور پرند اسکے ساتھ تسبیح کیا کرتے- یہ بھی خلافِ عقل بات ہے +

٣ سلیمان کی نسبت مذکور ہے کہ انکے جنات تابع تھے اور سلیمان نے چیونٹیوں کی گفتگو سنی- اور سلیمان کو زندہ سمجھکر جنوں نے فریب کھایا اور سلیمان کے پاس ہُدہُد جانور بلقیس شاہزادی کی خبر لایا اور سلیمان کے پاس آنکھ جھپکتے ہی بلقیس کا تخت اسکے کسی درباری نے منگا دیا اور بلقیس حاضر ہوئی- اور سلیمان تمام دنیا کے بادشاہ تھے- ہوا ان کے تابع تھی صبح سے دوپہر تک پھر زوال سے

جواب

١ کتب مقدسہ اول تو بلا تحریف موجود نہیں نہ وہ کتاب موجود ہیں کہ جنکا کتب مقدسہ میں حوالہ دیا گیا ہے- انہیں سے چند کے یہ نام ہیں (١) جنگنامہ جسکا حوالہ سفر عدد کے ٢١ باب میں ہے (٢) کتاب الیاشر جسکی طرف ابسات کا حوالہ دیا گیا ہے کہ آفتاب ٹھہر گیا اور قریب دن بھر کے پچھم کیطرف مائل نہوا- (٣) کتاب یاہو (٤) سمعیا کی پانچویں کتاب- پھر کتب مقدسہ میں ذمہ داری بھی نہیں کہ جملہ واقعات ان میں مندرج ہوں اور یہی سبب ہے کہ ایک ہی شخص کے حالات میں خود کتب مقدسہ کم زیادہ بیان کرتے ہیں انجیل متی کے سوا اور کسی انجیل میں نہیں کہ مجوسی ایک ستارے کی دلالت سے مسیح کے پاس آئے جسکے اور بھی بہت سے نظائر ہیں پھر کیا کوئی ایسے واقعات کو جو دیگر کتب مقد

شام تک وہ تخت مہینے بھر کی راہ طے
کرتا تھا۔ اور جنوں کو سلیمان نے عمارت
وغیرہ کے کاموں میں لگا رکھا تھا وہ
بڑے بڑے کام کیا کرتے تھے
یہ خلاف عقل باتیں ہیں +

۴ قرآن میں یہ بھی ہے کہ سکندر رومی
نے مشرق و مغرب کا وہاں تک سفر
کیا کہ جہاں آفتاب کو ندل دلدل یا سیاہ چشمے
میں ڈوبتا ہوا پایا۔ اور سکندر نے
کوئی عجیب و غریب دیوار چنکر یاجوج
ماجوج کا رستہ بند کر دیا کہ قیامت
تک اس سے باہر نہیں نکلیں گے
حالانکہ آفتاب کسی چشمہ یا دلدل میں
غروب نہیں ہوتا وہ آسمان پر ہے
اور اب ایسی کوئی قوم نہیں معلوم
ہوتی کہ کس دیوار میں بند ہو۔ اور
نہ انکے یہ اوصاف ہیں کہ کوئی پچاس
گز کا بلند کوئی بالشتیا ایک کان اوڑھ کر
دوسرا بچھا کر سوتا ہو نہ ایسی کوئی
دیوار اب موجود ہے یہ بھی بعید
از عقل انسانی ہے +

مقدسہ میں نہوں غلط کہہ سکتا ہے؟
قرآن نے موجودہ کتب مقدسہ کی صحت
کا بھی کہیں اقرار نہیں کیا ہے۔ اور کیا
جو واقعہ کتب مقدسہ میں نہو وہ غلط ہے؟
یہ کہنا کہ یہ واقعات خلاف عقل ہیں۔
اہل کتاب کے حال سے تو ایسا بعید ہے۔
جبکہ ان کی مقدس کتابوں میں ان سے
بھی بڑھ بڑھکر خلاف قانون قدرت
واقعات مذکور ہیں جنکو فلسفہ تسلیم نہیں
کرتا۔ (۱) آفتاب کا ایک جنگ میں ٹھہرا
رہنا تاکہ ہفتہ کا روز نہ لگ جائے
(۲) انبیاء بنی اسرائیل کے کل معجزات
جو کتب مقدسہ میں مذکور ہیں (۳) حضرت
مسیح کا جنوں کو نکالنا اور انکا نکلکر بصورت
خنزیر دریا میں ڈوب پڑنا (۴) حضرت
مسیح اور ان کے حواریوں کا مردے کو
زندہ کرنا (۵) بوقت مصلوبی مسیح ہیکل کا
پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا
اور زمین کا کانپنا اور پتھروں کا تڑک
جانا قبروں کا کھل جانا لاشوں کا
قبروں سے نکلکر شہر میں بہتوں کو نظر آنا

۵- یہ بھی ہے کہ مسیح نے لڑکپن میں جبکہ ماں کی گود میں تھے لوگوں سے باتیں کیں اور یہ کہ وہ گارے کے پرند بناتے اور ان میں پھونک مارتے تھے وہ پرند بنکر اوڑ جاتے تھے۔ یہ بھی خلاف عقل ہے +

۶ یہ بھی ہے کہ موسیٰ نے خضر سے ملاقات کی اور اونسے علم لدنی سیکھنے گئے۔ حالانکہ خضر کا کہیں کتب مقدسہ میں ذکر تک بھی نہیں اور پھر موسیٰ سے کون بڑھکر عالم تھا +

۷- اسیطرح اصحاب کہف کا بھی ایک بے اصل افسانہ قرآن میں موجود ہے ان باتوں سے معلوم ہوا کہ عرب کے پیغمبر یہودی عیسائی مجوسی لوگوں سے وہ قصے جو عوام میں مشہور تھے سنکر اور نیز عرب کے مشہور واقعات عاد و ثمود کے عوام سے سنکر نظم کر دیتے تھے اور اسکو قرآن اور کتاب الٰہی اور منزل من اللہ بتاتے تھے +

۸ قرآن میں ہے کہ فرعونیوں کے بعد

(انجیل متی باب ۲۷) اور اسیطرح چھٹے گھنٹے کے قریب تمام زمین پر اندھیرا چھا جانا اور تین گھنٹہ تک یہ حال رہنا اور پھر سورج کا تاریک ہو جانا (انجیل لوقا باب ۲۳) اسیطرح حضرت مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ اور قبر سے نکل کر آسمان پر چڑھ جانا وغیرہ +

اہل کتاب کو کچھ قرآن سے ایسی عداوت ہے کہ جب اسپر اعتراض کرنے لگتے ہیں تو انکو اسکی بھی خبر نہیں رہتی کہ جس فلسفہ کی تلوار سے وہ اسلام کو کاٹ رہے ہیں خواہ وہ اسپر لگے یا نہ لگے مگر سب سے اول انہیں کے مذہب کا سرتن سے اوڑجاتا ہے۔ یہی حال ان مصنفوں کا ہے جنہوں نے باوجود دعوی ایمان داری قرآن کے ترجمہ اور تفسیر میں اسکی کیا ہی بدنما صورت بنا کر دکھانیکا قصد کیا ہے۔

جو واقعات قرآن کیطرف فلسفہ کے گراب پڑنے کے لئے پیش کئے ہیں وہ بہت کچھ غلط طور پر بیان ہوئے ہیں

ان کے باغوں اور چشموں اور مکانوں کے
بنی اسرائیل مالک کیے گئے حالانکہ بنی اسرائیل نے
ایک دن کے لئے بھی قلزم عبور کر
کے بعد پھر مصر میں نہیں آئے ان کے
باغوں اور مکانوں کا مالک ہونا تو
کجا اور اگر وہ مالک ہو گئے ہوتے
تو پھر ملک مصر پر انہیں کی حکومت
ہوتی وہ سرکش لوگ جو بات بات میں
موسی سے سرکشی کرتے تھے کبھی بھی
جنگلوں میں خانہ بدوشوں کیطرح مارے
مارے نہ پھرتے حالانکہ اسباب کا
خود قرآن بھی اقرار کرتا ہے کہ وہ جنگلوں
میں چالیس برس تک مارے مارے
پھرے قرآن کا یہ جملہ اسباب کو بتارہا
ہو فانها محرمة عليهم اربعين سنة
دیکھو پ ۶ الارض مائدہ رکوع ۳۔
یہ کیسا غلط مضمون ہے +

۶ قرآن میں حضرت مریم کو ہارون کی
بہن کہا ہے یا اُختَ ھٰارُونَ
حالانکہ ہارون موسے کے بھائی تھے
ان میں اور مریم میں سیکڑوں برس کا

مثلاً سکندر رومی کا سفر۔ حالانکہ سکندر کا
قرآن میں نام تک بھی نہیں البتہ ذوالقرنین
کا ذکر ہے اب جس مورخ نے اسکو سکندر
رومی سمجھا ہے یہ اوس کا قیاس ہے
وہی اسکا ذمہ دار ہے نہ قرآن (۲) سیاہ
چشمہ میں آفتاب کو ڈوبتے دیکھنے کے
یہ معنی قرار دینا کہ در اصل وہ اسمیں ڈوب
بھی رہا تھا معترض کی خوش فہمی ہے
سمندر کے کنارے کھڑے ہونے
والے کو ہر روز آفتاب پانی میں ڈوبتا
ہوا ہی نظر آیا کرتا ہے۔ اسیطرح کسی دلدل
کے کنارے کھڑے ہونے والے کو
دلدل ہی میں ڈوبتے دکھائی دیا کرتا
ہے (۳) یاجوج ماجوج کا قد اور ان کے
کانوں کی درازی کیجگہ بھی قرآن میں
مذکور نہیں جس مفسر نے ایسے افسانے
گھڑ کر قرآن سے چپکائے ہیں وہی ذمہ دار
ہے نہ قرآن (۴) اعتراض کا جواب
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے
سلامت رہنا کوئی بھی خلاف قانون
قدرت نہیں عالم اسباب میں بھی دیکھا گیا ہے

فاصلہ ہے۔ پھر مریم ہارون کی بہن کیونکر ہو سکتی ہیں +

۱۰ قرآن بتا رہا ہے کہ موسٰے کے بعد سامری نے بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل سے پجوایا توریت میں ہے کہ یہ فعل ہارون نے کیا تھا جب پر موسے واپس آکر سخت ناراض ہوئے +

کہ گھر جل گیا سب لوگ جل مرے مگر بعض اشخاص یا حیوان زندہ وسلامت نکل آئے۔ چہ جائیکہ جہاں خدا کا فضل ہو

(۲) اعتراض کا جواب حضرت داؤد کے ساتھ پہاڑ اور پرندوں کا تسبیح کرنا اس عالم اسباب کے بھی بعید نہیں۔ پہاڑ و میں آواز گونج اُٹھتی ہے جسطرح کنوئیں کے اوپر بیٹھکر اندر کے رخ کوئی کچھہ آواز دیتا ہے گاتا ہے یا پڑھتا ہے ویسی ہی آواز کنوئیں سے برآمد ہوتی ہے اب یہ کہنا کہ فلاں کے ساتھ کنواں گا رہا تھا کیا مستبعد بات ہے۔ نغمات سے حیوانات کو بھی دلچسپی ہوتی ہے۔ رات کو جو عرب حدی خوانی کرتے ہیں تو اونٹ مست ہوکر تیز چلنے لگتے ہیں۔ اگر نغمۂ داؤدی پر طیور کی فریفتگی ہوئی ہو۔ اور وہ وجد میں آئے ہوں اور یہی ان کی تسبیح ہے تو کیا بعید ہے۔ اور جو سر روحانیات سے واقف ہیں اور وہ جمادات وحیوانات کے ادراک و تکلم سے بھی واقف ہیں ان کے نزدیک یہ کوئی ناممکن بات نہیں +

(۳) اعتراض کا جواب قرآن نے سلیمان علیہ السلام کو کہیں بھی تمام دنیا کا بادشاہ نہیں کہا ہے۔ رہا پرندوں اور حیوانات کی بولی سمجھنا یہ گو اب تک عوام کے نزدیک ناممکن بات ہے مگر جنکو روحانی ریاضتوں کا اتفاق ہوا ہے یا ان کی روح میں قدرت نے روشنی بخشی ہے ان کے نزدیک یہ ممکن ہے۔ حیوانات کیا وہ جمادات کی باتیں سنتے اور سمجھتے ہیں لیکن وہ باتیں ہماری باتوں جیسی نہیں۔ اسیطرح اگر ہُد ہُد سے مراد یہی معروف پرند ہے تو ایسے شخص کا اوس سے کلام کرنا اور اسکو خط دیکر بھیجنا کوئی بھی ناممکن بات نہیں سیکڑوں کبوتر نامہ بر ہوتے ہیں۔ اسیطرح جب جن کا وجود ہے تو سلیمان کا

انکو مسخر کر کے ان سے کام لینا کیا تعجب کی بات ہے۔ جب غبارہ وغیرہ اس زمانہ میں ایسی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں کہ ہوا میں اوڑتی ہیں اور مہینوں کا رستہ گھنٹوں میں طے کرتی ہیں تو سلیمان کے عہد میں انکا معجزہ بھی تسلیم نکیا جاوے تو بھی ایسے فنوں کے ایجاد میں کیا حیرت ہے۔ دن بدن جو جو چیزیں حیرت انگیز ایجاد ہورہی ہیں ٹیلیفون۔ فونوگراف وغیرہ جنکو پہلے قانون قدرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا وہ بتارہی ہیں کہ ابھی بہت کچھ چیزیں جو ابھی تک خلاف قانون قدرت سمجھی جارہی ہیں خزانہ غیب میں مستور ہیں شاید ظہور کریں۔ اور زمانہ کی حرکت دوری بھی بتارہی ہے کہ پہلے بھی جانے کیا کیا عجائب علوم ظہور پذیر ہوئے تھے جو مٹ گئے۔ اپنے دو اینچ کے دماغ کو قدرت کا قانون سمجھ لینا اور جو اسمیں نہ آسکے اسکو جھٹ پٹ خلاف کہدینا ایک سفاہت ہے۔ نہ ابھی تک قدرت کی انتہا معلوم ہوئی ہے نہ انسان اسکے لئے کوئی قانون تیار کر سکتا ہے جسکو یہ قانون قدرت کہتا ہے وہ تو اس کا مشاہدہ و تجربہ ہے انسان محدود اسکے قوی محدود اسکی زندگی محدود اسکے تجربے و مشاہدے محدود۔ پھر غیر محدود چیز کے لئے محدود کیونکر قانون بن سکتا ہے

(۴) اعتراض کا جواب قرآن میں ذوالقرنین کا ضرور ذکر ہے جسکو اہل کتاب نے معما سمجھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بطور امتحان کے پوچھا تھا وہ صرف اسیقدر ہے کہ وہ ایک بادشاہ تھا جسکو ہمنے ہر قسم کے سازوسامان دیئے تھے اسنے مغرب میں اور مشرق میں وہاں تک سفر کیا کہ سامنے سمندر تھا جہاں اسکو آفتاب ڈوبتے ہوئے دکھائی دیا وہاں کی قوموں کو ہدایت کی پھر اسنے تیسرے سفر کا قصد کیا اور ایک قوم تک پہونچا جنہوں نے یاجوج ماجوج قوموں کی غارتگری کی شکایت کی اور ان کے روکنے کے لئے دیوار بنانے کی درخواست پیش کی اسنے لوہے کے ٹکڑوں سے دیوار بنائی اور اسپر گرم کر کے تانبا پاجست ڈال دیا جسپر بلندی کے سبب وہ چڑھ سکتے تھے نہ مضبوطی کے سبب اس میں نقب لگا سکتے تھے وہ قومیں دھکا پیل کر کے آتی تھیں پر نہ نکل سکتی تہیں مگر ایک وقت وہ قومیں کھولی

جائیں گی اور بلند یوں سے دوڑی چلی آئیں گی (۱) نہ قرآن میں اس سفر کے موقع کا ذکر ہے کہ یہ کس ملک میں ہوا تھا (۲) نہ اس بات کا کہ یاجوج ماجوج کون قوم تھی اور کیسی تھی اور اب بھی ہے کہ نہیں اور ہے تو کس حال میں ہے اور کیا نام ہے (۳) نہ اس بات کا ذکر ہے کہ وہ دیوار کس ملک میں بنی تھی اور اب بھی ہے کہ نہیں (۴) نہ اس بات کا ذکر ہے کہ یاجوج ماجوج قوم کس وقت اور کس زمانہ میں نکلیں گیں اور نکلکر کیا کرینگی (۵) نہ اس بات کا کہ ذوالقرنین کس ملک کا بادشاہ تھا ان امور کا ذکر اسلئے نہیں کیا کہ وہ جسقدر جواب دینا چاہئے تھا اوس سے زائد تھے۔ اب یہ باتیں جو علماء نے دریافت کی ہیں اور اپنی رائیں قائم کیں ہیں اپنے قیاس سے جنہیں کہیں الفاظ قرآنیہ کے اشارات سے کہیں مورخین کے اقوال سے کہیں احادیث سے جو خبر احاد ہیں جنکا مرتبہ ظن سے زائد نہیں کام لیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ صحیح بات تک پہونچ گئے ہوں یا غلطی کی ہو۔ مگر قرآنی بیان پر کوئی بھی اعتراض عقلی یا نقلی وارد نہیں ہوسکتا معترض نے علماء کی رایوں کو قرآن سے چپکا کر اعتراض کیا ہے اور اس صورت میں بھی اعتراض غلط ہے کس لئے کہ ابھی تک دنیا میں کئی دیواریں عجائب روزگار باقی ہیں (۱) دیوار چین (۲) جبل الطے کے ایک گھاٹی میں ایک دروازہ بند ہے (۳) آذربائیجان کے پہاڑوں میں ہے جسکو در بند اور باب الابواب کہتے ہیں۔ ان دیواروں کے بنانے سے اسکے بنانے والوں کا مقصود کسی قوم کا روکنا تھا ان میں ایک یاجوج ماجوج بھی تھی +

(۵) جب مسیح علیہ السلام کی اور صدہا وہ باتیں خلاف قانون قدرت نہیں جنکو آجتک نصف دنیا مانتی چلی آئی ہے تو لڑکپن میں باتیں کرنا اور گارے کے پرند بناکر اوڑا دینا ہی کیا محل اعتراض ہے رہی یہ بات کہ وہ ان چاروں انجیلوں میں کیوں نہیں؟ اسکا جواب تو یوحنا حواری ہی دے سکتے ہیں جو اپنی انجیل کے آخر جملہ میں فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں تو دنیا میں نہ سما سکتیں۔ اب ان میں سے اگر یہ دو باتیں قرآن نے بیان کردیں تو قرآن کیوں ملزم

ٹھیرایا جاتا ہے۔ اسکے سوا عیسائیوں کے ہاں ایک انجیل طفولیت بھی ہے جسکو عیسائی الہامی تو نہیں مانتے مگر سراسر جھوٹی بھی نہیں سمجھتے اسمیں یہ باتیں لکھی ہیں +

(٦) کا یہ جواب ہے کہ خضر وہی ملک الصدق ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں بھی تھے جن کا ذکر پولوس نے اپنے ایک خط میں کیا ہے۔ اگر موسے علیہ السلام اوس بزرگ روحانی سے ملے ہوں تو کیا تعجب ہے۔ اگر یہ ذکر موسے علیہ السلام کے حالات میں یہودیوں نے نہ لکھا ہو تو کچھہ ان کے لکھنے پر قرآن نے انحصار بھی نہیں کر لیا ہے اور نہ واقعات کی اصلیت انہیں کے نوشتوں پر منحصر ہے +

(٧) اصحاب کہف کا واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کئی سو برس بعد ہوا ہے اگر اس کا توریت وانا جیل میں ذکر نہو تو کوئی تعجب نہیں ہاں اسوقت کے بعد والوں نے ضرور لکھا ہے لارڈ ولیم میور اپنی کتاب تاریخ کلیسا میں افرائم کے حوالہ سے اس واقعہ کی تصدیق کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ گلاڈیس قیصر کے وقت یہ واقعہ ہوا کہ شہر افسوس کے چند عیسائی ایک غار میں جو وہیں تہا چھپ گئے اور تین سو برس تک سوتے رہے اور پہر ہشیار ہوئے + اور پہر بادشاہ کے پاس حاضر ہونے کے بعد وہیں غار میں چلے گئے۔ گلاڈیس کو عربی میں دقیانوس کہتے ہیں +

(٨) یہ معترض کی غلط فہمی ہے اور جس مفسر نے ایسا سمجھا اسکی بھی غلط فہمی ہے آیت یہ ہے کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ○ ونعمة کانوا فیہا فاکہین کذلک واورثنٰہا قوما اخرین ○ (دخان) کہ فرعونیوں نے بہت سے کچھہ باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکان اور خوشی ونعمت کے سامان چھوڑے (ڈوب گئے) بات یوں ہی ہے اور ان کا ہمنے اور لوگوں کو مالک کر دیا۔ اور سورہ شعراء میں یہ ہے فاخرجناہم من جنت وعیون وکنوز ومقام کریم ○ کذلک واورثنٰہا بنی اسرائیل ○ کہ ہمنے فرعونیوں کو باغوں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے باہر کر دیا

اسیطرح۔ اور ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو مالک بنا دیا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ خاص انہیں فرعونیوں کی چیزوں کا مالک بنا دیا۔ بلکہ انہیں چیزوں کا دینے انکی مثل چیزوں کا ملک فلسطین میں) وارث بنا دیا ایک عام محاورہ ہے کہ ایک شے کی مثل کو اس شئے سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مثلاً دو شخصوں کے پاس جب دو چیزیں مشابہ و مساوی ہوں تو ایک دوسرے سے کہہ دیا کرتا ہے کہ جو تیرے پاس ہے وہی میرے پاس ہے۔ حالانکہ وہی اس کے پاس نہیں بلکہ اسکا مثل ہے۔ یہ محاورہ عرب۔ عجم ہر ملک میں اور ہر زبان میں ہمیشہ سے ہے اور دلیل ہمارے قول پر سورۂ قصص کا ابتدا ہے جہاں فرعون و موسے کے حالات میں خدا فرماتا ہے طسم تلک ایات الکتاب المبین۔ الایات۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض نجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین ○ ونمکن لہم فی الارض الایہ اور ایک جگہ یوں فرمایا واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربہا التی بارکنا فیہا الایہ کہ فرعون تو اسرائیلیوں پر ظلم و ستم کرکے اپنی تدابیر سے ہمیشہ انکو غلام ہی بنا رہنا چاہتا تھا اور ہم ان ضعیفوں پر احسان کیا چاہتے تھے اور انکو سلاطین مالک اور زمین پر زور آور کرنا چاہتے تھے سو یہ بات ملک شام میں آنے کے بعد بنی اسرائیل کو میسر آئی۔ دوسری آیت نے تو اور بھی مطلب واضح کر دیا کہ ہمنے اوس قوم کو جو زمین (مصر) میں ضعیف اور کمزور سمجھے جاتے تھے اوس ملک کے مشارق و مغارب کا وارث کر دیا۔ کہ جسمیں ہمنے برکت دی ہے یعنے ملک فلسطین شام میں اور اس برکت کے لفظ سے قرآنی محاورہ میں بھی ملک سمجھا جاتا ہے جیسا کہ سورہ اسرا وغیرہا میں ہے۔ امام ابن کثیر وغیرہ محققین مفسرین اسیطرف گئے ہیں جیسا کہ ہمنے بیان کیا اور جو کوئی مفسر غلط فہمی کر گیا ہو تو اسکا قول تفسیر بالقرآن کی مقابلہ میں ہم پر حجت نہیں ہو سکتا۔ مگر مخالفین قرآن تو ایسے ہی مفسروں کی تلاش میں رہا کرتے ہیں +

(۹) معترض نے یہ کہاں سے ثابت کرلیا کہ ہارون سے مراد وہی ہارون علیہ السلام ہیں۔ جو حضرت موسےٰ کے بھائی تھے کیا بنی اسرائیل میں موسے ہارون ابراہیم لوگوں کے نام انبیاء کے نام پر نہ رکھے جاتے تھے ضرور رکھے جاتے تھے۔ اعتراض کرنے سے پہلے معترض کسی یہودی سے پوچھہ بھی لیتا تو اعتراض نہ کرتا۔ مگر فضیلت پناہ کیونکر کہلاتا حضرت مریم کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا ٭

(۱۰) یہی تو قرآن کا دعوے اور اسکے نزول کی ایک ضرورت ہے کہ یہود و عیسائیوں نے جو کچھہ غلط اوہام کتب مقدسہ میں بدنیتی یا غلط کاری یا طرف داری سے ملادیئے تھے انکی اصلاح کرے ونقص علے بنی اسرائیل اکثرالذی ھم فیہ یختلفون یہی ایک غلطی اہل کتاب کی نہیں اور بھی بہت سی ہیں جیساکہ حضرت سلیمان کا بت پرستی کرنا حضرت داؤد کا اوریا کی بیوی بنت سبع والدہ حضرت سلیمان سے زنا کرنا حضرت لوط علیہ السلام کا شراب پیکر اپنی دونوں بیٹوں سے صحبت کرنا۔ خدا کا آدم کو پیدا کرکے پچتانا۔ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرکے تھک جانا ہفتہ کے دن آرام کرنا۔ خدا کا یعقوب سے کشتی لڑنا۔ فرشتونکا حضرت ابراہیم کے پاس آکر کھانا پینا۔ خدا کا دو کروبیوں سوار ہوکر نیچے اترنا اسکی اون جیسی سفید ڈاڑھی ہونا نتھنوں سے دھواں نکلنا وغیرہ یہ سب خرافات ابتک کتب مقدسہ میں موجود ہے ٭

یہ تھے وہ بڑے بھاری واقعات قرآنیہ پر اعتراض جنکو مخالفین قرآن کے ابطال میں پیش کیا کرتے ہیں اور بھی ہونگے تو وہ اسسے بھی زیادہ کمزور اور لغو جنکو تلاش کرکے نقل کرنے اور پھر انکے جواب دینے کی ہمیں کوئی بھی ضرورت نہیں ہم پھر علوم قرآن کیطرف رجوع کرتے ہیں ٭

(۹) علم التواضع وہ یہ کہ انسان کی گفتار رفتار لباس وضع مہذب ہو۔ ناک بھوں چڑہائے رہنا نہ چاہیئے۔ انداز گفتگو بھی بہت شایستہ اور نرمی سے ہو اس علم کا بھی

قرآن میں بہت کچھ ذکر ہے از انجملہ یہ یہ آیات ہیں ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا ط ان اللہ لا یحب کل مختال فخور ہ واقصد فی مشیک و اغضض من صوتک ط ان انکر الاصوات لصوت الحمیر ہ کہ لوگوں کے سامنے گال نہ پھلا یعنے متکبرانہ صورت نہ بنا زمین پر اتراتا اکڑتا ہوا نہ چل کیونکہ اللہ کو کوئی بھی اترانے فخر کرنے والا پسند نہیں ۔ اور درمیانہ چال چلا کر اور بات بھی نرم اور پست آواز سے کیا کر کیونکہ آوازوں میں مکروہ آواز گدہے کی ہے ۔ ان اصول پر اور باتوں کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے جو خلاف تہذیب اور شان تکبر ہیں +

(۱۰) امر بالمعروف نہی عن المنکر یعنے نیک اور اچھی باتوں کی نصیحت کرنا مگر نرمی اور دلسوزی سے) اور برے کاموں سے منع کرنا ۔ یہ بھی انسانی اخلاق میں ایک عمدہ بات ہے کسیکو کوئیں میں گرتے دیکھنا اور منع نکرنا کریم النفس انسانوں کا شیوہ نہیں ہے

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است اگر خاموش بنشینم گناہ است

دو لڑتوں کو چھڑا دینا یہاں تک کہ دو جانوروں کو بھی لڑنے نہ دینا بھوکے کو راہ بتا دینا کوئی کسی کام کی عمدہ تدبیر جانتا ہے دوسرے کو جو اچھی طرح واقف نہیں رہبری کرنا خواہ دینی امور میں خواہ دنیاوی میں سب امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں داخل ہے ۔ اس کی بابت بھی قرآن میں بہت کچھ تاکید ہے اور نیز اس مسئلہ کو حسن تمدن میں بھی بڑا دخل ہے وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک ط ان ذالک من عزم الامور کہ نیک باتوں کی نصیحت اور بری باتوں سے منع کیا کر اور جو اسمیں تجھے کوئی ایذا پہونچے (کسلئے کہ جاہل اور ناعاقبت اندیش لوگ ناصح سے لڑنے اور طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں) تو اسپر صبر کر بدلہ نہ لے یہ نہیں کہ تو بھی لڑنے لگے سخت کلامی کا جواب دینے لگے یہ صبر و برداشت ایک بڑی بات ہے ۔ اسمیں ناصح کا فرض منصبی بھی بتا دیا گیا +

(۱۱) خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگنا اپنے نادم ہونا بھی قرآن میں مذکور ہے ۔

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون ۰ کہ تم سب اے ایماندار واللہ کیطرف رجوع کرو توبہ کرو۔ ولم یصروا علی ما فعلوا وہم نادمون کہ نیک بندے کوئی برا کام کرکے اسپر اصرار نہیں کرتے بلکہ ندامت کرتے ہیں۔ استغفار کی بہت جگہ قرآن میں ہدایت ہے اور اسپر معافی و مغفرت کا وعدہ بھی ہے۔ وبالاسحار ھم یستغفرون ۰ ایماندار سحر گاہ باوجود عبادت کے خدا سے استغفار کیا کرتے ہیں۔

(۱۲) خدا سے استغفار و توبہ کے بعد رحمت و بخشش کا امیدوار رہنا بھی قرآن میں ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا کہ اے نبی میرے ان بندوں سے جنہوں نے گناہ کیے ہیں کہدو کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہو جاؤ کیونکہ وہ سب گناہ بخشدیتا ہے لا ییٔس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ کہ اللہ کی رحمت سے کافر ہی ناامید ہوا کرتے ہیں یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جو خدا سے محبت پیدا کرتا ہے اور انسان کو آیندہ نیک روی پر لاتا ہے +

(۱۳) مگر اسکے ساتھ خوف بھی رکھنے کا حکم ہے تاکہ دلیر ہوکر ہر قسم کی بدکاری نکرنے لگے اسکا بھی بہت جگہ قرآن میں ذکر ہے۔ واتقوا اللہ کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او عذاب الیم کہ جو اس کے حکم کی برخلافی کرتے ہیں انکو ڈرتے رہنا چاہیئے کہ انپر دنیا میں فتنہ یعنے آزمایش مرگ اولاد وتلف مال مرض غلبہ اعدا اور آخرت میں عذاب الیم نہ پہونچ جائے +

(۱۴) خدا سے دعا مانگنے کا بھی حکم ہے اور دنیا وآخرت کے لئے مفید دعائیں بھی تعلیم فرمائی ہیں کیونکہ دعا بندہ کی ایک عمدہ عبادت ہے اور اسپر اجابت کا بھی مژدہ دیا ہے ادعونی استجب لکم مجھہ سے مانگو میں قبول کرونگا۔ یہ بھی ایک محبت الٰہی کا بڑا واسطہ ہے۔ اور بھی تہذیب الاخلاق کے متعلق بہت سے علوم قرآن میں مذکور ہیں۔ بنظر اختصار انہیں چند پر بطور نمونہ کے اقتصار کیا گیا۔ اور اگر ان عملی باتوں کا علم ہی

جو باہمی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں تو اسکو علم تدبیر المنزل کہتے ہیں جیسا کہ بیع وشرا میراث وغیرہ اسلیئے اس علم کی بہت سی شاخیں ہیں جنمیں سے چند یہ ہیں :-

(۱) ماں باپ کے ساتہ ادب اور نرمی سے پیش آنا ان کی خدمت و پرورش کرنا کس لئے کہ خدائے جہاں آفریں کے حقوق کے بعد والدین کا مرتبہ ہے جن سے یہ پیدا ہوا۔ لڑکپن میں جبکہ یہ اپنے بدن سے مکہی بہی دور نہیں کرسکتا تہا۔ اسکی پرورش کرتے تہے اپنے آرام سے اسکا آرام مقدم سمجہا کئے اس کے ذرا سے دکہہ سے وہ بے چین ہو جاتے تہے اپنا مال اپنی عزیز چیزیں اس سے دریغ نہ رکہتے تہے۔ اسلام میں ماں باپ کی نافرمانی ایک بہت ہی سخت گناہ ہے جسکو حقوق الوالدین کہا جاتا ہے قرآن نے اس معاملہ میں بہت کچہہ ہدایات ارشاد فرمائے ہیں از انجملہ یہ آیت ہے واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا ۰ کہ ماں باپ کے لئے مہربانی کا بازو جہکا دے اور ان کے لئے دعا کر کہ اے رب انپر رحم کر جیسا کہ یہ مجہے لڑکپن میں پرورش کیا کرتے تہے۔ ووصینا الانسان لوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر ۰ کہ ہمنے انسان کے لئے اسکے والدین کے لئے وصیت کردی ہے اسکو اسکی ماں نے تہک تہک کر اوٹہایا ہے دو برس میں اسکا دودہ بڑہتا ہے۔ کہ میرا اور اپنے والدین کا شکریہ کیا کر۔ پہر تو میرے ہی پاس آنا ہے۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلَاھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ۰ کہ ہمنے جسطرح خاص خدا پرستی کا حکم دیا ہے ایسا ہی والدین کے ساتہ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اگر تیرے سامنے ان دونوں میں سے کوئی یا دونوں بڈہے ہو جائیں تو انکو اُف بہی نہ کہہ نہ جہڑک اور ان سے عزت و احترام کی بات کیا کر۔ روحانی بزرگ استاد۔ مرشد بہی ادب و احترام میں باپ ہی کا حکم رکہتے ہیں۔

(۲) بھائی بہن دیگر اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اسیطرح دیگر اقارب نسبتی خسر خوشدامن بیوی وغیرہا کے ساتھ بھی حسن سلوک اور مروت سے پیش آنا اور اسیطرح ہمسایہ اور دوستوں سے بھی نیکی کرنا۔ قرآن مجید میں جابجا ہے وآتِ ذَا القُربیٰ حقه والمسکین وَابْنَ السَّبِیلِ کہ اہل قرابت کا حق ادا کر (قرابت کی چار قسم ہیں (۱) قرابت نسبی (۲) قرابت سببی جیسا کہ دامادی وغیرہ کے رشتے (۳) قرابت محبت ودوستی (۴) قرابت ہمسائیگی وہموطنی۔ پھر ان کے حقوق بہت کچھ ہیں انسے برائی دور کرنا انکی جان ومال کی حفاظت کرنا انسے بمروت پیش آنا ان سے سلوک کرنا انکی برائی سے درگزر کرنا۔ اور محتاج اور مسافر کا بھی حق ادا کر ط محتاجوں کی خبر گیری کرنا مسافروں کے مال اور جان وآبرو کی حفاظت۔ اور غریب ہوں تو ان کو کھانا اور انکی حاجات کا بر لانا اونکا حق ہے۔ ان باتوں بغیر تمدن درست نہیں ہوسکتا +

(۳) اسیطرح زنا اغلام چوری۔ ڈکیتی دغابازی قتل وغیرہ امور خلل انداز امن عام کی بھی ممانعت ہے اور انپر سخت سزائیں قرآن میں مذکور ہیں یہ بھی تمدن وآسایش دنیا وباہمی اتفاق وبکجہتی کے اصول ہیں جنسے ملک آباد اور لوگ ہر طرح کی برکات سے متمتع ہوسکتے ہیں +

(۴) سخاوت صداقت رحمدلی وغیرہ امور جو تہذیب اخلاق میں مذکور ہوئے ہیں وہ بھی سب اصول تمدن ہیں +

(۵) قانون معاملات بھی قرآن نے بہت کچھ بیان فرمائے ہیں از انجملہ بیع وشرا ہے از انجملہ رہن و مستقرض ہے از انجملہ قانون میراث ہے۔ از انجملہ قانون تزویج ہے جس میں یہ بیان ہے کہ کون کون عورتیں ہیں کہ جن سے نکاح درست نہیں اور وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اور کونسی عارضی طور پر

ف زنا کی سزا محصن کے لئے سنگسار کرنا غیر محصن پر درے مارنا۔ زنا کی تہمت پر اسی درے مارنا۔ چور کا ہاتھ کاٹنا۔ ڈاکوؤں کو سولی دینا یا ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کاٹنا یا قتل کردینا یا جلاوطن کردینا جیسا موقعہ ہو قرآن میں جسمانی سزائیں یہ ہیں انپر یہ اعتراض کرنا کہ یہ وحشیانہ سزائیں ہیں جو شائستگی کے خلاف میں ایک بیجا اعتراض ہے ۱۲ منہ

ہیں اور نکاح کیونکر ہونا چاہیئے اور کتنی عورتوں سے بضرورت ایک وقت میں نکاح کی اجازت ہے رنہ حکم اور عورت و مرد کے فرائض منصبی کیا کیا ہیں اور انکو حسن معاشرت سے ملکر رہنا چاہیئے اور عورت پر مرد کو ایک قسم کی فوقیت ہے (یہ کہ عورت مواشی کیطرح اوس کا مال ہے جیسا چاہے برتاو کرے) اور اگر باہم نزاع اور سوء معاشرت پیدا ہو جاوے تو طرفین کے اشخاص باہم ملاپ کرادیں اور جو ممکن نہو تو لاچاری میں طلاق ہے۔ اور طلاق کی تعداد اور مطلقہ کے احکام اور عورت کا نان و نفقہ مرد پر کب تک اور کسطرح ہوتا ہے اور اولاد پر کس کا استحقاق ہوتا ہے اور ان کے مصارف و تربیت کس پر ہونی چاہیں اور خاوند کے مرنے کے بعد عورت کے کیا حقوق ہیں۔ اور عدت کب تک ہے اور عدت میں عورت نکاح یا پیغام نکاح بھی نہیں کر سکتی۔ اگر مرد اپنی عورت کو مبتلا رحرام دیکھے اور اس پاس شہادت نہو تو پھر کیا ہونا چاہیئے اور بچہ کا دودھ پلانا کب تک ہے اور مرضعہ کے مصارف کا کون ذمہ وار ہے۔ عورتوں کو نامحرموں کے سامنے کسطرح کپڑا پہننا چاہیئے اور پردہ ستر کسطرح رکھنا چاہیئے نامحرموں کو گھروں میں اجازت سے آنا چاہیئے اور کن کن اوقات میں اجازت بغیر محرموں کو بھی اندر نہ جانا چاہیئے وغیرہ[1] احکام قرآن میں متعدد سورتوں میں مذکور ہیں۔ کسلیئے کہ بغیر ایسے قوانین کے نزاعات کا فیصلہ فریقین کو مطمئن نہیں کر سکتا اور بغیر اس کے باہمی اتفاق و تمدن قائم نہیں رہ سکتا اور بغیر بیان احکام مذکور الہام اپنے فرض منصبی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا +

اسیطرح قتل و قصاص اور تعدے اموال اور زخموں کے متعلق قصاص و دیت بھی قرآن میں مذکور ہے +

(۶) باہمی معاہدات کی پابندی اور فریقین کے معاملات کے فیصلہ عدل و انصاف سے کرنا۔ یگانہ اور بیگانہ مفلس و زردار کا زور آور اور ضعیف کا خیال نکرنا اور اسیطرح معاملات پر شہادت حق حق بلا کم و کاست ادا کر دینا اور معاملات پر گواہ بنانا یا حیز کتابت میں لانا

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ اثم قلبہ اوفوا بالعقود اوفوا بالعہد ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والبغی یعظکم لعلکم تتقون ۱۲ منہ

[1] ایلاء و ظہار ۱۲ منہ

اور وصیت اور ولایت کے احکام اور ادائے امانت اور اولیا رکو کس حال میں یتیموں کو انکے
اموال انکو سپرد کرنا چاہیئے یہ سب اصول تمدن قرآن میں مذکور ہیں +

(۷) قرآن نے خودداری اور کسب معاش اور اپنی آبرو و مال وجان کا تحفظ بھی ارشاد فرمایا
ہے فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ وان عاقبتم
بمثل ما عوقبتم بہ ولان صبرتم فھو خیر للصابرین۔

(۸) بحری و بری سفر کی تجارت واکتساب علوم و آثار قدرت کے ملاحظہ کے لئے ترغیب
دلائی ہے سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الظلمین تاکہ پختہ کاری
اور اولوالعزمی پیدا ہو۔

(۹) علم کے لئے سفر اور پھر اسکی اشاعت اور قوم کی ہدایت کرنے کا حکم بھی قرآن میں ہے
لولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا
ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔

(۱۰) کفایت شعاری اور سخاوت میں میانہ روی کی تعلیم تاکہ بخل و افلاس کی ذلت
قوم کا شیرازہ جمعیت نہ منتشر کردے +

(۱۱) لغو اور بیہودہ باتوں سے اعراض کرنے کی بھی تعلیم فرمائی ہے وعن اللغو ھم
معرضون۔ کسلئے کہ جسقدر قوموں پر ادبار آیا اور انسانیت کے درجہ سے نیچے گرگئیں
وہ اس لغو ہی کی بدولت گری ہیں۔ کھیل تماشے۔ ناچ رنگ بیہودہ افسانے خیالات
کو خراب کرنے والی شاعری۔ یہ بازیاں کبوتر بازی پتنگ بازی بٹیر بازی شطرنج بازی۔
ہی انسان کو فضول خرچ اور کاہل اور بے ہمت بلکہ بے حمیت و بے غیرت بنادیتی
ہیں جس سے تمدن میں خلل آجاتا ہے +

(۱۲) قماربازی شراب خوری سے بھی سخت الفاظ میں منع فرمایا انما الخمر والمیسر
والانصاب رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ کہ یہ چیزیں

ولا تبذر تبذیرا کہ مال کو نہ شہر اور بیہودہ طور پر اڑا مت۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسط کل البسط کہ اپنا ہاتھ بھی بالکل نہ روک اور نہ بالکل کھولدے ۱۲ منہ

ناپاک اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو تاکہ تمکو فلاح ہو۔ اس سے باہمی عداوت و رنجش اور فساد پیدا ہوتے ہیں جسکا ترقی یافتہ قوموں میں بھی ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

(۱۳) معمولی برتاوے کی چیز دینے سے دریغ کرنے کی مذمت (ویمنعون الماعون)۔ اور اسیطرح حاجتمندوں سے قرض دیکر اوسنے سود لینے کی بھی سخت ممانعت فرمائی۔ (احل اللہ البیع وحرم الربوا) کیونکہ یہ بے مروتی قومی تمدن کے سخت مضر ہے۔ اور انسان کو طماع اور لالچی اور سنگدل اور بے رحم بنا دیتی ہے۔ پھر اس کے برے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں +

(۱۴) بدگوئی بدکلامی بدگمانی تفاخر و تعلی طعنہ زنی خصوصاً لوگوں کے نسب پر اتہام وغیرہ سے بھی سخت ممانعت فرمائی جیساکہ علم الاخلاق میں بیان ہوا کیلئے یہ باتیں قوم میں نفاق و عداوت پیدا کر دیتی ہیں۔ وغیر ذلک +

(۱۵) حقوق انسانی کی بھی واجبی طور پر مساوات کر دی اور ہر ایک میں حریت کی روح پھونکدی دنیاوی امور میں بھی جو حق ایک بڑے بادشاہ یا شریف اور دولتمند قوم کو حاصل ہے وہی ایک ادنیٰ اپاندار مفلس کو بھی ثابت کر دیا۔ رومی۔ حبشی۔ کالے۔ گورے عرب۔ عجم۔ سب کو مساوی درجہ کا بھائی بنا دیا اور تمام افراد میں ایک تازہ اور پرجوش اخوت قائم کر دی مغرب کا مسلمان مشرق کے مسلمان سے بیاہ شادی کر سکتا ہے ایک دسترخوان پر دونوں بیٹھکر کھانا کھا سکتے ہیں۔ انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم۔ وقال لا یسخر قوم من قوم الایہ۔ اگر کسیکو دوسرے پر فوقیت ہے تو تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے۔ جو جرائم کی سزائیں ایک کمتر حیثیت کے مسلمان کے لئے ہیں وہی بڑے سے بڑے کے لئے بھی ہیں اس میں ایک نکٹا حبشی اور ہاشمی مکی مدنی سب برابر ہیں۔ دین کے لحاظ سے بھی کسی قوم اور شہر اور شخص کو بغیر علم کسی کے مقتدی ہونے کا فخر حاصل نہیں خواہ سید ہو یا شیخ مکی ہو یا مدنی یا کسی

ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ویل لکل ھمزۃ لمزۃ ان بعض الظن اثم ان الذین یرمون المحصنت الغافلات الایہ ۱۲ منہ

بزرگ کی اولاد جو کام اور پیشہ ایک شخص کر سکتا ہے وہی دوسرا بھی کر سکتا ہے کس لئے کہ یہ تفاوت، قومیت قائم نہیں ہونے دیتا اور جو ہوا بھی تو وہ لفافہ ہے۔ اسلام نے مذہب خدا پرستی کی تمام افراد بنی آدم میں قومیت و برادری قائم کردی جو وطنیت اور نسب کی برادری سے کہیں زور دار ہے۔ اسلام کی وہ ترقی کہ ایک صدی کے اندر ہی اندر اوسکا نصف دنیا پر محیط ہو جانا اسکی ایک بڑی دلیل ہے۔ اور بھی بہت سے علوم تمدن ارشاد فرمائے ہیں +

اور اگر ان چیزوں کا علم ہے جو انتظام سلطنت و ملک کے متعلق ہے تو اس کو **علم سیاست** کہتے ہیں اس کے متعلق بھی قرآن میں بہت کچھ احکام ہیں۔ یہ اسلئے کہ خدا مذہب اسلام کو دنیا میں ذلیل حالت پر رہنا پسند نہیں کرتا کسلئے کہ غیر اقوام کا ماتحت ہوکر کوئی مذہب و ملت بالخصوص وہ جو دنیا میں حقوق انسانی کی مساوات کا ذمہ دار ہو انسانی پرستش چھوڑا کر خدائے واحد کی پرستش تعلیم فرماتا مخلوق پرستی شہوت پرستی اور نفسانی بیجا خواہشوں کو روکتا ہو نیک باتوں کا حکم دیتا ہو بری باتوں سے روکنے کی تاکید کرتا ہو آزادانہ قائم رہ نہیں سکتا جس مذہب میں رئیس مشرک سے غلام خدا پرست معزز سمجھا گیا ہو جسمیں کسی منکر خدا و رسول کو کسی ایماندار پر فرماں روائی کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ وہ مذہب دنیا میں آسمانی سلطنت کا پھریرا اوڑا کر آزادانہ خدا کی تسبیح و تکبیر کے آوازوں سے جنگلوں اور پہاڑوں کو گونجائے بغیر رہ نہیں سکتا۔ تاکہ اس کے نقاروں کی صداؤں سے بت اوندھے گر پڑیں اس کے لشکروں کی ہیبت سے جبار و متکبر جو انسانی شائستگی کو مٹانا چاہتے ہیں لرز جائیں اور وہ یتیموں مظلوموں محتاجوں بے زبان جانوروں کا چارہ سازی کیا کرے +

(۱) ایک جمہوری سلطنت قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا کیونکہ انسانی حقوق کی مساوات اسی میں ہے۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کہ مسلمانوں کے جملہ امور باہمی مشاورت پر

ونعد
سو
من خیر من
مشرک
ولو
اعجبکم
ما
جعل
الله
للکا
فرین
علے
المؤ
منین
سبیلا
۱۲ منہ

نبی سچے ہونے چاہییں۔ ایک ادنے ایماندار کو بھی امور سلطنت میں رائے زنی اور اعتراض کرنے کا وہی حق حاصل ہے جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو حاصل ہے۔ خود سب سے اول بادشاہ کو جو دین کا بھی بادشاہ تھا جس کی رائے میں عصمت تھی جسکے دلپر الہام الٰہی کا تار خدائی دربار سے لگا ہوا تھا مامور کر دیا کہ قوم سے مشورہ لیا کریں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ اسکے بعد کسی بادشاہ کو بھی مطلقاً آزادی نہیں کہ بغیر مشورہ قومی جو چاہے کیا کرے۔ سلطنت کے خزائن واموال میں بادشاہ کا اسیقدر حق ہے جو اسکی قوم نے اسکی خدمت کے لحاظ سے اس کا مشاہرہ یا یومیہ مقرر کر دیا ہے اس کے سوا بادشاہ کو ایک پائی بھی کیسکو دینے لینے یا اپنے مصارف میں صرف کرنے کا اختیار نہیں کسلئے کہ قرآن نے اموال سلطنت کے مصارف خود بتا دیئے ہیں۔ اور سنت مطہرہ نے قولاً و فعلاً اور اسیطرح پیغمبر علیہ السلام کے جانشینوں نے قولاً و عملاً اختیارات شاہی کی تشریح کر دی ہے جو قیامت تک کے مسلمانوں کا دستور العمل رہے گا ؛

خود آنحضرت صلعم کو آپکے عیال اور نیز قرابت دار محتاجوں اور نیز مسافروں اور قومی ضرورتوں کے لئے ایک تھوڑیسی زمین ملی تھی جو زمین یہود بنی نضیر اور یہود خیبر و فدک سے اسلام کے قبضہ میں آئی تھی۔ اسمیں سے جسکی سالانہ آمدنی مساکین و مسافرین و قومی ضرورتوں سے بچکر اتنی بھی باقی نہ رہتی تھی کہ خاص آپ کے لئے اور آپکے عیال کے لئے کافی ہو سکے۔ اسلئے فقر و فاقہ سے بسر اوقات کیا کرتے تھے اور اسمیں نہایت شاد ماں اور اپنے خدائے قادر کے شکر گذار رہا کرتے تھے۔ باوجودیکہ آپ کی حیات میں اسلام کو بڑے بڑے فتوحات بھی رونما ہونے لگے تھے۔ آپکے بعد حضرت ابوبکرؓ کے لئے جو قومی انتخاب سے جانشین پیغمبر قرار پائے تھے ایک تھوڑیسی تنخواہ ملتی تھی۔ جو ان کے عیال کو بھی کافی نہ ہوتی تھی۔ اسیطرح حضرت عمرؓ کے لئے بھی وہی قدر قلیل وظیفہ ملا کرتا تھا خلفاء کے مکان اور خانہ داری کے اسباب معمولی مسلمانوں سے بھی بہت کم مرتبہ تھے حالانکہ فتوحات کے دروازے کھل گئے تھے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے توخذ من اغنیائہم وترد الی فقرائہم کہ زکوۃ غنیوں سے لیکر محتاجوں کو دی جاتی ہے حدیث صحیح ۱۲ منہ

یہی حال بعد کے دونوں خلفاء حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ وغیرہ کا رہا۔ ان کے اختیارات کی بابت دو ایک واقعات نقل کرتا ہوں اور باقی باتوں کو قیاس کرلینا چاہئے **واقعہ** حضرت عمرؓ نے جب خالد بن ولید کو سپاہ سالاری کے عہدہ سے معزول کرکے انکی جگہ ابوعبیدہ بن الجراح کو سالار افواج بنایا اور اسکی مصلحت خطبہ میں قوم کو سنانے لگے تو خالد کی قوم میں سے ایک نوجوان معمولی مرتبہ کے شخص نے بھری مجلس میں یہ کہدیا کہ عمر کے دل میں ابھی تک خالد کی وہ عداوت باقی ہے جو جاہلیت میں تھی۔ اسلامی محاورہ میں یہ حضرت عمر پر سخت اور نامہذب حملہ تھا۔ مگر حضرت نے تبسم فرماکر جبکہ قوم اسکو بری نگاہوں سے دیکھنے لگی یہ فرمایا کہ یہ لڑکا ہے مصالح ملکی سے واقف نہیں +

(۲) **واقعہ** حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں ایک یہودی سے دو سو درہم میں ایک زرہ خریدی اور قیمت ادا کردی یہودی نے عدالت میں حضرت علی پر قیمت کا دعویٰ دائر کردیا بجبوری حضرت علی عدالت میں تشریف لے گئے **شریح** قاضی نے مدعیٰ علیہ کا بیان لیا آپنے زرہ خریدنے اور قیمت ادا کرنے کا اقرار کیا۔ قاضی نے کہا روپیہ ادا کرنیکا ثبوت آپ پر ہے گواہ پیش کیجئے ورنہ ڈگری۔ حضرت نے امام حسن اپنے فرزند اور قنبل غلام کو شہادت میں پیش کیا مدعی نے جرح کی کہ ایک انکا بیٹا دوسرا غلام ہے۔ شہادت کافی نہیں قاضی نے جرح کو تسلیم کیا اور حضرت علی پر ڈگری دیدی۔ بجبوری تعمیل حکم عدالت حضرت علی نے یہودی کو بار دیگر قیمت دینے کا قصد کیا۔ یہودی پر اسلامی عدالت کے انصاف اوران کے بادشاہ کی راستبازی وانقیاد حکم کا وہ اثر پڑا کہ اسنے اپنے کاذب ہونیکا صاف اقرار کیا اور مذہب اسلام قبول کرلیا اور کہدیا کہ مجھے اسلامی انصاف کا امتحان مقصود تھا +

خلفاء اپنے معاملات میں اور لوگوں سے زیادہ کوئی خصوصیت نہ رکھتے تھے۔ نہ خلافت موروثی حق کسیکا سمجھا جاتا تھا (ملاحظہ ہو سیرت خلفاء)

(۲۵) جب بادشاہ کے اختیارات محدود کردیئے تو قوم کو بھی انکی اطاعت کا حکم دینا ایک لازمی امر ہے اسلئے فرمایا۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ کہ اللہ اور اس کے رسول اور اپنے حاکم کی اطاعت کیا کرو۔ اس حکم کی اسلام میں بڑی تاکید ہے آنحضرت صلعم نے فرمادیا ہے کہ اگر تمپر کوئی نکٹا حبشی بھی حاکم ہو تو اسکی بھی اطاعت کرنا۔ حاکم کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قرار دیگئی ہے +

(۲۶) قوم کے لئے حکم ہے کہ جان ومال سے سلطنت کی مدد کریں قرآن میں اس کے محامد بیان ہوئے ہیں ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون الآیہ کہ اللہ نے ایمانداروں کا مال اور جان جنت کے بدلہ میں خرید لی ہے سو انکو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیئے پس ماریں او مرجائیں۔ جہاد کی ترغیب اور اس کے فضائل۔ اس کے برکات دنیا و آخری کے درجات سورۂ توبہ۔ انفال وغیرہا میں مذکور ہیں اور شہیدوں کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں کہ انکو حیات جاودانی نصیب ہوتی ہے۔ بڑی بڑی نعمتیں ملتی ہیں۔ اس مال اور جان بازی کو بطور استعارہ کے تجارت اور خرید وفروخت سے تعبیر کیا ہے اور اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے سے تعبیر فرمایا ہے یہ استعارہ ہے جو کلام فصیح میں ہوا کرتا ہے۔ اس سے قرآن پر یہ عیب لگانا کہ قرآنی خدا تاجر ہے لوگوں سے قرض مانگتا ہے ایک نہایت درجہ کی کوڑمغزی ہے +

(۲۷) ایمانداروں کو ظاہر وباطن ہر حال میں انقیاد ویک جہتی کا حکم دیا نفاق اور دورخے پن کی سخت ممانعت فرمائی۔ ایسے لوگوں کو منافق کے لقب سے ملقب فرمایا اور تمثیلیں دے دے کر انکی دنیاوی واخروی حالت کا برا نقشہ کھینچکر دکھایا۔

اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ قومی وملکی ریاست وحکومت کے حق میں لوگوں کے نفاق سے بڑھکر اور کوئی زیادہ زہردار چیز نہیں یہ قومی بربادی کا سبب ہوجاتا ہے۔

کسلئے کہ جو شخص بظاہر مطیع اور دور پردہ مخالف ہے نہ تو وہ اوس مذہب پر ایمان رکھتا ہے
نہ اس کے دلمیں اوس مذہب کی وقعت ہوتی ہے نہ اس کے احکام کو واجب التعمیل
جانتا ہے نہ حکام کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ در پردہ تخریب کے درپے ہوتا ہے وہ
دشمنوں سے سازوباز رکھتا ہے وہ قومی اسرار فاش کرتا رہتا ہے۔ اور مذہب کی
توہین لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کیا کرتا ہے وہ بظاہر جو کبھی کسی
قومی کام میں شریک ہوتا ہے تو اوروں کی بھی ہمت توڑ دیتا ہے اور کوئی نہ کوئی
فتنہ برپا کرتا ہے۔ اسلئے یہ جماعت ان لوگوں سے جو کھلم کھلا مخالف ہیں زیادہ تر
اندیشناک ہے۔ اور یہ قوم اور سلطنت اور مذہب کے باغی اور نہلسٹ ہوتے ہیں +

ابتداً مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی قوم انصار میں سے تھے اور وہ بھی حرکات کیا کرتے
تھے جنکا قرآن میں اکثر مواضع پر ذکر ہے اور جابجا قرآن میں اس گروہ ناپاک پر سرزنش
بھی ہے۔ خدا نے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور راستباز ایمانداروں کو ان کے حالات سے
مطلع کیا ہے ان سے آنحضرت صلعم کو بھی بڑی بڑی تکلیفیں پہونچیں ہیں اسی گروہ نے
حضرت عائشہ صدیقہ ؓ پر بہتان باندھا تھا جسکا ذکر سورہ نور میں ہے اوس گروہ کا سرا
عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا +

(۵) قوم کو ان کے مخالفوں اور دشمنوں کے مکائد سے مطلع فرماکر مقابلہ پر آمادہ کرنا
کیونکہ بغیر اس کے وہ قوم قوم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے قرآن میں اوس وقت کے
مخالف فرقوں کے عقائد باطلہ اور اقوال و افعال فاسدہ سے بھی آگاہ کرنا پڑا منجملہ ان کے
ایک فرقہ یہود کا تھا جسکو اہل کتاب اور نسل ابراہیم ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا وہ خود بھی
اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے اور عرب کے جہلا کو بھی سکھایا کرتے تھے ان کے
اعتراض اور جواب اور انکی کرتوت کا بھی قرآن میں اکثر ذکر ہے۔ منجملہ ان کے ایک
گروہ عیسائیوں کا بھی تھا جو اپنے آپ کو نصارے کہتے تھے اکثر روم کے تھوک کے

اور دیگر فرقوں کے عیسائی تھے جنہیں مذہب عیسوی کے کچھ بھی برکات باقی نہ رہے تھے حضرت مسیح اور مریم کی پرستش انکا مذہب تھا۔ صدہا توہمات باطلہ ان میں مروج تھے انہیں سے ایک گروہ رہبانیت کا بھی دم بھرتا تھا۔ ان کے مذہب کے حالات اور ان کار روائیوں کے بدخیالات سے بھی قرآن میں جابجا ایماندارونکو مطلع فرمایا ہے منجملہ انکے ایک بڑا گروہ مشرکین عرب کا ان کی بت پرستی اوہام باطلہ اور رسوم قبیحہ کی پابندی اور اسپر اصرار اور مسلمانوں سے پرخاش اور رات دن کی لڑائی اور مار دھاڑ تھی ان کا بھی قرآن میں اکثر ذکر ہے اور ان سے خطاب کیا گیا ہے۔ ابتدا ًمکہ میں مسلمانونکو صبر و برداشت کا حکم تھا پھر جب ان کی زیادتی اور اقسام و انواع کے ظلم حد سے گزر گئے اور پیغمبر علیہ السلام اور ایماندار وطن چھوڑ کر مدینہ چلے آئے اور ایمانداروں کی ایک جماعت قائم ہوگئی تو بدلہ لینے اور کلہ بہ کلہ جواب دینے بلکہ انپر چڑھائی کر کے مغلوب کرنے اور خدا پرستوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کا حکم ہوا۔ جس کے بعد انسے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ بدر۔ احد کی دو مشہور جنگ ہیں اور بھی لڑائیاں ہوئی ہیں +

آنحضرت صلعم کے عہد میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے ایک **انصار** کا یہ مدینہ کے لوگ بنی اوس و بنی خزرج کے قبیلے تھے انہوں نے پیغمبر علیہ السلام اور انکے پاس آنے والوں کی حمایت اور خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اسلئے ان سے آنحضرت صلعم کو بہت محبت تھی اور انکو اپنا دلی ارادتمند سمجھتے تھے۔ دوسرا **مہاجرین** کا یہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے ظلم سے اپنے شہروں اور گھروں سے ہجرت کر کے آنحضرت صلعم کے پاس جمع ہو گئے تھے بیشتر تو ان میں مکہ کے لوگ تھے۔

فتح مکہ سے پہلے ہر ایماندار پر ہجرت فرض تھی کسلئے کہ وطن میں ادائے فرائض نہ کر سکتے تھے فتح مکہ کے بعد ہجرت فرض نہ رہی کسلئے کہ اکثر عرب میں اسلام پھیل گیا تھا +

ان سب باتوں کا ذکر بھی قرآن میں بکثرت موجود ہے۔ انصار و مہاجرین کے مناقب اور ان کے درجات اور ان واقعات میں جو جو خدا کیطرف سے ایماندار و نیز غیبی امداد ہوئی ان کا بھی ذکر قرآن میں ہے

ف اب بھی جہاں مسلمانوں پر غیر قوموں کی تعدی ہوا ور مراسم اسلامیہ بآزادی ادا کرنے کی ممانعت ہو وہ ملک دار الحرب کہلاتا ہے وہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کر کے اسلامی ملک میں چلا جانا واجب ہے **ف** جو مسلمان غیر اقوام کی سلطنت میں رہتے ہوں اور انپر یہ تشدد نہو۔ بلکہ وہ وہاں ہر طرح آرام و امن سے امور مذہبیہ ادا کر سکتے ہوں تو انپر اس حکومت سے عذر کرنا ممنوع ہے۔ جو کچھ انہوں نے اوس سلطنت سے عہد کر لیا ہو۔ بشرطیکہ خلاف اسلام نہو اسکی پابندی واجب ہے انکو وفاداری اور صداقت سے اوس ملک میں رہنا چاہیئے۔ **ف** بعض ناعاقبت اندیش ان غریب مسلمانوں سے سلطنت کو اندیشہ دلاتے رہتے ہیں۔ یہ انکی سخت ناانصافی اور غلط فہمی ہے +

(۱) قوم کو دشمنوں کی حرب کے لئے آمادہ کرنا زمانہ کے موافق عمدہ سے عمدہ سامان حرب تیار رکھنے کا حکم دینا بھی اصول سیاست میں سے ہے وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ۔ جہاں تک تم سے ہو سکے دشمنوں کے مقابلہ میں ایک ایسی قوت تیار رکھو کہ جس سے خدا کے اور تمہارے دشمنوں کو خوف و ہیبت پیدا ہو تاکہ اور دشمنوں کو بھی خوف ہو جنکو ابھی تک تم نے نہیں جانا ہے انکو اللہ جانتا ہے اسمیں عرب کے سوا دیگر ممالک کے دشمنوں کیطرف بھی اشارہ ہے کہ جن سے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے محاربات جنگ ہوئی +

قوت کا لفظ جامع ہے سامان حرب کو بھی شامل ہے جیسا کہ پہلے زمانہ میں تیر و کمان

عمدہ گھوڑے تلوار ونیزہ خنجر وخود وبکتر وزرہ وغیرہ تھا۔ اس زمانہ میں توپ بندوق۔ کارتوس بحری وبری سواری۔ ریل اور سٹیمر اور تار پیڈو اور ہر قسم کا سامان آتش فشاں جو ایجاد ہوا ہے اور جو آیندہ ایجاد ہو سب کو شامل ہے اور فن سپہگری سیکھنے کو بھی شامل ہے جیسا جس زمانہ میں رواج ہو اور جو کارآمد ہو۔ یہ ملکی لشکر تیار کرنے کی طرف اشارہ ہے جسکو والنیٹر کہتے ہیں کہ خود قوم بھی سپاہی بنجائے۔ اسلیئے ان کے لئے مال غنیمت میں سے حصہ دیا جاتا ہے۔ برخلاف تنخواہ یاب لشکر کے کہ ان کا غنیمت میں کوئی حق نہیں۔ کل سلطنت کا مال ہے مگر جسکو جسقدر سردار حسب مصلحت بطور بخشش کے دیدے۔ مسلمانوں کے جسقدر فتوحات حیرت انگیز خلفار کے عہد میں ہوئے ہیں وہ اکثر قومی لشکر سے ہوئے ہیں +

(۲) قوم کو مضبوط اور بہادر اور جفاکش ہونے کا حکم دینا بھی اصول سیاست میں ہے کسلئے کہ جب تک لشکر میں جوانمردی اور جفاکشی نہوگی آرام طلب اور بزدل سپاہ کے پاس لاکھ سامان حرب وضرب عمدہ سے عمدہ ہو مگر موقع پر شکست ہی ان کا استقبال کرے گی۔ اسلئے قرآن میں یہ بھی حکم دیدیا۔ ولیجدوا فیکم غلظۃً ایسے رہو کہ تمہارے دشمن تم میں سختی محسوس کریں۔ تم کو بودا۔ اور آرام طلب نہ پاویں۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ط وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰىہُ جَھَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (الانفال) کہ اے ایمانداروں جب کافروں سے تمہارا جنگ میں مقابلہ ہو تو پیٹھ نہ پھیرنا اور بجز اسکے کہ جو جنگ میں وار کرنے کے لئے پیٹھ پھیرتا ہے یا لشکر میں جاملنے کے لیئے پیٹھ پھیرتا ہے اور کسینے پیٹھ پھیری تو اسنے خدا کا غضب حاصل کیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے یہ مضمون بھی قرآن میں بکثرت ہے +

علم سیاست کے متعلق اور بھی بہت مفید ہدایات قرآن میں ہیں لیکن بخوف تطویل انہیں چند اصول پر اقتصار کرتا ہوں ؎

فوائد۔ (۱) ان علوم و مسائل کے متعلق جو کچھ آحادیث صحیحہ میں وارد ہے ان آیات کی اصلی تفسیر وہی ہے اور نیز صحابہ و اہل بیت کا تعامل اور ارشاد بھی تفسیر ہے مگر اول سے دوم درجہ پر۔ اسکے برخلاف جو کچھ کسینے تفسیر کی ہے وہ غیر مقبول ہے خواہ کسینے کی ہو اسکو یاد رکھنا چاہیئے کسلئے کہ معترض لوگ بہت سے اقوال باطلہ سے سند لیکر اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں ؎

(۲) جو لوگ بمقابلہ قرآن مجید اپنی مذہبی کتابوں کو الہامی اور منزل من اللہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ ہنود چار وید وں کو مجوس دساتیر وزند وستہا کو بودھ بودھ پشتک اور دیگر کتابوں کو عیسائی اناجیل اربعہ و نامہ حواریوں اور جملہ عہد قدیم کو اور یہودی صرف عہد قدیم کو اور سامری صرف عہد قدیم میں سے موسیٰ کی پانچوں کتابوں کو جنکو **توریت** کہتے ہیں اول تو اہل اسلام کو کسی آسمانی کتاب اور نبی سے مخالفت نہیں اگر وہ کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔ ان میں الہامی مضامین ہیں اور ان میں تحریف و تبدیل بھی نہیں ہوئی ہے وہ اسیطرح باقی ہیں تو ہمارا ان پر بھی ایمان ہے اور در اصل وہ کتابیں واجب الاحترام ہیں کیونکہ قرآن نے بتا دیا ہے کہ خدا نے ہر امت میں نذیر انبیاء علیہم السلام یا ان کے نائب بھیجے ہیں۔ مگر جب ان موجودہ کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو بڑا شک پیدا ہوتا ہے کس لیئے کہ اول تو ان کے مضامین (گو انہیں کچھ عمدہ بھی ہیں) ایسے ہیں کہ جو مخلوق پرستی کذب مبالغہ سے خالی نہیں۔ چاروں وید اور دساتیر کی اگر وہی معنے ہیں کہ جنکو ہمیشہ سے اون کے ماننے والے مانتے آئے ہیں اور انہیں کے الفاظ سے بغیر تاویل کے پیدا ہوتے ہیں تو سراسر عناصر و مخلوق پرستی سے مملو ہیں۔ بودھ کی کتاب میں خدا پرستی کا نام بھی نہیں۔ عہد قدیم و جدید میں گرچہ بہت سے الہامی مضامین ہیں مگر تحریف کے سبب بہت سے

غلط بھی ہیں +

اسپر بھی اگر کسیکو دعویٰ ہے تو مضامین مذکورہ بالا پر اپنی کتاب سے ایک ایک ہی جملہ ثبوت میں پیش کر دے تاویل بعید نکرے۔ ترجمہ لفظی ہونا چاہیئے۔ جسکو ہر ایک زبان دان مان سکے۔ یہی امتحان کی کسوٹی ہے +

(۳) احکام اور قانون کی شان خود تبلا دیا کرتی ہے کہ یہ کسی طماع تنگ خیال تو نی طرفداری میں ڈوبے ہوئے کا بنایا ہوا ہے یا ان سب باتوں سے پاک خدائے جہاں آفرین کا کہ جو سب مخلوق خصوصاً سب بنی آدم پر اپنی شان رب العالمینی سے نظر عنایت رکھتا ہے۔ یہ شان قرآنی احکام اور قرآنی قوانین میں ہی ہے +

(فائدہ ۴) جن جن علوم کا ہم قرآن سے نشان دیتے آئے ہیں ان کے لئے جداگانہ علماء اسلام نے متعدد اور مفید اور مبسوط کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً آسمانوں اور زمین اور کائنات کی پیدائش کا جو قرآن میں ذکر ہے اسکو علم بدء خلق السماوات والارض کہتے ہیں اور جن آیات میں دلائل انفس و آفاق سے اپنی ذات کاملہ اور صفات مقدسہ کا ثبوت کیا ہے اور صفات قبیحہ سے تقدیس کی ہے اور شریک و مثل ہونے کی نفی کی ہے اسکو علم الذات والصفات و علم التوحید کہتے ہیں اور فلسفہ الہیات اور اسیطرح جہاں عالم مجردات ملائکہ وارواح وغیرہا کا ذکر ہے اسکو علم المجردات کہتے ہیں اور اسیطرح انسان کو اسکی حیات دنیا کی بے ثباتی اور دوسرے جہان میں حیات ابدی پانے اور خدا سے دل لگانے وغیرہ امور کا ذکر کیا ہے اسکو علم الزہد والرقاق کہتے ہیں اور عملیات میں۔ جہاں حرام حلال چیزوں اور عبادات و فرائض کا ذکر کیا ہے۔ اس کو علم الاحکام کہتے ہیں پھر ان میں سے ارث کی بات جو کچھ ہے اسکو علم الفرائض و علم المیراث کہتے ہیں اور جہاں حج وغیرہ کا بیان ہے۔ اسکو علم المناسک کہتے ہیں۔ اور جن آیات میں عبرت لانے کے لئے گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے

حالات بیان کئے ہیں اسکو علم القصص کہتے ہیں اور پھر جہاں جہاں قرآن میں امثال ذکر ہیں اسکو علم الامثال اور جہاں مجاز و استعارہ مذکور ہے اسکو علم المجاز۔ اور جہاں آیات متشابہات ہیں اسکو علم المتشابہ اور جہاں محکمات مذکور ہیں اسکو علم المحکمات کہتے ہیں الغرض ہر بیان کو قرآن میں سے لیکر ایک جگہ جمع کر دیا ہی اور ایک جداگانہ علم قرار دیا ہے۔ پھر ہر ہر علم میں بہت سے فضلا رنے عمدہ عمدہ تصانیف کی ہیں۔ اگر ان علوم اور ان میں جو کچھ کتابیں لکھی گئی ہیں سب کو مفصلاً بیان کروں تو ایک بڑی کتاب بھی اسکے لئے کافی نہو۔ اور لطف یہ ہے کہ جس زمانہ میں مسلمانوں کا باہم خلافت و امامت میں اختلاف ہو رہا تھا اور گھر کی وہ تلوار جسنے تھوڑے دنوں میں تقریباً نصف کرہ ارض پر تسلط کر لیا تھا۔ گھر والوں پر بھی اولٹ پڑی تھی اور سخت سخت خونخوار محاربات پیش آرہے تھے پھر دس پانچ برس نہیں بلکہ صدیوں تک یہی حال رہا ایسے جانکاہ حادثہ میں اشاعت علوم تو کیا اگر قرآن اور اصول مذہب ہی مٹ جاتے تو کچھ بھی تعجب نہ تھا مگر اعجاز اسلام کو دیکھو کہ وہی زمانہ ان علوم کی تدوین اور کتابوں کی تصنیف کا تھا۔ اور ہر فرقہ محدثین احادیث رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جمع کرنے اور راویوں کی تنقید میں سرگرم تھا اور اسی عہد میں حدیث کی معتبر کتابیں لکھنی شروع ہو گئیں اور راویوں کی تحقیق و تفتیش کا علم الرجال بھی مدون ہو گیا اور ابو خیثمہ نے سنہ میں کتاب الجرح و التعدیل بھی لکھدی اور ابن جریج اور مالک اور سفیان ثوری وغیرہ نے کتب حدیث بھی لکھیں اور پھر یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی۔ یحیٰی بن سعید قطان امام الجرح والتعدیل وغیرہ نے بھی تصانیف کیں اور حدیث کی مصطلحات بھی مقرر ہو گئے یہاں تک کہ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری اور مسلم بن حجاج قشیری نے تو اس فن کو تکمیل ہی کو پہونچا دیا صحیح بخاری اور صحیح مسلم و موطا امام مالک اس فن میں بے نظیر کتابیں ہیں گرچہ سنن ابو داؤد و جامع ترمذی و سنن نسائی و ابن ماجہ و مسند امام احمد حنبل وغیرہ اور بھی بہت کتابیں اس فن میں اگر

ادہر قرار کا گروہ فن قرارت کی تکمیل کر رہا تہا انہوں نے بہی اس فن قرارت میں بڑی بڑی مفید کتابیں لکہیں[1] ادہر آیات زہد و رقاق سے انتخاب کر کے اہل دل صوفیائے کرام نے علم تصوف میں نہایت عمدہ کتابیں تصنیف فرمائیں متاخرین میں امام غزالی کی احیاء العلوم اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اس فن میں بہت عمدہ کتابیں ہیں۔ ادہر گروہ مفسرین علم تفسیر کی تکمیل میں سرگرم تہا۔ عبداللہ بن عباس اس فن کے ایک بڑے استاد تہے۔ پہر عکرمہ۔ ضحاک۔ سدی۔ قتادہ۔ ابو العالیہ وغیرہ اس فن کے ماہر تہے اس فن میں بہی بہت کتابیں تصنیف ہوئیں جن کا شمار سیکڑوں سے زائد ہے اودہر علماء مجتہدین قرآن و احادیث سے عملی مسائل کو انتخاب کر کے جداگانہ ترتیب دے رہے تہے اور اس علم کا نام انہوں نے فقہ رکہا۔ اس انتخاب اور استنباط احکام میں مجتہدین کی راؤں کا جزئیات مسائل میں مختلف ہونا ضروری تہا۔ اسلئے مجتہدین کی فقہ ان کے نام سے موسوم ہوئی۔ مگر ان میں سے ان چار مجتہدوں کی فقہ جسقدر مرتب اور مقبول خاص و عام ہوئی۔ ایسی اور کسیکی نہیں ہوئی۔ اول امام ابوحنیفہ کوفی دوم امام مالک بن انس مدنی سوم امام محمد بن ادریس شافعی چہارم امام احمد بن محمد بن حنبل۔ ان کے عہد سے لیکر اب تک روئے زمین کے اکثر مسلمان انہیں چاروں کی فقہ پر چلتے ہیں انہیں کے نام سے منسوب بہی ہیں ہندوستان و ترکستان و یورپ کے مسلمان اکثر حنفی ہیں عرب و شام و مصر کے اکثر شافعی ہیں۔ تونس مراکش وغیرہ بلاد کے لوگ اکثر مالکی کہلاتے ہیں عرب و شام وغیرہ بلاد میں بہت کم جماعت حنبلی کہلاتی ہے۔ ان کا باہمی اختلاف فرائض میں نہیں صرف جزئیات و استنباطی مسائل میں ہے جس سے ایک دوسرے کو گمراہ اور بدعتی نہیں خیال کرتا بلکہ سب اہل حق سمجھے جاتے ہیں +

---

[1] یہاں تک کہ علم رسم الخط میں بہی کتابیں تصنیف ہوئیں ۱۲ منہ

فقہ حنفی و شافعی کی کتابوں کے لئے ایک بڑا دفتر درکار ہے جسمیں ان کے نام مع مصنفین کے نام کے لکھے جائیں۔ حنفیوں کی فقہ میں ہدایہ۔ در مختار۔ کنز۔ وقایہ وغیرہ معتبر کتابیں ہیں جنہیں امام محمد شاگرد امام ابوحنیفہ کی چھ مشہور کتابوں سے مسائل انتخاب کئے گئے ہیں اور وہ چھ کتابیں یہ ہیں۔ جامع صغیر۔ جامع کبیر۔ زیادات۔ مبسوط۔ سیر صغیر۔ سیر کبیر۔ اور ایک گروہ نے ایک اور علم کی بنیاد ڈالی جسمیں قرآن و احادیث و اجماع امت و قیاس یعنے استنباط مجتہد سے بحث کیجاتی ہے کہ ان سے مسائل عملیہ اخذ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟۔ اس علم کا نام **اصول فقہ** ہے۔ اسمیں قرآن کی ان آیات سے بحث ہوتی ہے جو احکام کے متعلق ہیں کہ وہ اپنے مطلب پر عبارت النص اشارۃ النص۔ اقتضاء النص و دلالۃ النص کسطرح سے دلالت کرتی ہیں۔ پھر کیا وہ اپنی دلالت میں ظاہر۔ نص۔ مفسر۔ محکم یا اس کے برخلاف خفی۔ مشکل۔ مجمل۔ متشابہ ہیں۔ پھر الفاظ کا استعمال بطور حقیقت کے ہے یا مجاز کے۔ صراحۃ کے یا کنایہ کے پھر اس کے الفاظ عام خاص ماول۔ مشترک کیسے ہیں۔ اسیطرح حدیث اور اسکے اقسام سے اور اجماع اور اسکے شرائط سے اور قیاس کی ماہیت اور اسکے شرائط صحت سے بحث ہوتی ہے اور ضمناً اور بہت دقیق مسائل پر بھی بحث ہوتی ہے۔ اس فن میں بھی بہت کتابیں ہیں مسلم الثبوت۔ تلویح توضیح۔ حسامی۔ کاتب الحروف نے عربی زبان میں اسکی شرح لکھی ہے جسکا نام نامی ہے علماء نے اسکو نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا ہے۔ مختصر الاصول میزان وغیرہ۔ اور ایک گروہ نے قرآن کی ان آیات کو کہ جنمیں اعتقادی امور تھے جدا مرتب کیا۔ اور اس علم کا نام **علم العقائد** رکھا اور جب یونانی فلسفہ خلفاء عباسیہ کے عہد میں عربی میں ترجمہ ہو کر آیا اور حکماء نے دیکھا کہ فلسفہ سے اسلامی عقائد کی نسبت لوگوں کو سست اعتقاد ہونے کا اندیشہ ہے تو اسی علم عقائد کو ادلہ عقلیہ سے مدلل کرنا شروع کیا اور فلسفہ یونانی کے اصول کو توڑ پھوڑ کر ایک نیا فلسفہ قائم کر دیا تب اس علم کا نام

اصول فقہ

علم العقائد

علم الکلام رکھا گیا - اس فن میں بھی بہت کتابیں ہیں امام ابو منصور ماتریدی - اور امام ابوالحسن اشعری کی تصانیف اول ہیں پھر شرح مواقف شرح مقاصد عقائد نسفی فیقر کی کتاب عقائد الاسلام وغیرہ بہی بہت کتابیں لکھی گئیں - ایک گروہ نے علم لغت کیطرف توجہ کی تو دوسرے نے زبان عربی کے قواعد صرف و نحو بنائے اور ایک نے بلاغت اور فصاحت کے قواعد مقرر کئے تو ایک نے عروض و قوافی کو مدون کیا - ہر فن میں متعدد کتابیں ہیں - اسیطرح ایک گروہ نے اسلامی واقعات اور اپنے پیغمبر علیہ السلام اور ان کے صحابہ وغیرہ کے حالات و غزوات قلمبند کرنے شروع کئے - اس فن کو فن سیر کہتے ہیں اس میں بہی بہت کتابیں ہیں اور اسکی بہت شاخیں ہیں - اس علم کی یہہ کتابیں بہت مشہور ہیں - سیرت ابن ہشام - سیرت شامیہ - مواہب لدنیہ - سیرت حلبیہ وغیرہ صحابہ کے حالات میں اسد الغابہ اور اصابہ بڑی مبسوط کتابیں ہیں - اور کسیلئے فرمانراؤں اور ان کے محاربات و سلطنت کے حالات لکھے ہیں اوسکا نام علم تاریخ ہے اوسمیں بہی مسلمانوں نے صدہا کتابیں لکھی ہیں - ابن الاثیر کی کامل اور مسعودی - اور تاریخ ابن خلدون - تاریخ ابن خلکان مشہور کتابیں ہیں - ایک گروہ نے قرآن کے اون آیات سے جن میں توحید و صفات و قیامت پر استدلال اور منکرین کی تقریر وں کا رد ہے ان میں نظر کرکے ایک معیار بحث قائم کیا کہ اگر اس کے مطابق ہے تو نتیجہ بخش ہے ورنہ بیکار اور یہ اگر خاص مجتہدین کے مسائل اختلافیہ میں رد و اثبات کے لئے مستعمل ہے تو اسکو علم الجدل والخلاف کہتے ہیں اور عموماً ہر دعوی کے اثبات اور ادا کے

ف بلاغت میں تلخیص المفتاح پہر ان کے شرح مطول مختصر المعانی وغیرہ - لغت میں مفردات راغب اصفہانی - نہایہ - ابن اثیر - مجمع البحار - قاموس وغیرہ ہیں - صرف میں میزان منشعب - مراح - شافیہ وغیرہ نحو میں مایۃ عامل ہدایۃ النحو - الفیہ کافیہ اور اسکی شرح -

رو میں مستعمل ہے تو اسکو علم المناظرہ کہتے ہیں۔ اس فن میں بھی بہت کتابیں ہیں آداب باقیہ مناظرہ رشیدیہ ہمارے دیار ہندوستان میں زیادہ مروج ہے۔ انہیں ایام میں ایک گروہ کرہ ارض کے حالات کے درپے ہوا۔ اور اپنی سیاحت سے جو کچھ بلاد و اقالیم کا صحیح صحیح حال معلوم ہوا۔ اسکو قلمبند کیا اس علم کا نام جغرافیہ ہے اس فن میں بھی مسلمانوں نے مجتہدانہ طور پر بہت کتابیں تصنیف کی ہیں۔ تقویم البلدان۔ احسن التقسیم۔ اقوم المسالک۔ نزہتہ المشتاق وغیرہ۔ جن جن مواضع و ممالک کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ اسکو آئینہ کردیا ہے پھر منطق۔ ریاضی۔ طبیعات الہیات وغیرہ فنون[۱] میں جو کچھ مسلمانوں نے کمال پیدا کیا اور عمدہ عمدہ تصانیف کیں ان کا اب تک یورپ بھی معترف ہے ابن رشد کا فلسفہ فریڈرک جرمنی کے عہد میں جسقدر یورپ میں مانا گیا ہے اسکی تاریخیں شہادت دے رہی ہیں ✤

ان علوم کو اور نیز ان علوم دنیاویہ کو بعض علماء نے قرآن سے ثابت کیا اور دکھا دیا ہے کہ قرآن نہ صرف دینی و اخلاقی علوم ہی کا چشمہ ہے بلکہ جملہ[۲] علوم کا سرچشمہ ہے مگر اس بحث میں سرِدست بحث نہیں اسلئے اسیقدر پر بس کرتے ہیں ✤

---

[۱] چنانچہ نصیر طوسی وغیرہ علماء نے اقلیدس اور مجسطی کی کتاب کو از سر نو زندہ کردیا مگر و دلائل کو مستحکم بنا دیا۔ اسیطرح علم مثلث۔ علم اکر۔ علم مناظرہ۔ علم مقابلہ۔ اصطرلاب پر بہت کتابیں لکھیں ۱۲

[۲] ویدوں میں بجز ستائش و پرستش متعدد دیوتاؤں کے علوم مذکورہ میں سے کچھ بھی نہیں اور اگر کوئی بات ہے بھی تو معمولی جیسا کوئی بوڑھا برہمن کسی راہ گزر پر بھیک مانگنے بیٹھ جاتا ہے اور آتے جاتوں کو کچھ معمولی نصیحتیں کرتا اور معمولی دعائیں دیتا ہے اور ساتھ ہی تعریفیں بھی کرتا جاتا ہے کہ تو ایسا اور تیری بیوی ایسی تیرے گھوڑے اور ہتھیار ایسے۔ فرقہ آریہ کے بانی نے مسلمانوں سے یہ بات اوڑا کر کہ قرآن جملہ علوم کا سرچشمہ ہے دعوے کردیا کہ ویدوں میں طبیعات و ریاضات اور جدید صنعتیں تار برقی ریل وغیرہ سب کچھ ہے۔ اور اپنی جاہل قوم کو تسلی اسطرح پر دی کہ جہاں ویدوں میں

فصل (۸)

(قرآن کا طرز بیان)

(۱) مضامین مذکورہ بالا کو اس بلاغت و فصاحت سے ادا کیا ہے کہ جسکے مقابلہ میں فصحاء عرب باوجود تحدی کے ایک سورۃ تو کیا اس کے دسویں حصہ کے برابر بھی بنا کر لانے پر قادر نہو سکے حالانکہ وہ میدان سخن کے بڑے شہسوار تھے اور انواع و اقسام سخن پر قادر اور ہر قسم کی نظم کے مشاق تھے عرب میں سالانہ جلسے ہوا کرتے تھے ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی نظمیں بڑے فخر و مباہات سے پڑتے تھے اور جب شعراء اور فصحاء و بلغا کیطرف سے آوازہ تحسین و آفریں بلند ہوتا تھا تو اسکو وہ سلطنت اور بے شمار دولت ملنے سے زیادہ قابل فخر سمجھا کرتے تھے اور ان کا کلام عوام و خواص کی زبانوں پر چڑھ جاتا تھا اور قبائل عرب میں ضرب المثل ہو جاتا تھا۔ بات یہ تھی کہ عرب کو فصاحت و بلاغت کا ایک قدرتی مذاق تھا آقا سے لیکر غلام تک مرد سے لیکر عورت تک بڑے سے لیکر بچے تک سب ہی تو اس ذوق سے آشنا تھے اور یہی وجہ تھی کہ ملک کیطرف سے قدردانی ہوتی تھی اور قدردانی شعراء کا حوصلہ بڑھاتی تھی۔ اور قدرتاً عرب کی زبان میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۰۳) آسون وغیرہ الفاظ آئے ہیں جنکے معنی انجرات آگ۔ دہواں۔ وغیرہ ہیں اور یہی ہنود کے معبود ہیں انہیں کی ستایش وید میں موجود ہے اسلئے کہیں تو مراد خدا تعالیٰ لیا تاکہ ویدوں کو توحید کا چشمہ بنائے اور کہیں ان چیزوں کے ذکر آنیسے یہ بات ثابت کی کہ جتنی کلیں چلتی ہیں وہ انجن کے زور سے چلتی ہیں اور انجن بھانپ۔ گیاس۔ برقی قوت سے چلتے ہیں پس ان چیزوں کے ذکر آجانے سے ویدوں میں جملہ جدید و قدیم علوم و صنائع آگئے۔ پنڈت دیانندجی نے بڑی کوشش کر کے دہرم کی اصلاح چاہی تھی۔ اسلئے اول ہنود کی اُن مذہبی کتابوں کا کہ جہاں تاویل ناممکن ہے انکار کر دیا۔ صرف ویدوں کے اول حصوں پر انحصار کیا پھر دیباچہ لکھ کر بہت کچھ زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور رگوید کی شرح لکھنے بیٹھے۔

وسعت بھی بڑی ہے صرف اونٹ اور شراب اور شطرنج گھوڑے کے بہت سے نام ہیں کیفیات محسوسہ اور غیر محسوسہ کے نئے تشبیہات اور استعارات اور کنایات اور مجاز کے ایسے قوالب ڈھلے ہوئے تیار ملتے تھے کہ جسمیں فصیح و بلیغ اپنے مطلب کو نہایت عمدگی سے بآسانی ادا کرسکتا تھا۔ زبانوں کی وسعت اور تنگی زبان دانوں سے مخفی نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اور کسی زبان میں یہ وسعت اور شیرینی نہیں ہوگی۔ مگر بہت کم +

پھر باوجود مقابلہ اور مقاتلہ کے کہ ان کے مذہب پر اعتراضات ان کے معبودوں کی خدائی کا ابطال ان کے رسم و رواج پر طعن اور ان سے بار بار یہ کہا جاتا تھا۔ کہ اگر قرآن خدا کیطرف سے نہیں تو تم اور تمہارے معبود جن اور جس سے چاہو مدد لو سب ملکر تو ایک سورۃ یا اس کے دسویں حصہ کے برابر ہی بنا لاؤ۔ پھر اسپر بھی ان کا نہ بنا کر لانا کم سے کم اسبات کی تو صریح دلیل ہے کہ یہ کلام عرب کے فصحاء و بلغاء کی مجموعی قوت سے بھی بالاتر ہے۔ اس زمانہ کے مخالف عرب باوجودیکہ اسلام کے دشمن پیغمبر علیہ السلام سے سخت عداوت مگر جب کہیں آیات قرآنیہ سنتے تھے تو پہروں کھڑے ہوکر مزے لیتے اور سر دھنتے تھے اور بہت سے فصحاء و بلغاء محض بعض بعض آیات سنکر ہی ایمان لے آئے۔ خانہ کعبہ کا جاہلیت میں بھی حج ہوا کرتا تھا کسی صحابی نے شعراء عرب کے دکھانے کے لئے جو ہر سال دور دراز سے آیا کرتے تھے اور مجامع میں اپنا کلام سنایا کرتے تھے سورۂ انا اعطیناک الکوثر + فصل لربک وانحر + ان شانئک ھو الابتر + لکھہ کر دیوار کعبہ سے لگا دی اور کاغذ پر نیچے لکھنے کے لئے بہت سی جگہ بھی چھوڑ دی شعراء غور سے پڑھتے تھے اور کچھہ لکھہ نہ سکتے تھے۔ آخر ایک بڑے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۰۴) منتروں کی تاویلات کرتے کرتے تھک گئے تو اسکو ناتمام ہی چھوڑ دیا۔ یجروید کی شرح ہی لکھی جسمیں عملیات موجود ہونیکا بڑا دعویٰ تھا وہاں عملیات میں بڑا عمل دنیا و آخرت کی بھلائی کا ہنوں کے سوا اور کیا تھا کہ آگ پر سیروں گھی وغیرہ یوں برباد کیا کرو پھر وہ بھی ملکر بیان اور اسکے فضائل سب یجروید پر تھا اسلئے پنڈت جی ناامید ہوگئے اور اپنا کام ناتمام چھوڑ کر دنیا سے چل بسے شاید باعتقاد ہنود وہ دوسرے جنم لیکر یہ کام پورا کر جائیں یا مسلمان ہو جائیں ۱۲ منہ

شاعر نے جسکی فصاحت و بلاغت کا عرب میں سکہ جما ہوا تہا۔ صرف یہ جملہ لکھا۔ ماہذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ اسیطرح اور صدہا واقعات ہیں جو انہیں مقابلہ و معارضہ کرنیکے خواستگاروں نے اسلام لانے کے بعد بیان کئے ہیں +

یہ تو ایک اجمالی ثبوت تہا جو عربی داں اور غیر عربی داں سب کو اطمینان دلانے کے لئے کافی تہا اب میں خاص زبان دانوں کے لئے تفصیلی ثبوت پیش کرتا ہوں +

فصاحت کلام کا ان عیبوں سے خالی ہونا (۱) غرابت الفاظ یعنے غیر مانوسۃ الاستعمال الفاظ نہ لائے جائیں عام ہے کہ وہ الفاظ اسی زبان کے ہوں یا دوسری زبان کے مگر اس زبان میں مستعمل ہو گئے ہوں۔ اگر اسی زبان کے ہی وہ الفاظ استعمال کئے جاوینگے جو متروک ہو گئے ہیں تب بہی کلام فصیح نہ رہے گا۔ اور ہر زبان میں باہمی اختلاط سے جسکا کوئی سبب کیوں نہو تہوڑے یا بہت دوسری زبان کے الفاظ ضرور مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ (۲) کلمات کے حروف میں تنافر نہو یعنے زبان دانوں کے زبان پر ثقیل نہوں جیساکہ گنواروں کے الفاظ اہل شہر کے نزدیک سخت ہوتے ہیں (۳) اس لغت کا جو کچھہ قاعدہ ہو الفاظ اسکے برخلاف نہوں جن لفظوں کی جسطرح جمع آتی ہو جسطرح اسم فاعل و مفعول بنتا ہو جو مذکر و مونث حاضر و غائب کے لئے صیغوں کا قاعدہ ہو اسیکے موافق استعمال ہونا چاہیئے اسکے خلاف ہوگا تو کلام درجہ فصاحت سے ساقط ہو جائیگا۔ (۴) ضعف تالیف نہو یعنے کلمات کا جوڑ بیقاعدہ نہو (۵) تعقید لفظی و معنوی۔ نہو یعنے الفاظ اور معنی میں گلجھٹی اور گرہ نہو۔ کیونکہ جس کلام میں ایچ پیچ یا ہیر پہیر سے معنی سمجھے

نوٹ علماء اسلام نے جب قرآن کے الفاظ و جملوں اور ان کے محاورات حقیقت و مجاز کنایہ و استعارہ سے بحث کی ہے وہاں یہ بہی بتلایا ہے کہ اسقدر الفاظ قریش کی زبان کے نہیں بلکہ دوسری زبان کے ہیں جو قریش میں مستعمل تہے وہاں بعض وہ مشنری کہ جنکو قرآن پر اعتراض کرنے کا بڑا شوق ہے دور تک ان الفاظ پر نمبر شمار لگاتے گئے ہیں اور کہدیا کہ اتنے الفاظ غیر زبان کے ہیں یا کہدیا

جاتے ہوں وہ کلام فصیح نہیں رہتا۔ قرآن ان سب عیبوں سے پاک ہے آجتک کسی مخالف زبان دال نے بھی ان عیبوں میں سے کوئی عیب قرآن پر نہیں لگایا +

بلاغت باوجود فصاحت کے کلام کا حسب موقع صادر ہونا اور مطلب کو عمدہ پیرایہ میں ادا کردینا لیکن یہ بات زبان دانوں سے مخفی نہیں کہ موقع اور حال ہر وقت یکساں نہیں ہوتا غبی سے جو کلام کیا جاتا ہے وہاں وہ موقع حال نہیں ہوتا جو ایک ذکی۔ تیز فہم اشاروں سے سمجھنے والے کے ساتھ کلام کرنے میں ہوتا ہے اول کو اوسی اسلوب کلام سے مخاطب بنایا جاتا ہے جسمیں کوئی حذف وابدال و استعارہ وکنایہ وغیرہ نہو۔ برخلاف ثانی کے۔ کہ اس کے خطاب میں یہ سب باتیں ملحوظ ہوتی ہیں ورنہ کلام پھیکا پڑ جاتا ہے اور سامع کو لطف نہیں آتا۔ مگر قرآن میں ان سب باتوں کی ایسی رعایت ہے کہ کلام بلاغت میں اعجاز کو پہونچ گیا۔ قرآن کا روئے سخن تمام عقلاء کیطرف ہے۔ جنمیں ہر قسم اور ہر مذاق کے لوگ ہیں اولاً مخاطب تو اسکے عرب ہیں جنکی زبان میں قرآن ہے ثانیاً اور سب لوگ اسلیئے فصاحت و بلاغت میں مذاق و محاورات عرب کا زیادہ لحاظ رکھا گیا اور خود کلام میں بھی خواہ اسکو کسی زبان میں ترجمہ کر کے لیجاؤ۔ ایک ایسا لطف رکھا ہے کہ سمجھنے کے بعد طبیعت سلیمہ پھڑک ہی اٹھتی ہے۔ اور نیز ذکی اور غبی دونوں اپنے اپنے فہم و استعداد کے موافق

بقیہ نوٹ صفحہ (۴۰۶) گزر رہی ہیں اسلیئے قرآن فصیح نہیں اور اسپر اسقدر اعتراضات ہمارے ہوئے اور انکے سند میں علماء کے اقوال پیش کردیئے افسوس اس لمع کاری سے بجز اس کے کہ عوام شک میں پڑ جائیں اور کیا نتیجہ ہے مگر اہل علم کے نزدیک یہ نہایت شرمناک حرکت ہے ۱۲ منہ

ط منجملہ ان کے تاکید و ترک تاکید اور تاکید کے مراتب اور اسناد خبری میں حقیقت و مجاز کا استعمال اور کلام کا ایجاز و اطناب اور کلمات حصر و قصر کا حسب موقع استعمال۔ اور کلام کا بغیر حرف عطف یا بعطف لانا جسکو وصل و فصل کہتے ہیں اور تشبیہ میں ادات تشبیہ کا حذف وغیرہ اور وجہ شبہ کا اظہار و اخفاء اسیطرح کنایات میں قرآن کا ذکر و عدم ذکر وغیرہ بہت باتیں ہیں ۱۲ منہ

اوس سے پورا پورا حظ اٹھاتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ میں ایک ذاتی حلاوت بھی ایسی رکھی گئی ہے کہ جو سمجھتے نہیں وہ بھی محظوظ ہوتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اتنی بڑی کتاب کا حفظ کرلینا آسان ہوگیا۔ وس جزو کی کتاب کو بھی جو کوئی سخت محنت سے بڑی مدت میں حفظ کرسکتا ہے اور حفظ کرنے کے بعد سخت سے سخت محنت سے یاد رکھہ سکتا ہے اوس سے بہت کم مدت اور کم محنت میں قرآن کو حفظ کرسکتا ہے اور تہوڑسی محنت سے اسکو پہر یاد بھی رکھہ سکتا ہے۔ اسیلئے قرآن کے حفاظ شروع سے ابتک نہ صرف عرب اور جوان لوگ ہی ہوتے آئے ہیں بلکہ عرب عجم لڑکے جوان بوڑہے عورت مرد ہزاروں ہر ملک میں اول سے لیکر آخر تک حافظ موجود ہیں بر خلاف اور کتابوں کے کہ باوجود رغبات۔ اور ضرورتوں کے بھی انکا کوئی بڑا قوی الحافظہ بھی حرفاً حرفاً حافظ سننے اور دیکھنے مین نہیں آیا۔ لطف یہ ہے کہ جن حافظوں نے تہوڑے دنوں میں قرآن حفظ کرلیا ہے۔ پہر انہوں ہی نے عربی کی کسی کتاب کے حفظ کرنے کا ارادہ کیا خواہ وہ کتاب صرف و نحو و منطق کی تہی یا حدیث و فقہ کی اسکو یاد نکرسکے اور اگر بنہایت مشکل اور محنت سے یاد بھی کرلیا توگو مطالب اکثر یاد رہ گئے لیکن وہ کتاب حرفاً حرفاً یاد نرہی باوجودیکہ اس کو قرآن کی طرح پہر پڑہتے بھی رہے۔

اور یہی حسن ذاتی ہے کہ اگر قرآن کا کوئی جملہ۔ عربی کی کسی کتاب میں آجاتا ہے خواہ وہ صرف و نحو و منطق و فلسفہ کی کتاب ہو یا حدیث و فقہ کی یا فن ادب میں بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ کی جیسا کہ مقامات حریری جسکی فصاحت و بلاغت مسلم ہے تو وہ جملہ خود بخود ایسا جدا معلوم ہوتا ہے کہ جیسا سونے کے زیور میں کوئی یاقوت و الماس چمکتا ہوا جدا معلوم ہوا کرتا ہے ✤

اب کوئی منکر ہمیں سبب بتائے کہ کیا ہے؟ یہ وجہ کہ مسلمانوں کو قرآن سے انس ہے مسلم نہیں کس لئے کہ جو غیر مسلمان عربی داں ہیں ان کو بھی یہی بات نصیب ہے۔

باوجودیکہ انکو قرآن سے بجائے انس کے عداوت ہوتی ہے اور خیر یہ بھی تسلیم تو ہر اہل مذہب کو اپنی کتاب سے ویسا ہی انس ہے جو مسلمانوں کو قرآن سے تو اسقدر نہیں صرف دس بیس ہی حافظ اپنی کتاب کے دکھائیں چلو مسلمانوں کا دعویٰ ہی توڑنے کے لئے سہی اور کئی ایک فرمانرواؤں نے ایسا کرنا چاہا۔ مگر ناکام رہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اور اہل مذہب کو اپنی دینی کتاب سے ایسا انس نہیں جو مسلمانوں کو قرآن سے ہے تو یہی ایک دلیل اسکے اعجاز کی کافی ہے کیونکہ قرآن میں جذب مقناطیسی ہے اوروں میں نہیں +

اب میں قرآن کی ان خاص خاص باتوں کو بتاتا ہوں جو فصاحت و بلاغت میں اعجاز کے پہونچنے کا سبب ہوئی ہیں +

(۱) ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں میں قدرت نے آج سے نہیں بلکہ ابتدا سے یہ مذاق رکھدیا ہے کہ انکو بہ نسبت غیر فصیح و بلیغ کلام کے فصیح و بلیغ میں ایک قسم کی لذت۔ اور سرور معلوم ہوتا ہے جیساکہ موزوں آواز میں بہ نسبت غیر موزوں آواز کے مزا معلوم ہوتا ہے اسیطرح نثر سے زیادہ نظم میں لذت آتی ہے۔ لیکن نظم کے قواعد و اوزان ہر قوم اور ہر ملک میں اپنے اپنے مذاق کے بموجب جداگانہ ہیں جیساکہ نغمہ کے اوزان اور راگ و راگنیاں ہر قوم و ہر ملک میں اپنے اپنے مذاق کے بموجب جداگانہ ہیں قرآن جبکہ جملہ بنی آدم کے لئے نازل ہوا ہے تو اسکی زبان گو عربی ہے اور عربوں ہی کے اسالیب بلاغت و فصاحت میں ڈہالا گیا ہے۔ مگر اس کے جملہ کہ جنکو آیت کہتے ہیں ایسے جامع اسلوب پر ہیں کہ جن سے عرب و عجم ایشیا افریقہ یورپ و امریکہ ہر ملک کے لوگوں کو اپنے اپنے مذاق کے بموجب نظم کا مزا آتا ہے۔ لیکن بااینہمہ وہ کسیکے مذاق پر بھی باقاعدہ نظم نہیں کیونکہ شاعرانہ عروض و قوافی کے تکلفات سے کلام کرنا کسی حکیم کی شان ہے نہ بادشاہ باشکوہ کی چہ جائیکہ خدائے جلیل و جبار کی شان یہ ایک ایسی بات ہے کہ جسکا التزام کوئی بھی فصیح و بلیغ کر نہیں سکتا۔ واضح ہو کہ جملوں کے

اگر چند حروف اخیر ایک طرح کے ہوتے ہیں تو اس سے کلام میں شیرینی پیدا ہو جاتی ہے بشرطیکہ تکلف نہو جیسا کہ حریر۔ قصیر۔ اب اسکی تین قسم ہیں اگر سجع میں یہ بات ہے تو اسکو قرینہ کہتے ہیں اور اگر نظم میں ہے تو اسکو قافیہ کہتے ہیں۔ اور اگر قرآن میں ہے تو اسکو فاصلہ کہتے ہیں جسکی جمع فواصل آتی ہے یہ ایک آیت کو دوسرے سے جدا کر دیتا ہے۔ لیکن ہر ایک کے احکام جداگانہ ہیں۔ بعض تغیرات قافیہ میں عیب سمجھے جاتے ہیں فواصل میں نہیں۔ کسلئے کہ قوافی میں بعض پابندیوں کے لحاظ سے ضرور ایک قسم کا تکلف سمجھا جاتا ہے برخلاف فواصل کے اسلئے فواصل میں یہ وسعت ہے (۱) یہ کہ اگر اخیر حرف میں سب کا اشتراک ہو اور اس سے پہلے وہی مدہ ہے (یعنے حرف علت ساکن اور اسکے پہلے حرکت موافق ہو) بار بار آئے تو زیادہ تر لطف ہے جیسا کہ رحیم۔ کریم۔ نعیم۔ کہ سب کے اخیر میں میم ہے اور اس سے پہلے ہی ساکن ماقبل مکسور ہے۔ ورنہ آخر کا حرف بدل جائے اور مدہ وہی رہے تو بھی درست ہے جیسا کہ مریج۔ بہیج۔ کہ حرف آخر ایک میں ج۔ دوسرے میں د ہے مگر دونوں کے اول مدہ ایک ہی ہے ی ساکن ماقبل مکسور۔ اور اسیطرح تبار فواق عجاب ہے کہ حرف اخیر مختلف ہے مگر پہلے مدہ ایک ہی ہے الف ساکن ماقبل مفتوح اور اگر اخیر حرف ایک ہو یا نہو اور اول کا مدہ بھی دوسرا ہو تو بھی درست ہے جیسا کہ تعلمون اور مومنین اور مستقیم۔ اخیر حرف دونوں جگہ ن اور ایک جگہ م اور ایک جگہ مدہ و دوسری جگہ ی ہے (۲) قوافی میں دونوں مصرعوں کی مساوات شرط ہے برخلاف فواصل کے کہ یہاں دوسری آیت پہلے سے زیادہ کم بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں (۳) ایک غزل یا قصیدہ میں آخر تک ایک ہی قافیہ کی پابندی کرنی پڑتی ہے برخلاف سورہ قرآنیہ کے کہ ایک سورۃ میں فواصل نشاط ذہن سامع کے لئے بدل دینا حسن کلام ہے جیسا کہ سورہ مریم میں اول اور فواصل تھے آخر میں اذا۔ ہدا۔ بدل دئے گئے اور سورہ فرقان کے آخر میں بھی دوسرے فواصل سلاما۔ کراما۔ بدل دیئے گئے۔

مگر اس وسعت پر بھی بعض سورتوں اور بعض آیات میں مرصع کاری کیگئی ہے کہ متعدد فواصل اور کئی جملوں کے بعد پھر بار بار ایک خاص جملہ کا اعادہ کیا گیا ہے جیساکہ ترجیع بند یا مخمس مسدس میں ہوتا ہے جس سے سامع کو عجب لطف آتا ہے جیساکہ سورہ الرحمٰن میں بار بار فبای آلاء ربکما تکذبان کا اعادہ کیا لطف دے رہا ہے جیساکہ شعرا ایک ہی شعر میں متعدد قافیہ لاکر حسن کلام بڑھا دیتے ہیں ؎

کالدہر فی ترف والبدر فی شرف والبحر فی کرم والبدر فی ہمم

اور اسکو التزام مالایلزم کہتے ہیں قرآن میں اس قسم کا بہت کلام ہے جیساکہ اما الیتیم فلا تقہر۔ واما السائل فلا تنہر۔ رسے اول ہ کا التزام ہے ایسے ہی۔ الم نشرح لک صدرک الخ ہے ک سے اول ر کا التزام کیا گیا ہے جیساکہ والطور وکتاب مسطور۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون۔ وان لک لاجراً غیر ممنون۔ اور کبھی کبھی تین تین حرف کا التزام ہے۔ جیساکہ فاذاہم مبصرون اور لایقصرون۔ اور کہیں کلام میں لطف زیادہ کرنے کے لئے دو دو کلموں ہی کو مقفیٰ یعنے مفصول کر دیا ہے جیساکہ یاایہا المدثر قم فانذر الخ والمرسلات عرفا الخ والذاریات ذروا الخ والعادیات ضبحا الخ اور کبھی ہر جملہ کو پہلے سے مساوی کر حسن بڑھا دیا ہے۔ جیساکہ والنجم اذا ہوی۔ ماضل صاحبکم وما غوی۔ اور کہیں جملوں کو قصیر کہیں متوسط کہیں طویل کر کے شان بلاغت دکھائی ہے۔ قصیر دو کلموں سے کم نہیں ہوتا طویل دس سے متجاوز ہوتا ہے ان دونوں کے درمیان متوسط ہیں۔ (دہم) فواصل کی بنیاد وقف پر ہے اس لئے مرفوع کے مقابلہ میں مجرور اور مجرور کے مرفوع لاکر وسعت فواصل دکھا دی گئی۔ جیساکہ خلقناہم من طین لازب (۵) فواصل میں تضمین اور ایطاء جائز ہے برخلاف شعر کے تضمین یہ ہے کہ فاصلہ کا مابعد اوس سے متعلق ہو جیساکہ انکم تمرون علیہم مصبحین وباللیل۔ باللیل تمرون سے متعلق ہے۔ ایطار فاصلہ یا قافیہ کا اوسی لفظ سے مکرر لانا اور اسی وسعت کے سبب فواصل میں جنکی بنیاد حالت وقفی پر ہوتی ہے بقاعدہ

م اور لکھنی دو دو حرف کا التزام کیا گیا ہے

موں کلام عرب غائب واصب

زبان عرب کہیں حذف کہیں زیادت ہے اسی قسم کی چالیس حالتیں ہوتی ہیں جنکا ذکر ابن الصائغ نے اپنی کتاب احکام الرای فی احکام الاای میں کیا ہے پھر جو جو ان فواصل میں باریکیاں و دلیعت رکھی گئی ہیں بیان سے باہر ہیں کہ اگر اوس لفظ کی جگہ دوسرا لایا جائے تو وہ باریکیاں باقی نہ رہیں جنکو اہل زبان ہی خوب جانتے اور مزہ لیتے ہیں۔ اگر ایک ہی سورۃ کے فواصل کے اسرار بیان کئے جائیں تو کئی جلدوں میں نہ سمائیں۔

(۲) ایک بڑے طول و طویل کلام میں یہ بات ضرور دیکھی جاتی ہے کہ متکلم کا ابتدار اور وسط اور اخیر میں کیا حال ہے جس شان سے ابتدار کی ہے اگر وسط میں بھی وہی ہے اور خاتمہ بھی عمدہ موقع پر اول و وسط کو زیر نظر رکھ کر کیا ہے تو کلام فصیح و بلیغ ہے ورنہ درجہ کمال سے گرا ہوا ہے۔ آپنے مجالس میں بڑے بڑے خوش بیانوں کو تقریر کرتے دیکھا ہوگا۔ بعض تو ابتدار میں بڑے وسیع پیمانہ پر کلام کرتے ہیں اور بیچمیں بہت ہی کمزور کلام ہوتا ہے اور آخر میں تو ایسے برے موقعہ پر تمام کرتے ہیں کہ جیسا کسینے سر سے بوجھ زمین پر بے موقعہ دہم سے دے مارا۔ مگر قرآن میں جس سورہ کو دیکھئے گا تینوں مواضع میں نہایت موزوں اور بلند شان پائے گا مقطع پر ایک ایسا پر نمک فقرہ ہوتا ہے جو تمام مضمون سابق میں تازہ رُوح پھونکدیتا ہے اور سارے کلام کی تصویر کھینچدیتا ہے۔ ابتدار کلام اس شان و انداز سے ہوتی ہے کہ سامع کو یقین ہوجاتا ہے کہ کوئی بلند مضمون بیان ہونے والا ہے اور پھر بسط اسکی تصدیق کردیتا ہے۔ اور مقطع اسپر مہر ہوجاتا ہے۔ علمار نے خاص طوالع و مقاطع قرآنی کے حسن وخوبی میں بڑی بڑی مفید کتابیں لکھی ہیں +

(۳) ہر فصیح و بلیغ شاعر کسی خاص بیان میں ایک خصوصیت خاص رکھتا ہے عرب کے مشہور خوش بیانوں میں سے کوئی رزم میں کوئی بزم میں کوئی گھوڑونکی مدح میں کوئی معشوقوں کے حسن وجمال خدوخال میں کوئی ہجو میں مشہور تہا۔ ان خاص مضامین کے سوا

جب وہ دوسرے مضمون پر کچھ کہتے تھے تو وہ بات حاصل نہوتی تھی۔ مگر قرآن مجید جملہ مضامین اور تمام سورتوں میں اعلیٰ درجہ کی بلاغت پر ہے +

(۴) فصیح و بلیغ شعراء کا بڑا میدان سخن محسوسات کے کیفیات ہیں پھر اسکے ساتھ کذب اور مبالغہ بھی جزء بلاغت ہے اور پھر مضمون کے وہ تابع نہیں رہتی۔ لفاظی کے لئے جو مضمون آگے لیجائے اور جو کوئی عمدہ قافیہ اور اچھا لفظ مل جائے تو اسکو بھی لے آتے ہیں اگر مضمون کی پابندی کر دیجائے اور کذب و مبالغہ سے بھی منع کر دیا جائے۔ اور مضمون بھی قرآنی مضامین مذکورہ بالا میں سے ان کو دیا جائے مثلاً توحید و خدا پرستی یا دنیا کی بے ثباتی۔ یا عالم ملکوت کے حالات یا احکام صوم و صلوٰۃ یا قانون میراث دیت و قصاص کے مسائل عفت و صداقت کی خوبی۔ شہوت پرستی اور ریاکاری اور لغو کی مذمت وغیرہ تو پھر ان مشہور شاعروں اور مسلم بلیغ و فصیح لوگوں کی شاعری۔ اور خوش بیانی کو ملاحظہ فرمائیے کیسی پھیکی اور بے نمک معلوم ہوتی ہے۔ برخلاف قرآن مجید کے کہ اول سے آخر تک اسمیں وہی مضامین عالیہ ہیں کہ جنکو ہم نے بطور نمونہ کے ذکر کیا اور پھر سراسر راستی ہے مبالغہ اور کذب اور طبیعت کے جوش و رجحان سے انحراف ہے مگر بایں ہمہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے انہیں باتوں کو دیکھ کر عرب کے بڑے بڑے شعراء فصحاء و بلغاء کو قرآن کے مقابلہ میں کچھ بنا کے لانے سے دل چھوٹ گئے تھے۔

(۵) ہر ایک کلام سے متکلم کی شان نمودار ضرور ہوتی ہے۔ عرفا کے کلام پڑھنے سننے سے دل پر ایک کیفیت نورانیہ پیدا ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ کسی شیریں چشمہ کا پانی ہے اور دنیا کے عشاق شہوت پرستوں یا فلسفہ کی دلدل میں دبے ہوئے کلام سے ضرور پہلی کیفیت کے برخلاف دل پر دوسری کیفیت پیدا ہوتی ہے جو چاہے مثنوی مولانا روم اور بدر منیر کو پڑھکر مشاہدہ کر لے۔ اور نیز بازاری کے کلام اور بادشاہ کے فرمان کا بھی پڑھکر معاینہ کر لے اول الذکر کے وہی بازاری محاورات وہی اسکا حوصلہ

وہی اسکے دلی خیالات نمایاں ہوں گے برخلاف ثانی کے کہ اس سے شاہی جلال اور اسکی بلند خیالی معلوم ہوگی۔ اب جسکو ذرا بھی تمیز و قوت دراکہ ہے تو قرآن کو اور دوسری کتابوں کو پڑھکر آپ مشاہدہ کرے کہ قرآن سے توحید و خدا پرستی کا اور دنیا سے بے تعلقی کا اور عالم جاودانی کے اشتیاق کا اکتساب حسنات کے شوق کا معاصی سے نفس کی لگام تھامنے کا کیسا رنگ دلپر چڑھتا ہے اور توکل و رضا و تسلیم و محبت حق کا کیا نور پیدا ہوتا ہے اور کلام سے ایک شان کبریائی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جو کیسا ہی فصیح و بلیغ کیوں نہوتا وقتیکہ وہ نورانی اور روحانی مستی میں سرشار نہو اپنے کلام میں پیدا نہیں کرسکتا اور کیسے نقل بھی اتار ہی تو اس میں وہ مستی اور درد نہیں ہوگا اب دیکھنا یہ ہے کہ جب دنیا پر اس سرے سے اوس سرے تک بت پرستی اور بدکاری کی ظلمت محیط تھی تمام بر عرب اس میں غرق تھا ایک ایسے شخص نے کہ جو ایک ایسے ملک اور ایسے شہر کا رہنے والا تھا جہاں کسی قسم کے علوم کی بھی روشنی نہ پڑی تھی نہ وہ پڑھے لکھے تھے کہ اور کتابوں سے انہوں نے یہ بات پیدا کرلی ہو نہ وہ شعر و سخن کے مشاق تھے نہ عمر بھر کبھی اس قسم کے مجالس میں شریک ہوئے تھے باوجود سخت مصائب کے ایک ایسی کتاب جسمیں یہ علوم عالیہ اس بلاغت و فصاحت سے ایسی طبیعت انسانیہ کو نورانیت بخشنے والی راہ راست پر لانے والی مخلوق پرستی سے نفرت دلانے والی بغیر الہام الٰہی کیونکر تصنیف کردی؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں حیطۂ امکان سے باہر ہے۔

(۶) بعض لوگوں کے مضامین تو عمدہ ہوتے ہیں مگر الفاظ کی رکاکت تشبیہات و استعارات کی بیہودگی باہم جملوں اور مضامین کی بے ربطی ایک ایسا عیب اسمیں ہوتا ہے جس سے مضمون کی خوبی میں فرق آجاتا ہے۔ کتاب حزقیل کا ۲۴ باب ملاحظہ ہو۔ اور ۲۳ باب کے یہ جملہ ہیں۔ خداوند کا کلام مجھکو پہونچا اور اسنے کہا اے آدم زاد دو عورتیں تھیں۔ جو ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئیں تھیں۔ انہوں نے مصر میں زناکاری کی وہ اپنی جوانی میں

یار باز ہوئیں وہاں انکی چھاتیاں ملی گئیں اور انکی بکر کی پستان چھوئی گئیں انمیں سے بڑی کا نام آہولہ اور اسکی بہن کا اہولیبہ تہا۔ وے میری جورواں ہوئیں الخ اسپر بھی اس نے اپنے جوانی کے دنوں کو یاد کرکے زبان پر زنا کاری کی ہو وہ اپنے یاروں پر مرنے لگی جنکا گدہونکا سا اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا تہا۔ غزل الغزلات سلیمان بہ باب میں یہ فقرے ہیں۔ میری بہن میری بیوی تیرا عشق کیا خوب ہے کیا ہی پر مخش تشبیہات ہیں۔

اسیطرح ویدوں کی بے ربط نثر اور ان میں عناصر اور غیر مرئی دیوتاؤں کی بیحد ستائش اور وہی تنگدست بھیکاری برہمنوں جیسی بول چال مگر قرآن اول سے آخر تک ان سب باتوں سے پاک ہے +

(۷) ایک مضمون یا ایک قصہ کو ایکبار بیان کرکے اگر بار دگر بیان کیا جاتا ہے تو خواہ مخواہ اوس تکرار سے سامع کو ایک طرح کی بے لطفی معلوم ہوتی ہے جسکے سننے اور پڑھنے سے طبیعت منقبض ہوتی ہے۔ یہ ایک طبعی بات ہے جس سے انکار ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ ایک شاعر فرماتے ہیں ؎

مکرر گرچہ سحر آمیز باشد — طبیعت را ملال انگیز باشد

با ایں ہمہ لبا اوقات تکرار اور بار بار بیان کرنے کی ضرورت بھی پڑتی ہے تاکہ وہ مضمون سامع کے ذہن میں بار بار گوشزد ہونے سے جاگزیں ہو جائے اور یہی سبب ہے کہ جب کوئی کلام حفظ کرنا مقصود ہوتا ہے تو اوس ایک ہی جملہ کو بار بار پڑھا جاتا ہی جس سے نفس متاثر ہو کر اسکو نقش کر لیتا ہے۔ اور بار بار ایک عمل کرنے سے اس عالم میں اثر محسوس ہونے کا ایک باریک سر ہے اسیلئے لکھنے کی یا اور کام کی تکمیل کے لئے بڑی دم مشق کیا کرتے ہیں جسمیں اس کام کی تکرار ہوتی ہے۔ اور اسیلئے قرآن میں مضامین توحید وصفات وغیرہ اور اسیطرح احکام اور قصص بار بار آئے ہیں کہ لوگوں کے دلوں پر اثر ہو۔ اور نقش کا لحجر ہو جائیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن ایک بار نازل نہیں کیا تئیس برس میں تھوڑا

سنوٹا نازل فرمایا کہ نبی کو بھی الہامی حالت میں وقتاً فوقتاً لذت بڑھتی رہے اور کمالات نبوت کی ترقی ہوتی رہے اور مخاطبین بھی بار بار اس رنگ میں رنگین ہوتے رہیں مگر تا وقتیکہ اس تکرار میں ایک جداگانہ لذت نہ پیدا کر دیجائے انقباض خاطر سامعین دفع نہیں ہوتا اسیلئے گانے میں ایک ہی کلمہ کو بار بار اس لئے کہتے ہیں کہ ہر بار نغمہ کی خوبی نئی لذت بخشتی رہتی ہے اور اسیلئے اسماء الٰہی کے بار بار کہنے میں مزا آتا ہے کہ ہر بار اسکی تجلی دل کو جداگانہ فرحت بخشتی رہتی ہے قرآن نے اس تکرار کی بے لطفی کو تغیر و تبدیل عنوان کلام سے دفع کیا یعنے جب ایک مضمون یا قصہ کو بار دیگر بیان فرمایا ہے تو ایک نئے انداز او شان سے بیان کیا ہے کہ وہی پہلا مضمون یا قصہ نیا معلوم ہوتا ہے یہ ایک ایسی بڑی بات ہے جسکو کوئی فصیح و بلیغ خواہ وہ کیسا ہی قادر الکلام ہو کر نہیں کہہ سکتا +

(۸) ایک ایسی بات قرآن میں ہے جس سے ہر ایک فصیح و بلیغ عاجز ہے وہ یہہ کہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کیطرف بڑی خوبی اور عمدہ مناسبت سے منتقل ہو جاتا ہے۔ توحید کے مضمون سے احکام کیطرف قصص سے توحید و دار آخرت کے مضمون کیطرف۔ احکام سے آثار قدرت کیطرف و بالعکس۔ اسیلئے نہ قرانیں مضامین کے لئے ابواب باندھے ہیں نہ فصول قائم کئے ہیں تمام کلام مسلسل ہے۔ باوجودیکہ تیئیس ۲۳ برس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لوگوں کے جواب اور امور پیش آیندہ کی ہدایات میں نازل ہوا ہے +

لیکن باہمی مناسبت کہیں صاف اور ظاہر ہے کیونکہ غبی اور جاہل بھی مخاطب ہیں اور کہیں نہایت باریک کہ جسکو بجز ذکیوں اور صاحب ذوق سلیمہ کے اور کوئی نہیں سمجھتا اسیلئے علماء کرام کی ایک جماعت نے مناسبت آیات اور سورۃ میں بڑی بڑی مبسوط کتابیں تصنیف کی ہیں +

سب سے اول شیخ ابوبکر نیشاپوری اسطرف متوجہ ہوئے پھر تو بہت علماء نے قلم اٹھایا

امام رازی نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں آیات کی مناسبت بہت کچھ بیان فرمائی ہے۔ اور علامہ ابو جعفر بن زبیر استاد ابی حیان نے اس علم میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن ہے اور شیخ برہان الدین بقاعی کی بھی ایک کتاب ہے جس کا نام نظم الدرر فی تناسب الآی والسور ہے اور اس فن میں علامہ جلال سیوطی کی کتاب اسرار التنزیل بھی بہت ہی عمدہ ہے اور شیخ علی مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمن و تیسیر المنان بھی نہایت عمدہ ہے۔ اس عاجز کی تفسیر فتح المنان مشہور بہ تفسیر حقانی بھی اس بیان میں کافی وافی ہے +

(فائدہ)

مناسبت لغت میں مشاکلت و مقاربت کو کہتے ہیں اور مال کار اس کا آیات یا دو جملوں میں ایک رابطہ ہوتا ہے وہ رابطہ کبھی عام ہوتا ہے کبھی خاص کبھی حسی۔ کبھی عقلی کبھی خیالی اور کبھی تلازم ذہنی ہوتا ہے جیسا کہ سبب و مسبب۔ علت معلول۔ نظیرین۔ و ضدین وغیرہ علاقات میں ہوا کرتا ہے۔ فائدہ اس کا اجزار کلام کے باہمی ارتباط سے اس میں استحکام پیدا کر دینا ہے جیسا کہ دیوار کے مختلف اجزار کو مربوط کرنے سے قوت و استحکام ہو جاتا ہے۔ ہر مرکبات میں اسکے اجزار تالیفیہ کے باہمی ارتباط سے قدرتاً استحکام پیدا ہو جاتا ہے +

اس تمہید کے بعد آپ اس قاعدہ کلیہ کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو مناسبت کا اصول آپ کو معلوم ہو جائے گا وہ ایک آیت کے بعد دوسری آیت کو دیکھئے اگر وہ پہلی آیت کا کلمہ تتمہ ہے خواہ احکام و قصص میں خواہ استدلال میں تو انکی مناسبت اور باہمی ارتباط ظاہر ہے اور اگر ایک دوسرے کی تاکید یا تفسیر و تشریح یا بدل یا کسی سوال مقدر کا جواب ہے یا بیان سابق کا نتیجہ ہے تب بھی دونوں کی مناسبت ظاہر ہے

جسکو ہر ایک اہل زبان بشرط سلیقہ سمجھ سکتا ہے۔ ہاں اگر دونوں جملے بذات خود مستقل ہیں تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایک دوسرے پر حروف مشترکہ عطف کیساتھ معطوف ہے یا نہیں؟ اگر معطوف ہے تو ضرور ان دونوں میں اشتراک اور علاقات مذکورہ میں سے کوئی نہ کوئی علاقہ ہے جیساکہ ان آیات میں یعلم مایلج فی الارض ومایخرج منہا ومایزل من السماء وما یعرج فیہا۔ ان میں ولوج۔ اور خروج نزول وعروج اسمان وزمین باہم علاقہ تضاد رکھتے ہیں اللہ یقبض و یبسط والیہ ترجعون قبض وبسط میں علاقہ تضاد ہے۔ عذاب کے بعد ثواب کا رحمت کے بعد غضب کا ترغیب کے بعد ترہیب کا ذکر جو اکثر آیات میں ہوتا ہے وہاں بھی علاقہ تضاد ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اکثر احکام کے بعد وعدہ وعید اور کبھی وہ گزشتہ واقعات ذکر کئے جاتے ہیں جنہیں فرمانبرداروں پر عنایت اور نافرمانوں پر عتاب مذکور ہوتا ہے تاکہ احکام مذکورہ کی تعمیل میں لوگ کوشش کریں۔ اور کبھی قیامت اور مرنے کے بعد ہولناک رحمت ونعمت کے واقعات بھی بیان ہوتے ہیں تاکہ نتیجہ عمل سامع کے ذہن نشین ہوجائے اور کبھی آیات توحید اور آیات انعام بھی بعد میں ذکر ہوتے ہیں تاکہ آمرونا ہی کی شان معلوم ہوجائے کہ یہ ایسے حکیم وشہنشاہ ومنعم کے احکام ہیں۔ اسی غرض سے سورہ بقرہ اور نساء اور مائدہ کے آیات میں اگر آپ تامل کریں گے تو اکثر یہی بات پائیں گے۔

اور اگر دونوں جملوں میں عطف نہیں ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی ان میں ان روابط میں سے ایک رابطہ ہوتا ہے۔

(۱) تنظیر کیونکہ ایک نظیر کو دوسرے سے الحاق کرنا عقلاء کی شان ہے جیساکہ ان آیات میں کَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ۔ اسکے اول کا یہ جملہ ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا اس جملہ سے اول یہ بیان تھا کہ اے نبی علیک السلام۔ آپ امور سیاست میں کسی کی مخالفت اور طعن کی پروانہ کیجئے۔ کیونکہ ان کے مصالح عوام کے سمجھ میں نہیں آتے مومن

خالص بے چون وچرا آپ کی پیروی کرتے ہیں اور بعد میں سبکو انکی مصلحت معلوم ہوجاتی ہے جیسا کہ آپ کا گھر سے نکلنا۔ اس معاملہ میں طبائع عامہ مخالف تہیں مگر اسکی برکات کا بعد میں سب نے معاینہ کرلیا۔ گھر سے نکلنے میں یا ہجرت کی طرف اشارہ ہے یا قریش کے مقابلہ کے لئیے جانا اور بدر میں مقابلہ ہوکر اسلام کا فتح پانا کفر کی کمر ٹوٹ جانا مراد ہے۔

(۲) مضادت کہ ایک چیز بیان کرنے کے بعد اسکا ضد بیان کیا جائے تاکہ اوسکی پوری حالت کا انکشاف ہوجائے جیسا کہ ایمانداروں کے اوصاف اور ان کے دنیا اور آخرت میں نیک نتیجہ بیان کرنے کے بعد کافروں فاسقوں کے حالات کا بیان مشہور ہے تعرف الاشیاء باضدادہا ✢

(۳) استطراد جیسا کہ اس آیت میں یابنی اٰدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوءٰتکم وریشا ولباس التقوٰے ذلک خیر ✢ کیونکہ اس سے پیشتر آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور آدم کی وہ حالت بیان ہوئی تہی کہ وہ بجائے لباس کے اپنے بدن پر درختوں کے پتے چپکاتے تہے اس قصہ پر ہر دو اوس لباس کا ذکر کردینا مناسب ہوا۔ جو خدا نے بعد میں بنی آدم کو بنانا سکھایا جو انکی زیب وزینت کا باعث ہے اور لباس میں بہی لباس تقوی کا ذکر مناسب پر مناسب ہوا۔ اسی قبیل سے یہ آیت ہے لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للہ ولا الملئکۃ المقربون ۝ کیونکہ اصل جملہ تو عیسائیونکے رد میں صادر ہوا تہا کہ وہ حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تہے کہ وہ نہ خدا ہیں نہ اس کا بیٹا کیونکہ انکو خدا کے بندہ ہونے سے انکار نہیں مگر تبعاً عرب کے خیال کا ابطال بہی مناسب ہوا۔ کیونکہ وہ بہی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تہے کہ ملائک مقربین کو بہی اسکی عبدیت سے انکار نہیں ✢

(۴) حسن التخلص۔ اسمیں اور استطراد میں صرف یہی فرق ہے کہ استطراد میں ایک مضمون ذکر کرتے ہوئے اسکے مناسب دوسری بات بیان کرکے جلد اصل مضمون

کیطرف آجاتے ہیں اور حسن تخلص میں ایک مضمون بیان کرکے اسکے مناسب دوسرے مضمون کیطرف اس خوبی سے منتقل ہوجاتے ہیں کہ سامع کو اس انتقال کیطرف خیال بھی نہیں آنے پاتا کیونکہ دونوں مضمون میں کمال اتحاد ہوتا ہے۔ یہ قرآن میں بہت ہے اور اس خوبی سے ہے کہ بڑے بڑے فصحاء حیران رہجاتے ہیں جیسا کہ سورہ اعراف میں انبیاء اور قرون ماضیہ کا ذکر کرکے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ذکر کی نوبت آئی یہاں تک کہ موسےٰ ستر آدمی ساتھ لیکر کوہ طور پر خدا سے کلام کرنے گئے اور موسےٰ نے اپنی امت کے لئے دعا کی بقولہ واکتب لنا فی ہذہ حسنۃً اور اس کا جواب ملا کہ گو میری رحمت نے ہر شئے کو گھیر لیا ہے۔ مگر میرا عذاب بھی جسکو چاہتا ہے پہونچتا ہے۔ اس مقام سے خدا نے تخلص کرکے جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے مناقب وفضائل بیان کرنے شروع کر دیئے کہ اے موسےٰ یہ رحمت خاص آپکی امت کا حصہ نہیں۔ یہ تو ایک آنے والے نبی امی کی امت کا حصہ ہے اور ان کے یہ مناقب ہیں۔ اسلیئے فرمایا فسأکتبہا للذین یتقون ویوتون الزکوۃ والذین ہم بآیتنا یؤمنون ۝ الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندہم فی التورٰیۃ والانجیل۔ یامرہم بالمعروف وینہٰہم عن المنکر ویحل لہم الطیبٰت ویحرم علیہم الخبائث ویضع عنہم اصرہم والاغلال التی کانت علیہم۔ والذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ہم المفلحون ۝ کہ اس حسنہ اور رحمۃ خاصہ کو میں ان کے نام لکھے دیتا ہوں جو پرہیزگار ہونگے (۲) وہ جو صدقہ وخیرات کرینگے (۳) وہ جو ہمارے آیتوں پر ایمان لائیں گے (۴) وہ جو رسول نبی امی کے پیرو ہونگے۔ جسکو وہ توریت وانجیل میں اپنے پاس لکھا پائیں گے اور وہ نبی کیا ہوگا۔ (۱) انکو نیک باتوں کا حکم دے گا۔ اور بری باتوں سے منع کرے گا (۲) ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور

ناپاک اپر حرام کرے گا (۳) اسنے سخت احکام کے بوجھ دور کریگا (۴) اور نافرمانیوں اور خدا کے غضب کے انکی جو گردنوں میں طوق پڑے ہونگے انکو اتار دے گا اور جو کوئی اسپر ایمان لائے گا اور اسکی توقیر کرے گا اور اسکی مدد کرے گا اور اس نور کا بھی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہوگا پیرو ہوگا۔ وہی فلاح بھی پائے گا۔ اس کے بعد اسبات کے جتلانے کے لئے کہ وہ نبی امی جس کے یہ صفات موسےٰ سے خدا نے بیان فرمائے تھے کون ہیں؟ حضرت کو حکم دیتا ہے قل یایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا کہ اے نبی کہدو اے لوگو میں اللہ کیطرف سے تم سب کیطرف بھیجا گیا ہوں۔ اسکے بعد اللہ کی شان بیان کرنا ضرور تھا تاکہ معلوم ہو کہ جسکیطرف سے رسول آیا ہے وہ کیسا ہے کیسلئے کہ فرستادہ کی قدر و عزت فرستندہ کے لحاظ سے ہوتی ہے اسلئے اللہ کی شان بیان ہوتی ہے الذی لہ ملک السماوات والارض۔ لا الہ الا ھو یحی ویمیت کہ اللہ وہ ہے جسکی سلطنت اسمانوں اور زمین پر ہے۔ کوئی شے اس کے قبضۂ اقتدار سے باہر نہیں وہ مجرم کو سزا اور مطیع کو جزا بھی دے سکتا ہے۔ اس سے بڑھکر اس مقام پر اور کوئی صفت مناسب نتھی) اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے غیر معبودوں کی الوہیت باطل کرنے کے لئے ان دو وصفوں مارنے اور جلانے سے زیادہ کوئی شے موثر نہیں۔ اب اسکے بعد لوگوں کو بھی اوس رسول پر ایمان لانے کا حکم دینا عین مناسب تھا اسلئے فرمایا فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی کہ اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ اور اسپر ایمان لانا اے اہل کتاب تمہارے دین و مذہب کے بھی برخلاف نہیں کسلئے کہ الذی یومن باللہ وکلماتہ کہ وہ نبی اللہ اور اس کے کلمات منزلہ پر ایمان لا رہا ہے اور یہی تمہارا بھی اصلی مذہب ہے اب بے کھٹکے واتبعوہ اسکی پیروی کرو لعلکم تہتدون۔ تاکہ اس عہد میں کہ تحریفات و تغیرات کے سبب تمہارا اصلی مذہب تمسے چھوٹ گیا ہے اس نبی کے وسیلہ سے

تمہیں ملے اور تم مقصود کو پہونچو۔ اب اسبات کی بھی تصدیق ضروری تھی کہ کوہ طور پر موسے نے یہ دعا کی تھی اور خدا نے اس کا یہ جواب دیا تھا اور نبی امی کے یہ اوصاف بیان فرما کر اسکے پیرون کے لئے رحمت و حسنہ کا لکھا جانا مخصوص فرمایا تھا۔ اسکی شہادت اگر کوئی دے گا تو موسے ہی کی قوم کا دیگا۔ اسلئے ان راستبازوں اور خدا ترس اسرائیلیوں کی خوبی بیان کرنا بھی مناسب ہوا جو شہادت دے رہے ہیں۔ ومن قوم موسے امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون کہ موسے کی قوم میں سے ابھی تک ایک ایسا بھی گروہ ہے جو لوگوں کو حق پر چلنے کی ہدایت کرتا اور خود بھی حق کے ساتھ عدالت کرتا ہے۔ اور عدالت حق کا مقتضی مضمون سابق کی تصدیق ہے۔ جو انھوں نے کی اور نبی امی پر اس نوشتہ توریت و انجیل کے موافق ایمان لائے جیسا کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ اسکے بعد پھر اصل مضمون کیطرف رجوع کرکے موسے اور اسکی قوم کے حالات بیان فرماتا ہے وقطعناھم الخ۔

اب اس حسن التخلص و استطراد اور آیات کی مناسبت کو غور فرمایئے کہ موتی ہیں جو ایک لڑی میں با ترتیب پروئے گئے ہیں اختصار کے لئے تمام نظم قرآن کے لیئے یہی نمونہ کافی ہے +

(۹) سورتوں کے فواتح اور مقاطع میں وہ مناسبت ہے کہ جس سے بڑے بڑے بلیغ و فصیح عاجز آ گئے۔ اس فن میں بھی علماء نے نادر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں از انجملہ جلال الدین سیوطی کی ایک کتاب ہے جسکا نام مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع ہے۔ اور اسیطرح کرمانی کی کتاب عجائب بھی بہت ہی عمدہ ہے۔ دیکھو سورہ بقرہ کا ابتدا یہ ہے الم ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین الخ کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ جسمیں کچھ بھی شبہ نہیں پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے آگے پرہیزگاروں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اور پھر ان کے ضد کافروں کے خصائل ذکر کئے اور خاتمہ یہ ہے واعف عنا واغفر لنا وارحمنا۔ انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین ۔

جسمیں کتاب کے ہدایت ہونے اور پرہیزگاری کے دنیاوی و اخروی نتیجہ کا بیان ہے۔
پرہیزگاری اور ایمانداری کا اخروی ثمرہ یہ ہے کہ خدا بھول چوک کے گناہ معاف فرمائیگا کیونکہ کوئی لاکھ پرہیزگار ہوجائے مگر بشریت ساتھ لگی ہوئی ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ بشریت کی لغزشیں پرہیزگاری کے منافی نہیں۔ اس کے لئے واعف عنا واغفر لنا کہنے کی تعلیم فرمائی۔ مگر صرف بخشدینا ہی کافی نہیں بلکہ خدا کی عنایت اور دار باقی کی نعمتوں کا ملنا بھی مقصد اعلٰے ہے اسکے لئے اور نیز دنیا میں عافیت و عزت کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے وارحمنا کہنے کی تعلیم فرمائی رحم سب کو شامل ہے نیز دنیا میں خدا کی مدد اور مخالفین پر فتحیابی بھی ایک اعلٰی چیز ہے اس کے لئے انت مولٰنا اور فانصرنا علی القوم الکافرین کہنے کی تعلیم فرمائی جسمیں اشارہ ہے کہ فتح و نصرت ملنا اور خدا کا حامی و مددگار ہونا پرہیزگاری کا ثمرہ ہے اور مغلوب و مقہور ہونا کفر و بدکاری کا نتیجۂ بد ہے۔

اسیطرح سورہ آل عمران کا ابتدا ریہ ہے الٓمٓ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ کہ اللہ ہی ہے جسکے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔ اسے بنی اسنے (اپنی وحدانیت اور حیات اور قیومیت کے تقاضے سے حضرت ابراہیم کے بعد ملت ابراہیمیہ کے زندہ و قائم رکھنے کے لئے جو توحید پر مبنی ہے) تین کتابیں نازل فرمائیں (۱) آپ پر قرآن نازل کیا جو توحید کا خزانہ ہے اور حیات ابدی اور وجود ابدی بخشنے کا باعث ہے۔ اور اوس حی و قیوم نے اپنے ان دو صفات کے مطابق قرآن میں بھی دو صفت رکھی ہیں اول یہ وہ بالحق ہے اسمیں کوئی بات بھی باطل نہیں اور کتاب کی حیات بھی یہی ہے کہ وہ سراسر حق ہو ورنہ باطل کتاب مردہ ہے دوئم یہ کہ وہ اگلی کتابوں کا مصدق ہے اور وہ ان کو

قائم رکھہ رہا ہے سو قرآن کی قیومیت ہے جو اسکی قیومیت کا مظہر ہے (۲) توریت (۳) انجیل ۔ قرآن میں یہ
دو وصف اور بھی ہیں ایک یہ کہ وہ دنیا میں تھوڑا تھوڑا تئیس برس میں نازل ہوا اس لحاظ
سے اسکو اول لفظ منزل سے تعبیر کیا اور کتاب کہا اور وصف کتابیت پارہ پارہ ہو کر ہی
وجود میں آنے کا مقتضی ہے دوئم یہ کہ وہ بیت المعمور سے آسمان دنیا میں یکبارگی نازل
ہوا۔ اور اسکو بلفظ انزل اور بلفظ فرقان تعبیر فرمایا۔ توریت و انجیل دو کتابوں کے
مقابلہ میں قرآن دو وصف سے دوبار بیان فرمایا جسمیں اشارہ ہے کہ جو ان دونوں میں
تہا وہ سب کچھہ قرآن میں ہے یہ ان دونوں کے برابر ہے اور اسیلئے اسمیں اب یہ
تین وصف ہو گئے دو تو وہی تیسرا فرقان ہونا۔ اور ہر وصف خدا کے تینوں اوصاف مذکورہ
سے مناسبت رکھتا ہے اور خاتمہ اس سورہ کا یہ ہے یا ایہا الذین امنوا اصبروا
وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون کہ اے ایماندارو برداشت
کیا کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہا کرو اور نیک کاموں میں دل لگائے رہا کرو۔ اور
اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ الثانی سعادت کا انہیں تین اوصاف پر
مدار ہے (۱) نفسانی بدخواہشوں شہوات ولذات فاسدہ سے اپنے آپ کو بچانا یہ بچانا۔
صبر و برداشت ہے اور جب نفس بد کا حملہ ہو تو مقابلے میں مستحکم رہنا یہ صابروا ہے۔ (۲) نیک
کاموں کو عمل میں لانا اور خدا سے دل لگانا یہ رابطوا ہے (۳) اللہ سے ڈرتے رہنا
کسی وصف پر مغرور نہو جانا برے کاموں سے بچنے اور نیک کاموں سے دل لگانیکا
یہی تقوی محرک ہے۔ سعادت کے بعد پھر فلاح ہی فلاح ہے۔ چونکہ خدا کی تمام کتابوں کا
یہی لب لباب ہے اسلئے سورۃ کو اسی پر تمام کردیا۔ بظاہر کتابیں تین بیان ہوئی تہیں
اسلئے موجبات سعادت بھی تین ہی بیان ہوئے۔ لیکن قرآن کو دو وصف کے لحاظ
سے دوبار ذکر کیا تہا جسلئے اس فرق اعتباری سے چار ہو گئیں اسطرح اگر اصبروا
وصابروا کو تھوڑے سے تفاوت سے دو سمجھا جائے تو موجبات سعادت بھی چار ہو جاتے ہیں

اب مطلع اور مقطع کی مناسبت اور دونوں میں جو جو الفاظ لائے گئے ہیں انکی باریکی دیکھیے (۱۰) مفاتح سور میں ایک ایسا سر بلاغت رکہا ہے جو اعجاز کو پہونچگیا ہے۔ جسکی تفصیل یہ ہے جس سورت میں جو مضمون زیادہ تر ملحوظ ہے اسیکے مناسب شروع سورہ میں الفاظ لائے گئے ہیں۔ سورتوں کی ابتدا دس قسم سے ہے (۱) خدا تعالیٰ کی ثنا و صفت کے ساتہ پہر ثنا کی دو قسم ہیں اول صفات مدح کا ثبوت دوم برے صفات سے تنزیہ و تقدیس۔ پس پانچ سورتوں کو تحمید کے ساتہ شروع کیا اور دو کو بہ لفظ تبارک جنمیں اثبات صفات ہے۔ اور لفظ سبحان کے ساتہ سات سورتوں کو شروع کیا۔ مگر اسمیں بہی یہ خوبی رکہی ہے کہ کہیں مصدر کے ساتہ جیساکہ سورہ بنی اسرائیل سبحان الذی اسری بعبدہ اور کہیں صیغہ ماضی سے۔ جیساکہ حدید اور سورہ حشر سبح اور کہیں صیغہ مضارع سے جیساکہ تغابن اور جمعہ یسبح اور کہیں صیغہ امر سے۔ جیساکہ سبح اسم ربک الاعلیٰ اور اسمیں بہی ایک نکتہ ہے (۲) حروف تہجی سے۔ انتیس سورتوں کو شروع کیا۔ اور اسمیں بہی یہ نکتہ باریک رکھا کہ حروف کے جسقدر اقسام ہیں سب کے نصف نصف ان حروف میں آگئے ہیں اور جس سورہ کو جو جو حروف مناسب تہے وہی اول میں لائے گئے۔ (۳) دس سورتوں کو بلفظ ندا شروع کیا پانچ کو یعنے احزاب۔ اور طلاق۔ اور تحریم۔ اور مزمل۔ اور مدثر۔ کو بندا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہیں یاایہا النبی اور کہیں یاایہا المزمل اور کہیں یاایہا المدثر۔ اور پانچ کو یعنے سورۂ نسار۔ مائدہ۔ حج۔ حجرات۔ ممتحنہ۔ کو بندا امت (۴) تئیس سورتوں کو جملہ خبریہ سے شروع کیا۔ یسئلونک عن الانفال۔ براءۃ من اللہ۔ اتی امر اللہ۔ اقترب للناس حسابہم۔ قد افلح المؤمنون۔ سورۃ انزلناہا۔ تنزیل الکتاب۔ الذین کفروا۔ انا فتحنا۔ اقتربت الساعۃ الرحمن علم القران۔ قد سمع اللہ۔ الحاقۃ ماالحاقۃ۔ سئل سائل۔ انا ارسلنا نوحا۔ لااقسم۔ دو جگہ عبس۔ انا انزلناہ۔ لم یکن۔ القارعۃ۔ الہاکم۔ انا اعطیناک + (۵) پندرہ سورتوں کو قسم سے شروع کیا ایک میں ملائکہ کی قسم ہے۔ والصافات۔ اور دو میں آسمانوں کی

والسماء ذات البروج ۔ والسماء والطارق ۔ اور چھہ میں انکے لوازم کی والنجم ستاروں کی
والفجر مبدء نہار کی والشمس نشان نہار کی ۔ واللیل نصف زمانہ کی والضحیٰ نصف دن کی ۔ والعصر
نصف آخر کی اور کل زمانہ کی اور دو میں ہوا کی جو ایک عنصر ہے والذاریات والمرسلات
والطور زمین کے جزء ایک پہاڑ کی والتین نبات کی والنازعات حیوان ناطق یا ایک قسم
کے ملائکہ کی ، والعادیات حیوان کی ایک قسم خاص یعنے گھوڑوں کی قسم ہے ان قسموں
کا سر ہم آگے چلکر بیان کرتے ہیں ۔ (۶) سات سورتوں کو شرط سے شروع کیا ہے
اذا وقعت الواقعہ ۔ منافقون اذا جاءک المنافقون ۔ تکویر ۔ انفطار ۔ انشقاق ۔ زلزلہ
اذا زلزلت الارض ۔ نصر اذا جاء نصر اللہ (۷) چھہ سورتوں کو بصیغہ امر شروع کیا ۔
قل اوحی ۔ اور قل یا ایہا الکافرون ۔ قل ہو اللہ ۔ قل اعوذ برب الناس (۸) چھہ سورتوں کو
بصیغہ استفہام شروع کیا ۔ ہل اتی ۔ عم یتساءلون ۔ ہل اتاک ۔ الم نشرح ۔ الم تر ۔ ارئیت
(۹) تین سورتوں کو بددعاء کے ساتھ شروع کیا ۔ ویل للمطففین ۔ ویل لکل ہمزہ ۔ تبت
(۱۰) ایک کو تعلیل کے ساتھ لایلاف قریش ۔ علامہ ابو شامہ فرماتے ہیں کہ بددعاء کو اور
اسیطرح ثناء کو بھی بجز سبح اسم ربک کے جملہ خبریہ میں داخل کر سکتے ہیں اور سبحان خبر اور
امر دونوں کا احتمال رکھتا ہے +

اب میں بطور نمونہ کی ہر ایک مطلع سورہ کی اوسکے مضمون کے ساتھ مختصراً مناسبت
بیان کرتا ہوں :-

(۱) وہ پانچ سورتیں جو حمد سے شروع ہوئی ہیں یہ ہیں اول سورہ فاتحہ ۔ دوئم سورہ انعام
سوئم سورہ کہف چہارم سورہ سبا پنجم سورہ فاطر ۔ اب سورہ فاتحہ قرآن کی اول سورہ
کو دیکھئے جسکے ابتداء میں الحمد للہ رب العالمین ہے ۔ انبیاء علیہم السلام کی معرفت
جسقدر علوم نازل ہوئے ہیں ان سب کا ان چار علموں میں انحصار ہے اول علم الاصول
جسکا مدار خدا کی ذات اور صفات کی معرفت پر ہے اسکا بیان اول جملہ الحمد للہ

رب العالمین میں ہے جسکی تشریح ہم اپنی تفسیر میں کی ہے۔ دوئم علم نبوات اسکیطرف اشارہ الذین انعمت علیہم میں ہے۔ سوئم معرفت معاد اسکی طرف مالک یوم الدین میں ہے۔ چہارم علم العبادات اسکی طرف ایاک نعبد میں اشارہ ہے۔ پنجم علم السلوک وہ نفس کو آداب شرعیہ اور انقیاد رب البریہ کا پابند کرنا ہے اسکی طرف ایاک نستعین اہدنا الصراط المستقیم میں ہے۔ ششم امم گذشتہ کے حالات پر مطلع ہونا تاکہ مطیعوں کی سعادت نافرمانوں کی شقاوت معلوم ہو اسکی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ اور قرآن مجید کے بھی یہی مقاصد ہیں جو سورہ فاتحہ میں اجمالاً جمع کردیئے گئے ہیں اور پھر دیگر سورتوں میں انکی تفصیل ہے۔ اور یہہ بندو نیز اسکی بڑی نعمت و رحمت ہے جسپر حمد کرنا مناسب اور حق شناسی ہے اسلئے ابتدا میں الحمد للہ رب العالمین کا لانا اشارہ اجمالی ہے کہ اسکے بعد جو کچھہ ارشاد ہوگا وہ ایک نعمت و رحمت ہوگی اس مناسبت کی خوبی ملاحظہ فرمائیے +

دوسری سورۃ جسکے شروع میں الحمد ہے سورہ کہف ہے۔ اس سورہ میں چند باخدا لوگوں کے واقعات ہیں اصحاب کہف کا ان دو شخصوں کا جنہوں نے بڑا سرمایہ صرف کرکے اپنے دو باغ بنائے تھے پھر غرور اور کفران نعمت کے سبب ایک کے باغ پر آفت آئی اور دوسرے کے باغ میں اسکی خدا پرستی اور نیکوکاری کے سبب برکت ہوئی۔ موسےٰ و خضر کا ذکر ہے کہ نیکوکار اور ان کی نسل مانند ہی مصائب سے محفوظ کیئے جاتے ہیں دنیا میں بھی نیکی کا پھل پاتے ہیں۔ ذی القرنین کا کہ جسکو خدا نے اسکی نیکوکاری کے سبب سب قسم کے سامان عطا کیئے تھے اور وہ اوس بلندی پر پہونچ کر بھی خدا پرست رہا مظلوموں کی حمایت کی کہ ایک دیوار بنا کر ان کو روکدیا۔ اور نیز ہر موقعہ پر حسن تخلص پیرایہ میں دار آخرت اور نیکوکاری کے ثمرات کا بھی ذکر ہے اور اسکے برخلاف برائیکا دنیا و آخرت میں برا نتیجہ کا بھی بیان ہے۔

ایسے واقعات گزشتہ کا بیان جنکو کوئی تاریخ بھی مفصل نہیں بتاتی جنمیں بڑی عبرت و نصیحت ہے خدا کی ایک بڑی نعمت و رحمت ہی جو قرآن کے ذریعہ سے بندوں پر پہونچی اس لئے اسکے مطلع میں یہ جملہ آنا الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجاً۔ گویا تمام سورہ کا شروع میں عنوان بیان کردینا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں چونکہ معراج کا ایک ایسا ذکر ہے کہ جسکی تکذیب منکرین کے نزدیک کچھہ مستبعد نہ تھی اور خدا کو کذب کی طرف منسوب کرنا اوسمیں نقص ثابت کرتا ہے اسلئے سورہ کی ابتدا ہی میں لفظ سبحان لایا گیا کہ وہ جھوٹھہ بولنے سے پاک ہے۔

(۲) حروف تہجی کا ابتدا میں لانا ایک خاص رمز کے لئے ہے کہ جسکو خاص اللہ تعالے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے۔ یا وہ کہ جنکو آپنے مطلع فرمایا تھا۔ مگر اسکے سوا اور جو جو فوائد ان کے ذکر کرنے میں ودیعت رکھے گئے ہیں وہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ از آنجملہ یہ ہے کہ بجز تین سورتوں روم۔ عنکبوت ن کے جہاں کہیں سورہ کو ان حرفوں سے شروع کیا ہے وہاں ضرور اس کے بعد قرآن کا بھی کچھہ نہ کچھہ ذکر آیا ہے جیسا کہ الم ذلک الکتاب لاریب فیہ۔ المص کتاب انزل الیک۔ الم تلک آیات الکتاب المبین۔ طہ ما انزلنا علیک القرآن لتشقے۔ طسم تلک آیات الکتاب یس والقرآن الحکیم۔ ص والقران ذی الذکر۔ حم تنزیل الکتاب ق والقرآن المجید۔ جس سے ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ قرآن بھی انہیں حروف اور کلمات سے مرکب ہے (کسلئے کہ کہیں حروف کو مفرداً ذکر کیا ہے کہیں مرکبا اور پھر کہیں دو دو سے اور کہیں تین تین سے اور کہیں چار چار سے اور کہیں پانچ سے ترکیب دی ہے کسلئے کہ خماسی سے زیادہ کلمات عرب مرکب نہیں ہوتے) جو تمہارے کلام کا بھی مادہ ہیں پھر کیا وجہ کہ باوجود متحدی کے تم اسکی ایک سورۃ کے برابر بھی بناکر نہیں لاسکتے۔ پھر ان حروف کو جہاں جسطرح ابتدا میں لایا گیا ہے

اوس سورہ میں اوس قسم کے زیادہ حروف مستعمل ہوئے ہیں +

(۳) جن سورتوں کو جملہ خبریہ سے شروع کیا ہے وہاں وہ جملے جو ابتدا میں آئے ہیں آیندہ بیان کا نمونہ ہیں کہ اس قسم کا بیان ہوگا۔ اور یہی حال ان سورتوں کا ہے کہ جنکے ابتدا میں ندا ہے۔ +

فائدہ۔ ہر سورہ اپنے بیان میں ایک مستقل نامہ شاہی یا فرمان ہے۔ شاہانہ فرامین کی مختلف شان ہوتی ہے کبھی تو نفس مضمون سے ابتدا ہوتی ہے جیسا کہ وہ سورتیں ہیں کہ جنکی ابتدا جملہ خبریہ سے ہے اور کبھی عنوان میں بھیجنے والے کی شان کا اظہار ہوتا ہے از طرف شاہ شاہان وغیرہ الفاظ ہوتے ہیں یہ وہ سورتیں ہیں کہ جنکی ابتدا میں خدائے تعالےٰ کی عظمت و جبروت یا صفات کمال کا اظہار ہے جیسا کہ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم اور کبھی مکتوب الیہ کیطرف خطاب ہوتا ہے جیسا کہ بنام فلاں یہ وہ سورتیں ہیں کہ جن کی ابتدا ندا سے ہے اور کبھی وہ نامہ مختصر ہوتا ہے اور کبھی مطول یہی حال سورتوں کا ہے اور کبھی اظہار جلال و جبروت ہوتا ہے اور کبھی اظہار عنایت و رحمت اسی طرح سورتوں کا حال ہے +

فصل (۹)

(دیگر اسباب بلاغت)

(۱) علامہ ابن ابی الاصبع نے اس فن میں ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اعجاز القرآن ہے اسمیں تقریباً سنو قسم کے بدائع[1] درج کئے ہیں۔ مجاز۔ استعارہ۔ کنایہ۔ ارداف

---

[1] بدیعہ کی جمع کلام میں علاوہ عمدہ عبارت عمدہ پیرایہ میں مطلب ادا کرنیکے کوئی حسن و خوبی ہو تو اسکو بدیعہ کہتے ہیں۔ اور ان چیزوں کا ذکر فن بدیع میں ہوا کرتا ہے ۱۲ منہ

تمثیل۔ تشبیہ۔ ایجاز۔ اتساع۔ اشارہ۔ مساوات۔ بسط۔ ایغال۔ تسجیع۔ تسریح۔ ایضاح نفی الشئی بایجابہ۔ تتمیم۔ تکمیل۔ احتراس۔ استقصار۔ تذییل۔ زیادہ۔ تردید۔ تکرار تفسیر۔ مذہب کلامی۔ قول بالموجب۔ مناقضہ۔ انتقال۔ استجال۔ تسلیم۔ تمکین۔ توشیح تسہیم۔ ردالعجز علے الصدر۔ تشابہ الاطراف۔ لزوم مالایلزم۔ تخیر۔ ایہام یعنے توریہ۔ استخدام۔ التفات۔ استطراد۔ اطراد۔ انسجام۔ ادباج۔ افتنان۔ اقتدار۔ ائتلاف اللفظ مع اللفظ۔ ائتلاف اللفظ مع المعنی۔ استدراک۔ استثنار۔ تاکید المدح مما یشبہ الذم۔ تعریف۔ تغایر۔ تقسیم۔ تدبیج۔ تکمیت۔ تضمین۔ تجنیس۔ جمع المؤتلف والمختلف۔ حسن النسق۔ عتاب المرء نفسہ۔ عکس۔ عنوان۔ فوائد۔ قسم۔ مبالغہ۔ مطابقہ۔ مقابلہ۔ موازنہ۔ مراجعہ۔ نزاہتہ۔ ابداع۔ مقارنہ۔ حسن الابتدار۔ حسن الختام۔ حسن التخلص۔ حسن الطلب۔

ان کے علاوہ اور بھی صنعت بدیع ہیں۔ جیسا کہ حسن تعلیل۔ لف ونشر۔ مراعتہ الاستہلال۔ مراعات النظیر۔ مشاکلت وغیرہ۔ جنکو اہل بدیع نے بہت صراحت سے بیان کیا ہے۔ ان صنعتوں میں سے اکثر تو معنویہ ہیں۔ اور بعض لفظیہ۔ جیسا کہ تجنیس ردالعجز علے الصدر۔ قلب کہ حروف کے اولٹنے سے وہی جملہ بنجائے جیسا کہ کل فی فلک ربک فکبر اور فارسی ہیں۔ در دقرآن میں اکثر ان بدائع کا اس لطف وخوبی کے ساتھ استعمال ہوا ہے کہ زبان داں سنکر بڑے مزے لیتا ہے۔ بلاغت کے متعلق۔ انشا وصل فصل۔ ایجاز۔ اطناب قصر۔ حذف۔ ابدال وغیرہ۔ ان امور میں جو بلاغت کا عنصر ہے اور محاورہ کی پابندی ہیں جو اصول بلاغت ہے قرآن نے اعجاز دکھایا ہے محاورہ کے موقعہ پر زبان کے بہت سے قوانین تغیر کر دینا کلام میں جان ڈالدینا ہوتا ہے اور اگر محاورہ کی رعایت نہ کیجائے تو کلام نہایت پھیکا اور بدمزہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ بڑے قادر الکلام کا کام ہے۔ آپ اردو کے محاورے کو دیکھئے بہت الفاظ مترک ہیں

اور پھر ان میں جو قدرے کسی کسی معنے کے لئے خصوصیت ہے جیسا کہ کہنا۔ فرمانا اور عرض کرنا۔ طلب کرنا۔ اور پھر ایک معنی کے اصناف وانواع کے لئے جو لفظ مخصوص ہیں ان کا ان کے مواقع پر استعمال کرنا ہی بلاغت ہے۔ مثلاً بکری کے بولنے کو ممیانا اور گھوڑے کے آواز دینے کو ہنہنانا کہتے ہیں جاندار کے از خود اپنے جسم کو کسیجگہ قائم کرنے کو بیٹھنا۔ غیر ذی روح کو دھر دینا کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی یوں کہے کہ فلاں جگہ کتاب بیٹھی تھی تو کیسا برا معلوم ہوتا ہے۔ بخلاف اسکے اگر یوں کہیں کہ دھری یا رکھی تھی تو باقاعدہ معلوم ہو گا۔ مگر ایک فصیح و بلیغ جب کسی استعارہ کے لحاظ سے ان الفاظ میں ادل بدل کر کے عام قاعدے کو چھوڑ دیتا ہے تو کلام میں جان پڑ جاتی ہے مثلاً کوئی بلیغ کسیکو شیر سے تشبیہ دے اور اس کے للکارنے کو غرانے سے تعبیر کرے تو کیا عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ یا کسیکو بیجان و بے حس ظاہر کرنا ہو تو اسکو کہے وہ شخص وہاں دھرا تھا۔ یا دھرے رہو۔ اسیطرح فعل کے روابط کے ادل بدل میں بھی محاورہ کی رعایت کرنا فصاحت وبلاغت ہے۔ مثلاً دہلی کے فصحا یوں کہتے ہیں کہ فلاں بھوکوں مر گیا اور وہ اس بات سے بے خبر ہی رہا۔ لیکن جو ماہر زبان نہیں وہ یوں کہے گا کہ بھوک سے مر گیا۔ اور فلاں بات سے اسکو خبر نہوئی۔

اب دیکھئے قرآن نے ان باتوں کی کہاں تک رعایت کی ہے۔ مگر جو شخص اس مذاق سے واقف نہیں وہ اسکو خلاف فصاحت وبلاغت کہے گا۔ قرآن کے مخالفوں نے اس قسم کے تغیرات کو بڑی محنت سے انتخاب کر کے اور عبارت میں نون مرچ لگا کر بڑی چٹ پٹی کتاب بنا دی اور گلے میں ڈھول ڈالکر شہرت دیتے پھرے۔ کہ قرآن درجہ فصاحت اور بلاغت سے گرا ہوا ہے اسمیں اسقدر الفاظ غیر زبانوں کے ہیں اور اسقدر مواقع پر اصول زبان عرب کے خلاف کیا ہے۔ مگر جب کسی غیر مذہب زبان داں نے بھی اس نیز بکلف خونچے میں سے کچھ لیکر چکھا تو تھو تھو کر کے تھوک دیا۔

اور اس نحو پنجے والیکو جو ہر گلی اور بازار میں آوازیں لگاتے پھرتا تھا سیکڑوں صلاتیں سُنائیں ان کو مسلمانوں کے سوا دیگر زبان دانوں ہی نے پورا صلہ دیدیا ہے۔

اب میں سب امور مذکورۃ الصدر کو مفصلاً بیان کروں تو اسی بحث میں کئی جلد کی ضخیم کتاب تیار کرنی پڑے۔ مگر بعض بعض کو بیان کرتا ہوں۔ لان ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ عرب کا مشہور مقولہ ہے۔

(۱) **استعارہ وکنایہ** وغیرہ۔ ہر زبان میں فصاحت و بلاغت کا جوہر ہے۔ اگر عمدہ طور سے استعمال کیا جائے۔ قرآن چونکہ فصاحت و بلاغت میں درجہ کمال تک پہونچا ہوا ہے۔ اسمیں استعارہ اور مجاز اور کنایہ اور تشبیہ اور مثال کا نہونا ایسا ہی بے معنی خیال ہے کہ جیسا سمندر میں پانی کا نہونا۔ یا آگ میں حرارت اور آفتاب میں نور کا نہونا +

جو لفظ معنے کے لئے وضع[۵] کیا جاوے اسکو لفظ **موضوع** کہتے ہیں۔ اگر اوسکا کوئی جزء معنے پر دلالت کرتا ہو اور وہ دلالت بھی مقصود ہو تو اس کو **مرکب** کہتے ہیں۔

---

۵ وضع متقرر و معین کرنا۔ اسکے کئی قسم ہیں۔ اگر واضع نے لفظ اور معنی کا بوقت وضع دونوں کو خصوصیت سے لحاظ کیا ہے تو یہ (۱) وضع خاص اور موضوع لہٗ خاص ہے جیسا کہ لفظ انسان اس کے معنی کے لئے (۲) اگر دونوں کو بطور عموم و کلیت لحاظ کیا ہے کہ جس جس لفظ پر وہ وجہ صادق آئے وہ ان ان معانی پر دلالت کرے کہ جو اس معنی کلی کے افراد ہوسکیں تو اسکو وضع عام اور موضوع لہٗ عام کہتے (۳) اگر لفظ کو خصوصیت سے لیکر ایک عام معنی کے لئے وضع کردیا ہے کہ جسقدر اس معنی کلی کے افراد ہوں سب پر یہ لفظ بولا جائے تو اسکو وضع عام اور موضوع لہٗ خاص کہتے ہیں (۴) اگر اسکے برعکس ہے تو اسکو وضع خاص اور موضوع لہٗ عام کہتے ہیں مگر ایسا پایا نہیں گیا۔ شرح مسلم بحر العلوم

ف علماء نے اس مسئلہ میں بڑی بحث کی ہے کہ الفاظ کو معنی کے لئے معین کرنے والا کون ہے؟ ایک گروہ نے کہا کہ خدا۔ اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔

یا تام ہے اگر اسپر سکوت کرنا صحیح ہو سکے جیسا کہ زید قائم ہے۔ پھر مرکب تام کے دو قسم ہیں۔ کیونکہ اگر اسکو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہوں تو اسکو **خبر** کہتے ہیں ورنہ **انشاء** ہے۔ پھر انشاء کی کئی قسم ہیں **امر۔ نہی۔ استفہام۔ تمنی۔ ترجی۔ عرض**۔ وغیرہ۔ یا مرکب غیر تام ہے کہ بغیر دوسرے لفظ کے ملائے مطلب پورا نہو۔ اسکی بھی کئی قسم ہیں۔ یا تقییدی ہے اگر جزء ثانی اول کی قید ہے خواہ بطور اضافت کے جیسا کہ غلام زید۔ یا بطور صفت کے جیسا کہ رجل فاضل یا غیر تقییدی ہے۔

اور اگر جزء لفظ جزء معنے پر دلالت نکرے تو اسکو **مفرد** کہتے ہیں۔ پھر وہ مفرد اگر اپنی دلالت میں مستقل ہے اور اسکی ہیئت ترکیبیہ سے زمانہ حال۔ ماضی۔ مستقبل نہیں سمجھا جاتا تو اسکو **اسم** کہتے ہیں اور اگر اسکی ہیئت ترکیبیہ سے زمانہ سمجھا جاتا ہے تو اسکو **فعل** اور منطقی **کلمہ** کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں کہ جسکو عرب فعل کہتے ہیں ان سب کو منطقی کلمہ کہتے ہوں۔ کیونکہ حاضر اور متکلم کے صیغہ جیسا کہ تمشی و امشی۔ عرب کے نزدیک فعل ہیں۔ مگر منطقی انکو کلمہ نہیں کہتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ مرکبات میں داخل ہیں احتمال صدق و کذب رکھتے ہیں تمشی کی ت مخاطب پر۔ اور ہمزہ امشی میں متکلم پر دلالت کرتے ہیں برخلاف یمشی غائب کے صیغہ کے۔ کیونکہ ی میں محکوم علیہ پر دلالت کرنے کی صلاحیت نہیں کسلیئے کہ کبھی اسکا فاعل ظاہر بھی ہوتا ہے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳۲) ایک گروہ کہتا ہے کہ واضع یعنے معین کرنے والے انسان ہیں انکی ضرورت وقت انکو ایک شے کے لئے جو پیش آتی ہے اپنی زبان کے مذاق کیموافق کسی نہ کسی مناسبت سے جیسا کہ ایک گروہ علماء کا خیال ہے یا بغیر کسی مناسبت کے کوئی نہ کوئی لفظ وضع کرنا تعلیم کر دیتی ہے اور یہ سلسلہ تعلیم کسی قوم کسی زمانہ تک محدود نہیں۔ میرے خیال میں یہ آتا ہے کہ ایک حد تک دونوں گروہ کا قول صحیح ہے۔ ابتداء آفرینش میں جو موجود اشیاء کے نام حضرت آدم کو تعلیم فرمائے ہوں اور بعد میں انسانی ضرورت کے ساتھ یہ سلسلہ تعلیم متعلق ہو گیا ہو جو الفاظ کسی معنی کے لیئے موضوع نہوں انکو مہمل کہتے ہیں ۱۲ منہ

اور اگر کسی معنے پر مستقلاً دلالت نکرے تو وہ **حرف** ہے اور منطقی اسکو ادات کہتے ہیں۔ جسکی جمع ادوات آتی ہے +

پھر **اسم** کی کئی قسمیں ہیں۔ کیونکہ اس کے ایک ہی معنے ہیں یا ایک سے زائد ہیں۔ اگر اس کے ایک معنی ہیں تو اگر وہ معنی مشخص ہیں اور وہ ضمیر اسم اشارہ مھود بھی نہیں۔ جیساکہ عربی میں انت ہذا الرجل ہے تو اسکو **علم** کہتے ہیں اور اگر معنی مشخص نہیں بلکہ کلی ہیں۔ جیساکہ الانسان پھر اگر وہ سب افراد میں برابر ہیں تو اسکو **متواطی** کہتے ہیں اور اگر تفاوت ہے تو اسکو **مشکک** کہتے ہیں جیساکہ سیاہ کا لفظ اس کے افراد مساوی نہیں کیونکہ بعض جگہ تیز سیاہی ہوتی ہے بعض جگہ ہلکی۔ اور اگر اس اسم کی کے متعدد معنی ہیں پھر اگر وہ سب کے لئے برابر وضع کیا گیا ہے تو اسکو **مشترک** کہتے ہیں جیساکہ عربی میں لفظ عین جیسے چشمہ۔ آنکھ۔ گھٹنے وغیرہ کئی معنے ہیں۔ اور اگر سب کے لئے برابر وضع نہیں کیا گیا۔ اب اگر اسکے پہلے وضعی معنے متروک ہو گئے ہیں اور دوسرے معنی میں مستعمل ہو رہا ہے تو اسکو **منقول** کہتے ہیں اگر ناقل عرف عام ہے تو اسکو منقول عرفی کہتے ہیں۔ جیساکہ عربی میں لفظ دابہ واضع نے تو اسکو ہر ایک زمین پر چلنے والے کیلئے وضع کیا تھا مگر اب عرف عام میں وہ معنے چھوٹ گئے ان میں سے خاص گھوڑے خچر گدہے پر استعمال ہونے لگا اور اگر ناقل شرع ہے تو اس کو منقول شرعی کہتے ہیں جیساکہ لفظ صلوٰۃ واضع نے خاص دعا کے لئے وضع کیا تھا۔ مگر شرع نے اسکو نماز کے لئے مخصوص کر لیا۔ اسیطرح زکوٰۃ۔ صوم۔ وغیرہ ہیں اور اگر ناقل کوئی گروہ خاص ہے تو اسکو منقول اصطلاحی کہتے ہیں جیساکہ ہر ایک جماعت کے مصطلحات مثلاً مرفوع لغت میں بلند کو کہتے تھے۔ مگر نحویوں کے گروہ نے جسپر ضمہ ہو اسکے لئے مخصوص کر دیا۔

اور اگر پہلے معنے متروک نہیں ہوئے تو اول معنے میں اسکو **حقیقت**۔ اور

دوسرے معنی میں مجاز کہتے ہیں جیسا کہ لفظ شیر واضع نے تو اسکو ایک درندے کے لئے وضع کیا ہے۔ مگر بہادر کو بھی شیر کہتے ہیں اور درندے پر اسکا اطلاق حقیقی اور بہادر پر مجازی ہوگا۔ دو لفظ۔ اگر ایک معنی رکھتے ہیں تو ان کو **مترادف** اور جو جداگانہ معنی رکھتے ہیں تو ان کو **مباین** کہتے ہیں۔ مترادف جیسا کہ مطر و غیث۔ دونوں کے معنی بارش کی ہیں۔ اسد و لیث دونوں کے معنی شیر کے ہیں۔ مباین جیسا کہ حجر و شجر بر و بحر۔

کسی لفظ کو اس کے اصلی معنی چھوڑ کر دوسرے میں اطلاق کرنا بغیر کسی باہمی علاقہ کے درست نہیں۔ اسلئے اس قسم کے علماء نے پچیس علاقہ قرار دیئے ہیں۔ مشابہت۔ مسببیت سببیت۔ کلیت۔ جزئیت لازمیۃ۔ ملزومیت۔ تقیید۔ اطلاق۔ عموم۔ خصوص مجاورۃ۔ اول الیہ۔ کون فیہ۔ حالیت۔ محلیت آلیت الشی بدلیت احدہما عن الآخر تضاد وغیرہ ان میں سے صرف ایک علاقہ مشابہت کے سبب اگر ایک لفظ دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے تو اسکو **استعارہ** کہتے ہیں باقی اور علاقات ہیں **مجاز مرسل** +

استعارہ

یہی مجاز کی ایک قسم خاص ہے جسمیں علاقہ تشبیہ ہے۔ جیسا کہ شیر بول کر بہادر مراد لینا مجاز ہے کسلئے کہ دونوں کو شجاعت میں مشابہت ہے۔ اور جب کسی مقام پر لفظ کے حقیقی معنے درست نہو سکیں۔ اور کوئی قرینہ حقیقی معنی سے مانع ہو جیسا کہ شیر لکھ رہا ہے۔ لکھ رہا ہے قرینہ ہوا کہ شیر کے اصلی معنی مراد نہیں۔ تب کسی علاقہ کی وجہ سے مجاز قرار دیا جاوے گا اور بغیر قرینہ کے معنے مجازی ہرگز مراد نہ لئے جائیں گے +

استعارہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں اول مستعار وہ لفظ کہ جو دوسرے معنی کیلئے مانگ لیا گیا ہے۔ دوئم مستعار منہ کہ جس سے وہ لفظ مانگا گیا ہے یعنے اس کے اصلی معنے سے جو مشبہ بہ ہے سوئم مستعار لہ جسکے لئے وہ لفظ مانگا گیا ہے۔

اور حق و باطل عقلی۔ ضُرِبَتْ عَلَیْہِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ۔ کہ یہود پر خدا کی طرف سے ذلت ڈالدی گئی ہے (یہہ بھی استعارہ ہے) وہ کہیں بھی بغیر رستے (عہد) خدا اور آدمیوں کے رہ نہیں سکتے حبل رسے کو کہتے ہیں اور یہہ ایک حسی چیز ہے مضبوطی و استحکام کی شرکت سے اس لفظ کا عہد کے لئے استعارہ ہوا ہے جو ایک امر غیر محسوس ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ کہ اے پیغمبر جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسکا بہانڈا پھوڑ دو یعنے صاف صاف کہدو صدع اصل میں برتن یا شیشے کے پھوڑ توڑ دینے کو کہتے ہیں اور یہ ایک حسی چیز ہے اسکا کسی بات کے افشا کرنے کے لئے استعارہ کیا گیا ہے اور یہ امر عقلی ہے اور تاثیر جو دونوں میں جامع ہے وہ بھی عقلی ہے۔ اب ایک تو یوں کہنا اور ایک یہ کہ جو کچھہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اسکو پہونچا دو۔ دونوں میں ایک زباں داں صاحب سلیقہ کے نزدیک بڑا فرق ہے۔ اسیلئے جب ایک عرب فصیح و بلیغ نے یہ آیت سنی تو وجد میں آکر زمین پر سجدہ کرنے کے لئے گر پڑا اور کہا میں اس متکلم کو سجدہ کرتا ہوں۔

اسیطرح ان آیات میں بھی محسوس کا معقول کے لئے استعارہ ہے اور جامع بھی عقلی ہے۔ یخوضون فی ایاتنا خوض اصل میں پانی میں غوطہ لگانا مگر اس کلام میں عیب جوئی و فکر کرنے کے لئے استعارہ کیا گیا ہے فنبذوہ وراء ظھورھم کہ یہود نے توریت کو پس پشت پھینکدیا۔ نبذ پھینکنے کو جو امر حسی ہے بے پروائی اور عمل نکرنے کے لئے جو امر غیر محسوس ہے استعارہ کیا۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْوٰی۔ یَبْغُوْنَہَا عِوَجًا۔ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ۔ وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ۔ اور صدہا آیات اس قسم کے استعارات سے پر ہیں۔

(۵) ایک امر غیر محسوس کا محسوس کے لئے استعارہ کرنا اور جامع بھی غیر محسوس ہو

جیساکہ ان آیات میں۔ انا لما طغی الماء مستعار منہ تکبر اور وہ غیر محسوس ہے اور مستعار لہ پانی کا جوش جو حسی ہے اور استعلا رجامع ہے جو غیر حسی ہے۔ تکاد تمیز من الغیظ۔ وجعلنا ایۃ النھار مبصرۃ۔ من الایات۔

استعارہ کی ایک دوسرے اعتبار سے یہ بھی تقسیم ہے یا وہ اصلیہ ہے۔ اگر اسم جنس کا استعارہ کیا گیا ہے جیساکہ پہلی مثالوں میں گزرا یا تبعیہ ہے اگر مشتقات اور فعل اور حروف کا استعارہ ان کے مشابہ دوسرے معنے کے لئے کیا گیا ہے حرف کا استعارہ فالتقطہ اٰل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا۔ کہ موسے کو فرعون کے خاندان نے (لو معترض صاحب اتقو آپ کی تسلی ہوئی بیوی کا نام نہیں خاندان کا ذکر ہے جسمیں بیٹی بھی داخل ہے) دریا میں بہتے ہوئے اوٹھالیا تاکہ ان کے بیئے انجام کار دشمن اور رنج بنے۔ اور رنج بننے کے لئے نہیں اُٹھایا تھا۔ بلکہ فرزندی کے لئے۔ مگر اس آیت میں ان کے اٹھانے پر جو عداوت و دشمنی مرتب ہوئی اسکو معلول کی علت پر مرتب ہونے کے ساتھ تشبیہ دیکر لیکون کے لام کا (جو مشبہ بہ میں علت کے لئے آیا کرتا ہے) استعارہ مشبہ کے بیئے کیا گیا ہے اب آیت کے یہ معنی ہونگے تاکہ انجام کار ان کا دشمن اور رنج کا باعث ہو۔

صاحب مطول اسکو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں کہ دل میں مثلاً عداوت کو علت غائیہ سے تشبیہ دی گئی اور بجز مشبہ کے اور کچھ ذکر نہ کیا گیا اور اسپر مخصوصات مشبہ سے متنبہ کر دیا اور وہ لام تعلیل ہے ایک اور اعتبار سے استعارہ کی یوں تقسیم ہے۔ یا تو کوئی چیز بھی مناسبات مستعار لہ و مستعار منہ سے ذکر نہو تو اسکو **استعارہ مطلقہ** کہتے ہیں یا ذکر ہو۔ پھر اگر مستعار منہ کے مناسبات مذکور ہیں تو اسکو **استعارہ مرشحہ** کہتے ہیں۔ جیساکہ اس آیت میں۔ اُولٰئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم کہ گمراہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور انکو اس تجارت میں نفع نہوا۔

اس مبادلہ کو تجارت سے استعارہ کیا اور تجارت کے مناسبات میں سے نفع ونقصان ہوتا ہے اسلئے نقصان کا ذکر کیا۔ یا مستعار لہ کے مناسبات ذکر کئے جائیں تب اسکو **استعارہ مجردہ** کہتے ہیں جیسا کہ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ۔ کہ اس قریہ کو کہ جسنے خدا کی نعمتوں کا کفران کیا تہا خدا نے بہوک اور خوف کا لباس چکھایا۔ پنہایا نہ فرمایا۔ اگر یہ فرمایا جاتا تو ترشیح ہو جاتی۔ گو وہ بہی بلیغ ہے مگر ادراک بالذوق ادراک باللمس کو شامل ہے نہ عکس یعنے ادراک لمس ادراک ذوقی کو شامل نہیں۔ پس اذاقہ یعنے چکہانے میں شدت مصیبت کیطرف استعارہ جس خوبی سے ہو سکتا ہے وہ پہنانے میں نہیں ہوتا۔ اور چکہانے سے مراد پہونچانا ہے کیونکہ مصائب پر چکہانے کا اطلاق عرف عرب میں بطور حقیقت کے ہوا کرتا ہے کہتے ہیں ذاق فلاں البوس والضر کہ فلاں نے سختی کا مزا چکہا۔ بعض کہتے ہیں یہاں دو استعارہ ہیں ایک تصریحیہ ہے اور وہ یہ کہ انسان پر بہوک اور مصیبت میں جو کچہہ حالت طاری ہوتی ہے اسکو لباس سے تشبیہ دیگئی ہے کہ جسطرح لباس ڈہانک لیتا ہے وہ حالت بہی ڈہانک لیتی ہے۔ دوسرا استعارہ مکنیہ ہے کہ جو کچہہ اثر ضرر اور الم معلوم ہوتا ہے اسکو کڑوی چیز کے چکہنے سے تشبیہ دیگئی ہے اسلئے اوسپر لفظ ذوق کا اطلاق ہوا (مطول)

ایک اور تقسیم ہے۔ تحقیقیہ۔ وتخئیلیہ۔ ومکنیہ۔ وتصریحیہ۔ تحقیقیہ وہ ہے کہ جسکے معنے حسًا معلوم ہو سکیں۔ جیسا کہ اذاقہا اللہ یا عقلاً جیسا کہ انزلنا الیکم نورًا ای بیانًا واضحًا اور اگر کسی چیز کو کسیکے ساتہ دلمیں تشبیہ دی جائے اور سوائے مشبہ کے اور کچہہ ذکر نکیا جاوے تو اس تشبیہ مضمر کو **استعارہ بالکنایہ** اور **استعارہ مکنیہ** کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں **استعارہ تصریحیہ** ہے اور خصوصیات مشبہ کا ذکر **استعارہ تخئیلیہ** ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں۔ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

عہد کو استحکام میں رستے سے دلمیں تشبیہ دی اور بجز عہد مشبہ کے ارکان تشبیہ میں سے
کچھ بھی ذکر نکیا یہ تو استعارہ بالکنایہ ہوا اور رستے پر دلالت کرنیوالا لفظ نقض ذکر
کرنا استعارہ تخیلیہ ہوا۔ ہمارے محاورے میں جب کسی حسین کو کوئی عیب لاحق ہوجاتا ہی
تو کہتے ہیں کہ چاند کو گہن لگ گیا۔ چاند کے ساتھ دلمیں معشوق کو تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ
ہے اور گہن لگنا خصوصیات مشبہ بہ یعنے چاند سے ہے آدمی کو گہن نہیں لگتا اس کا ذکر
استعارہ تخیلیہ ہوا۔ اسیطرح اذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف میں وہ حالت خوف
وجوع جو لباس کی طرح بدن پر طاری ہو جاتی ہے اسکو تلخ چیز سے تشبیہ دی یہ استعارہ
بالکنایہ ہوا۔ اور اذاقہا کا لفظ اسکے لئے تخیل ہوا +

اسیطرح **وفاقیہ** اور **عنادیہ** بھی استعارہ کے اقسام ہیں اول وہ ہے کہ مستعار لہ اور
مستعار منہ ایک چیز میں جمع ہو سکتے ہوں جیساکہ اومن کان میتا فاحیناہ یہاں
گمراہی کے لئے موت اور ہدایت کے لئے حیات کو استعارہ کیا ہے اور یہ دونوں وصف
یکے بعد دیگر ایک شخص میں جمع ہو سکتے ہیں۔ دوم وہ ہے کہ جمع نہو سکیں اور عنادیہ کے
اقسام میں سے استعارہ تہکمیہ و تملیحیہ ہے وہ یہ کہ ایک لفظ کو اس کے خلاف معنی کے
لئے استعارہ کیا جاوے جیساکہ فبشرھم بعذاب۔ کیونکہ بشارت کا لفظ نعمت کے
موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ یہاں انکی تحقیر کے لئے بمقام عذاب اجر کے معنی میں استعارہ
کیا گیا۔ استعارہ کی خوبی یہ ہے کہ الفاظ میں تشبیہ کی بو بھی نہ آئے اور دونوں میں
مشابہت واضح بھی ہو۔ اگر کوئی لفظ بھی تشبیہ پر دلالت کرنے والا مذکور ہوگا تو وہ
استعارہ تشبیہ گنا جائیگا +

تشبیہ لغت میں ایک چیز کو دوسری سے مشابہت دینا **اصطلاح**
علم بیان میں دو چیزونکا باہمی ایک وصف خاص میں اشتراک ظاہر کرنا ہے۔
جیساکہ شیر کا وصف خاص شجاعت اور آفتاب کا نور ہے۔ تشبیہ میں یہ بھی قید ہے کہ

کہ وہ نہ استعارہ بالکنایہ کے طور پر ہو نہ تجرید کے طور پر ہو نہ استعارہ تحقیقیہ کے طور پر ہو +
تشبیہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں (۱) مشبہ جسکو تشبیہ دیگئی (۲) مشبہ بہ جسکی ساتھ تشبیہ دیگئی
(۳) ادات تشبیہ وہ کلمات جنکی ساتھ تشبیہ بیان کیجاتی ہے۔ عربی میں کاف کاَنَّ وغیرہ
اُردو میں گویا۔ جیسا۔ وغیرہ۔ (۴) وجہ الشبہ وہ وصف خاص جسمیں تشبیہ دیگئی ہے جیساکہ
زید کالاسد۔ زید شیر جیسا ہے۔ زید مشبہ۔ شیر مشبہ بہ۔ کاف ادات تشبیہ۔ شجاعت
وجہ الشبہ جسمیں تشبیہ دیگئی +

تشبیہ کے اعتبارات مختلفہ سے بہت سے اقسام ہیں جنکے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں
علم بیان میں مشرح ہیں مگر مختصر اً یہہ ہے کہ وجہ الشبہ یا واحد ہے یا مرکب ہے یا متعدد اور پہلے
دونوں یا حسی ہیں یا غیر حسی اور تیسری حسی ہیں یا غیر حسی یا مختلف یہہ سات قسم پیدا
ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ یا حسی ہیں یا غیر حسی یا مختلف اٹھائیس قسمیں
پیدا ہوتی ہیں لیکن جب وجہ الشبہ حسی ہیں یہ قید لگا دیجائے گی کہ مشبہ اور مشبہ بہ بھی حسی ہوں
تو اس سے بارہ خارج ہو کر صرف سولہ باقی رہجائیں گی +

غرض تشبیہ سے اکثر تو مشبہ کیطرف عائد ہوتی ہے۔ کبھی اسکا ممکن الوقوع ہونا ثابت کیا
جاتا ہے یا اوس کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیساکہ ایک کپڑے کو دوسرے سے
سیاہی میں تشبیہ دیجائے یا اُس کے حال کی مقدار بیان کرنی مقصود ہوتی ہے قوت و ضعف
زیادتی کمی میں مثلاً کسی سیاہ چیز کو کالے کوّے سے تشبیہ دیجائے یا حال کی تقریر مقصود ہوتی
ہے جیسا کسیکے کام کا کوئی نتیجہ برامد نہوتا ہو اسکو پانی پر لکھنے سے تشبیہ دیجائے۔
ان چاروں صورتوں میں مشبہ بہ کا اوس وصف میں اکمل اور مشہور ہونا چاہئے۔ لیکن اسمیں
بعض علماء نے کلام کیا ہے جسکے محاکمہ کا یہ موقع نہیں۔ یا مشبہ کی خوبی بیان کرنی مقصود
ہوتی ہے جیساکہ کسی حسین کے بالوں کو سیاہی میں مشک سے تشبیہ دیجائے۔ یا اسکی قباحت
بیان کرنی مطلوب ہوتی ہے جیسا کسیکی آنکھ کو بلّی کی آنکھ سے تشبیہ دیجائے یا مشبہ کی

کوئی انوکھی اور نادر بات بیان کرنی مقصود ہوتی ہے اور کبھی مشبہ بہ کیطرف عائد ہوتی ہے۔ اور اسکی دو ہی صورتیں ہیں (۱) یہ کہ مشبہ بہ کی فضیلت کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسا کہ تشبیہ مقلوب میں اور وہ ناقص چیز کو مشبہ بہ بنا کر کامل کو اس سے تشبیہ دیجائے جیسا کوئی چاند کو اپنے معشوق کے موہنہ سے تشبیہ دے مقصد یہ ہوتا ہے کہ معشوق کا چہرہ چاند سے زیادہ منور اور خوبصورت ہے (۲) زیادتی تو مقصود نہیں مگر کسی وجہ سے مشبہ بہ کی شان کا اہتمام مقصود ہے جیسا کوئی بھوکا کیکے چہرہ کو نور میں چاند سے اور گولائی میں روٹی سے تشبیہ دے اور یہ ظاہر ہے کہ بھوکے کو روٹی کیطرف زیادہ اہتمام ہوتا ہے ؛

بلحاظ وجہ الشبہ تشبیہ کی تین قسم ہیں (۱) تمثیل وغیر تمثیل (۲) مجمل و مفصل (۳) قریب الفہم و لبعید الفہم۔ اور ادات تشبیہ کے لحاظ سے تشبیہ کی دو قسم ہیں (۱) **موکد**۔ یہ وہ ہے کہ جسمیں ادات تشبیہ کاف وغیرہا محذوف ہوں جیسا کہ یہ آیت وہی تمر مر السحاب اے مثل مر السحاب اور اس قسم میں سے یہ بھی ہے کہ مشبہ بہ کو مشبہ کیطرف مضاف کر دیا جاوے ادات حذف کرنے کے بعد جیسا کہ ماہ طلعت۔ گلرو شمشاد قد۔ (۲) **مرسل** جسمیں ادات تشبیہ مذکور ہوں جیسا چاند سا موہنہ۔

اب قرآن مجید کی تشبیہات کو ملاحظہ فرمائیے کہ حسن و خوبی میں اعجاز کو پہونچ گئی ہیں بعض علماء نے خاص اس فن میں کتابیں لکھی ہیں اور قرآن کی تشبیہات کا کمال دکھایا ہے نمونہ کیطور پر چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا۔ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۔ اول تشبیہ مرکب ہے منافقوں کے حال کو ایک آگ روشن کرنے والے اور روشنی کے فوائد پا کر اس کے جلد گم ہو جانے اور اس شخص کے اندھیریوں میں حیران و پریشان رہجانے کے ساتھ تشبیہ دیگئی ہے اس تشبیہ کے جملہ اعتبارات مذکورہ کو ملاحظہ فرمائے کس خوبی کے ساتھ بلاغت کے سانچے میں ڈھالے گئے ہیں۔ دوسری میں ان کے حال کو ایسے لوگوں کے حال سے تشبیہ دی ہے

کہ جنپر بارش اور گھنگھور گھٹا چھائی ہو جسمیں کڑک اور چمک بھی ہو اوہر تو ان کے دلوں میں بارش
کے منافع کی خوشی بھری ہوئی ہے کہ جو ان کے رزق و روزی کا سامان ہے اودہر کڑک
اور چمک سے دل لرز رہا ہے۔ کڑک کے مارے کانوں میں اونگلیاں ڈال رہے ہیں۔
کہ سنائی نہ دے چمک سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں کہ اندہیریوں میں دو چار قدم رستہ بھی
طے کرتے ہیں۔ مگر اس فائدہ کے ساتھ خوف بھی ہے کہ چمک سے آنکھیں چوندہیائی جا رہی
ہیں عجب حال ہے۔ دونوں تشبیہوں میں ک مشبہ بہ پر داخل ہے اول میں مذکور پر دوسرے
میں مقدر پر جو زور ہے یہ مشبہ منافقوں کا حال مشبہ بہ گھٹائیں جنمیں کڑک اور چمک ہے۔
یایہا الذین امنو اکونوا انصار اللہ کما قال عیسے بن مریم للحواریین
من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ یہاں مسلمانوں کو انصار اللہ
ہو جانے کی تشبیہ دی ہے اور مشبہ بہ حواریوں کا مجرد حضرت عیسے علیہ السلام کے فرمانے سے
حواریوں کا انصار اللہ ہو جانے کا اقرار کرنا ہے چونکہ مشبہ بھی مجموعہ ہے اسلئے مجموعہ پر کا ف
تشبیہ کما قال الخ وارد ہوا۔ اور یہ کمال بلاغت ہے مثل الذین حملوا التورٰیۃ ثم
لم یحملوہا کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ یہود کو جو حامل توریت اور اس کے عامل نہیں
گدہے سے تشبیہ دی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں مشبہ ایک قوم کا حال جو مقید ہے
بعدم العمل مشبہ بہ گدہا جو مقید ہے بحمل اسفار۔ وجہ الشبہ عدم انتفاع جو دونوں میں مشترک ہے
عقلی ہے اور تشبیہ بیان حال کے لئے واقع ہوئی ہے اسلئے مشبہ بہ میں عدم انتفاع اتم اور
اس صفت میں اشہر بھی ہے اور کاف تشبیہ مشبہ بہ مرکب سے ملا ہوا ہے واضرب لہم
مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلنہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض
فاصبح ہشیما تذروہ الریاح مشبہ دنیا کی زندگانی مشبہ بہ وہ نباتات جو آسمانی پانی
سے اوگتی ہیں دونوں مرکب وجہ الشبہ بھی مرکب وہ دنیا کی بہار اور پہر اوس کا جلد زوال
پذیر ہو جانا اسیطرح نباتات کی تازگی اور انکا جلد فنا پذیر ہو جانا۔ یہاں بھی کاف مشبہ بہ پر داخل

جسکو لفظ مثل تعبیر کیا ہے ۱۲ منہ

ہوا ہے۔ دونوں مشبہ اور مشبہ بہ کے مفردات میں بھی مشابہت ہے۔ آسمانی پانی کو انسانی
منی سے تشبیہ ہے مرد کو بالا رہنے کے سبب آسمان سے مادہ کو زیر رہنے کے سبب زمین
سے پیدا ہونے والے بچے کو نباتات سے انسان بلکہ دیگر حیوانات کے شباب کو نباتات
کی بہار اور نمو کامل سے۔ ان کے بڑھاپے کو نباتات کے زرد پڑ جانے سے حیوانات
کی موت کو نباتات کے زمین پر سے اوکھڑ جانے سے مرنیکے بعد حیوانات کے اجزا جسم
بوسیدہ ہوکر ہواؤں میں اُڑتے پھرنے کو نباتات کے چورا چورا ہوکر ہواؤں میں اوڑتے پھرنے
سے مشابہت ہے +

تمثیل اصلاح میں اوس مجاز مرکب کو کہتے ہیں کہ جسمیں استعارہ ہو۔ اور اسکو تمثیل
علے سبیل الاستعارہ کہتے ہیں۔ کسلئے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع کرکر
مشبہ بہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور مراد مشبہ ہوتا ہے۔ جیساکہ متردد ہوا اور اسکو کہیں تم تو
ایک پاؤں آگے اور دوسرا پیچھے رکھتے ہو۔ متردد کیحالت کو بطور مبالغہ کے اوس شخص
کے حال سے تشبیہ دیگئی ہے کہ جو جانے میں تردد کرتا ہے ایک پاؤں آگے
رکھکر دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اور کبھی اسکو مطلقاً تمثیل کہا کرتے ہیں۔ اور جب اس
مجاز مرکب کا بطریق استعارہ کے زیادہ اہل زبان میں استعمال ہو جاتا ہے (اور اسمیں
کوئی انوکھی بات بھی ہوتی ہے) تو اسکو **مثل** کہتے ہیں۔ جسکی جمع امثال آتی ہے۔ اور
اردو میں اسکو **کہاوت** کہتے ہیں۔ مثل میں کوئی تغیر کرنا جائز نہیں جسطرح اس کا
استعمال ہوا اوسیطرح ذکر کرنا چاہیئے اور جس کے لئے وہ مثل بنی ہے (جسکو مضرب
کہتے ہیں) اسکیطرف التفات نہیں کیا جاتا خواہ وہ مرد کے لئے بنی تھی یا عورت کے
لئے خواہ ایک کے لئے یا دو کے لئے یا جمع کے لئے۔

کنایہ لغت میں مصدر ہے کہتے ہیں کنیت بکذا عن کذا وکنوت اذا ترکت التصریح
یعنے صراحت کی کوئی بات کہنا اور اصطلاح میں ایک لفظ بولکر اسکے

معنے کا لازم مراد لینا جہاں معنے اصلی کا مراد لینا بھی ممکن ہو مفتاح میں ہے کہ کلمہ کے یا تو صرف اصلی معنی مراد لئے جاتے ہیں یا غیر اصلی یا دونوں اول صورت میں حقیقت ہے دوسری میں مجاز تیسری میں کنایہ۔ سکاکی نے کنایہ اور مجاز میں یہ فرق کیا ہے کہ کنایہ میں لازم سے ملزوم کیطرف جاتے ہیں جیسا کہ لمبے کرتے والا۔ بولکر طویل القامت مراد لیا جائے طویل القامت ملزوم لمبا کرتا لازم اور مجاز میں ملزوم سے لازم کیطرف جاتے ہیں جیساکہ شیر بولکر جو ملزوم ہے شجاعت سمجہیں جو لازم ہے۔ مگر اسپر صاحب تلخیص نے اعتراض کیا ہے ✣

کنایہ کی تین قسم ہیں (۱) یہ کہ اوس سے نہ کوئی صفت مقصود ہو نہ نسبت بلکہ صرف مکنی عنہ کی ذات پہر کبہی ایک صفت مخصوص ذکر کر کے مکنی عنہ کی تعین ہوتی ہے۔ جیسا کوئی شخص کسی ایک وصف میں مشہور ہو اور وہی ذکر کیا جاوے تاکہ وہ موصوف سمجہا جاوے اور کبہی چند صفات سے موصوف معین کیا جاوے جیسا کہ اس آیت میں فاکتبها للنبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندہم فی التورٰیۃ والانجیل یامرہم بالمعروف وینہاہم عن المنکر الآیہ مقصود ان اوصاف سے آنحضرت صلعم ہیں اور لطف اسطرح کے کنایہ میں یہ ہوتا ہے کہ ان عمدہ صفات کو مکنی عنہ میں ثابت کر کے جنکا مخاطب بہی انکار نہیں کر سکتا بطور برہان مکنی عنہ بنایا جاتا ہے یہ بات ان کے نام لے دینے میں حاصل نہیں ہوتی۔ (۲) یہ کہ اسکی کوئی صفت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ طول قامت شجاعت وغیرہ پہر اسکی بہی دو قسم ہیں اول کنایہ **قریبہ** کہ بغیر وسائط کے موصوف کیطرف ذہن منتقل ہوجاوے پہر اسکی دو قسم ہیں ایک واضحہ کہ بلا تامل ذہن منتقل ہوجائے دوئم یہ کہ بتامل منتقل ہو اسکو خفیہ کہتے ہیں دوئم **بعیدہ** کہ وسائط کثیرہ کے ذریعہ سے ذہن منتقل ہو جیسا کہ کثیر الرماد یعنے بہت راکہہ والا بولکر اسکی سخاوت سمجہی جاوے کس لئے راکہہ کی کثرت سے اول ذہن بہت لکڑیاں جلنے کیطرف منتقل ہوتا ہے پہر اوس سے

بہت کہانا پکنے کیطرف پہر اوس سے بہت مہمانوں کیطرف۔ پہر اوس سے مہمان نوازی اور سخاوت کیطرف جن استعارات وکنایات میں بہت مشکل سے مراد کیطرف ذہن منتقل ہو۔ وہ بلاغت کی شان سے بعید ہیں انکو لغز (جسکی جمع الغاز آتی ہے) اور معما کہتے ہیں جنکا استعمال کبہی کسی مصلحت سے بلیغ وفصیح بہی کیا کرتے ہیں (۳۳) اوس کنایہ سے کوئی نسبت مقصود ہوتی ہے یعنے کسی چیز کا اثبات یا اسکی نفی۔

سکاکی کہتے ہیں کہ کنایہ جب عرضیہ ہو تو اسکو تعریض کہنا مناسب ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ تعریض یہ ہے کہ کسی کلام سے ایسی بات پیدا کیجائے جو مذکور نہو جیسا کوئی حاجتمند کسی سے کہے کہ میں آپ کو سلام کرنے آیا ہوں جس سے طلب حاجت مقصود ہو جو کلام میں مذکور نہیں۔ اور جب کنایہ میں وسائط کثیرہ ہوں تب اس کو تلویح کہنا چاہئیے۔ تلویح میں غیر کیطرف دور سے اشارہ ہوتا ہے۔ اور جب لازم و ملزوم میں خفا ہو اور وسائط بہی کم ہوں تب رمز کہنا چا[illegible] قریب کیطرف مخفی اشارہ ہوتا ہے اور وسائط کم ہونے کی صورت میں اگر لازم و ملزوم میں خفا نہو تب اسکو ایما اور اشارہ کہنا چاہئیے +

اب ہم دکہاتے ہیں کہ قرآن میں بلاغت کے لئے۔ مجاز۔ تشبیہ۔ استعارہ۔ کنایہ کا کس کس خوبی کے ساتہ استعمال ہوا ہے +

واضح ہو کہ مجاز و استعارہ وکنایہ جس طرح مفردات میں ہوتا ہے اسیطرح مرکبات میں بہی اور حروف و آدوات کلام میں بہی۔ کبہی ایک کلمہ کے اعرابی تغیر پر بہی مجاز کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ تغیر کسی لفظ کے حذف کرنے سے پیدا ہوا ہو یا زدہ کر دینے سے جیساکہ جاء ربک واسئل القریۃ۔ لیس کمثلہ شئے پہلی صورت میں جاء امر ربک تہا اوس آنے والے واقعہ کی عظمت بتانے کیلئے امر کو حذف کر کے اس مجیئت کو خدا کی طرف اسناد کر دیا۔ دوسری صورت میں واسئل اہل القریۃ

بتا اگر یہ بات بتانے کے لئے کہ ان برباد شدہ گاؤں کے اب اہل اور بسنے والے
کہاں ہیں جو کوئی ان سے انکے گزشتہ عبرتناک واردات پوچھے اہل کے لفظ کو حذف
کر کے یہ بتا دیا کہ ان اجڑی ہوئی بستیوں ہی سے پوچھو کہ وہ زبان حال سے کیا جواب
دیتی ہیں۔ تیسری صورت میں لیس مثلہ شئی۔ بتا اگر مما تلت۔ خالق و مخلوق کی نفی تاکید
کرنی مقصود تھی کنایہ کے طور پر لفظ کمثلہ ٹھہرا دیا۔ بولتے ہیں مثلک لا یبخل کہ آپ
جیسا شخص بخل نہیں کیا کرتا۔ مراد اسکی ذات ہوتی ہے کہ آپ بخل نہیں کیا کرتے۔ اس طرح سے
تعبیر کرنے میں بخل کی نفی زیادہ ہو جاتی ہے۔ کسلئے کہ الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ فصحا کا
مشہور و مسلم مقولہ ہے۔ اسیطرح بل یداہ مبسوطتان میں اسکا جو مقصود ہے کسلئے کہ
عرف میں سخی جو کچھ دیتا ہے ہاتھوں سے دیتا ہے اسلئے فراخدستی ثروت وجود سے
کنایہ ہے اور تنگدستی افلاس اور بخل سے اصلی معنی کیطرف ایسے الفاظ میں التفات
بھی نہیں ہوا کرتا کیونکہ افلاس اور بخل پر خواہ کسیکے کتنے ہی لمبے چوڑے ہاتھ ہوں کچھ بھی
باعث مدح نہیں ہو سکتے +

(۱) خدا نے اپنی ذات و صفات کے بیان میں بھی استعارہ اور کنایہ سے کام لیا ہے
کسلئے کہ جس کا کوئی مثل ہو نہ وہ ممکنات کے سلسلہ میں داخل ہو نہ وہ محسوس ہو۔ نہ
ادراک خیالی اس تک پہونچ سکتا ہو نہ طائر وہم وہاں تک پرواز کر سکتا ہو۔ اس کی
ذات و صفات کی بندوں کے سامنے تصویر کھینچی جائے تو بندے بغیر استعارہ و
کنایہ کے سمجھ نہ سکیں الرحمن علی العرش استوی۔ ثم استوی علی العرش
ویحمل عرش ربك فوقهم یومئذ ثمانية ٥ یہ سب کنایات ہیں۔ ان سے یہ
لفظی معنے سمجھ لینا کہ واصل خدا ایک لکڑی یا سونے کے تخت پر جسکو آٹھ فرشتہ
اٹھائے ہوئے ہیں ایسا ہی بیٹھا ہے کہ جسطرح بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں ایک بڑی
غلطی ہے کیونکہ ان معنوں کی آیات تنزیہ لیس کمثلہ شئی۔ وغیرہا نفی کر رہی ہیں۔

کسلئے کہ ان معنی سے اسکی جسمیت اور جہت اور دیگر مماثلت مخلوق کے ساتہ ثابت ہوتی ہی جنسے وہ خود اپنی پاکی ظاہر فرماتا ہے۔ پہر یہ معنی لیکر قرآن پر اعتراض کرنا اور بہی غلطی ہے مفسرین نے جیساکہ امام رازی وصاحب کشاف ہیں ان معنے کا صاف انکار کر دیا ہی بلکہ یہ مراد ہے کہ اسکو اپنی مخلوق پر ایسا قبضہ وتصرف ہے کہ جیساکسی بادشاہ تخت نشین کو ہوتا ہے کہ جسکے تخت کو آٹہ نے اٹھایا ہو۔ ہر تخت کو چار پائے اٹھائے ہوتے ہیں مگر اسکا تخت اسلئے بہی زیادہ عظیم الشان ہے کہ اسکے آٹہ پائے ہیں بلکہ اوروں کے تخت کو چار چار شخص اٹھاتے ہیں تو اس کے تخت کو آٹہ۔ آٹہ کے لفظ کا ابہام اس عظمت کو ثابت کر رہا ہے۔ جسمیں آٹہ سو آٹہ ہزار آٹہ لاکہ آٹہ کروڑ آٹہ ارب آٹہ پدم پہر آٹہ فرشتے یا آٹہ جہات چار سفلی یعنے دنیاوی چار آسمانی سب کیطرف اشارہ ہو دنیا کی بڑی سے بڑی بادشاہ کے تخت کا قیام دنیا کی چار جہات مشرق مغرب جنوب شمال۔ کی وسعت حکومت پر ہوتا ہے۔ مگر اس کے تخت حکومت کا اس سے بہی دو چند جہات پر ہے اور قیامت کے روز جب وہ تخت عدالت پر جلوس فرمائے گا تو اس شان وشوکت سے ظہور کرے گا +

اسیطرح ید بمعنی دست۔ وجہہ بمعنی چہرہ ساق بمعنی پنڈلی۔ قبضہ داہنا ہاتہ۔ والارض قبضتہ والسماء مسطویات بیمینہ یوم یکشف عن ساق۔ ویبقے وجہ ربک۔ سب کنایات اور استعارات ہیں۔ جنکے معنے اسکی ذات اور اسکا قبضہ قدرت ہیں +

ف۔ علماء اسلام کے متقدمین نے بہی ان الفاظ کے وہ معنی مراد نہیں لئے ہیں جو اسکی تقدیس کے خلاف ہوں بلکہ یہ کہدیا ہے کہ ان الفاظ پر ہمارا ایمان ہے یہ متشابہات میں سے ہیں جنکا علم اسیکو ہے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ان کے جو کچہ معنے علم الہی میں ہیں انکا انکار کرنا ممنوع ہے متاخرین نے جبکہ اوہام عوام خلاف تقدیس لفظی معنے کیطرف جانے لگے تو ان کنایات کے مرادی معنی بیان فرمادیئے علماء کلام کے محققین اسیطرف گئے ہیں امام رازی وغیرہ ۱۲ منہ

(۳) اسیطرح ملائکہ خصوصاً جبرئیل وغیرہ عالم مجردات کی اشیاء کے حالات بیان کرنے میں بھی استعارات وکنایات کا استعمال ہوا ہے۔ انکے لئے جو دو دو اور تین تین ۔ اور چار چار بازو بیان فرمائے ہیں۔ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ خود قرینہ رسالت بتارہا ہے کہ اس سے انکی قوت وسرعت سیر مراد ہے جو پیغام واحکام رسانی اور قضاؤ قدر کے احکام کی تنفیذ کے لئے ضروری بات ہے اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ در اصل وہ جیل۔ کوؤں کی مانند پرند ہیں ان کے چونچ پنجے بھی ہیں اور جبرئیل تو ایک بہت بڑے پرند ہیں جنکے چھ سو بازو بتائے گئے ہیں ایک صریح غلط فہمی ہے اور اسپر اعتراض اور بھی سفاہت ہے کسی[1] مخالف کو حق نہیں کہ وہ قرآن میں سے استعارہ ومجاز وکنایہ کو نکالکر آپ اپنی طرف سے کوئی معنی اعتراض جمانے کے لئے پیدا کرے۔

(۳) اسیطرح جہاں کہیں قرآن میں تضیل کا انتساب اپنی ذات مقدسہ کیطرف کیا ہے کہ وہ جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور فلاں کو گمراہ کر دیا۔ اور ان کے دلونپر مہر کردی اور ان کی آنکھونپر پردہ ڈالدیا یہ سب مجازات ہیں کہ مسبب بولکر سبب مراد لئے گئے ہیں کہ خدا جو کل مخلوق جواہر واعراض کا خالق ہے اسنے اسباب ضلالت بھی پیدا کر دیئے جنکو وہ استعمال میں لاکر گمراہ ہوئے اور انکی آنکھونپر پردے پڑ گئے دلونپر گمراہی کی

[1] فرقہ آریہ کے بانی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش وغیرہ میں مجاز وغیرہ تسلیم کرلیا ہے اور وہ کیونکر تسلیم نہ کرتے انہوں نے تو ویدوں کے تمام دانغ دھبوں کو تاویلات رکیکہ کے ہی پانی سے دھونا چاہا ہے ان تاویلات کی بنیاد کاش استعارہ کنایہ مجاز پر ہوتی اور وہ ان چیزوں کو جہاں انہوں نے ویدوں کے مطالب کو بدلا ہے دکھاتے اور زبان والوں سے ثابت کر دیتے تو ایک بات تھی مگر وہ ایسا کر نہیں سکتے تھے۔ مخالفو کا موتہہ بند کرنیکے لئے یہ تو کہدیا کہ سیاق وسباق کے ملانیسے جس کلام کے معنی اس کلام کے ماننے والے بیان کرتے ہوں اسکے خلاف معنی پیدا کرنے کا مخالف کو حق نہیں مگر ان کے مریدوں کو ہے ۱۲ منہ

مہر ہو گئی۔ انکی ان اسباب کو باختیار خود عمل میں لانے کی مذمت بیان کرنے کے لئے ان کے مُسبّب ضلالت وغیرہ کو اپنی طرف اسناد کیا۔ اور اسباب ضلالت اس عالم امتحان و اختیار میں پیدا کرنا اوس قدوس کے لئے کوئی بھی عیب اور نقص نہیں۔ مجاز کو چھوڑ کر حقیقی معنے لیکر قرآن پر الزام لگانا ایک سخت کوڑ مغزی ہے ؛۔

(۴) اسیطرح احکام سعادت کی ترغیب دلانے کے لئے بھی قرآن میں استعارہ وکنایہ کا استعمال ہوا ہے جیسا کہ من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً۔ واقرضوا اللہ قرضاً حسناً ۰ کہ خدا کو قرض حسن دو۔ قرآن کی دیگر آیات لہ ما فی السماوات والارض۔ واللہ الغنی وانتم الفقراء۔ کہ جو کچھ اسمانوں اور زمین میں ہو سب اسکا ہے اور تم فقیر ہو اللہ ہی غنی ہے وللہ خزائن السماوات والارض۔ اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے۔ اس معنی حقیقی سے کہ در اصل خدا محتاج ہے بندوں سے قرض مانگتا ہے۔ دو گنے چوگنے دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ مانع آرہی ہیں اور یہ ایک قرینہ صارفہ ہے۔ بلکہ بندونکے لئے استحکام اجر کے لئے لفظ قرض سے استعارہ کیا گیا ہے۔ یعنی جیسا کسی معتبر کو قرض دینے میں مع منافع واپس آنے کا اطمینان ہوتا ہے۔ اسیطرح خدا کی راہ میں صرف کرنے پر دنیا اور دار آخرت میں اصل اور نفع کثیر حاصل ہونے کا اطمینان خدا پرست کو دلایا جاتا ہے۔ اس وجہ الشبہ سے لفظ قرض انفقوا کے لئے استعارہ کیا گیا اب اسکے حقیقی معنی پر پھکڑ اوڑانا ایک سخت سفیہانہ حرکت ہو۔

(۵) اسیطرح برے اعمال کی جزاء کو تہدیداً بر سبیل مشاکلت کبھی انہیں الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ جن سے ان کے اعمال بد تعبیر کئے گئے۔ اور یہ فصیح و بلیغ لوگوں کا عام محاورہ ہے۔ فارسی میں بھی ہے۔ سعدی فرماتے ہیں ؎ بدی را بدی سہل باشد جزاء۔ حالانکہ بدی کی جزاء بدی نہیں ہوتی مگر بر سبیل مشاکلت اوس پر بھی بدی کا لفظ اطلاق ہوا اُردو میں بھی کہتے ہیں بدی کا بدلہ بد ہے قرآن نے بھی اسی بلاغت کی رعایت سے

اعمال بد کی جزا پر انہیں اعمال بد کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ کہ انہوں نے مکر کیا اللہ نے بھی ان سے مکر کیا یعنے مکر کی جزا دی اور اللہ بہت بڑا مکر کرنیوالا ہے۔ یعنے مکر کی بڑی جزا دینے والا ہے۔ اَللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اللہ بھی انسے دل لگی کرتا ہے یعنے وہ جو خدا کی باتوں پر تمسخر کرتے ہیں خدا ان کو اُن کے تمسخر کی سزا دے رہا ہے وَيَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَاَكِيْدُ كَيْدًا۔ کہ وہ داؤ اور فریب کر رہے ہیں میں بھی انکے فریبوں کی جزا دے رہا ہوں۔ اب اس استعارہ یا مجاز کو جسمیں صنعت مشاکلت ہے جو بلغا میں قابل قدر ہے حقیقت پر محمول کر کے۔ قرآن پر الزام لگانا اور قرآنی خدا کو فریبی مکار مسخرہ کہنا۔ اگر ایک سفاہت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ہیں فرقہ آریہ کے وہ بڑے اعتراض جنکو وہ اپنی آبائی تہذیب اور قومی اور ملکی شرافت سے کن کن فحش اور بیہودہ الفاظ میں اسلام اور قرآن پر وارد کیا کرتے ہیں۔

وضح ہو کہ تصریح چھوڑ کر کنایہ تعریض کرنے کے چند اسباب ہوتے ہیں (۱) یہ کہ وہاں تصریح خلاف تہذیب ہوتی ہے اسلئے جماع کو لمس سے تعبیر کیا لٰامستم النسآء کہ اگر عورت کو چھوؤ یعنے جماع کرو۔ اسیطرح پائخانہ کو غائط سے تعبیر کیا (غائط مکان مطمئن)

ف سیات بھی خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور یہ اس کے لئے کوئی عیب نہیں اب جو کوئی نادان باوجود ممانعت کے سنکھیا کھائے تو اسکی سرکشی کی قباحت بیان کرنے کے لئے یہ کہدینا کہ خدا نے اسکو کھلا دیا اسکا نوشتہ ازلی اس بدنصیب پر غالب آگیا کوئی عیب نہیں اس سے یہ سمجھ لینا کہ خدا سنکھیا کھلاتا ہے اور آپ ہی کھانے سے منع بھی کرتا ہے روکنے کے لئے کتابیں اور انبیاء بھی بھیجتا ہے عجیب بات ہے نہایت بدفہمی ہے اسمیں شبہ نہیں کہ خدا علیم و خبیر ہے اسکو مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے بھی علم تھا کہ یہ ایسی ہوگی اور ایسا ایسا ظہور میں آئیگا۔ اب اسکا یہ علم ازلی جسکو تقدیر اور نوشتہ کہتے ہیں بندوں کے اختیار و قدرت کو جسقدر اسنے ان کے افعال ارادیہ کے لئے عطا کیا ہے کچھ بھی منافی نہیں نہ ان کے اختیار کو باطل کرتا ہے نہ انکی قدرت میں فرق لاتا ہے۔ دنیا میں کتابیں نازل فرمانا۔

ہمارے محاورے میں اگر کوئی یوں کہے کہ ہگنے گیا تو برا معلوم ہوتا ہے برخلاف اس کے یہ کہنا کہ بیت الخلاء گیا ایک مہذب کلام ہے ان باتوں کی قرآن میں بہت رعایت ہے اسیطرح حضرت مریم کی عصمت کو پاکدامنی سے تعبیر کیا۔ احصنت فرجہا۔ فرج چاک دامنی وگریبان یعنے اپنے دامن کو مستحکم و مضبوط رکھا مگر مراد ستر خاص ہے۔ اسیطرح فنفخنا فیہا من روحنا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جبرئیل نے انکے گریبان میں پہونکدیا تہا ستر خاص مراد نہیں جیکو نہایت بے تہذیبی تہی۔ (اتقان)۔

(۲) کبہی پردہ پوشی کرنا مقصود ہوتا ہے نام لے دینے میں کسیکا عیب ظاہر ہو جاتا ہے اسلیے قرآن میں اعداء دین کا نام نہیں لیا گیا صرف ان کے صفات ذمیمہ ذکر فرمائے تاکہ سمجہنے والے سمجہ جائیں اور ان کی رسوائی نہو کا فروں۔ منافقوں سے کنایہ ہی میں خطاب ہوا ہے اسیلئے مفسرین ان کے نام بتانے میں مختلف الاقوال ہو جاتے ہیں۔

(۳) کبہی کیسکے صفات حمیدہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے اسلئے ان کے صفات حمیدہ مذکور ہوتے ہیں نام نہیں لیا جاتا جیساکہ دین میں جانبازی کرنے والوں صحابہ واہل بیت کے محامد بیان کرنے میں کیا گیا جس سے انصار ومہاجرین مراد ہیں۔

(۴) کبہی تصریح میں مخاطب کی رنجیدگی کا خوف ہوتا ہے اسلئے کنایہ وتعریض سے کام لیا جاتا ہے جیساکہ مالی لا اعبد الذی فطرنی میں ذکر تو اپنا کیا کہ مجہے کیا ہوا۔ کہ میں اسکی عبادت نکروں کہ جسنے مجہے بنایا اور مراد اس سے مخاطب ہیں کہ تم کیوں اس کے عبادت نہیں کرتے جسکی طرف والیہ ترجعون میں اشارہ کر دیا کہ تم سب کو اسکے پاس جانا ہے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵۲) انبیاء علیہم السلام سمجہا جو اسکی سرا سر حسرت ہے بندوں کو خداداد اختیار اور قدرت ہی پر مبنی ہے پہر جس بات کو کتاب اور نبی بندے کے حق میں بری جانکر منع کرے اور وہ بندہ اوس سے منع ہو جانیکی قدرت بہی رکہتا ہو۔ اور پہر بتعصب بازنہ رہے وہی سنکہیا کہائے تو اب اسکی اس سرکشی کو بطور حسرت و افسوس کے یہ کہنا کہ خدا ہی نے اسکو سنکہیا کہلائی خدا ہی نے اسکی آنکہوں پر پردا ڈالا۔ بلحاظ اسباب پیدا کرنے کی کوئی بہی عیب نہیں ۱۲ منہ

پھر اس آیت میں اپنی تعریض ہے اتخذ من دونہ الہۃ الایہ کہ کیا میں خدا کے سوا اور کوئی اور معبود بنا لوں کہ جو اللہ مجھے ضرر دینا چاہے تو وہ معبود کچھ کام بھی نہ آسکے یعنی تم نے ایسی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے اور اس آیت میں لئن اشرکت لیحبطن عملک الایہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف اور مراد اور لوگ ہیں تاکہ شرک کی قباحت اور اسکے نتیجہ بد سے وہ متاثر ہوں۔

ایسے ہی مواقع پر توریہ و ابہام سے کام لیا جاتا ہے کہ ذو معنی بات کہدیجاتی ہے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ ڈالا اور بڑے بت کو رہنے دیا اور جب قوم نے پوچھا تو کہدیا فعلہ کبیرہم۔ کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے جس سے بڑے بت اور سب سے بڑے خدا تعالی دونوں کیطرف اشارہ ہوسکتا ہے اور اس میں اپنی تعریض تھی کہ ان بتوں سے برتر ایک اور ذات مقدسہ ہے جو اس پر قادر ہے اسکو نہ پوجنا عین حماقت ہے اسیطرح انی سقیم میں بھی توریہ تھا کہ میں بیمار ہوں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا اور یہ بھی کہ تمہاری بیہودہ باتوں سے میرا دل بیمار رہا ہے۔ اسیطرح مصری جبار بادشاہ کے جواب میں اپنی بیوی سارا کو بہن کہنا بھی توریہ تھا کیونکہ وہ ان کے چچا کی بیٹی بھی تھیں۔ اسیطرح آفتاب ماہتاب کو قوم کے سامنے یہہ کہدینا کہ ہذا ربی۔ یہہ میرا خدا ہے۔ مخاطبوں پر تعریض تھی کہ یہ طلوع و غروب کرنے والی چیز جسکو تم پوجتے ہو (کیونکہ صابی انکو بھی پوجا کرتے تھے) میرا خدا نہیں بلکہ تمہارا معبود ہے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کسی حقیر شخص کو کہ جسکو مخاطب بادشاہ خیال کرتا ہو کہا جائے کہ یہ میرا بادشاہ ہے یعنی نہیں یا کوئی بری اپنی بات میں یہ کہے کہ میں ہی خطاوار ہوں یعنے نہیں بلکہ تم خطاوار ہو۔

(۵) یا کسی بات کا کسی مصلحت سے مخفی رکھنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ مقطعات قرآنیہ یعنے اوائل سورتوں میں جو حروف مفردات آئے ہیں جیسا کہ۔ الم۔ ص۔ ن۔ ق۔ حم۔ وغیرہا ان حروف سے جو مراد ہے اسکو خدا نے کسی مصلحت سے مخفی رکھنا چاہا ہے۔

اور اس کیطرف ان حروف سے اشارہ کر دیا ہے ۔

فصل

ہر کلام کی بلاغت کے لئے چند ایسے اصول ہیں کہ جنکی رعایت نکرنے سے کلام درجہ بلاغت سے دور جا پڑتا ہے ازانجملہ ایجاز و اطناب ہے یعنے حسب موقع کلام کو مختصر اور دراز کرنا۔ اسبات کی قرآن میں وہ رعایت ہے کہ جس کے بڑے بڑے بلیغ و فصیح قائل ہو گئے ہیں ۔ ایجاز کلام میں یا تو اختصار مناسب سے ہوتا ہے جیساکہ اس آیت میں فی القصاص حیوٰۃ اس موقع پر عرب میں یہ جملہ مشہور تھا۔ اور اسپر وہ فخر کیا کرتے تھے القتل انفی للقتل آیت کے یہ معنی ہیں کہ قصاص میں زندگی ہے۔ قاتل یعنے قتل کے ارادہ کرنے والے کی تو اسلئے کہ وہ قانون قصاص سے ڈر کر قتل سے باز آئے گا۔ اور قصاص میں مارا نہ جائے گا اور جسکو قتل کرنا چاہتا تھا وہ اس قانون کے سبب قتل ہونیسے بچ رہیگا۔ پھر قتل کے رک جانے سے طرفین کے حامیی باہمی قتال سے رک جائیں گے۔ اس سے ہزاروں جانیں بچ جائیں گی دوسرے جملہ کے یہ معنی ہیں کہ قتل کو قتل ہی زیادہ تر مٹایا کرتا ہے۔ غور کیجئے کہ دونوں جملوں میں کتنا فرق ہے؟ (۱) تو ہر قتل دوسرے قتل کو نہیں مٹاتا بلکہ بعض مواقع پر تو اور بڑھاتا ہے جیساکہ قتل ناحق جس سے باہمی خونریزی کے سبب صدہا قتل پیدا ہوتے ہیں (۲) آسمیں حذف نہیں برخلاف مشہور جملہ کے جو بڑا مختصر سمجھا جاتا تھا وہاں قتل کے ساتھ کوئی قید محذوف ماننی پڑتی ہے (۳) آیت مطلب پر وضاحت سے دلالت کرتی ہے برخلاف جملہ مشہورہ کے (۴) اس کے حروف جملہ مشہورہ سے کم ہیں کیونکہ آیت کے حروف ملفوظ گیارہ اور جملہ کے چودہ ہیں (۵) حیوٰۃ کی تنوین تعظیم کا فائدہ دے رہی ہے کہ بڑی زندگی ہے۔

یعنے ایک جماعت کی (۶) آیت میں طرادہے کہ ہر قصاص موجب حیات ہے برخلاف ہر قتل کے (۷) آیت میں الفاظ متکرر نہیں برخلاف جملہ کے کہ اسمیں دوبار قتل کا لفظ آیا (۸) آیت میں مقدر ماننے کی ضرورت نہیں برخلاف جملہ کے کہ اوسمیں من نزکہ مقدر ماننا پڑتا ہے (۹) آیت میں صنعت مطابقت ہے برخلاف جملہ کے صنعت مطابقت دو متضاد چیزونکا ایک کلام میں جمع کرنا جیساکہ گرم۔ سرد۔ حیوۃ قصاص۔ اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں +

محذوف

دوئم ایجاز حذف ہے مگر وہ حذف کہ جس سے کلام میں خلل نہ پیدا ہو پہر اس کی بہت سے اقسام ہیں یا تو جملہ مستقلہ ہے پہر وہ ایک ہی یا زیادہ پہر یا تو وہ سبب ہے کہ مسبب سے خود سمجہا جاسکتا ہے جیساکہ اس آیت میں فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت کہ ہمنے موسیٰ کو حکم دیا کہ پانی کے لئے اس تہر پر اپنا عصے مارو تب اس پتہر میں سے بارہ چشمے پہوٹ نکلے۔ اس کے سبب کو جو پہلے جملہ سے سمجہا جاتا تہا یہاں محذوف کردیا فضرب کہ اس تہر پر عصی مارا۔ اسیطرح یہ آیت ہے کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیِّیْنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۵ کہ ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریق (توحید) پر تہے۔ پہر خدانے انبیا بہیجے جو نیکوں کو مژدہ دیتے اور بروں کو بدنتیجہ سے ڈراتے تہے۔ انبیا رکے بہیجنے کا سبب لوگوں کا باہم اختلاف طریق کرنا پہلے جملہ سے سمجہا جاتا تہا۔ اسلئے فاختلفوا جملہ سببیہ محذوف کردینا بلاغت تہا۔ یا وہ جملہ محذوف سبب ہے کہ مسبب ہے مخاطب کے ذہن میں خود بخود آسکتا ہے اسلئے اسکا حذف کرنا بلاغت ٹہیرا جیساکہ اس آیت میں لیحق الحق ویبطل الباطل۔ کہ خدانے حق کو حق اور باطل کو باطل کرنے کے لئے فعل مافعل الیسا الیسا کیا یہ جملہ مسبب ہے اسکو محذوف کردیا۔ یا سبب و مسبب کے سوا اور کوئی جملہ ہو۔ جو سیاق کلام سے سمجہتا جاتا ہو۔ اسکو حذف کردینا جیساکہ مخصوص بالمدح والذم

فنعم الماہدون یعنی خوب زمین کو بچھانے والے ہیں۔ یعنی ہم و بئس المصیر اور بری جگہ ہے یعنی جہنم یا وہ محذوف کئی جملہ ہیں جو سیاق سے خود بخود سمجھے جاتے ہیں جیساکہ اس آیت میں انا انبئکم بتاویلہ فارسلون یوسف الایہ کہ شاہ مصر کے ساقی نے قید سے رہا ہوکر جبکہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا اور اسکی تعبیر سے معبرین عاجز آگئے درباریوں سے یہ کہا کہ اسکی تعبیر میں تمہیں بتاتا ہوں مجھے بھیجو۔ اب اس کے بعد کے یہ جملے محذوف ہیں کہ اسکو بھیجا اور وہ یوسف کو لایا تب یوسف سے کہا۔ یوسف اے یوسف اسکی تعبیر بتا ٭

یا وہ محذوف جز جملہ ہے پھر اسکی بھی کئی قسمیں ہیں یا تو مضاف ہے۔ جیساکہ واسئل القریۃ یہاں القریہ کا مضاف اہل محذوف ہے اے اہل القریہ۔ یا موصوف ہے کقولہ تعالے ومنہم دون ذلک اے من ہو موصوف محذوف و دون ذلک صفت۔ اور کبھی خود صفت محذوف کر دیجاتی ہے جیساکہ اس آیت میں وکان ورآءہم ملکٌ یاخذ کل سفینۃٍ غصبا سفینہ موصوف مذکور اور اس کی صفت صحیحہ یا سالمہ بقرینہ سابق محذوف کسلئے کہ بادشاہ خراب کشتیاں بیگار میں نہیں پکڑتا تہا جسلئے خضر نے اوس کشتی کو کہ جسمیں سوار تہے تختہ توڑکر عیب دار کر دیا یا شرط محذوف ہو جیساکہ تمنی استفہام امر۔ نہی۔ کے بعد ہوا کرتی ہے صرف جزا، کلام میں مذکور ہوتی ہے اسلئے ان کے بعد کا جملہ مجزوم ہوتا ہے اور انکے سوا دیگر مواضع میں بھی شرط محذوف ہوتی ہے کسی قرینہ کے سبب جیساکہ قل لعبادی الذین امنوا یقیموا الصلوۃ اے ان امنوا یقیموا الصلوۃ اسلیے یقیموا مجزوم آیا۔ شرط کے لئے یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ حصول جزا کے لئے علت تامہ ہو بلکہ اس پر توقف ہونا کافی ہے۔ ایمان لانا اقامت صلوۃ کے لئے علت تامہ نہیں۔ مگر ایمان پر صحت صلوۃ موقوف ہے +

اور جیسا کہ فاللہ ہو الولی۔ اسکی شرط ان ارادوولیا بقرینہ سابق ام اتخذوا من دونہ اولیا محذوف ہے کبھی جواب شرط محذوف ہوتا ہے یا تو محض اختصار کے لئے جیسا کہ اس آیت میں واذا قیل لہم اتقوا مابین ایدیکم وما خلفکم لعلکم ترحمون۔ اس شرط اذا قیل کا جواب محذوف ہے اعرضوا کہ وہ نہیں مانتے۔ کیونکہ مابعد کا جملہ وما تاتیہم من آیۃ من آیات ربہم الا کانوا عنہا معرضین۔ اسپر دلالت کر رہا ہے۔ یا اسلئے جواب کو حذف کیا جاتا ہے کہ سامع کو معلوم ہو کہ جواب بڑی چیز ہے احاطۂ توصیف میں نہیں آتا جس سے مخاطب کو کبھی ہیبت دلانا کبھی شوق دلانا مقصود ہوتا ہے یا اس کے خیال میں وسعت دلانی مطلوب ہوتی ہے کہ جہاں تک اس کے خیال میں آئے اسکو جز ارسمجھ لے جیسا کہ ان آیات میں ولو تری اذ وقفوا علی النار اس کا جواب لتری امرا قطیعا یعنے اے مخاطب اگر آپ منکروں کو اسوقت دیکھیں کہ جب وہ جہنم کے کنارے کھڑے کئے جائینگے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بڑی خوفناک حالت دیکھیں گے۔ ولو ترٰی اذ الظالمون موقوفون عند ربہم۔ ولو تری اذ المجرمون ناکسوا رؤسہم عند ربہم۔ وغیرہا کے نظائر حتے اذا جاؤہا وفتحت ابوابہا۔ کہ جب اہل جنت بہشت کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھولدیئے جائیں گے تو کیا ہوگا؟ اسکا جواب محذوف ہے کہ بڑی بہار ہوگی یا اس قسم کا اور کوئی جملہ ان چیزوں کے سوا اور بہت مواقع میں حذف کرنا حسن بلاغت ہے کبھی مسند حذف کر دیا جاتا ہے۔ کبھی مسند الیہ کبھی مفعول تاکہ فعل کا اثر عام ہو جائے جیسا کہ لا یعلمون کہ وہ جانتے نہیں۔ اگر کسی چیز کا نام لیا جاتا تو یہ بات نہ حاصل ہوتی جو حذف میں ہے گویا کچھ بھی نہیں جانتے۔ کبھی فعل ہی حذف کر دیا جاتا ہے اسی تعمیم کے لحاظ سے۔ کبھی حال حذف کر دیا جاتا ہے۔ کبھی مستثنے اور کبھی مستثنے منہ اور کبھی مضاف الیہ جیسا کہ یا ابن ام اے یا ابن امی اور کبھی قسم کا جواب محذوف کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ والفجر ولیال عشر۔ اور کبھی لما کا جواب محذوف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ

فلما اسلما وتلہ للجبین۔ اور کبھی معطوف مع حرف عطف حذف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل وقاتل سے اول بدلالت مابعد اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد استقدر محذوف ہے ومن انفق من بعد کبھی ادات وروابط کسی غرض خاص سے حذف کر دینا بلاغت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ واختار موسیٰ قومہ اسے من قومہ من کو اسلئے حذف کر دیا کہ در اصل موسے کی عمدہ قوم وہی ستر آدمی تھے جنکو پہاڑ پر ساتھ لے گئے تھے۔ باقی قوم بعد میں بچھڑا پوجنے کے سبب اصلی قوم نہ رہی تھی۔ اور بہی مواقع ہیں اختصاراً انہیں پر بس کرتا ہوں ؛

مفسرین اپنی تفاسیر میں توضیح کے لئے اس قسم کے محذوفات ظاہر کیا کرتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی کی تفسیر جلالین زیادہ تر اسی فن محذوفات کے اظہار کو حاوی ہے ؛

معاندین ان محذوفات کو دکھا کر قرآن پر عیب لگایا کرتے ہیں کہ دیکھو اسمقام پر یوں کہنا چاہیئے تھا ؛

واضح ہو کہ اطناب کی بحث بڑی طویل بحث ہے۔ اسیطرح دیگر ابواب بلاغت میں فصل وصل انشاء۔ خبر۔ اسناد۔ حصر۔ وغیرہ جہاں قرآن نے اعجاز دکھایا ہے اگر میں انمیں سے تھوڑا تھوڑا بیان بھی کروں تو میری یہ کتاب مقصود سے نکلکر خاص ایک فن اعجاز کی کتاب ہو جاوے ؛

فائدہ جلیلہ

فصیح بلیغ کے مسلسل اور منتظم کلام کے جملے آپسمیں ایسے مربوط ہوتے ہیں کہ جیسا لڑی کے موتی۔ اور پہلا جملہ آنے والے جملہ کی خود خبر دیدیا کرتا ہے کہ اس کے بعد یوں کہا جائیگا یہ بات جسکو سخن فہمی کا سلیقہ ہے بہت عمدہ طرحسے سمجھ سکتا ہے اسیلئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے بعض آیات سناتے یا کاتبوں سے لکھواتے تھے

فائدہ جلیلہ

ہنوز آپنے اگلا جملہ زبان سے نہیں نکالا ہے کہ سامع نے پہلے سے پڑھ دیا۔ اور آپنے اسکو لکھوا دیا۔ اس سے بعض کوڑ مغزوں کو یہ بدگمانی پیدا ہوئی کہ یہ وحی اور منزل من اللہ کیا ہے یہ تو جو کچھ پہلے سے ہم کہہ دیتے ہیں اسیکو ہی وحی اور منزل جانکر مصحف میں لکھوا دیتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کاتب اسی خیال سے مرتد ہوکر شام میں بنی غسان نصاریٰ کے پاس چلا گیا اور دعوے کرنے لگا کہ محمدؐ کے قرآن جیسا تو میں بھی بنا سکتا ہوں اور اسی معارضہ کی امید سے شاہ غسانی نے اسکو بہت لالچ دیکر بلوایا بھی تھا مگر جب اوسے وہاں کہا گیا کہ لو اب کچھ بناؤ تو کچھ بھی نہ بنا سکا بات تو در اصل کچھ اور ہی تھی بارہا قصد کیا طبیعت پر زور ڈالا مگر کچھ بھی نہو سکا اسپر غسانی بادشاہ نے اسکو بُری حالت سے نکلوا دیا۔

لیکن اسکے ہم مشرب مشتری جو باوجود عربیت دانی کے یہاں تک کہ بعض کی تو عربی زبان مادری ہوتی تھی جیسا کہ بیروت شام کے فصیح و بلیغ عیسائی مقابلہ میں تو آجتک دس جملوں کو بھی جمع و تالیف کی جرأت نکر سکے۔ مگر لوگوں کے دلوں میں شبہ ڈالنے کے لئے اس بات کو ضرور پیش کر دیا کرتے ہیں کہ فلاں فلاں جملے فلاں فلاں اشخاص کی زبان کے نکلے ہوئے ہیں جو قرآن میں شامل ہیں۔ واللہ الہادی +

فصل (۱۱)

ہمنے مجاز اور اس کے علاقات کا مختصر بیان کر دیا ہے۔ مگر اس فصل میں اس کی قدرے تشریح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآن میں برعایت حسن کلام و بلحاظ محاورہ کسطرح مجاز کا استعمال ہوا ہے اس فن میں امام عزالدین بن عبد السلام نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا خلاصہ جلال سیوطی نے کیا اور اسکا نام مجاز الفرسان الی مجاز القرآن رکھا ہے +

مجاز کی دو قسم ہیں (۱) ترکیب کلام میں مجاز ہو اسکو مجاز الاسناد و مجاز عقلی کہتے ہیں۔ اور
علاقہ ملابست ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک فعل یا شبہ فعل کو کسی لگاؤ کے سبب جس سے
وہ سرزد نہوا ہو اسکیطرف اسناد کر دیا جاوے اور اسکی چار قسم ہیں اول یہ کہ دونوں طرف
تو معنی حقیقی میں مستعمل ہوں صرف اسناد میں مجاز ہو جیسا کہ اذا تلیت علیہم ایاتہ زادتہم ایمانا
زیادہ کرنا جو اللہ کا فعل تھا آیات کیطرف سببیت کے علاقہ سے نسبت کر دیا گیا۔ یذبح ابناءہم
حالانکہ اسرائیلوں کے بیٹے فرعون کے نوکر ذبح کیا کرتے تھے لیکن فرعون حکم دینے والا
تھا اسلئے یذبح میں فرعون کیطرف اسناد ہوا۔ واخرجت الارض اثقالہا۔ وبلغت القلوب
الحناجر زمین کیا اپنا ثقل باہر نکالیگی بلکہ خدا اور دل کیا گلو تک پہونچیں گے بلکہ خدا پہونچاتا ہے۔ اور ہمیں خوف و دہشت سے
استعارہ بھی ہے جیسا کہ ہماری محاورہ میں کہتی ہیں کہ میں دم آگیا (دوم) یہ کہ دونوں طرف بھی مجازی معنی میں مستعمل ہوں یعنی
مسند اور مسند الیہ یہ دو طرف ہیں جیسا کہ فما ربحت تجارتہم ربح اور تجارت بھی مجازی معنی میں مستعمل ہیں۔ اور
استعارہ بھی مجازی ہے (سوئم) یہ کہ اسناد بھی مجازی ہو اور مسند بھی مجازی معنی میں مستعمل ہو۔
(چہارم) یہ کہ اسناد تو مجازی ہو اور مسند الیہ ہی مجازی معنی میں مستعمل ہو۔ ان دونوں قسموں کے نظائر
بہت ہیں انہا لظی نزاعۃ للشوی تدعوا من ادبر و تولی۔ آگ کی طرف ملانے کا اسناد مجازی
ہے۔ حتی تضع الحرب اوزارہا۔ لڑائی کی طرف ہتیاروں کا رکھدینا اسناد مجازی
ہے (۲) مجاز مفرد۔ اس کی کئی قسم ہیں اور اسکو مجاز لغوی بھی کہتے ہیں۔
اول حذف جس کے نظائر ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بعض علما اس کو
مجاز سے خارج سمجھتے ہیں دوئم۔ ایک اسم کا دوسرے اسم کیجگہ استعمال ہونا۔
سوئم۔ فعل یا شبہ فعل کا دوسرے معنی میں استعمال ہونا اور اسکی جگہ دوسرا فعل یا شبہ
فعل (اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ وغیرہ) کا آنا چہارم حروف میں مجاز ہونا ایک کی
جگہ دوسرا آنا۔ پھر آگے ہر ایک کی بہت قسمیں ہیں۔ فعل کی مثال اہذا الذی یذکر آلہتکم
کہنا یہ تھا کہ کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کو گالیاں دیا کرتا ہے لیکن سب کیجگہ نہ ذکر

کے طور پر ذکر لایا گیا ثقلت فی السماوات والارض اصل حقیقت تھا۔ شبہ فعل میں مجاز کی نظائر فظلت اعناقہم لہا خاضعین کہ اس حادثہ کے سامنے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ کہنا چاہیے تھا خاضعات کیونکہ اعناق مونث ہے مگر جبکہ اعناق سے مراد جزء بولکر کل مراد لینے کے قاعدہ پر خود وہ لوگ مراد لیئے گئے۔ تو ان کے لئے خاضعین جمع مذکر کا صیغہ لانا ہی بلاغت تھا۔ اسیطرح مریم کی نسبت من القانتین فرمایا ان کا صفات مرادنہ سے مردوں میں شمار کرکے۔ حروف میں مجاز اکثر تضمین کے لحاظ سے ہوتا ہے کہ ایک لفظ ہیں دوسرے لفظ کے معنی ضمناً لیکر جو روابط و صلات اس ضمنی معنے کے لئے آتے ہیں اس بات کے جتلانے کے لئے کہ اس میں یہ معنے لئے گئے ہیں وہی استعمال کرنا جس کے نظائر یہ ہیں فلما تجلی ربہ للجبل لے علی الجبل علے کیجگہ لام آیا۔ ہم لہا سابقون اے الیہا۔ الی کیجگہ لام کا استعمال ہوا لاصلبنکم فی جذوع النخل ای علے جذوع النخل علی کیجگہ فی آیا سیروا فی الارض اے علے الارض علی کیجگہ فی آیا السماء منفطر بہ اے فیہ۔ مستکبرین بہ اے عنہ ۞

اسیطرح مظہر کیجگہ مضمر۔ حاضر کیجگہ غائب کا صیغہ متکلم کیجگہ تثنیہ کا صیغہ لانا جو صنعت التفات میں ہوا کرتا ہے مجاز ہے جو معنی میں نمک پیدا کر دیتا ہے اور انہیں مواضع پر فصاحت وبلاغت کی تمیز کیجاتی ہے۔ اسیطرح مستقبل کو یقینی الثبوت ہونے کے سبب بلفظ ماضی تعبیر کرنا قرآن میں آنیوالے واقعات کو اس لحاظ سے ماضی کے صیغوں سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ وسیق الذین کفروا الی جہنم کہ کافر جہنم کیطرف ہانکے گئے یعنے ہانکے جائیں گے۔
اسیطرح کسی شے پر قابض ہونیکو اسکی چوٹی پکڑ لینے سے تعبیر کرنا جیسا کہ من دابۃ فی الارض الا ہو اخذ بناصیتہا کہ کوئی چیز زمین پر چلنے والی ایسی نہیں کہ جسکی خدا نے چوٹی نہ پکڑ رکھی ہو۔ اسیطرح کسیکی حسرتناک حالت کو اس سے تعبیر کرنا کہ اسپر نہ آسمان رویا نہ زمین نے آنسو بہائے فما بکت علیہم السماء والارض اور کبھی قبیح حالت کو جملہ دعائیہ یعنے بددعا سے تعبیر کرنا۔ قتل الانسان ما اکفر

مارا جائے انسان کیا ہی ناشکرا ہے۔ تبت یدا ابی لہب۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں کہیں غیر مخاطب کو مخاطب بنا لیا جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ واقعات میں تہدید کے لئے موجودہ بنی اسرائیل سے خطاب کیا گیا ہے اور کبھی ایک غیر محسوس امر کو یقینی ثابت کرنے کے لئے محسوس قرار دیکر مخاطب سے اوسپر توجہ نکرنے کی بابت معاینہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اولم یر الذین کفروا ان السماوات والارض کانتا رتقا ففتقنا ہما کہ کیا کافر سب بات کیطرف نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین بند تہے ہمنے ان کو کہولدیا ہے اور کبھی یقینی بات کو مخاطب کے علم ظنی اور تخمینی کے موافق تخمینی ہی کلمات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بات تو کچہہ اور کہنی ہے اگر اول اسی میں تحقیقاً کلام ہو تو اصلی بات رہجائے۔ مخاطب اسی میں اولجھنے لگے جیسا کہ مائۃ الف اور یزیدون کہ یونس کو ہمنے نینوا کیطرف جہاں لاکہہ یا اس سے بہی زیادہ آدمی تہے کیونکہ شہروں کی مردم شماری اوس عہد میں یقینی نہ تہی اور مخاطبین کو آنکی تعداد میں اختلاف بہی تہا۔ گو خدائے علیم کو انکی تعداد کا علم حقیقی تہا۔ اسیطرح خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ آزمایش کا لفظ ایسے مواقع پر استعمال کرنا مخاطبین کے خیال پر ہے۔ کیونکہ ان کو بعد الوقوع علم ہوتا ہے ورنہ خدا کو تو قبل الوقوع بہی ویسا ہی علم ہے کہ جیسا بعد الوقوع ہوتا ہے اسیطرح فاتوا بالتورٰنۃ فاتلوہا کہ اگر سچے ہو تو توریت لاکر پڑہو تو بہی اس میں بہی ان کے زعم پر کلام ہے کہ جبکو تم توریت سمجھتے ہو اسکو لاؤ تو سہی اسیکے مطابق تم ملزم ٹہرتے ہو یہ سب مجاز و استعارہ ہے جو فصحاء و بلغاء کے کلام میں ہوا کرتا ہے +

معاندان ان مواقع پر اعتراض کرے یا ان سے اپنے مطلب پر استدلال کرے اسکی غلط فہمی ہے +

فصل (۱۲)

فوائد

(۱) قرآن کا طریق استدلال مطالب پر ایسا ہی سہل الماخذ ہے کہ جسکو ایک بڑے سے بڑا حکیم اور ایک جاہل اونٹ بکریاں چرانے والا دونوں سمجھ سکتے ہیں۔ اور ہر ایک اپنے اپنے فہم و مذاق کے بموجب اس دلیل سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اگر خاص حکیمانہ ہی طریق پر استدلال بیان ہوتے تو عوام مستفید نہ ہوتے مثلاً کتاب الہی کا پہلا فرض منصب یہ ہے کہ وہ خدا کے وجود اور اس کے صفات کا کسی دلیل سے ثبوت پیش کرے کسلئے کہ انسان جو محسوسات کے ادراک کا خوگر ہے وہ غیر محسوس وجود کا مشکل سے قائل ہوتا ہے یہاں تک کہ جو علوم حسیہ کے بلند ترین مقامات پر بھی جا بیٹھے ہیں اور وہ بڑے حکیم و فلاسفر بھی کہلاتے ہیں اور محسوسات میں انہوں نے حیرت انگیز اختراع بھی کیئے ہیں۔ لیکن بعض کیا بلکہ آجکل تو اکثر اوسی ابتدائی حالت خام کاری میں پڑے ہوئے ہیں وہ غیر محسوس موجودات کا انکار کرتے ہیں۔ جسمیں خدا تعالیٰ اور ارواح و ملائکہ سب آ گئے۔ جہاں تک ہمارے سامنے مذہبی کتابیں موجود ہیں جنکو ان کے معتقد الہامی اور کلام الٰہی کہتے ہیں ان سب کو اول سے لیکر آخر تک دیکھہ جائیں کہیں بھی ایک دلیل ایسی نہ ملے گی جو خدا کے وجود کو ثابت کر سکے۔ ہاں یہ ملیگا کہ خدا موجود ہے وہ وحدہ لاشریک ہے اسکی عبادت کرو اسکو مانو اس سے محبت کرو۔ مگر یہ سب دعاوی ہیں منکر کتاب و الہام کے سامنے جو موجودات کا دائرہ محسوسات ہی تک محدود مانتا ہے حجت اور تسلی بخش نہیں ہو سکتے

برخلاف سب کے قرآن نے سب سے اول سورۃ کے اول ہی جملہ میں سب سے اول اسی بات کو ثابت کر دیا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین کہ سب خوبیئں اور ہر طرح کی

ستائش اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہے کون؟ رب العالمین اب عالم کے جملہ انواع و اصناف پر ایک نظر ڈالجائے عالم سفلی سے لیکر عالم علوی تک۔ عالم انسان عالم حیوانات۔ عالم نباتات عالم جمادات عالم عناصر۔ عالم افلاک۔ علم سیارات و نیرات ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں کہ جو اسکے فیض تربیت اور پرورش سے خالی ہو سب سے اول انسان اپنے حالات کو غور کرے کہ نطفہ کو تدریجاً کس کمال تک پہونچایا جاتا ہے۔ آخر وہ ایک انسان کامل ہو جاتا ہے۔ نیرات کی سب باتوں کو جانے دیجئے ان کی مجموعی رفتار کو دیکھئے کہ کس انداز پر ہے کہ ایک دوسرے سے ٹکرا نہیں جاتا نہ یہ ان کے مادہ کا فعل ہے نہ انکی طبیعت کا کسلئے کہ کہ یہ دونوں چیزیں مدرک اور صاحب شعور نہیں پھر ان کے جسقدر افعال تسلیم کئے جائیں انہیں کے اجسام تک محدود ہیں دوسرے جسم میں ایک طبیعت اور مادہ کا فعل ارادی پہونچنا حیطۂ امکان سے باہر ہے +

اب اس دلیل سے عوام بھی مستفید ہو سکتے ہیں کہ ان کو سب سے بالاتر ایک ایسا وجود دکھا دیا جو انکی پرورش کر رہا ہے اور ایک حکیم بھی اسکو منطق کے قاعدہ پر برہان بنا کر اطمینان کر سکتا ہے کہ عالم مربوب ہے اور جو مربوب ہے اسکے لئے ایک مربی ہے نتیجہ نکلا کہ عالم کیلئے ایک مربی ہے اور وہی خدا ہے۔ اور اس سے عالم کو حادث بھی ثابت کر سکتا ہے کہ عالم موثر سے مستغنی نہیں۔ (کیونکہ مربوب ہے) اور جو موثر سے مستغنی نہیں وہ حادث ہے نتیجہ نکلا کہ عالم حادث ہے اور جب حادث ہے تو اسکے لئے کوئی محدث بھی ہے اور وہی خدا ہے دنیا میں بہت سی قومیں جو گمراہ ہوئیں انکا اول مزلۃ الاقدام یہی ہے کہ انہوں نے عالم کو خدا کا کسی بات میں محتاج نہیں سمجھا یہ گمان خدا کے وجود کا ابطال کرتا ہے پھر جنہیں کچھ ترقی بھی کی اور وہ خدا کے قائل بھی ہوئے تو ایک بیکار خدا کے جس کا عالم پر کچھ بھی اختیار و تصرف نہیں جیسا کہ فرقہ جینی اور آریہ وغیرہ کا گمان ہے۔ پھر جب وہ مربی و محدث ہے تو قدرت رحم وغیرہ جملہ صفات بھی تسلیم کرنی پڑتی ہیں

سلہ اسی غلطی سے بہت حکماء عالم کو قدیم [illegible] ان سے [illegible] اور بہت سے خدا کا انکار کر [illegible] ۱۲ منہ

اسیطرح احکام کے بیان میں بہی ایک ایسا سہل اور موثر طریق اختیار کیا ہے کہ جس سے
بندوں کے دلونپر اثر ہو اور وہ تعمیل کے لئے آمادہ ہوجائیں اسلئے کہیں تو اپنی ذات و
صفات کے اثبات کے بعد بیان کیا ہے۔ تاکہ آمر کی شان مشقت عمل پر آمادہ کرے کبہی
حشر و دار آخرت سے ملاکر تاکہ عمل کے نتائج اسکو عمل پر محرک ہوں اور نافرمانی کے بُرے
نتائج نافرمانی سے باز رکہیں اور کہیں نیک و بد لوگوں کے واقعات کے بیان کے ساتہ تاکہ
ان کو بہی رغبت اور نافرمانی سے نفرت ہو پہر سب کو ایک باب یا ایک فصل میں ترتیب جمع
نہیں کردیا۔ بلکہ انہیں شیر نیبوں کیساتہ اس دوا رکو ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ ملا دیا ہے۔
پہر ایک عنوان سے نہیں بلکہ مختلف عنوان سے پہر ایکبار نہیں بلکہ بتدریج حکم دیا ہے
منصف سمجہ سکتا ہے کہ اس بیان میں اور لوگوں کے معمولی بیان احکام میں جو فصلوں اور
بابوں میں مذکور ہوتے ہیں۔ کتنا فرق ہے۔ اسکا نظیر بہی کتب مذہبیہ میں نہیں پایا جاتا۔

(۳) قرآن اکثر مطالب کو مع دلیل بیان فرماتا ہے اور کبہی مخاطبین کے عرف اور مذاق
کے موافق اسکی صداقت پر قسم کہاتا ہے۔ عرب کے مذاق پر کسی مضمون کی بابت قسم کہانا
باعث اعتبار ہوتا تہا یہ بات ملکی مذاق سے تعلق رکہتی ہے اسکے ثبوت کے لئے براہین
و دلائل کی ضرورت نہیں مگر اس قسم کے کہانے میں بہی کمال کیا ہے۔ اس کمال کی تشریح سے
پہلے یہ چند باتیں معلوم کرلینی ضرور ہیں +

اول یہ کہ قسم میں کئی چیزیں ہوتی ہیں ادات قسم یعنے وہ حروف جو زبان عرب میں قسم
کے لئے مخصوص ہیں جیسا کہ وَ۔ تَ۔ بِ۔ واللہ۔ تاللہ۔ باللہ ان حروف کی پہر جدا
جدا خصوصیات ہیں کہیں صاف لفظ قسم ہوتا ہے۔ اور کبہی لا کے ساتہ آتا ہے لا اقسم اور
کہیں جملہ پر لام لاکر قسم کہائی جاتی ہے جیسا کہ لعمرک۔ انہم لفی سکرتہم یعمہون کہ اے نبی
آپ کی حیات کی قسم وہ اپنے نشئہ میں اندہے ہو رہے ہیں۔ دوئم مقسم بہ کہ جس کی قسم
کہائی جاتی ہے۔ سوئم مقسم علیہ کہ جس بات پر قسم کہائی جاتی ہے +

دوم یہ کہ مقسم بہ میں کوئی نہ کوئی بات ہونی چاہیئے جسکی قسم کھائی جاتی ہے اور وہ بات بھی تو مقسم بہ کی عزت و عظمت ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے عرف میں خدا یا کعبہ یا قرآن کی قسم انکی عزت و حرمت کے سبب کھائی جاتی ہے۔ اکثر لوگ ایسی چیزوں کی اسی خیال سے قسم کھایا کرتے ہیں بُت پرست اپنے معبودوں کی قسم اسلئے کھاتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کر دیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو تم میں سے کوئی قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے تاکہ بتوں کی عظمت نہ قائم ہو۔ مگر خدا اور بندوں کی حالت جداگانہ ہے۔ یہ حکم خدا کے لئے نہیں ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جسکو چاہے عزت و احترام دیسکتا ہے۔ اسمیں خدا مشترک نہیں ہوسکتا اور کبھی اسکی محبت ہوتی ہے جیسا کوئی اپنی اولاد کی قسم کھائے۔ کوئی اپنی اولاد کو معبود یا قابل تعظیم سمجھکر قسم نہیں کھاتا ایسا ہی اپنی آنکھوں یا سر کی قسم ہے۔ کبھی اسکی کوئی ذاتی خوبی ہوتی ہے کبھی اسمیں منافع ہونے کے سبب قسم کھائی جاتی ہے جیسا کہ اپنے گھوڑے یا دیگر کارآمد اشیاء کی قسم کبھی وہ مقسم بہ قدرت کاملہ کا ظاہر نمونہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آسمان آفتاب ستارے وغیرہ۔

(سوم) مقسم علیہ کوئی شاندار بات ہوتی ہے ورنہ معمولی باتوں پر قسم کھانا ایک لغو بات سمجھی جاتی ہے قرآن نے جن چیزوں پر قسم کھائی ہیں وہ یہ امور مہتم بالشان ہیں قرآن نے اصول ایمان پر قسم کھائی ہے جنکا اعتقاد کرنا مخلوق پر واجب ہے (۱) کبھی توحید پر (۲) کبھی قرآن کے حق ہونے پر (۳) کبھی رسول کے برحق ہونے پر (۴) کبھی جزاء کے برحق ہونے اور وعدہ وعید پر (۵) کبھی انسان کی حالت پر کہ وہ اپنے رب کا ناشکر ہے اور یہ کہ وہ بغیر ایمان اور عمل صالح خسارہ میں ہے اور یہ کہ انسان کا اعمال میں اختلاف ہے کوئی کسی بات کو موجب نجات سمجھ رہا ہے کوئی کسیکو۔ اسکا فیصلہ کتاب اللہ ہی کر سکتی ہے ٭

قرآن ۔ میں اللہ تعالے نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ تین ہیں اول اپنی ذات مقدسہ کی سات جگہ پر اس قسم میں عظمت وجلال ملحوظ ہے دوئم اپنے افعال مقدسہ کی قسم کھائی ہے جیسا کہ نفس وماسوٰہا ۔ یہاں بھی عظمت وجلال ملحوظ ہے سوئم اپنی مخلوق کی تین ۔ زیتون ۔ صافات ۔ ذاریات ۔ قلم ۔ شمس ۔ قمر ۔ لیل نہار مواقع النجوم وغیرہ ان سب امور میں علماء کے دو قول ہیں اول یہ کہ ان کے اول لفظ رب محذوف ہے یعنی ان مفید اور آیات قدرت کے رب کی قسم ۔ اس تقدیر پر یہ قسمیں بھی اپنی ہی ذات کی قسمیں ہوئیں ۔ مآل کار تمام قسموں کا اپنی ذات کی قسمیں ہیں یا صفات ۔ یعنی اپنے افعال کی صرف ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کی قسم آپ کی محبت اور عزت کے ظاہر کرنے کو کھائی ہے ۔ دوئم یہ کہ مخلوقات مذکور کی قسم کھائی ہے ۔ اس تقدیر پر معترض دو اعتراض کیا کرتے ہیں ۔ اول اعتراض یہ کہ خدا کو قسمیں کھانے کی کیا ضرورت ؟ قرآن کے ماننے والے تو بغیر قسم کے بھی تصدیق کرتے تھے منکر اور قسموں کا بھی کیا اعتبار کرتے ہوں گے اور نیز بار بار قسمیں کھانا شان کبریائی ۔ بلکہ شانِ بادشاہی سے بھی بعید ہے اسکا جواب یہ ہے کہ عرب کی عادت کے موافق کلام ہے ۔ اور اس قسم کے کلام کو مؤکد جانتے تھے جیسا کہ اَنَّ اور لام اور جملہ اسمیہ میں تاکید وتقویت ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ کلام قسمی میں ہوتی ہے یہ ایک زبان کا محاورہ ہے اور نیز ان کے نزدیک ایسے کلام سے دلپر صداقت کا اثر پڑتا تھا اسیلئے صدہا ایمان لے آئے اور ماننے والوں کے ایمان کو ایسے کلام سے اور زیادہ تقویت ہوتی ہے ۔ بے ضرورت قسمیں کھانا ضرور شان کبریائی کے خلاف ہے مگر ضرورت پر نہیں قسم پر کیا موقوف ہے شان بادشاہی کے خلاف تو بار بار حکم دینا بار بار ایلچی بھیجنا اور کمتر درجہ کے لوگوں سے کلام کرنا بھی خلاف ہے ۔ مگر اوس رحیم وکریم کی شان کے خلاف نہیں اسیلئے

اسنے کتابیں الہام کیں - ایک دو جزر کی نہیں بلکہ بڑی بڑی اور اپنی مخلوق کو مخاطب ہی
بنایا یکے بعد دیگر انبیا بھی بھیجے دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ انجیر اور زیتون کا
درخت اور گھوڑے وغیرہ ادنے مخلوق کی قسم کھانا شان کبریائی سے بعید ہے -
جو کوئی جسکی قسم کھاتا ہے اسکو واجب الاحترام ہی سمجھتا ہے پھر کیا یہ چیزیں خدا کے
نزدیک واجب التعظیم نہیں! اسکا **جواب** یہ ہے کہ قسم میں یہ کوئی ضرور نہیں کہ وہ
شئے اسکے نزدیک واجب التعظیم ہی ہو - بلکہ مخاطب کے نزدیک واجب التعظیم ہونا ہی
کافی ہے - اور عرب کے نزدیک تو ان چیزوں میں سے بہت تو واجب الاحترام تھیں اور
محبت تو سب ہی سے تھی اور یہ بھی نہو تو اسقدر بھی کافی ہے کہ وہ شئے کثیر النفع یا
آیت قدرت ہونیکے سبب بھی ایسی ہو کہ اوس کی قسم کھائی جائے اس لحاظ سے
کہ مخلوق کی خوبی اور کمال اسکے خالق کی خوبی اور کمال ہے ان چیزوں کی قسم کھانا
گویا اپنے ہی کمال و قدرت کی قسم کھانا ہے اسی نکتہ سے اول گروہ نے لفظ رب
محذوف مانا ہے رہی قسموں کی کثرت وہ مجموعہ قرآن سے خیال کیجا سکتی ہے
ایک سورہ یا آیت میں نہیں جو مذموم ہو اسقدر طول طویل کلام میں جدا گانہ چند قسمیں
کثرت پر محمول نہیں ہوسکتیں -

ان قسموں میں جو کچھ کمال ہے اسکو مفصلاً تو علامہ ابن قیم جوزیہ نے اپنی کتاب
تبیان فی اقسام القرآن میں بیان کیا ہے جو خاص اسی فن میں
تصنیف فرمائی ہے مگر مختصراً یہ ہے کہ جہاں جس چیز کی جس مضمون کے لئے قسم
کھائی ہے اوس چیز کو اوس مضمون سے نہایت مناسبت ہے پھر جن حروف
اور جملوں سے وہ قسم ہے وہ جواب قسم کے لئے نہایت ہی موزوں ہیں - پھر جن جن
مواقع پر جواب قسم یعنے مقسم علیہ کو مذکور کیا ہے وہاں مذکور کرنا کیا ہی لطف دے رہا
ہے اور جہاں بدلالت قسم حذف کیا ہو وہاں حذف ایک نیا لطف پیدا کر رہا ہے

اس مختصر میں اسکی تشریح کی گنجائش نہیں لہذا اسیقدر پر بس کرتا ہوں واللہ الہادی۔

فصل

نسخ کے لغوی معنی کسی چیز کا دوسری چیز سے مٹا دینا۔ یا بدل دینا۔ کہتے ہیں۔
نسخت الریح آثار القوم اذا عدمت و نسخت الشمس الظل اذا اعدم (کبیر)
اسلام کا دعوی ہے کہ قرآن میں احکام کی بابت نسخ ہوا ہے۔ **مخالفین اسلام** نے بے سمجھے بوجھے غل مچادیا اور سب سے بڑا اعتراض اسلام پر اسیکو قرار دیدیا۔ کہ اس سے خدا کی تقدیس میں فرق لازم آتا ہے۔ کیا اسکو پہلے سے معلوم نہ تہا جو بعد میں اسکی اصلاح کی۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ کتب سابقہ توریت انجیل وغیرہ قرآن نے منسوخ کردیں بہلا کبھی آسمانی احکام اور علوم جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت الہام ہوئے منسوخ ہوسکتے ہیں؟ حضرت مسیح علیہ السلام تو فرماتے ہیں کہ آسمان و زمین ٹل جائینگے مگر توریت کا ایک نقطہ بہی نہ ٹلیگا اور میں توریت کی تکمیل کرنے آیا ہوں۔ نہ کہ مٹانے مگر یہ نبی عربی سب کو مٹانے آئے ہیں؟ یہ دو اعتراض ہیں اول میں تو آریہ وغیرہ سب شریک ہیں اور اسکو بڑے طعن آمیز الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ دوسرا اعتراض خاص عیسائیوں کا ہے وہ بھی اسکو بڑی طول و طویل تقریر میں نہایت زور دیکر بیان کیا کرتے ہیں۔

اول اعتراض کا جواب

یہ ہے کہ معترض نے ابتک نسخ اور بدر میں امتیاز نہیں کیا بدر اسکو کہتے ہیں کہ کوئی بات پہلے معلوم نہو بعد میں معلوم ہوجائے۔ البتہ یہ بات شان تقدیس کے خلاف ہے اسکے مسلمان ہرگز قائل نہیں برخلاف نسخ کے کہ اوسمیں اول سے علم ہوتا ہے مثلاً معلوم ہے کہ بالفعل مریض کو

نسخ کی بحث
اول اعتراض کا جواب

یہ نسخہ مفید ہے اور بعد میں حسب مرض اور حسب مصلحت اسمیں یہ تغیر کیا جاویگا۔ اس سے حکیم کی حذاقت اور علم میں کوئی فرق نہیں لازم آتا۔ اگر کوئی حکیم کسی مریض کے لئے مصلحت وقت اور مناسب مرض خیال کر کے کوئی نسخہ تجویز کرے اور بعد میں مرض اور مصلحت وقت بدل جانے پر بھی وہ اس نسخہ کو استعمال کرے اور اسمیں تبدیل نکرے تو یہ اوسکے لئے عیب نہوگا۔ ایسا فعل جاہل کر سکتا ہے کہ اسکو کہیں سے کوئی پرانا نسخہ ہاتھ آگیا اور وہ نہ زمانہ کی حالت کا خیال کرتا ہے نہ مریض کی حالت کو دیکھتا ہے ہر موقع پر اسکو تجویز کرتا ہے +

زمانہ کی رفتار اور اسکے تغیرات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیا اوس قوم اور ملک کے لئے وہ قوانین جو انکی جاہلیت اور سرکشی میں تجویز ہوئے تھے انکی علمی روشنی اور اطاعت کے زمانہ میں مناسب خیال کیئے جا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں اسی لئے خدا نے ابتداء آفرینش انسان سے لیکر آخر تک بار بار الہام کیا کیے بعد دیگرا نبیاء بھیجے خدائے علیم و حکیم کوئی جاہل وید (حکیم) نہیں کہ ابتداء آفرینش انسان میں تو ایک نہیں چار رشیوں پر بلا ضرورت چار کتاب الہام کرے جنہیں سے نکے مضامین ہوں جنمیں انسانی سعادت و شقاوت کا کچھ بھی بیان نہو نہ اشیاء کی حلت و حرمت نہ طہارت و نجاست نہ عبادت و نجات کا دستور العمل نہ عقائد کی تشریح نہ عملیات میں احکام کی توضیح ہو پھر ایک کتاب دوسری کتاب کا نہ تکملہ نہ تشریح۔ بلکہ بے جوڑ اور پھر ہر ایک کے منتروں میں نہ انتظام نہ کوئی مناسبت نہ اوس زبان کی کہ جسمیں وہ ہوں رعایت[1] اور پھر جب انسان دنیا میں پھیلیں اور انکو نئی نئی ضرورتیں پیش آئیں جنکے لئے تقدیم پارینہ کچھ بھی کارآمد نہوسکیں۔ چپ بیٹھا رہے اور اُس جاہل وید کی طرح اوس مہمل نسخہ

[1] یہی وجہ ہے کہ ویدوں کے عام سنسکرت دانوں کو بھی معنی معلوم نہوئے۔ بلکہ بقول آریہ خاص خاص ان رشیوں کو کہ جنکے اسماء گرامی منتروں کے سر پر اب تک لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں اور ان کو بھی کسی

کے استعمال کا حکم دیا کرے۔ اور اس نسخہ کے طرفدار کھینچ تان کر اسکی تاویلیں کر کے ہمیں جھوٹے فوائد بتایا کریں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا نہ یہ اوس رحیم و کریم قادر علیم کی شان ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس معترض نے بھی نسخ کے معنی نہیں سمجھے کاش کسی اصول کی کتاب کو پہلے دیکھ لیتے یا کسی مسلمان عالم سے پوچھ لیتا تو نہ اعتراض کی نوبت آتی نہ اوس اعتراض کے انہیں پر اولٹ پڑنے سے مشکل پڑتی۔ مگر ان کی غرض تو خواہ مخواہ اسلام پر اعتراض کر دینا ہے خواہ وہ اعتراض پڑے یا نہ پڑے اندھے کا لٹھ ہے کہا دینے سے غرض۔ خواہ اولٹ کر اسیکے سر یا ہاتھہ پاؤں پر جا پڑے۔

واضح ہو کہ جسقدر علوم و معارف ذات و صفات حق سبحانہ کے متعلق ہیں اور جسقدر قصص و واقعات حضرات انبیاء نے فرمائے ہیں اور جسقدر امور متعلقہ صفات و ذات ہیں یا قیامت وغیرہا ان کتب میں کبھی نسخ نہیں ہوتا۔ نہ اہل اسلام اسکے قائل ان معنی میں نہ توریت منسوخ ہے نہ انجیل نہ اور کوئی الہامی کتاب نہ ان باتوں میں نسخ ہوسکتا ہے۔ صرف احکام عملیہ میں اور احکام عملیہ کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک اصول جیسا نماز یعنے خدا کی پرستش زکوٰۃ خیرات و صدقات روزہ۔ نفس کو اسکے شہوات سے روکنا یا مکارم اخلاق اسیطرح ممنوعات میں وہ چیزیں جو انسان کی روح پر

بقیہ نوٹ صفحہ (۴۶۶) زبان کے قاعدہ سے معلوم نہیں ہوئے بلکہ کشف سے جو الہام کیلئے دوسرا لفظ ہے بات یہ ہو کہ ابتدا وہیں جسطرح انسانی حالت صنائع و تمدن میں گمسی ہوئی ہوتی ہے۔ اسیطرح زبان کا بھی حال ہوتا ہے پھر جسطرح تمدن میں انسان ترقی کرتا جاتا ہے زبان بھی شائستگی حاصل کرتی جاتی ہے۔ ویدوں کی تصنیف کے جیسا آریہ قوموں کا تمدن تھا ویسی ہی زبان بھی تھی پھر ایسی زبان کی کتاب کے معنی دریافت کرنا کوئی آسان کام نہیں یہی وجہ ہو کہ ویدوں کے معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے جنکو قدیم پنڈت مانتے آئے ہیں اور جو آریہ کے پیشواؤں نے معنی بیان کئے ہیں دونوں کو ملا کر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دو جدا کتاب ہیں ۱۲ منہ

تاریکی پیدا کرتی ہیں۔ زنا۔ قتل۔ ظلم۔ جھوٹ بولنا بت پرستی وغیرہ ان میں بھی نسخ نہیں نہ اسکے مسلمان قائل ان امور میں جملہ شرائع انبیاء علیہم السلام ابدی ہیں اور ان سب باتوں میں جملہ انبیاء علیہم السلام متفق ہیں سب کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی شریعت ہے جیسا کہ قرآن میں ہے شرع[1] لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوری رکوع ۲) اولئک[2] الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ (سورۃ انعام رکوع ۹)

(دوسم) فروع عملیات یعنی ان احکام کے قوالب اور صورتیں البتہ ان میں بحسب ضرورت وقت وبلحاظ اقوام ضرور نسخ ہوا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ مثلاً نماز کسی نبی کے عہد میں صرف دعا و تسبیح وتہلیل تھی آخر نبی کے عہد میں اسمیں رکوع وسجود وغیرہ شرائط وارکان قائم ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام جو فرماتے ہیں کہ میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں آیا۔ وہ قسم اول اور فطری باتوں کی نسبت فرماتے ہیں سو قرآن بھی یہی فرماتا ہے رہا فروع کا اختلاف حسب موقع سو اسکا نہ تو کوئی یہودی انکار کرسکتا ہے نہ کوئی عیسائی بشرطیکہ وہ توریت اناجیل کا قائل بھی ہو کیونکہ فروع میں نسخ انکے ہاں بھی ثابت ہے جسکے نظائر یہ ہیں (۱) آدم علیہ السلام کے عہد میں بہن بھائی کا نکاح درست تھا بلکہ سارا حضرت ابراہیم کی علاتی بہن نہیں جیسا کہ توراۃ سفر تکوین کے بیسویں باب میں ہے حالانکہ یہ حکم حضرت موسیٰ کے

---

[1] اے مسلمانوں تمہارے لئے وہ شریعت قائم کی ہے کہ جس کا ہمنے نوح کو حکم دیا تھا اور وہ جو اے پیغمبر آپ پر وحی کی گئی اور وہ جسکا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسکو قائم رکھو اسمیں اختلاف نکرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شریعت محمدیہ اگلی شریعتوں اور جدید احکام منزل من اللہ کا مجموعہ ہے کوئی نئی شریعت نہیں۔ اب اسکے احکام کو اور شریعتوں سے لئے جانے کا الزام لگانا محض بیہودہ خیال ہے ۱۲ منہ

[2] یہ انبیاء (جنکا ذکر ہوا) وہ ہیں کہ جنکو خدا نے ہدایت دی تھی پس اے پیغمبر آپ بھی انہیں کی چال چلیں یعنی اصول دین اور شریعت سب انبیاء کی متحد ہیں۔ ان میں قرآن نے نسخ نہیں کیا ۱۲ منہ

عہد میں منسوخ ہوگیا۔ اور بمنزلہ زنا کے قرار دیا گیا جیسا کہ سفر احبار کے اٹھارہویں باب میں ہے (۲) نوح علیہ السلام کے عہد میں زمین پر چلنے والے کل جانور حلال تھے جیسا کہ سفر تکوین کے ۹ باب میں ہے مگر موسےٰ کے عہد میں بہت سے حرام ہوگئے جنمیں خنزیر بھی ہے ملاحظہ ہو سفر احبار کا گیارہواں باب۔ (۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کے عہد میں دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا درست تھا چنانچہ لیا اور راحیل دو حقیقی بہنیں ایک وقت میں حضرت یعقوب کے نکاح میں تہیں جیسا کہ سفر تکوین کے ۲۹ باب میں ہے پھر یہہ نکاح حضرت موسےٰ کے عہد میں حرام ہوگیا۔ ملاحظہ ہو سفر احبار کا اٹھارہواں باب۔ (۴) حضرت موسیٰ کے عہد میں بہت سے جانور حرام تھے۔ ختنہ اور تعظیم سبت وغیرہ فرض تھی اور انکی بہت تاکید تھی اور انکوابدی بھی بتایا تہا۔ مگر موسےٰ کی اس تمام شریعت کو حواریوں نے یک لخت منسوخ کردیا۔ صرف چار حکم باقی رکھے۔ ذبیحہ[1] صنم۔ خون[2]۔ گلا گھونٹا[3] ہوا جانور زنا۔ جیسا کہ نامہ حواریان کے پانچویں باب میں مذکور ہے پھر چند روز کے بعد پولوس مقدس جسکے مذہب پر جملہ عیسائی چلتے ہیں۔ زنا کے سوا انکو بھی منسوخ کردیا (نامہ حواریاں باب ۵) مگر جب اوسپر بھی کوئی سزا قائم نہ رکھی تو گویا اسکی بھی ایک معنی سے اجازت دیدی۔ اس سے بڑھکر یہ ہے کہ پولوس مقدس نے موسیٰ کی تمام شریعت اور کتاب کو جسکو پرانے عہد نامہ سے تعبیر کیا ہے کمزور اور بیفائدہ سمجھکر اٹھا دیا[1] ملاحظہ ہو پولوس کا وہ خط جو اہل اغلاطیہ کو لکھا ہے اسکا تیسرا باب اور اسمیں حضرت مسیح علیہ السلام کا لوگوں کے بدلہ میں ملعون ہونا بھی لکھا ہے۔ اور پیشوائے فرقہ پراٹسٹنٹ مارٹین لوتہر تو بدکاری کرنے اور شریعت سے آزاد

---

[1] انسان کے شتر بے مہار اور ہر طرح کی بدکاری عیاری میں شاطر ہونے کے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی تجویز سمجھ میں نہیں آتی یہ وہ اعتقاد ہے جو انسان کو مذہبی برکات سے محروم رکھتا ہے۔ اسیلئے عیسائی ممالک میں باوجود تہذیب اور شائستگی کے بدکاری شراب خوری کا وہ رواج ہے جس کا نظیر کسی دوسری جگہ مشکل سے ملیگا ۱۲ منہ

رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اسپر مغفرت کا مستحق بتاتا ہے۔

عیسائی اس مقام پر لاجواب ہو کر ایک توجیہ کیا کرتے ہیں کہ موسیٰ کی رسمی شریعت کی مسیح کے آنیسے ضرورت نہ رہی۔ البتہ اخلاقی شریعت واجب العمل ہے اور وہ اخلاقی کیا ہے صرف مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا اور دنیا کا کفارہ سمجھنا اور ان باتوں پر ایمان لانا یہی تو مسلمان بھی کہتے ہیں کہ بعض شرائع سابقہ رسمی ہونے کے سبب واجب العمل نہ رہے اور یہی وہ نسخ ہے جسکے مسلمان قائل ہیں۔ بات تو ایک ہی ہے پھر اوسپر اعتراض کرنا اپنے ہی اوپر اعتراض کرنا ہے اور اس تیشہ سے جسکو اسلام پر چلاتے تھے اپنے مذہب اور پولوس وغیرہ کے اقوال کو جڑ پیڑ سے کاٹتا ہے جنہوں نے باوجودیکہ حضرت مسیح اسکا شوشہ بھی مٹانے نہیں آئے تھے۔ اسکے ورق اور ابواب بلکہ کتاب مٹا دی یہ تو نسخ نہیں نہ اسمیں کوئی عیب۔ مگر مسلمان جو کہتے ہیں وہ نسخ اسپر طعن۔ عجب انصاف ہے۔

قرآن کے احکام میں بھی نسخ ہوا ہے؟

ابومسلم وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ ہرگز نہیں۔ نہ احکام میں نسخ واقع ہوا ہے نہ آیات کے الفاظ میں اور جن احکام کو منسوخ کہا جاتا ہے در اصل وہاں تعمیم و تخصیص ہے۔ یا وہ احکام در اصل واجب و فرض نہ تھے۔ لوگ انکو عمل میں بطور وجوب کے لاتے تھے۔ بعد میں واضح کر دیا گیا کہ یہ واجب نہیں۔ اس بات کو علماء نے نسخ سمجھ لیا۔ اور جن کو آیات منسوخ التلاوہ کہا جاتا ہے در اصل وہ قرآن نہ تھا بلکہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تھی جسکو صحابہ نے متبرک سمجھ کر ان آیات کے ساتھ ملا کر مصاحف میں لکھدیا تھا۔ قرآن جب جمع کیا گیا اور ان تفسیری جملوں کو ترک کیا گیا تو لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ منسوخ التلاوہ ہو گئے۔ اور بے احتیاط محدثوں نے اس کی بابت حدیثیں روایت کر دیں جو بیشتر غلط ہیں۔

اکثر علما کہتے ہیں کہ قرآنی احکام میں بعض بعض مواقع پر نسخ ہوا ہے۔ غور کر کے جو دیکھا گیا تو اس قسم کا پانچ حکموں میں نسخ پایا گیا (۱) ابتدا اسلام میں میراث کے حکم سے پہلے وصیت فرض تھی۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ احدکم الایہ یہ حکم آیت میراث سے منسوخ ہو گیا یوصیکم اللہ فی اولادکم الایہ (۲) ابتدا اسلام میں جسکا شوہر مر جائے اوس عورت کے لئے برس بھر عدت کرنے کا حکم تھا والذین یتوفون الی قولہ متاعًا الی الحول۔ یہ حکم منسوخ ہو گیا صرف چار مہینے دس دن کی عدت باقی رہ گئی اربعۃ اشھر وعشرًا۔ (۳) ابتدا اسلام میں وہ چند کفار سے مقابلہ فرض تھا ان یکن منکم عشرون صابرون۔ انفال۔ اس کے مابعد کی آیت سے صرف دو چند سے مقابلہ کرنا باقی رہ گیا (۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو موجودہ بیویوں کے علاوہ اور سے نکاح کرنا ممنوع ہو گیا تھا لا یحل لک النساء من بعد مگر یہ حکم اس سے پہلی آیت سے یا اس آیت سے منسوخ ہو گیا انا احللنا لک ازواجک الایہ (۵) ابتدا میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر صدقہ دیئے سرگوشی کرنا ممنوع ٹھہر گیا تھا کس لئے کہ منافقین مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے خواہ مخواہ آنحضرت سے سرگوشیاں کر کے آپ کا بھی حرج کرتے اور مسلمانوں کو بھی ایذا دیتے تھے اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰیکم صدقۃ۔ سورہ مجادلہ۔ مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

قدما نسخ کے وسیع معنے لیکر بہت سی آیات کو منسوخ کہہ دیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک عام کی تخصیص مطلق کا مقید کرنا یا بالعکس نسخ سمجھا جاتا تھا۔ اس معنے سے ابو مسلم وغیرہ اور قدما میں نزاع لفظی باقی رہجاتا ہے۔ کیونکہ اسکا وہ بھی انکار نہیں کرتے۔ نسخ متنازعہ فیہ وہ ہے کہ دونوں حکموں میں صریح تعارض ہو تو پھر مؤخر حکم کو ناسخ اور مقدم کو منسوخ

۵ گروہ اخیر کا استدلال اس آیت سے ہے ما ننسخ من ایۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا۔ کہ جب ہم کسی آیت کو مٹاتے یا بھولاتے ہیں تو اوس سے بہتر یا ویسی ہی اور لے آتے ہیں۔

منسوخ کہیں گے۔ اس تقدم و تاخر کا پتا آیات کے زمانہ نزول سے لگایا جاتا ہے اسلئے علماء مفسرین آیات مکیہ و مدنیہ کو بتلادیا کرتے ہیں اور فن تفسیر کا یہ بھی ایک اہم کام ہے علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آیات کی ترتیب اور تقدم و تاخر سے ناسخ و منسوخ نہیں متعین کیا جاویگا بلکہ زمانہ نزول سے گو ناسخ جو بعد میں نازل ہوا ہے منسوخ سے مقدم ہی کیوں نہ لکھا گیا ہو ✢

ف قرآن کا نزول بتدریج ہوا ہے کبھی ایک سورہ کی چند چند آیات نازل ہوئی ہیں کبھی ایک سورہ تمام و کمال نازل ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی ہوا ہے کہ ایک بڑی سورہ کچھ مکہ میں قبل ہجرت نازل ہوئی اور باقی مدینہ میں۔ قرآن کی آیات اور سورتوں کی ترتیب نزول پر نہیں رکھی گئی ہے بلکہ قرآن کی اصلی حالت پر جو لوح محفوظ میں تھی یا مضمون کی مناسبت پر مگر یہ سب کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بامر الٰہی ہو چکا تھا۔ آیات کی ترتیب بدلنے کا کسیکو اختیار نہیں ✢

فصل

احکام جن آیات میں بیان ہوئے ہیں انکی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ جنہوں نے صراحت کا لحاظ کیا ہے ان کے نزدیک ایسی آیات کی تعداد ایک سو پچاس ہے اور جنہوں نے استنباط کا بھی خیال کیا ہے ان کے نزدیک پانسو ہیں۔ احکام کی تقسیم علماء نے اس طور سے کی ہے کہ جو فعل ایسا ہو کہ خواہ اسکو کوئی کرے

بقیہ نوٹ صفحہ (۴۷۳) ابو مسلم کہتے ہیں کہ آیت سے مراد آیت قدرت ہے نہ آیت قرآنی بدلیل سیاق وسباق اور نیز یہ جملہ شرطیہ ہے جس کے لئے تحقق شرط نہیں امام رازی نے بھی اس آیت سے نسخ آیات قرآنیہ پر استدلال کرنے میں کلام کیا ہے ۱۲ منہ

ف ابو مسلم وغیرہ ان پانچ احکام میں بھی نسخ حقیقی کے قائل نہیں ۱۲ منہ

یا نکرے تو اسکو **مباح** کہتے ہیں اور جسکو کرنا چاہیئے اسکی کئی صورتیں ہیں یا تو ضرور اسکو عمل میں لانا چاہیئے اور اسکی تاکید شدید ہے تو اسکو **فرض** کہتے ہیں اور جس کی اس سے کم تاکید ہے تو اسکو **واجب** کہتے ہیں اور جو اس سے بھی کم تاکید ہے اور اس کے ترک پر کوئی دنیاوی یا اخروی قباحت وعذاب مرتب نہیں ہے تو اسکو **مندوب** کہتے ہیں سنت موکدہ اور سنن زوائد اسمیں داخل ہیں۔ اور اس سے کم درجہ وہی مباح ہے اور اگر اوس کے ترک کی تاکید و تہدید ہے اور اسپر کوئی عذاب ونکال مرتب کیا ہے تو اسکو **حرام** کہتے ہیں اور جو اس سے کم تہدید و تاکید ہے تو اسکو **مکروہ تحریمی** کہتے ہیں اور جو اس سے بھی کم ہے تو اسکو **مکروہ تنزیہی** کہتے ہیں۔ اور جو یہ بھی نہیں تو وہ مباح ہے ۔غرض امر مباح کی دونوں طرف یکساں ہیں کرنے پر ثواب نہیں نکرنے پر عذاب نہیں۔

یہ بات کہ یہ حکم مذکورہ اقسام میں سے کس قسم میں داخل ہے۔ قرآن کے الفاظ سے سمجھی جاسکتی ہے۔ فرض وواجب کے علامات (۱) لفظ فرض (۲) یوصیکم او وصّی یا وصینا (۳) لفظ امر۔ ان اللہ یامرکم (۴) امر کے صیغے مگر جہاں قرینہ غیر وجوب کا ہو وہاں اباحت سمجھی جائے گی۔ (۵) لفظ قضی یا جو اس معنی کے الفاظ ہوں (۶) یا اس کے ترک پر کوئی قباحت دنیاوی یا عذاب اخروی مرتب کیا ہو (۷) اس کے فاعل کی مدح اور اسپر نتیجہ خیر مرتب کیا ہو (۸) اس کے عمل میں لانے کی تاکید فرمائی ہو۔ (۹) اس فعل پر کوئی ثواب مرتب کیا ہو (۱۰) اس فعل کو ابرار کا فعل بتایا ہو اسپر اپنی محبت ورضا کا اظہار کیا ہو۔ حرمت وکراہتہ تحریمی کے علامات (۱) لفظ حرام وحرمت کا اطلاق ہونا (۲) اسپر نہی وارد ہونا۔ (۳) اس فعل کو رجس یا نجس یا شیطان کا فعل بتانا (۴) اسپر کوئی عذاب اخروی یا عتاب صادر کیا جانا (۵) اس کے فاعل کی مذمت۔ (۶) اسکو کسی خرابی کا باعث کہنا۔ (۷) اسکو حمقاء وسفہاء کا فعل بتانا۔ (۸) اس فعل پر

لعنت کرنا (۹) اسکے فاعل پر لعنت کرنا (۱۰) اسکو اپنے غضب اور ناراضی کا سبب بتانا وغیرہ
ف بعض علماء کے نزدیک فرض و واجب میں اسیطرح حرام و مکروہ تحریمی میں کچھ فرق نہیں لیکن محققین نے یہ فرق بتایا ہے کہ جسکا عمل میں لانا دلیل قطعی سے سمجھا جائے۔ اور اس کی دلالت بھی یقینی ہو تو وہ فرض ہے۔ اگر اسیطرح سے ممانعت ثابت ہو تو وہ حرام ہے۔ اور اگر دلیل ظنی سے ثبوت یا ممانعت ہے تو اسکو واجب یا مکروہ تحریمی کہیں گے خواہ اسکے ثبوت میں ظن ہو جیسا کہ خبر احاد اور قیاس مجتہد یا ثبوت تو قطعی ہو مگر دلالت ظنی ہو کہ وہ بات قرآن کے صاف لفظوں سے ثابت نہیں ہوتی۔ اسیلئے فرض اور حرام کا منکر کافر سمجھا جائے گا نہ واجب و مکروہ تحریمی کا۔

دلیل قطعی آیت یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی ہے ۱۲ منہ

جن امور کے کرنے کا شرع نے حکم دیا ہے ان میں ضرور کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے جسکو عقل سلیم بھی تسلیم کرتی ہے اور جن سے منع کیا ہے انمیں کوئی نہ کوئی قباحت ہوتی ہے جو غور و فکر سے عقل میں آسکتی ہے۔

(فصل)

لفظ اگر اپنے پورے معنی پر دلالت کرے تو اس دلالت کو مطابقی کہتے ہیں اور اگر معنی کے جزر پر دلالت کرے تو اسکو دلالت تضمنی کہتے ہیں اور اگر معنی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر دلالت کرے بشرطیکہ اوس غیر اور معنی اصلی میں کوئی لزوم ہو ورنہ معنے کے غیر تو ہزاروں چیزیں ہوتی ہیں اپر لفظ بغیر لزوم کے کہ اس کے تصور سے اسکا بھی تصور آجائے۔ کیوں دلالت کرنے لگا۔ ایسی دلالت کو التزامی کہتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ تخت اس سے جو وہ مرکب بنا ہوا سمجھا جاتا ہے یہ دلالت مطابقی ہے۔ اور اسکا جو کوئی جزر پایا تختہ وغیرہ سمجھا جاتا ہے تو یہ دلالت تضمنی ہے اور اس سے جو اس کے بنانے والے کا وجود سمجھا جاتا ہے خواہ وہ کوئی ہو یہ دلالت التزامی ہے

یہ دلالت[1] لفظی وضعی کے اقسام ہیں پھر ہر جملہ جو ظاہر المراد ہے وہ محتمل تاویل ہے یا نہیں اگر اسمیں تاویل کی گنجایش ہے پھر اگر اسکے معنی کا ظہور محض اسکے الفاظ سے ہے تو اسکو **ظاہر** کہتے ہیں اور اگر سیاق کلام سے اسکے معنی میں اور بھی ظہور ہو گیا ہے تو **نص** کہتے ہیں جیسا کوئی یوں کہے کہ میرے پاس قوم آئی اسکو مجیئت قوم کے لئے نص کہیں گے اور جو کوئی یوں کہے کہ مینے فلاں کو اسوقت دیکھا جبکہ میرے پاس قوم آئی تہی تو فلاں کی رویت کیلئے تو یہ کلام نص اور قوم کے آنے کے لئے ظاہر ہوگا عام محاورہ شرعی میں ہر آیت اور حدیث کو بھی نص کہا کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے معنی کا ظہور اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اب اسمیں دوسرے معنے بذریعہ تاویل پیدا کرنے کی بھی گنجایش نہیں رہی تو اسکو مفسر کہتے ہیں۔ لیکن باوجود اسقدر ظہور معنی کے اسمیں منسوخ ہونے کا احتمال باقی تہا اور اگر یہ احتمال بھی باقی نہ رہے تو اسکو محکم کہتے ہیں۔ اور اس میں اس احتمال باقی نہ رہنے کی وجہ یا تو خود اس کے معنے کے

---

[1] دلالت کی کئی قسم ہیں ایک عقلی ہے اسکی دو قسم ہیں غیر لفظی جیسا کہ دہوئیں سے آگ کا معلوم کر لینا اسمیں لازم سے ملزوم اور ملزوم سے لازم پر دلالت ہوتی ہے۔ دوئم لفظی کہ کسیکی آواز سنکر یہ سمجہہ لینا کہ کوئی آواز دینے والا ہے۔ دوسری طبعی کہ اقتضار طبیعت سے اندرونہ حالات پر دلالت کرنے والا کوئی چیز پیدا ہوں جیسا کہ درد میں ہائے ہائے یا بدن میں کوئی حالت پیدا ہو جیسا کہ خوف کے وقت چہرہ کی زردی تیسری وضعی کہ کسینے کوئی چیز کسی چیز کیلئے وضع کر دی ہو وہ غیر لفظی بھی ہوتی ہے جیسا کہ اشارات اور جہنڈیاں اور حروف کی صورتیں وغیرہ اور لفظی بھی ہوتی ہے جیسا کہ الفاظ کا معنی کے لئے وضع کرنا پھر یہ مطابقی تضمنی التزامی اس کی قسم ہیں ۱۲ منہ

ف مفسرین کے نزدیک آیات محکمات میں ظاہر نص مفسر محکم سب داخل ہیں اور درجات متفاوت ہیں اسیطرح مشکل۔ مجمل متشابہ۔ سب متشابہات ہیں اور ان کے بھی درجات متفاوت ہیں ان معنی سے ضرور متشابہات کو راسخین بھی جانتے ہیں ۱۲ منہ

استقامت ہے جیساکہ آیات توحید وصفات وغیرہ امور اعتقادیہ یاکسی عارض کے سبب نسخ کا احتمال جاتا رہا ہو جیساکہ آیات احکام وغیرہ بھی اب انقطاع وحی اور وفات پیغمبر علیہ السلام کے سبب منسوخ نہیں ہوسکتیں اسلئے وہ بھی محکم ہوگئیں +

ان چار قسموں کے مقابل جنمیں درجہ بدرجہ معنے کا ظہور تہا۔ چار قسم اور ہیں جن میں درجہ بدرجہ معنی میں پوشیدگی بڑہتی جاتی ہے۔ کیونکہ اگر ان کے معنی کا خفار کسی عارضی سبب سے ہو الفاظ میں خفار نہیں ہے تو اسکو **خفی** کہتے ہیں پہر یہ خفار کبھی تو معنی کے زیادہ ہوجانے سے ہوتا ہے کبھی کم ہوجانے سے۔ جیساکہ آیت سرقہ کفن چور کے حق میں معنے سرقہ کے کم ہوجانے سے خفی ہے۔ کیونکہ چوری مال محفوظ کو مالک کی غفلت سے لیجانے کا نام ہے اور کفن مال محفوظ نہیں اور کیسہ بُر میں معنے کی زیادتی سے خفا ہوگیا۔ کیونکہ یہ غفلت میں نہیں بلکہ ہوشیاری میں مال اوڑا لیجاتا ہے۔ اسمیں غور وتامل کر کے معنی قائم کرنے چاہئیں۔ یا الفاظ ہی میں کوئی خفار ہے۔ مگر ایسا خفا ہے کہ سباق وسیاق اور قرائن میں تامل کرنے سے دور ہوسکتا ہے تو اسکو **مشکل** کہتے ہیں۔ اور اگر تامل سے بھی خفار دور نہو سکے بلکہ متکلم کیطرف سے وضاحت کا محتاج ہو تو ایسے کلام کو **مجمل** کہتے ہیں جیساکہ والعادیات ضبحاً وغیرہا کہ ان سے کیا مراد ہے گھوڑے یا اونٹ؟ اور اگر یہ امید بھی نہو تو اسکو **متشابہ** کہتے ہیں۔

کلام میں خفار کے کئی سبب ہوتے ہیں کبھی اشتراک یا غیر معروف ہونے کے سبب یا ضمائر اور اسم اشارات سے مراد متعین نہونے کے سبب معنی میں مخاطب کے نزدیک خفار پیدا ہوجاتی ہے مفسر کا کام ہے کہ اسکو حل کرے اور اسکو فن تفسیر میں **شرح غریب** کہتے ہیں اور اسمیں مفسر کا کمال یہ ہے کہ قرآن کے دوسرے جملوں ہی سے حل کرے ورنہ صحابہ وتابعین کے اقوال سے جو بروایت معتبرہ ثابت ہوں اس کے بعد کتب لغت وغیرہ سے +

کلام میں **اشکال** پیدا ہو جانے کے بھی چند اسباب ہوتے ہیں کبھی کوئی مضمون دوسرے آیات یا احادیث صحیحہ یا تاریخی واقعات کا مخالف معلوم ہوتا ہے اور حقیقت میں مخالف نہیں ہوتا یا اسمیں قواعد زبان کا خلاف معلوم ہوتا ہے یا مضمون ہی میں کوئی پیچیدگی ہوتی ہے یا واقعات کے بیان میں ان کی ترتیب وقوع اور قصہ کا ابتدا نہ معلوم ہونے سے اشکال پیدا ہو جاتا ہے اسیطرح احکام کا پورا حال ذہن نشین نہونے کے سبب اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔

مفسر کا فرض ہے کہ اسکو بھی انہیں پابندیوں سے حل کرے مثلاً حضرت مریم کو ان کی قوم نے یا اخت ہارون کہا تھا اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا تھا کہ ہارون علیہ السلام تو حضرت مریم سے سینکڑوں برس پہلے ہو گزرے ہیں پھر مریم ان کی بہن کیونکر ہو سکتی ہیں؟۔ اسبات کو خود پیغمبر علیہ السلام ہی نے بتادیا کہ یہ وہ ہارون نہیں بلکہ ان کے نام پر مریم کے بھائی کا نام تھا اور بنی اسرائیل میں بزرگوں کے نام پر نام رکھنے کا دستور تھا۔

اجمال کے بھی بہت سے اسباب ہوتے ہیں کبھی کسیکا ذکر صفات سے ہوتا ہے یا اسکو اسماء موصولہ سے تعبیر کیا جاتا ہے یا احکام میں اطلاق ہوتا ہے یا عموم کے الفاظ ہوتے ہیں جنسے معنی میں اجمال وابہام ہو جاتا ہے جیساکہ والذاریات ذرواً اب نہیں معلوم کہ ذرایات سے کیا مراد ہے ہوائیں یا فرشتے ہیں؟ اسکا حل کرنا بھی مفسر کے فرائض منصبی میں سے ہے مگر اسکا حل احتمالات عقلیہ سے صحیح نہیں بلکہ اسکی نسبت جو کچھ نبی علیہ السلام یا ان سے تعلیم یافتوں نے بیان کیا ہے اوس سے حل کرے اور روایت صحیحہ کا اعتبار کرے۔ جیساکہ یہ آیت ہے ولقد فتنّا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب ہ کہ ہمنے سلیمان کو آزمایا اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈالدیا پھر سلیمان خدا کیطرف متوجہ ہوئے۔ اب بظاہر نہیں معلوم کہ

کہ سلیمان کی کیا آزمائش تھی اور ان کی کرسی پر جسم ڈالدینے سے کیا مراد ہے؟ بے احتیاط مفسر اسکی تفسیر میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں +

تشابہ کلام میں پیدا ہو جانیکا یہ سبب ہوتا ہے کہ تھوڑے سے لفظوں میں بہت سے معانی جمع ہو جاتے ہیں کلام کا ہر پہلو ہر ایک معنی پر برابر دلالت کر رہا ہے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی غیر محسوس کا حال محسوسات کے پیرایہ میں بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے لئے اور الفاظ ہی مخاطبوں کے محاورے میں نہیں ہوتے ہیں۔ خواہ ذات و صفات باری کا بیان ہو یا غیر محسوس عالم کے کیفیات کا +

اسمیں علماء اسلام کے دو قول ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کے معانی بجز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا ان کے نزدیک لَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ ط پر وقف لازم ہے وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ۔ دوسرا جملہ ہے۔ پھر متشابہات کے نازل کرنے سے یہ مقصود ہے کہ مخلص ایماندار اسپر ایمان لائیں چون وچرا نکریں دوسرا گروہ الا اللہ پر وقف نہیں کرتا بلکہ والراسخون فی العلم پر اسکا عطف کرتا ہے۔ ان کے نزدیک متشابہات کو علماء راسخین بھی جانتے ہیں جنمیں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فیض یافتہ بدرجہ اولی داخل ہیں اسلئے وہ ان کے معانی کی تشریح احادیث و اقوال صحابہ و اہلبیت سے کیا کرتے ہیں۔ مگر کج طبع لوگوں کو فاسد خیالات پیدا کرنے کا بڑا موقعہ ملتا ہے اسلئے قرآن نے ان کی مذمت بھی بیان فرمادی ہے +

اون پہلی چار قسموں کو کہ جنکے معنے ظاہر ہوں کسیکی تفسیر و تاویل کی حاجت نہیں انہیں تاویلات باطلہ کر کے خلاف ظاہر معنی پیدا کرنا سراسر الحاد و زندقہ ہے۔ ہاں ان کو مسلم مان کر ان کے بطون سے حقائق کا اظہار جائز ہے +

اصطلح	جب کلام کو اس کے معنی پر دلالت کرنے کے لحاظ سے دیکھا جاتا ہے یعنے یہ کلام اوس معنی پر کیونکر دلالت کرتا ہے تو اسکی بھی چار قسم پیدا ہوتی ہیں

کیونکہ مستدل جب اس کلام سے کوئی مطلب حاصل کرنا چاہتا ہے یا تو یہ کلام اس مطلب کے لئے ہی صادر کیا گیا تہا تب اس دلالت کو عبارۃ النص کہیں گے اور اگر وہ الفاظ سے تبعًا سمجہا جاتا ہے تو اسکو اشارۃ النص کہیں گے وَعَلَى المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف۔ جسکا بچہ ہے اوسپر دودہ پلانے والیکا روٹی کپڑا حسب دستور واجب ہے۔ کلام کا صدور تو مرضعہ کے روٹی کپڑا الازم ہونے کے لئے ہے اس معنی پر اسکی دلالت بعبارۃ النص ہے۔ مگر المولود لہ میں ضمیر مذکر ہے اس سے باشارۃ النص یہہ بات بہی سمجہی گئی کہ بچہ باپ ہی کا ہے نہ ماں کا۔ اول کو دلالت مطابقی دوسری کو تضمنی سمجہنا چاہیئے۔ اول دوئم سے قوی ہے اور اگر لغوی معنی سے کوئی بات سمجہی جائے تو یہ دلالۃ النص ہے فلا تقل لہما اُف ولا تنہرہما۔ کہ ماں باپ کو نہ اُف کہہ نہ جہڑک۔ مگر ان معنی سے ہر اہل زبان سمجہہ سکتا ہے کہ گالی دینا مارنا بہی ممنوع ہے۔ کیونکہ جہڑکنے اف کہنے سے منع کرنا رنج اور تکلیف دینے منع کرنا ہے۔ مارنا گالی دینا بہی تکلیف ورنج دینا ہے۔ یہہ دلالت بمنزلہ التزامی کے ہے جو لازم معنی لغوی پر ہے۔ اور اگر کلام سے وہ بات سمجہی جائے کہ جسپر معنی کی صحت موقوف ہے تو اسکو اقتضاء النص کہتے ہیں اور یہ توقف عام ہے۔ شرعی ہو خواہ عقلی۔ مثلاً نماز کا حکم دیا۔ چونکہ شرع میں نماز وضو پر موقوف ہے۔ پس اس حکم سے وضو رجو سمجہا گیا تو بطریق اقتضاء النص سمجہا گیا۔

یہہ چاروں دلالت علماء کے نزدیک معتبر ہیں اور جو کچہہ ان سے سمجہا جائیگا خواہ وہ کوئی نظری بات ہو یا عملی قطعی الثبوت سمجہی جائے گی۔ البتہ خود ان چاروں میں قطعیت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر فوقیت ہے سب میں مقدم عبارۃ النص ہے پہر اشارۃ النص پہر دلالۃ النص پہر اقتضاء النص۔

برخلاف ان کے اور دلالتیں جیسا کہ مفہوم مخالف یا مفہوم صفت و مفہوم شرط انکا اعتبار نہیں اور جو چیز استنباط اقتباس قیاس سے سمجہی جائے وہ بہی قطعی نہیں۔

بلکہ ظنی ہے۔ قیاس یہ ہے کہ ایک حکم کی علت تلاش کرنا اور جہاں وہ علت پائی جائے وہیں وہی حکم لگا دینا۔ شراب کی حرمت کی علت نشار ہے پھر جس جس چیز میں نشار پایا جاوے اوسکو حرام قرار دینا۔ شراب مقیس علیہ بہنگ وغیرہ مقیس نشار علت۔

قیاس اکثر علمار کے نزدیک معتبر چیز مانی گئی ہے۔ قرآن کی آیات یا احادیث سے جسقدر مسائل بطور استنباط ثابت ہونگے وہ بھی قابل التسلیم سمجھے جائیں گے۔ مگر قیاس **مجتہد** یعنے ایسے عالم متبحر کا کام ہے جسکو جملہ علوم شرعیہ اور ان کے مبادی پر کامل قدرت ہو اور اسمیں ملکۂ اجتہاد و استنباط بھی ہو جیسا کہ ائمہ اربعہ ابو حنیفہ۔ مالک۔ شافعی۔ احمد حنبل تہے۔

محدثین کا ایک گروہ قیاسی مسائل کا پابند نہیں نہ وہ قیاس کو حجت شرعیہ سمجھتے ہیں۔ مجتہدین کے مسائل قیاسی کے پابند **مقلد** کہلاتے ہیں اور کثرت سے ہر ملک کی مسلمان مقلد ہی ہیں۔ شیعہ انکو اصولی کہتے ہیں۔ دوسرا گروہ **ظاہری** اور اہل حدیث۔ اور غیر مقلد۔ شیعوں میں اخباری کہلاتا ہے۔

فصل

تفسیر و تاویل کے معنی اور ان کے باہمی فرق میں علمار کی مختلف عبارتیں ہیں جن کا خلاصہ مطلب قریب قریب یہی ہے۔ تفسیر۔ بروزن تفعیل۔ فسر سے ہے جسکے معنی بیان اور کشف کے ہیں اور تاویل اول سے ہے جسکے معنی رجوع کرنا۔ گویا ماول الفاظ کے چند معنی محتملہ میں سے بقرائن ایک معنی کیطرف رجوع کرتا ہے۔ **ماتریدی** فرماتے ہیں کہ تفسیر میں ایک معنی پر یقین کر لینا ہوتا ہے کہ خدا کی یہی مراد ہے اگر اس کے پاس کوئی شہادت عمدہ ہے تو خیر ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہے جو ممنوع ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قال فی القرآن بغیر علم وفی روایۃ برأیہ فلیتبوء مقعدہ من النار کہ جسنے قرآن میں بغیر علم یا اپنی رائے سے کچھہ کہا تو اسکو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہئے۔

اور تاویل میں دو معنی میں سے ایک کو ترجیح دینا ہوتا ہے +

فرق دونوں میں یہ ہے کہ مبہمات کی تعین مشکلات کا حل تشابہات کی توضیح۔ احکام کی تفصیل قیود الفاظ کے فوائد شان نزول کا بیان لغات کا حل وغیرہ سب از قسم تفسیر ہیں تاویل کا تعلق زیادہ تر معانی کے ساتھ ہوتا ہے برخلاف تفسیر کے۔ اسلئے ابو حیان نے تفسیر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک ایسا علم ہے کہ جسمیں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق اور الفاظ کے معانی اور ان کے افرادی و ترکیبی حالات اور ان کے تتمات کا بیان کیا جاوے۔ علم کا لفظ بمنزلہ جنس کے ہے جو جملہ علوم کو شامل ہے کیفیت نطق کی قید سے علم قرءت اور الفاظ کے معانی کی قید سے علم لغت کیطرف اور الفاظ کے احکام افرادی و ترکیبی کی قید سے صرف نحو۔ بیان۔ بدیع کیطرف اور حالت ترکیب کی قید سے مدلولات حقیقیہ و مجازیہ کیطرف اور تتموں کی قید سے معرفت ناسخ و منسوخ ظاہر و نص وغیرہ اور توضیح قصص و احکامات کیطرف اشارہ ہے۔ اور یہ علوم علم تفسیر کے مبادی ہیں +

پس علم تفسیر کے دو جزء قرار پائے۔ ایک معرفت ناسخ و منسوخ۔ و اسباب نزول مقاصد آیات کی تشریح غریب الفاظ کی توضیح ابہام و اجمال کی تشریح یہ حصہ تفسیر نقل صحیح اور اقوال سلف کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ متقدمین اسی حصہ کو تفسیر کہا کرتے تھے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو لغت۔ صرف و نحو۔ بیان۔ و معانی وغیرہ علوم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ علوم اس حصہ اول کے مبادی ہیں۔ جنکی طرف حاجت پڑتی ہے یہ حصہ نقل آثار سلف پر موقوف نہیں۔ ان دونوں جزوں کے لحاظ سے فن تفسیر میں صرف نحو۔ بیان۔ معانی بدیع اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ علم قرءت۔ علم فقہ۔ علم کلام۔ علم تاریخ۔ علم جغرافیہ (کیونکہ جن واقعات کا قرآن میں بیان ہوا ہے ان کے مقامات کا جاننا بھی ضرور ہے) کتب سابقہ توریت وغیرہ (کیونکہ قرآن میں بنی اسرائیل کے واقعات اور احکام کا ذکر آتا ہے) علم حدیث۔ علم الرجال۔ علم لغت۔ اور اس زبان پر عبور کامل ہونا۔ علم الزہد و الرقاق

علم الاسرار یعنے جسمیں اسرار احکام قرآنی بیان ہوتے ہیں۔ علم الجدل والخلاف علم السیرۃ علم الحقائق: یعنے وہ علم کہ جسمیں حقائق موجودات کا بیان ہوتا ہے۔ یہ بڑا وسیع علم ہے۔ اور پھر اسکی بہت شاخیں ہیں اور وہ حکمار قدیم کا جدا علم ہے۔ حکمار جدید کا جدا پھر اہل اشراق کا جدا اور پھر اہل حقیقت حضرات صوفیار کرام کا جدا جو ان کے انکشاف روحانی پر مبنی ہے جو ان کو حضرت رسول کریم سے بواسطہ یا بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے علم الحساب کیونکہ قرآن میں علم میراث بھی ہے اور اسمیں حساب کی ضرورت پڑتی ہے۔ علم منطق کیونکہ اس سے قرآن کا طریقہ استدلال معلوم ہوتا ہے +

جب تک ان علوم میں مہارت نہو تفسیر لکھنے کا قصد بھی نکرنا چاہیئے اور ان سب سے مقدم مفسر کی دیانت شرط ہے۔ کسلئے کہ جب دنیاوی امور میں غیر متدین کی بات تو کیا شہادت کا بھی اعتبار نہیں ہوتا تو دینی امور بالخصوص مطالب قرآنیہ کی بابت کیونکر اعتبار ہو سکتا ہے مخالف اور بدمذہب ضرور کچھ نہ کچھ اصلی مطلب بیان کرنے میں پردہ ڈالدیتا ہے کہ عمدہ مطلب بھی برا معلوم ہوتا ہے یا وہ اپنی طبیعت کے رنگ میں رنگ کر مطالب کو دوسرے پیرایہ میں بیان کر جاتا ہے یا وہ ایسے برے عنوان سے تعبیر کرتا ہے جو بدنما معلوم ہوتا ہے یا بدنما کرنے کے لئے پوری بات بیان نہیں کرتا۔ یا عمدہ بات کو اسکے موقعہ پر بیان نہیں کرتا یا زور دار بات کو دبی زبان سے ادا کر جاتا ہے۔ یا تفسیر میں عمداً غلط اور غیر معتبر افسانے روایت کے ذریعہ سے داخل کر کے قرآن کو عیب دار بنا کر دکھاتا ہے۔ الغرض اس قسم کی بہت سی صورتیں خیانت کی ہیں یا وہ اپنی جہالت سے مطالب کو نہیں سمجھتا اپنی رائے ناقص سے کام لیتا ہے۔ انگریزی اور فرنچ میں جسقدر یورپین نے قرآن کے ترجمے اور تفسیریں لکھی ہیں انمیں یہی کاریگری کی گئی ہے اور آجکل نئی روشنی کے ڈیوٹ جو علوم مذکورہ سے نابلد محض ہوتے ہیں صرف انگریزی میں مہارت پیدا کر لینا کافی سمجھکر قرآن کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہیں۔ کیا کیا غضب

ڈھاتے ہیں ایک تو بدمذہبی اسلامی احکام سے مطلقاً بے پروائی دوسرے علوم اسلامیہ سے جہالت تیسرے ان کی خود آرائی اور پندار ان کو جملہ علوم سے مستغنی کر دیتی ہے مسلمانوں کو ان کے تراجم و تفاسیر پر اعتبار نکرنا چاہیئے۔ نہ مخالف ہمارے مقابلہ میں ان سے سند پیش کرسکتا ہے۔

علم تاویل کی دو قسم ہیں ایک تاویل صحیح جو الفاظ سے تعلق رکھے اور ان معانی کے الفاظ بھی محتمل ہوں اور وہ اصول اسلامیہ اور سلف صالحین کے خلاف بھی نہو۔ اسکے لئے بھی بہت سے علوم درکار ہیں اور سب سے بڑھکر ایک خداداد ملکہ بھی درکار ہے جو نہ وہ وراثت سے حاصل ہوتا ہے نہ تعلیم و تعلم سے۔ اس قسم کی تاویل مقبول ہے کسلئے کہ قرآن کے لئے ظہر و بطن حدیث میں بیان ہوا ہے اور قرآن دریا بیکنار ہے اسکی تہ میں عجائب و غرائب دُرشہوار خدانے رکھے ہیں ہر پہلو اسکا ایک نئے معنی کو لئے ہوئے ہے حضرات صحابہ و اہل بیت پھر ان کی برکت سے تابعین اور ان کے بعد کے اہل کشف نے جو جو موتی اس دریا سے نکالے ہیں انمیں سے ایک ایک قرآن کا اعجاز۔ اور نبی علیہ السلام کی صداقت و عظمت کی دلیل ہے +

دوسری قسم تاویل باطل ہے جو ظاہری الفاظ قرآن سے نہ سمجھی جائے یا ان کے مخالف ہو یا جمہور اسلام کے عقائد اور نصوص صریحہ و احادیث صحیحہ کے مخالف ہو اسکو **تحریف** کہتے ہیں یہ حرام اور زندقہ والحاد ہے خواہ کوئی اسکا قائل ہو اور اگر وہ کسی مشہور بزرگ کیطرف منسوب ہے۔ تو یقین کرلینا چاہیئے کہ زندیقوں نے ابطال کتاب اللہ کے لئے اس بزرگ پر بہتان لگایا ہے۔ اس قسم کی تاویل باطل کرنے کے چند اسباب ہوتے ہیں (اول) مخالفین مذہب اسلام نے پہلے زمانہ میں ایسی چالاکیاں کیں ہیں اور اب بھی کرتے ہیں تو تعجب نہیں کہ کبھی کسینے اپنے تئیں مسلمان ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ درویشی اور تصوف میں قدم دھرنا شروع کیا۔ بہت لوگ ان کی خوش بیانی اور کرشمونکی

وجہ سے معتقد ہو گئے اگر کوئی رئیس یا بادشاہ بھی دام میں آگیا تو دنیا بھی ملی اور کام بھی بن آیا
تصوف کے پردہ میں ہزاروں کو زندیق بنا دیا اور کبھی کسی نے قرآن کی کوئی تفسیر بھی لکھ ڈالی
تمام نصوص کو تاویل کے پیرایہ میں اولٹ دیا۔ نماز سے مراد یہ ہے اور صوم سے مراد یہ ہے
اور جنت سے یہ اور دوزخ سے یہ قیامت اور اعمال کے حساب سے یہ اور موسیٰ و فرعون کے
واقعہ سے یہ علی ہذا القیاس۔ اور کہدیا کہ یہ ظاہر بیں علماء قرآن کی حقیقت سے کیا واقف
یہ معنی تو سینہ بسینہ پیران عظام اور حضرات اہل بیت سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں نماز
نہ دار و سب محرمات حلال۔ کبھی کوئی اس قسم کی تفسیر بنا کر کسی بزرگ کے نام سے مشتہر کر دی
اور دیباچہ میں اسکا نام لکھدیا۔ اب کوئی نہیں پوچھتا کہ اس کا مصنف کون ہے ؟

اسیطرح ایسے زندیقوں نے پیغمبر علیہ السلام کے نام سے صدہا جھوٹی حدیثیں بھی
گھڑلیں اور مجہول راویوں کے نام لیکر حدثنا و اخبرنا کہہ کے سند بھی بنالی۔ مگر محدثین
کو خدا جزا خیر دے انہوں نے یہ چوریاں پکڑ کر لوگوں کو متنبہ کر دیا۔ اور بعض چالاکوں
نے چند مقام پر قرآن میں ایسے روایات اور معنی پیدا کر دیئے تاکہ اسلام کے نورانی چہرہ
پر بدنما داغ لگے۔ مثلاً اس آیت کی تفسیر میں وما ارسلنا من قبلک من رسول
ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ الآیہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ
میں سورہ نجم پڑھ رہے تھے اور اس مجلس میں اعیان قریش بھی تھے۔ جب آپ اس
جملہ پر پہونچے ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ تو شیطان نے آپ کی آواز سے اپنی آواز مشابہ
کر کے بتوں کی مدح میں یہ جملہ بھی پڑھ دیا۔ وتلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتہن
لترتجی۔ کہ یہ بڑے بڑے قدیم بت ہیں ان کی شفاعت مقبول ہے۔ حالانکہ یہ آیت

ف فرقہ قرامطیہ اسی قسم کی تاویلات کیا کرتا تھا اور اپنے آپ کو اہل باطن کہتے تھے حسن صباح وغیرہ کے حالات تواریخ میں موجود ہیں۔ اسیطرح فرخ سیر شاہ دہلی کے عہد میں ایک فرقہ بیکوک پیدا ہوا تھا اور اب فرقہ قادیانی ہے انکی تاویلات بھی اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ فرقہ نیچر کے تاویلات بھی اسی قسم کی ہیں ۱۲ منہ

بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ شیطان کا وحی میں دخل نہیں ہو سکتا۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ومن خلفہ۔ کہ قرآن میں آگے اور پیچھے کسی طرف سے بھی باطل کا دخل نہیں ہو سکتا اسیطرح اس آیت کی تفسیر میں (وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ) کی تفسیر میں یہ قصہ نقل کر دیا۔ کہ ایک روز آنحضرت زید کے گھر میں گئے اور زینب کو نہاتے دیکھ کر عاشق ہو گئے یہ بات تھی جسکو دلمیں چھپا رہے تھے اور اسکے ظاہر ہونے کا ڈر کر رہے تھے حالانکہ خود اسی آیت میں اس دل کی بات کا اشیان ہے۔ ما اللہ مبدیہ یعنے وہ کہ جسکو اللہ ظاہر کرنیوالا ہے حالانکہ اللہ نے زینب کے عشق و محبت کا کہیں بھی اظہار نہیں کیا جسکا اظہار کیا وہ زینب کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم ہے جسکو بلفظ زوجنا کہا ظاہر فرمایا۔ آپ متبنی کی بیوی سے نکاح کرنے سے اسلئے پرہیز کرتے تھے کہ رسم عرب کے خلاف ہے لوگ طعن کرینگے مگر خدا کو رسم متبنی توڑنا مقصود تھا۔ آپ اوس نکاح پر مجبور کیئے گئے۔ اگر بقول مخالفین آپ پیغمبر نہ تھے اور بیجا خواہشیں دلمیں مخفی رکھتے تھے تو آپ اپنی برائی قرآن میں کیوں ظاہر کرتے جو ہمیشہ یادگار رہے اور منافقوں اور یہود بنی نضیر و بنی قریظہ اور عرب کے تمام قبائل کو جو رات دن آپکے عیب تلاش کرتے رہتے تھے۔ ایک تمسک ہاتھ آجائے بعید از قیاس ہے اس صاف اور عمدہ بات کو پادریوں اور دیگر مخالفوں نے کن کن رنگ آمیزیوں کے ساتھ بیان کر کے سخت الفاظ میں آنحضرت صلعم کی ذات پاک پر عیب لگایا ہے۔ اور چال چلن کی برائی ثابت کی ہے۔

(دوم) خیالات کا رجحان بھی ایسی تاویلات کرنے پر مجبور کیا کرتا ہے۔ پھر جس کسی کی کمزور طبیعت پر فلسفہ غالب آگیا اور وہ اس کو حق سمجھ بیٹھا اس نے اس کے اعتراضات سے بچنے کے لئے تمام اصول روشن اور الہامی مطالب کو کھینچ تان کر بذریعہ تاویلات فلسفہ ہی کے مطابق کر دیا۔ اور وہ اپنی اس کوشش بیہودہ کو قرآن اور اسلام کی خیر خواہی اور خدمت سمجھا۔ چنانچہ جب بنی العباس کے عہد میں یونانی فلسفہ عربی میں ترجمہ ہوا تو

ایک فرقہ نے جسکا نام معتزلہ تھا قرآن کو اسکے مطابق کرنے کی کوشش کی کیونکہ ان کی
کمزور طبیعتوں پر اوس فلسفہ کے مسائل اثر کر گئے تھے ان کی مخالفت کو قرآن کا نقص
سمجھتے تھے اسلئے انہوں نے تاویلات کے ذریعے قرآن کو اس کے مطابق کرنے میں
کوشش کی اور تفسیریں لکھیں ابو علی جبائی کی تفسیر اس قسم کی ہے۔ اور جب اس زمانہ میں
وہ فلسفہ تحقیقات جدیدہ کے مقابلہ میں تقویم پارینہ ہو گیا تو مسلمانوں کے بعض اشخاص[لہ]
کے دلمیں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ جسطرح ہو سکے قرآن کو اس فلسفہ کے مطابق کیا جاوے
تاکہ اس کے حملوں سے بچے اسلئے انہوں نے بھی اس قسم کی تفسیر لکھی جنمیں عالم غیر حسی
کی موجودات کا اور نیز ان چیزوں کا کہ جنکو فلسفہ نہیں مانتا۔ انکا بذریعہ تاویل کیا ہے۔
فرشتوں کو کبھی قوی نباتات کبھی صفات باری بنایا جن کو جنگلی قوم کہا معجزات کا انکار کیا
مگر یہ نہ سوچا کہ اگر آیندہ یہ فلسفہ بھی یونانی فلسفہ کیطرح جسکی صدیوں تک حکومت کا
ڈنکا بجتا رہا ہے غلط ثابت ہو گیا اور کوئی اس کے برخلاف تیسرا فلسفہ پیدا ہو گیا۔
تو پھر قرآن کو اسکے مطابق کرنا پڑے گا۔ کلام الٰہی کیا ہوا موم کی ناک ہو گئی جدھر
چاہا موڑ دیا +
فلسفۂ حال کی یہ کیفیت ہے کہ روز بروز اسمیں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ آج سے
بیس برس آگے بعض وہ مسائل جو حق الیقین کے مرتبہ پر مانے جاتے تھے غلط ثابت
ہو گئے پھر باقی مسائل کی کون ضمانت کر سکتا ہے کہ وہ بدستور رہیں گے؟
کبھی مذہبی خیالات اس تاویل پر محرک ہوا کرتے ہیں بعض حضرات شیعہ نے قرآن کی
آیات کو اہلبیتؓ اور ان کے مخالفین ہی کے حق میں نازل شدہ قرار دیدیا گویا قرآن کو
بجز اس خلافت و امامت کے جھگڑے کے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ اور لطف یہ ہے
کہ تاویلات اور زبر و بینات کے اشاروں میں تو سب کچھ کہا روایات کے زبان سے

لہ سرسید احمد خاں ابعد ان کے حواری ۱۲ منہ

بہت کچھ فرمایا یہاں تک کہ ان کے اصلی مخالفوں کے اور نیز ان کے کہ جو امام و خلیفہ ہو جانے کے جرم میں بخیال شیعہ دشمن اہل بیت قرار پا گئے ہیں نام بھی تبادیئے اور ان کی دنیاوی و اخروی سزائیں بھی بیان کردیں۔ مگر اتنے بڑے قرآن میں باوجود فصاحت و بلاغت کے یہ ذرا سا مسئلہ خلافت صراحت سے کہیں بھی بیان نہ کیا گیا یا یوں کہو بیان نہو سکا۔ تعجب ہے۔ کبھی صوفیانہ خیالات کا غلبہ اس تاویل پر محرک ہو جاتا ہے بعض نے تمام آیات کو نفس و روح و حدت الوجود ۔ تجلی ذاتی ۔ و صفاتی وغیرہ پر اولٹ دیا نہ قرآن میں موسےٰ کا ذکر نہ فرعون کا حال نہ کوئی شریعت نہ حلت و حرمت آیت و قصاص ہے نہ اعمال کی جزار و سزار کا تذکرہ ہے سب کچھ اول سے لے کر آخر تک یہی تجلی وغیرہ اشیار کی کہانی ہے۔ جس سے نہ صحابہ واقف تھے نہ اہلبیت کے کان آشنا تھے نہ تیسری چوتھی صدی تک کوئی زباں داں مسلمان واقف تھا نہ اس عہد تک اولیار اللہ ہوئے تھے نہ اہل کشف و شہود تھے طرفہ ماجرا ہے۔ کبھی کسی کی بیجا خوشامد یا طرفداری بھی ایسی رکیک تاویلات پر مجبور کر دیا کرتی ہے کہ وہ آیات کو اپنے ہی مطلب کی طرف کھینچا کرتا ہے۔

تفسیر میں بھی ایسے ہی اسباب سے بے اعتدالیاں ہو جایا کرتی ہیں۔ مثلاً قرآن نے انسانی جذبات کا حال بیان فرماتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ ہمنے انسان اور اسکی بیوی کو پیدا کیا۔ فلما تغشٰها حملت حملا خفیفا فمرت به فلما اثقلت دعوا الله ربهما لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین فلما اتاهما صالحا جعلا له شرکاء فیما اتاهما فتعالی الله عما یشرکون۔ آیت میں الفاظ ماضی اور تثنیہ کے صیغوں کے آنیسے یہ سمجھ لیا کہ اس سے حضرت آدم اور حوار مراد ہیں۔ اب اس سے منطبق کرنے کے لئے ایک قصہ بھی تراش لیا کہ حضرت حوار کو جو ابتدا حمل رہا اور بھاری ہوا تو میاں بیوی اس عجوبہ حالت سے گھبرائے۔ شیطان نے آکے کہا کہ بچہ پیدا ہوگا

اسکا نام عبد الحارث رکھنا (کیونکہ حارث[1] شیطان کا نام ہے) چنانچہ آدم وحوا نے اس کا نام عبد الحارث رکھا یہ ہے وہ شرک جو آیت میں ذکر ہے۔
حالانکہ یشرکون جمع کا صیغہ بتا رہا ہے کہ آدم وحوا نہیں بلکہ مطلق نر و مادہ مراد ہیں۔
اور یہ انسانی طبیعت کا روزمرہ کام ہے کہ بوقت مصیبت خدا سے التجا کیجاتی ہے۔ اور رستگاری کیوقت اسباب کیطرف اس نعمت کو منسوب کر دیا جاتا ہے +
اس قصہ کی بے بنیادی کا ایک نشان یہ بھی ہے کہ صحیحین میں باوجود کتاب التفسیر لکھنے کے اس قصہ کا ذکر تک بھی نہیں آیا۔ مگر بت پرستوں کو اسلام کے مقابلہ میں اچھا تمسک ہاتھ آگیا کہ باوا آدم جو مسلمانوں کے اعتقاد میں پیغمبر اور معصوم ہیں قرآن کے بیان سے وہ بھی مشرک ہیتے پھر ہمارے اکابر اور دیوتاؤں پر زناکاری اور قتل وغیرہ معاصی کا کیا الزام لگایا جاتا ہے +
اسی قسم سے ذات العماد کی بابت ایک روایت مشہور کر دی ہے کہ نواح یمن میں تک ایک شہر جنگل میں ایسا ہے جسمیں بہشت کے تمام سامان موجود ہیں شہد اور دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں یاقوت وزبرجد سے بڑے بڑے محلوں کی دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ سونے چاندی کے مکانات ہیں انمیں مہ جبین عورتیں گلگشت کرتی پھرتی ہیں مگر وہ شہر انسانوں کی نظروں سے غائب ہے معاویہ کے زمانہ میں کیکا اونٹ کھویا گیا تھا اتفاقاً اسکا وہاں گذر ہو گیا اس نے یہ سب بیان امیر معاویہ سے کیا اور انہوں نے تصدیق کی۔
اسیطرح وما انزل علے الملکین ببابل ہاروت وماروت کی تفسیر میں ایک روایت تراشی ہے کہ بابل شہر میں ایک بڑا عمیق کنواں ہے اسمیں وہ دو فرشتے جنکا نام ہاروت و ماروت ہے

---

[1] یہ بھی کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ شیطان کا لقب یا نام حارث تھا اور اگر ہوتا بھی تو علم آدم الاسماء کلہا کے بموجب حضرت آدم کو بھی معلوم ہوتا پھر آدم ایکبار تو اس کے کہنے پر عمل کر نیکا خمیازہ اٹھا چکے تھے بار دگر اسکی عبدیت پر نام کیسے رکھتے اور حضرت آدم کے کسی بیٹے کا نام بھی عبد الحارث نہیں ۱۲ منہ

لٹک رہے ہیں کیونکہ وہ زہرہ فاحشہ پر عاشق ہوگئے تھے اور اس سے زہرہ نے وہ سحر
جسکی تعلیم کے لئے وہ بھیجے گئے تھے سیکھہ لیا تھا جس سے وہ تو آسمان پر اوڑکر چلی گئی
(یہ زہرہ ستارہ وہی ہے) اور یہ دونوں اسمیں الٹے ٹکائے گئے۔ ان کی زبان نکلی
ہوئی ہے تمام دنیا کا دہواں جمع ہوکر ان کے پاس ایذا دینے جایا کرتا ہے۔ اسیطرح
جہاں قرآن میں خدا نے زمین کے پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے وہاں ایک یہ روایت
بھی تراش لی ہے کہ زمین ایک بیل کے سر پر ہے جب اسکو کوئی مچھر کاٹتا ہے تو وہ
سنیگ ہلاتا ہے جس سے زمین پر زلزلہ آتا ہے۔ اسیطرح جہاں یاجوج ماجوج کا قرآن
میں ذکر آیا ہے وہاں ان کے اوصاف میں یہ روایات بھی پیش کیجاتی ہیں کہ وہ ایک
مردم خور قوم ہے کسیکا قد تو تاڑ کے برابر ہے اور کسیکا ایک بالشت یا دو بالشت کے
برابر پہر ان کے اتنے لمبے چوڑے کان ہیں کہ ایک کو بچھا کر اور دوسرے کو اوڑھکر
سویا کرتے ہیں۔ اسیطرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں جہاں عوج کا ذکر آتا ہے
تو بیان کرتے ہیں کہ اوسکا قد اسقدر بلند تھا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں طوفان
آیا تھا اور بڑے بڑے پہاڑ پانیوں میں ڈوب گئے تھے تو عوج کے گھٹنوں سے
زیادہ وہ کہیں بھی پانی نہ تھا۔ اور حضرت موسیٰ کا تیس[۳۰] گز کا قد تھا اور تیس[۳۰] ہی گز کا ان کے
ہاتھ میں عصا رہتا تھا اور تیس[۳۰] ہی گز انہوں نے کود کر وہ عصا عوج کے مارا تو
اسکے ٹخنے تک پہونچا تھا۔ اسیطرح اس آیت کی تفسیر میں لو اطلعت علیہم لولیت منہم
فراراً ولملئت منہم رعبا ○ یہ روایت گھڑلی ہے کہ غیب سے ایک چادر آئی اسکے
چاروں کونوں پر چاروں خلفاء اور بیچمیں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے
اور فرشتے اسکو اصحاب کہف تک لیگئے آنحضرت صلعم اور خلفاء کو ان کی شکل مہیب
دیکھکر ڈر لگا اور فی الفور واپس آئے۔ اسیطرح سورہ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام
کے حال میں جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ ہل اتاک نبؤا الخصم الخ یہودیوں کی کتاب

سموئیل سے لیکر یہ بیان کر دیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاکی بیوی بنت سبع کو
برہنہ نہاتے دیکھا اوسپر عاشق ہو گئے فریب سے اوسکے خاوند کو مروا ڈالا اسکو اپنے
گھر میں لائے داہل کتاب کی الہامی کتاب کہتی ہے کہ بلاکر اوس سے زنا کیا پہر بصورت
متخاصمین دو فرشتہ داؤد کو تنبیہ کرنے آئے جسپر وہ تائب و مستغفر ہوئے جس سے خدا نے
ان کے قصور کو معاف کر دیا۔ حالانکہ سباق و سیاق اسکے برخلاف ہے کیونکہ اول میں
حضرت داؤد علیہ السلام کی مدح کیگئی ہے کہ انہ اواب واتیناہ الحکمۃ و فصل الخطاب - و
شددنا ملکہ اور اس واقعہ کے بعد یا داود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض بہی آیا ہے۔ پہر
بیچمیں داؤد علیہ السلام کی یہ تفضیح بیان ہو؟ اور وہ حضرت کو سُنائی جائے۔ بلکہ بات یہ ہے
کہ کفار قریش نے آنحضرت صلعم کو ساحر کذاب۔ وغیرہ دشناموں سے مخاطب کیا تہا
جسپر آنحضرت صلعم کو ملال پیدا ہونا اقتضاء انسانیت تہا۔ اسپر آنحضرت کو داؤد کے
واقعہ سے اطمینان دلایا جاتا ہے کہ انکو دینی و دنیاوی یہ خوبیاں عطا ہوئیں تہیں۔
اور وہ ایک زبردست بادشاہ بہی تہے۔ ان کے پاس وہ معمولی چڑوا ہے خلاف وقت
بلا اجازت اپنے اصلی تنازع کے فیصلہ کے لئے دیوار پہاندکر چلے گئے تہے اور جاکر
کلام بہی گستاخانہ اور جاہلانہ انداز پر کیا تہا۔ کہ ڈرہنیں ظلم نکرنا۔ اس میں ہماری طرف سے
داؤد کی حلم و انصاف کی آزمائش تہی داؤد کے دلمیں قدرے ملال و غصہ پیدا ہونا بشریت کا
تقاضا تہا مگر داود بہی اس رمز کو سمجہ گئے انکا باقاعدہ انصاف کر دیا اور دلی جوش و غصہ
کو خلاف منصب سمجہکر معافی کے لئے سجدے میں گر پڑے جسپر خدا نے انکی وہ ذرا سی
بات بہی معاف کر دی اور خلافت کا تاج سر پر رکہدیا آنحضرت صلعم کیطرف اشارہ ہے
کہ آپ بہی صبر کیا کریں۔ اور ان دو متخاصمونکا واقعی تنازع یہ تہا کہ ایک نے دوسرے کو
اس شرط پر چرواہا بنایا تہا کہ اگر ننلو دنبیاں ہو جائیں گی تو حق الخدمت تجہے ایک دیدونگا
جب موقع آیا تو جسکو حق الخدمت میں دنبی دی تہی چہین لی اور گالیاں بہی دیں۔

قاضی عیاض نے لکھا ہو کہ ایک قصہ گو واعظ اس مخش قصہ کو بیان کر رہا تھا۔ حضرت علی کا عہد خلافت تھا آپ نے اس جرم میں اسپر درے مارنے کا حکم دیا اور بھی اس قسم کی غلط فہمیاں ہیں *

راویوں نے جہاں کہیں کوئی مجمل ذکر آیا ہے جیسا کہ معراج میں براق کا یا کسی فرشتہ کا یا کسی بادشاہ کا تو وہاں انکا نوٹو کھینچ دیا ہے کہ انکی ایسی صورت اور ایسا قد اور ایسی طاقت تھی اور سب کو اعجوبہ ہی کر کے بیان کیا ہے نہ معلوم یہ باتیں ان حضرات کو کہاں سے معلوم ہو گئیں تھیں۔ مگر سب کو حضرات صحابہ و نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیا ہے اور قصہ گو واعظوں نے اور انکے تعلیم یافتہ شاعروں نے تو غضب ہی ڈھا دیا ہے کسی ایک بزرگ کا حال بیان کرنے بیٹھے ہیں تو ان کی روزمرہ کی معمولی باتوں کو بھی۔ اور انسانوں جیسی نہیں افلاک پر پہونچا دیا ہے وہ مصالح لگاتے ہیں کہ جس سے جاہل سننے والے دنگ ہو جاتے ہیں *

موضوع اس علم تفسیر کا قرآن مجید ہے اس لحاظ سے کہ اسکے مطالب و مقاصد بیان کیے جائیں علوم مدونہ کا ایک دوسرے سے امتیاز بسبب موضوع کے ہوا کرتا ہے مثلاً طب اور علم ہے صرف نحو دوسرا علم ہے اسلئے کہ طب کا موضوع بدن انسان ہے اسمیں اسیکے حالات صحت و مرض سے بحث کیجاتی ہے۔ صرف و نحو کا موضوع کلمہ و کلام ہے۔ موضوع علم وہ ہوتا ہے کہ جسکے حالات سے بحث ہوتی ہے اور حالات ذاتیہ ہوں نہ غریبہ۔ کیونکہ جو حالات خود موضوع کو عارض ہوں یا اس کے اجزا کو یا اسکے مساوی کو وہ سب حالات ذاتیہ ہیں موضوع کی ذات ہی کیطرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور جو کسی خاص من وجہ یا عام من وجہ یا مباین کے ذریعہ سے عارض ہوں تو وہ غریبہ ہیں ان سے بحث نہیں ہوا کرتی۔

مبادی۔ اس علم کے یعنے وہ علوم کہ جن کی اس علم میں حاجت پڑتی ہے وہ علوم ہیں کہ جنکا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے۔

غرض اس علم سے تحصیل سعادت اور اجتناب شقاوت ہے *

(طبقات مفسرین)

طبقہ اولیٰ میں حضرات صحابہ واہل بیت کرام ہیں۔ اور سب سے اول مفسر خود حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ بحکم لتبین للناس وقتاً فوقتاً صحابہ کو قرآن کے علوم اور معانی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور ایسا ہونا ہی چاہیئے کسلیئے کہ ہر کلام کو پورا پورا متکلم یا مخاطب ہی سمجھتا ہے +

سوال جب قرآن کی مدح خود قرآن میں ہے کہ وہ بلسان عربی مبین ہے اور نہایت درجہ کی فصاحت و بلاغت رکھتا ہے اور جمیع اقوام بنی آدم کے لئے بھیجا گیا ہے تو اسکی تفسیر کی کیا ضرورت ؟ ہر ایک زبان داں سمجھ سکتا ہے کیونکہ نہ اسمیں کوئی معانی اغلاق

جواب یہ سب درست اور بجا ہے مگر جب کلام بڑے وسیع پیمانہ پر صادر ہوا کرتا ہے اور بے شمار مطالب کو محدود فقروں میں ادا کیا جاتا ہے۔ غیر محسوس اشیاء کے حالات کا آئینہ سامنے رکھا جاتا ہے احکام کو اس اسلوب سے بیان کیا جاتا ہے کہ موجودہ ضرورتوں کو بھی کافی ہوں اور آیندہ بھی ان میں غور و فکر کرکے انہیں کے علل و اسباب سے نئی ضرورتوں کے احکام بھی برآمد ہو سکتے ہوں تو پھر کلام میں استعارہ بھی ہوتا ہے مجاز بھی بعض امور کو مبہم و مجمل بھی چھوڑ دیا جاتا ہے ورنہ شاخ در شاخ کلام کہیں سے کہیں پہونچ جائے پھر ان سب مضامین کی تہ تک پہونچنے کے لئے ہر زبان داں کا دماغ اور فہم یکساں نہیں لامحالا انکے لئے تفسیر و توضیح کی ضرورت پڑتی ہے۔

ہر چند صحابہ میں آپ کے فیض صحبت سے یہ قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ امور کے غوامض کو سمجھ اور سمجھا سکتے تھے مگر ان میں بھی اذہان متفاوت اور قابلیتیں گوناگوں تھیں اس سے ان میں سے یہ دس اشخاص اس فن میں منتخب سمجھے گئے تھے۔

خلفاء اربعہ - ابن مسعودؓ - ابن عباسؓ - ابی بن کعبؓ - زید بن ثابتؓ عبد اللہ بن زبیرؓ - پھر ان سب میں سے یہ دو شخص حضرت امیر المومنین علی بن طالب اور عبد اللہ ابن عباس تو اس فن کے امام ہی تھے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں اے مسلمانو تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ - دوئم اپنی عترت جو اس کتاب اللہ کی محافظ ہے۔ شاید اس حدیث میں انہیں دونوں کیطرف اشارہ ہو کیونکہ یہ بھی عترت میں داخل ہیں +

سوال۔ یہ لوگ مبادی علم تفسیر یعنے ان علوم سے کہ جنکا جاننا مفسر کے لئے ضروری بتلایا گیا ہے واقف نہ تھے پھر یہ کیونکر مفسر کامل اور امام مانے گئے +

جواب۔ وہ ان علوم سے خالی نہ تھے بلکہ مالامال تھے منقولات اور زبان عربی کے متعلق جسقدر علوم ہیں اون سب کا خزانہ ان کے سینوں میں مجتمع تھا انہیں سینوں سے نکلکر کتابوں میں جمع ہوا ہے نہ کہ کتابوں سے ان کے سینوں میں جمع ہوا تھا اور علوم کے حقیقی مالک بھی وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جنکے سینوں سے نکلکر سفینوں تک علوم پہونچتے ہیں۔ بھلا ایک وہ فصیح و بلیغ جو اپنی مادری زبان کا مالک ہو اور عروض و قوافی کا بھی اسکو قدرتی ملکہ ہو کیا وہ اوس زبان کی صرف نحو۔ معانی و بیان۔ عروض و قوافی لغت وغیرہ کے پڑھنے کا محتاج ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ان فنون میں کتابیں بنانے والے انہیں کے محتاج ہیں +

ف حضرت ابوبکر کی وفات ۱۳ھ ہجری میں اور حضرت عمر کی ۲۳ھ ہجری میں ہوئی۔ ابولولو مجوسی نے عین نماز میں خنجر سے شہید کیا تھا۔ حضرت عثمان ۸ ذی الحجہ ۳۵ھ ہجری میں باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے یہ سب مدینہ میں مدفون ہیں۔ حضرت علی ایک خارجی کے ہاتھ ۴۰ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ کوفہ میں دفن کیئے گئے۔ ان کے چودہ فرزند تھے جنمیں سے پانچ کی نسل باقی ہے۔ حسن حسین محمد بن حنیفہ۔ عباس۔ عمر۔ عبد اللہ بن زبیر ۷۳ھ ہجری میں حجاج کے لشکر سے شہید ہوئے۔ ۱۲ منہ

مذکورہ بالا مفسرین کی تفسیر کا ذخیرہ بھی احادیث وفقہ وکلام کے ذخائر کیطرح ان کے وسیع سینوں میں بترتیب جمع تہا لکھا نہ گیا تہا نہ کوئی باقاعدہ کتاب بنی تہی۔ بعض لوگونکا گمان ہے کہ ایسے علوم کی حضرت علی کے پاس کوئی کتاب تہی جو متوارث ہوکر امام زین العابدینؓ اور انکی اولاد ائمہ اطہار تک پہونچتی رہی ہے جسمیں آئندہ آنے والے واقعات پر مطلع ہونے کا بھی علم تہا۔

لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ حضرت علی اور بعض ائمہ اطہار کے اقوال سے تو اسکی نفی ثابت ہوتی ہے۔ ان کے پاس کتاب اللہ ہی وہ کتاب تہی جس سے وہ اپنے فہم خداداد سے سب علوم پیدا کر لیتے تہے۔ کوفہ میں منبر پر حضرت علی نے ایکبار فرمایا کہ جسکا جو دل چاہے مجھ سے پوچھے میں ابھی جواب دینے کو تیار ہوں۔ بلکہ ائمہ اطہار کیطرف بعض خود غرضوں نے یہ بھی اتہام لگایا تہا کیونکہ وہ ان کے نام سے بہت سی غلط باتیں مشہور کر کے ایک نیا فرقہ بنا کر اسکے پیشوا بننے کا شوق رکھتے تہے اور جب کوئی ان غلط باتوں کا ان سے مطالبہ کرتا تہا تو اس فرضی کتاب کا حوالہ دیدیا کرتے تہے۔ اسپر اور بھی حاشیہ چڑھا رکہے تہے کہ خلفاء بنی امیہ و بنی العباس کے خوف سے اس کتاب کو ائمہ پوشیدہ رکھتے تہے۔ ایسے افسانے شیعوں کے فرقوں میں بہت کچھ مشہور ہیں ❖

البتہ عبداللہ بن عباس کی تفسیرات کا مجموعہ **علی بن ابی طلحہ** ہاشمی کی روایات سے مصر میں رہتا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ مصر میں **ابی صالح** کاتب **لیث محدث** کے پاس تہا جسکو وہ معاویہ بن ابی صالح سے اور وہ علی بن ابی طلحہ سے اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے تہے۔ **ابو جعفر نحاس** اپنی کتاب ناسخ میں اوسی سے روایت لیتے ہیں۔ امام بخاری نے جو اپنی کتاب میں بطور تعلیق کے ابن عباس کے اقوال درج کیئے ہیں بیشتر ابی صالح کی روایت سے لئے ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم و ابن المنذر بھی

اپنی تفاسیر میں کئی واسطے سے ابی صالح کے سلسلہ سے ابن عباس سے روایت کرتے ہیں **بعض محققین** نے کہا ہے کہ ابی صالح کے شیخ الشیخ علی بن ابی طلحہ نے خود ابن عباس سے تفسیر کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا تھا۔ بلکہ ابن عباس اور ان کے بیچ میں مجاہد یا سعید بن جبیر کا واسطہ تھا۔ **علامہ ابن حجر** نے اسکے جواب میں یہ کہا ہے کہ جب وہ واسطہ یعنی مجاہد اور سعید بن جبیر ثقہ اور معتبر ہیں تب بھی اس روایت میں کوئی بھی قباحت نہیں۔ **خلیلی** اپنی کتاب ارشاد میں کہتے ہیں کہ ابی صالح کے شیخ معاویہ بن ابی صالح قاضی اندلس کی روایت کو جو وہ اپنے شیخ علی بن ابی طلحہ سے اور وہ ابن عباس سے کرتے ہیں بڑے بڑے مستند محدثوں نے معتبر جانا اور قبول کیا ہے باوجودیکہ حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے خود ابن عباس سے کچھ نہیں سنا ہے بلکہ ان کے شاگردوں سے مگر یہ جو بڑی لمبی چوڑی روایاتیں ابن عباس کیطرف منسوب کیجاتی ہیں سب خرافات ہیں اور ان کے راوی مجہول الحال ہیں جیسا کہ جویبر ضحاک سے اور وہ ابن عباس سے روایت کیا کرتے ہیں اسیطرح ابن جریج کے سلسلہ سے بھی بہت سی روایات تفسیر کے متعلق ابن عباس سے کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بکر بن سہیل دمیاطی عبدالغنی بن سعید سے اور وہ موسے بن محمد سے اور وہ ابن جریج سے روایت کیا کرتے ہیں یہ سب سلسلہ مخدوش ہیں ہاں ابن جریج سے محمد بن ثور اور حجاج بن محمد کی روایت البتہ معتبر ہے علی بن ابی طلحہ کے سوا اور لوگ بھی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں جنمیں بعض سلسلہ صحیح اور معتبر ہیں اور بعض غیر معتبر ہیں اور بعض بالکل لغو اور لچر ہیں +

طبقہ ثانیہ تابعین کا ہے یعنے انہیں صحابہ کے شاگردوں کا۔ ابن عباس کے شاگرد بیشتر اہل مکہ ہیں اسیلئے کہا جاتا تھا کہ اہل مکہ کی تفسیر معتبر ہے ان میں سے یہ لوگ زیادہ مشہور ہیں **مجاہد۔ عطاء بن ابی رباح۔ عکرمہ** ۔ غلام ابن عباس **طاؤس۔ سعید بن جبیر** وغیرہ۔ ابی بن کعب کی تفاسیر کو ابوالعالیہ روایت کرتے تھے

البتہ ربیع بن انس روایت کیا کرتے تھے ان کے شاگرد ابو جعفر رازی تھے - یہ سلسلہ معتبر مانا گیا ہے اسی سلسلہ سے ابن جریر و احمد بن حنبل و حاکم و ابن ابی حاتم روایت کرتے تھے -

ف منقولات میں وہی روایات قابل اعتبار ہیں جو کتب حدیث بالخصوص صحاح ستہ خاصکر صحیح بخاری میں منقول ہیں +

اسیطرح کوفہ میں عبداللہ بن مسعود کے شاگرد اور مدینہ میں بھی بہت لوگ صحابہ کے شاگرد مفسر تھے - اس کے مشاہیر یہ ہیں حسن بصری - عطا ابن ابی سلمہ خراسانی - محمد بن کعب قرظی - ابو العالیہ - ضحاک بن مزاحم - عطیہ عوفی - قتادہ - زید بن اسلم - مرہ ہمدانی - ابو مالک اور ان سے کسیقدر کم - ربیع بن انس - عبدالرحمن بن زید بن اسلم یہ لوگ علم تفسیر کے امام تھے یہ جو کچھ فرماتے تھے اسکو انہوں نے صحابہ سے سنا تھا +

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو صحابہ و تابعین کے اقوال روایت کرتے تھے یعنی تبع تابعین اس طبقہ میں تفاسیر کا تصنیف ہونا شروع ہو گیا تھا چنانچہ بہت تفسیریں لکھی گئی تھیں - جیسا کہ تفسیر سفیان بن عیینہ و تفسیر وکیع بن الجراح و تفسیر شعبہ بن الحجاج و تفسیر یزید بن ہارون و تفسیر عبدالرزاق و تفسیر آدم بن ابی ایاس و تفسیر اسحاق بن راہویہ و تفسیر روح بن عبادہ و تفسیر عبد بن حمید و تفسیر سعید - و تفسیر ابو بکر بن شیبہ وغیرہ اسی طبقہ میں ابن جریج و سدی و مقاتل بن سلیمان و کلبی و ابن قتیبہ ابو محمد بن عبدالعد بن مسلم دینوری مصنف مشکل القران و آداب القراۃ و غریب القرآن و اسحاق بن راہویہ ابو حاتم سجستانی کے شاگرد تھے ان کی وفات ۲۷۶ھ میں ہوئی - ان سب کی تفاسیر ہیں مگر رطب و یابس سے خالی نہیں مقاتل کو بعض نے شیعی بتایا ہے -

ف ابو العالیہ ریاحی کا ۹۰ھ میں انتقال ہوا ہے ریاح بنی تمیم کا ایک قبیلہ ہے ابی بن کعب کے شاگرد تھے محمد بن کعب قرظی بنی قریظہ یہود مدینہ میں سے تھے انکا انتقال شہر مدینہ میں ۱۲۰ھ ایک سو بیس میں ہوا - ضحاک ہلالی بنی عبد مناف میں سے قبیلہ ہلال

یں سے تھے انکا انتقال ۱۰۱؁ ایک سو ایک میں ہوا۔ مقاتل بن سلیمان ازدی مروزی یعنے مرو میں رہتے تھے زنسبت میں زیادہ کردیجاتی ہے۔ ان کی کنیت ابو الحسن ہے انکا انتقال ۱۵۰؁ میں ہوا قتادہ بن دعامہ سدوسی اپنے جد سدوس کیطرف منسوب ہیں انکا انتقال ۱۱۷؁ میں ہوا ہے۔

ف ۳۲ سدی کا نام اسماعیل عبدالرحمن کے بیٹے شعبہ و سفیان ثوری کے شاگرد تھے سدہ چبوترہ کو کہتے ہیں یہہ جامع مسجد کوفہ کے ایک چبوترے پر بیٹہا کرتے تھے اسلیے سدی مشہور ہوگئے تفسیر و حدیث کے امام تھے انکا انتقال ۱۲۷؁ میں ہوا۔ کلبی قبیلہ کلب بن وبرہ کیطرف منسوب ہیں جو قبیلہ قضاعہ کی شاخ ہے ان کا نام ابو النصر محمد بن سائب کوفی ہے سفیان ثوری و محمد بن اسحاق کے شاگرد ہیں ۱۴۶؁ میں وفات پائی۔

ابو بکر بن شیبہ کا نام عثمان ہے انکی تصانیف میں سے فضائل القرآن۔ اور ایک حدیث کی کتاب جسکو مسند ابن شیبہ کہتے ہیں مشہور ہے ۲۲۰؁ میں وفات پائی۔

چوتھے طبقہ کے مشاہیر میں سے ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہیں ان کی تفسیر کی جلال سیوطی نے بہت مدح کی ہے۔ لیکن ضحاک کے اقوال و تفاسیر جو بذریعہ بشر بن عمارہ آئیں درج ہیں وہ غیر معتبر ہیں کسلیئے کہ بشر کو حفاظ نے ضعیف کہا ہے جیساکہ طبقہ ثالثہ میں کلبی اور مقاتل بن سلیمان کو مجروح سمجہا گیا ہے اور ان کی تفسیروں کو بھی غیر معتبر سمجہا ہے۔ شیعہ اور فرقہ کرامیہ میں بھی ایک شخص ابن جریر طبری ہے شیعہ کبھی اس نام سے دہوکا دیدیا کرتے ہیں۔ ابن جریر کی تفسیر مصر میں طبع ہو گئی ہے بڑی کتاب کئی جلدوں میں ہے۔ انکی وفات ۳۱۰؁ میں ہے ابو القاسم ابراہیم ابن اسحاق انماطی متوفی ۳۰۳؁ مشہور مفسر ہیں۔ جنکا انتقال ۳۰۳؁ میں ہے۔ انماطی نمط کیطرف منسوب ہیں نمط قالین کو کہتے ہیں۔ قالین بنایا کرتے تھے۔ عبدالرحمن بن ابی حاتم متوفی ۳۰۵؁ جنکی یہہ تصانیف ہیں تفسیر جسکا نام شفاء الصدور ہے و کتاب الاشارات

جسمیں الفاظ قرآن کے معنی کی تشریح ہے۔ ابواب القرآن ۔ موضح معانی القرآن انکی وفات ۳۵۱ھ میں ہے اور ابن ماجہ اور حاکم اور ابن حبان اور ابن مردویہ اور ابو الشیخ اور ابن المنذر وغیرہ بھی اسی طبقہ میں داخل ہیں اسی طبقہ میں ابو حنیفہ احمد بن داؤد نحوی دینوری متوفی ۲۹۰ھ ہیں ان کی بھی ایک تفسیر ہے ابو حنیفہ بھی بہت سے گذرے ہیں انہیں ایک مرجیہ مذہب کا بھی تھا جس کی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی مذمت فرماتے ہیں عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے شیعہ وغیرہ اسکو امام ابو حنیفہ قرار دیدیا کرتے ہیں ۔ ان کی تفاسیر میں بھی رطب و یابس ہے ۔ ابو الشیخ ابن مردویہ ابن حبان اپنی تفاسیر میں ضحاک کی اکثر روایت جو ابن عباس کی طرف منسوب ہیں جویبر کے واسطہ سے ہوتی ہیں اور یہ شخص محدثین کے نزدیک کذاب قابلِ اطمینان نہیں ۔

پانچویں طبقہ میں تو بے شمار لوگ ہیں یہ لوگ اسناد کو حذف کر کے صحابہ و تابعین کیطرف اقوال منسوب کر دیتے ہیں کہ ابن عباس نے یوں فرمایا مجاہد نے یہ کہا ابو العالیہ کا یہ قول ہے ۔ اسمیں بہت سے حوالے بے اصل بھی ہوتے ہیں پھر ان کے بعد والے ان کے قول پر اعتماد کر کے ان اقوال کو انہیں ائمہ تفسیر کا قول سمجھ بیٹھے ہیں اور بڑی غلطی میں پڑ جاتے ہیں اس طبقہ میں یہ لوگ ہیں ابو عبد الرحمن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری ان کی تفسیر میں بہت کچھ خرافات ہے ۔ ان کا ۴۱۲ھ میں انتقال ہوا ہے ابو اسحاق احمد ثعلبی جنکی بڑی تفسیر ہے یہ بھی نیشاپوری ہیں ثعلب روباہ یعنی لومڑی کو کہتے ہیں یہ اس کی کھال کا پوستین بنایا کرتے تھے اسلئے ثعلبی مشہور ہوگئے انکا انتقال ۴۲۷ھ میں ہوا ہے ۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اشیعی اپنی تفسیر درر غرر میں ان کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن موسیٰ بتاتے ہیں اور ان کو شیعی کہتے ہیں ۔ ان کی تفسیر میں بہت کچھ جھوٹے قصہ اور غلط روایات ہیں

اہل سنت کے مقابلہ میں شیعی لوگ اکثر اسی تفسیر سے نقل کیا کرتے ہیں ابو محمد عبد اللہ
جوینی امام الحرمین کے والد جوین بصیغہ تصغیر نیشاپور کے متعلق ایک ضلع کا نام ہے
انکی تفسیر کا نام کبیر ہے انکا انتقال ۴۳۸ھ میں ہے ابو القاسم عبد الکریم قشیری
جنکی تفسیر کا نام تیسیر ہے یہ بڑے با اثر واعظ تھے انکا انتقال ۴۶۵ھ میں ہو ابو الحسن
احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ یہ بھی نیشاپوری ہیں - انکی تین تفسیریں ہیں صغیر بسیط
کبیر پھر ان تینوں کو جمع کر کے انکا نام حاوی رکھا ہے - اکثر لوگ تفسیر نیشاپوری کا حوالہ
دیدیا کرتے ہیں حالانکہ وہ نیشاپوری جن کی تفاسیر ہیں کئی شخص ہیں بعض کے نام تو
آپ کو معلوم ہو گئے اور ایک تفسیر نیشاپوری علامہ حسن بن محمد بن حسین مشہور بنظام
نیشاپوری کی تین جلدیں ہے جو دولت آباد (دکن) میں ۸۰۲ھ میں تصنیف کی
گئی ہے اور یہ شخص ساتویں بلکہ آٹھویں طبقہ کے مفسرین میں سے ہے نیشاپور مشہد
کے متصل ایک قدیم شہر اجاڑ پڑا ہوا ہے جسکی ابادی بہت کم ہے اور اب نیشاپور
مشہد کو سمجھنا چاہیئے ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ کی
تفسیر التیسیر ہے +

چھٹے طبقہ میں وہ متاخرین ہیں جو چھٹی صدی میں گزرے ہیں - اس طبقہ میں
یہ بات پیدا ہو گئی تھی کہ ہر شخص قرآن کی تفسیر اپنے مذاق پر
کرنے لگا تھا صرفی نحوی صرف و نحو کیطرف متوجہ ہوا ہے متکلم ادنی مناسبت سے
مسائل فلسفہ کا ذکر کر کے ان کے رد کے درپے ہوتا ہے فقیہ اپنے مذہب کی تائید
کرنے کے لئے آیات کو اسیطرف کھینچتا ہے صوفی آیات کو اپنے ہی مذاق پر لئے
جاتا ہے - محدث ضرورت بے ضرورت روایات اور اقوال ہی کا ڈھیر لگائے دیتا ہے
اور روایت کش بہت سے افسانے اور بے اصل روایات سے قرآن کو اپنے دلپسند
رنگ میں رنگ رہا ہے مگر اصلی فرائض سے جو مفسر کے ہیں غفلت ہے اس طبقہ میں

یہ لوگ ہیں ابوالقاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی متوفی ۵۳۵ھ کی تفسیر الجامع تیس جلدوں میں ہے۔ ابوالقاسم حسین بن راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ۔ انکی ایک تفسیر ہے اور ایک کتاب احتجاج القرآن۔ مفردات قرآن کے بیان میں بھی ہے۔ ان کے بعد کے سب مفسروں کا اس بات میں انہیں کی تحقیقات پر مدار ہے ابوحامد محمد بن محمد غزالی ملقب بزین الدین متوفی ۵۰۵ھ غزالہ شہر طوس کے قریب ایک گاؤں ہے۔ جواہر القرآن۔ یاقوت التاویل انہیں امام غزالی کی تصنیف سے ہیں۔ ایک شخص محمود غزالی بھی ہے جو شیعی تھا۔ بعض کہتے ہیں معتزلی تھا۔ صرف غزالی کہہ کر بعض لوگ اہل سنت کو دھوکا دیدیا کرتے ہیں۔ ابومحمد حسین بن محمود بغوی متوفی ۵۱۶ھ یہ بغشور کیطرف منسوب ہیں۔ جو خراسان میں ایک شہر ہے اور انکو فرا بھی کہتے ہیں فرا پوستین۔ یہ پوستین بنایا کرتے تھے۔ انکی تفسیر کا نام معالم التنزیل ہے اور وہ متداول کتاب ہے۔

گرچہ بطرز محدثین ہے لیکن بہت سے غلط قصے بھی اسمیں جمع کردیئے ہیں۔ خازن نے اسکو ملخص کیا ہے ابن برجان ابوالحکم عبدالسلام بن عبدالرحمن تفسیر ارشاد کے مصنف جو ارباب حال کے روش پر رہے ۵۳۶ھ میں مراکش میں انکا انتقال ہوا۔ ابوالحسن علی بن عراق بن محمد بن علی حنفی خوارزمی متوفی ۵۳۹ھ ان کی بھی ایک تفسیر ہے جس کو تفسیر خوارزمی کہتے ہیں ابوجعفر محمد بن حسن بن علی طوسی شیعہ کے امام و مجتہد متوفی ۴۶۱ھ انکی تفسیر مجمع البیان ہے۔

ابوالقاسم محمد بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ زمخشر اضلاع خوارزم میں سے ایک گاؤں ہے یہ ترک وطن کرکے مکہ معظمہ میں آرہے تھے اسلیئے ان کو جار اللہ کہتے ہیں یعنی خدا کے گھر کے پڑوسی۔ ان کی تفسیر کشاف کئی جلد میں ہے۔ اسمیں کچھ بھی شبہ نہیں کہ فنون عربیت میں یہ کتاب بے مثل ہے اور ان کے بعد والے ان فنون میں انہیں کا اتباع کرتے ہیں یہ حنفی تھے مگر اعتزال کیطرف مائل تھے +

ساتویں طبقے میں

یہ لوگ ہیں امام رازی ابو عبداللہ محمد فخر الدین متوفی سنہ ۶۰۶ یہ رے کے رہنے والے تھے جو عراق عجم کا ایک پرانا شہر ہے رے کے رہنے والیکو زبڑھا کر رازی کہا کرتے ہیں۔ یہ عجب مردم خیز خطہ ہے بڑے بڑے اہل فضل و کمال یہاں سے اٹھے ہیں سب کو رازی کہا جاتا ہے جیسا محمد بن ابوبکر رازی حنفی جو ایک بڑا مستند امام ہو گزرا ہے فخر رازی اپنی تفسیر میں کہیں کہیں ان کے مسائل پر نکتہ چینی بھی کیا کرتے ہیں کیونکہ یہ شافعی ہیں۔ ان کی تفسیر کئی جلدوں میں ہے۔ اس کا نام مفاتیح الغیب ہے مشہور نام تفسیر کبیر ہے امام صاحب فن کلام کے امام تھے گرچہ اپنی تفسیر میں کوئی بات چھوڑی نہیں مگر فلسفہ قدیم کے رد میں مقصد سے دور نکل جاتے ہیں اس بات سے بعض نکتہ چینوں کو اسقدر کہنے کا موقع مل گیا۔ کہ فیہ کل شئی الا التفسیر کہ اسمیں ہر چیز ہے مگر تفسیر نہیں۔ عبداللہ بن ابی جعفر رازی کی بھی ایک تفسیر ہے جسکا نام ضیاء القلوب ہے اسکو بھی تفسیر رازی کہتے ہیں محمد بن ابی بکر رازی متوفی سنہ ۶۰۶ یہ وہی بزرگ ہیں جنکا ہمنے ذکر کیا تھا۔ ان کی لغات قرآن میں ایک کتاب ہے۔[1] زاہدی نجم الدین ابو عمر و محمود اپنے کسی بزرگ زاہد کیطرف منسوب ہیں ان کی تفسیر زاہدی کے نام سے مشہور ہے سنہ ۶۵۸ میں وفات پائی ہے۔ ابو محمد روزبہان بقلی شیرازی متوفی سنہ ۶۰۶ انکی ایک تفسیر کئی جلدوں میں بطرز صوفیہ ہے اسکا نام عرائس البیان ہے۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری متوفی سنہ ۶۷۱ قرطبی مالکی انکی تفسیر کا نام جامع احکام القرآن ہے جسکو تفسیر قرطبی کہتے ہیں وہ یہی ہے موفق الدین احمد بن یوسف موصلی سیبانی متوفی سنہ ۶۸۰ انکی تفسیر کواشی دو ہیں خرد کو تلخیص کلاں کو تبصرہ کہتے ہیں قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی سنہ ۶۸۵ کی تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل مشہور بتفسیر بیضاوی مشہور و متداول تفسیر دو جلدوں میں ہے منقولات میں کم رتبہ ہے فضائل سور میں ضعیف و موضوع احادیث بھی لائے ہیں۔

---

[1] اس نام کی فارسی میں بھی ایک تفسیر ہے جو معمولی مرتبہ سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی ۱۲ منہ